MEMBER APNS CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ------ 700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ------ 6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 7000 روپے

مستقل سلسلے

اپریل 2017

جلد 40 شمارہ 1

قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مُدیرہ

روشنی، امید اور خوشی کرن کے ساتھ ان ہی چیزوں کا تصور وابستہ ہے اور کوشش ہوتی ہے کہ کرن کے لیے ہمارا انتخاب آپ کے لیے روشنی، امید اور خوشی کا پیغام لے کر آئے۔

ہم اپنے مصنفین سے بھی درخواست کرتے ہیں خصوصاً نئی لکھنے والی مصنفین سے کہ وہ اپنی کہانیوں میں زندگی کا روشن پہلو دکھائیں اور جس موضوع پر لکھنا چاہ رہی ہوں اس کے مثبت پہلو پر زیادہ توجہ رکھیں۔ حقیقت نگاری کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن زندگی میں خواب بھی ہونے چاہئیں۔ جو خواب دیکھتے ہیں وہی تعبیر بھی تلاش کرتے ہیں۔ وہ حقیقت نگاری جو انسان کو زندگی سے مایوس کر دے، بے عملی اور کفر کی طرف لے جاتی ہے۔

پچھلا شمارہ سالگرہ نمبر تھا۔ قارئین نے اسے سراہا، فون کر کے پسندیدگی کا اظہار کیا اور ہمیں خط لکھے۔ ہم اس حوصلہ افزائی کے لیے آپ کے ممنون ہیں۔

ہمیں اپنی قارئین سے ایک شکوہ ہے کہ وہ ہمیں خط لکھتی ہیں تو تفصیلاً اپنی رائے کا اظہار نہیں کرتیں۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ کرن میں آپ کو کون سی تحریریں زیادہ پسند آئیں اور کس تحریر میں آپ کو کمی محسوس ہوئی۔
ایک اور بات آپ سے کہنا چاہتے ہیں کہ کرن کے سلسلے ہم نے قارئین کی شرکت کے لیے شروع کیے ہیں۔ آپ کرن کے سلسلوں کے لیے ہمیں نئی اور اچھی تحریروں کا انتخاب کر کے بھجوائیں۔

اس شمارے میں،

- اداکار "عاصم محمود" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں شگفتہ یاسمین،
- اداکارہ عیشا نور کہتی ہیں "میری بھی سنیے"
- اس ماہ تسنیم شریف کے مقابل ہے آئینہ،
- "من موہ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا سلسلے وار ناول،
- تنزیلہ ریاض کا سلسلے وار ناول "راپنزل"
- مہجور نشیمن" مصباح علی کا مکمل ناول،
- ریحانہ آفتاب کا مکمل ناول "دلوں کی محبت"،
- "گواہ ہیں سرمئی شامیں" فاخرہ گل کا ناولٹ،
- منشا محسن علی کا ناولٹ "بیلا"،
- "دائرۂ زیست" طیبہ عنصر کا ناولٹ،
- یاسمین نشاط، صدف آصف، قرۃ العین سکندر، امبر فاطمہ، عبیرہ لطیف اور ماہم علی کے افسانے اور مستقل سلسلے

مفت،

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب "اسمارٹ بنیے" علیحدہ سے مفت حاصل کریں۔

حمد ربِ جلیل کیا کہیے
جو بھی کہیے وہ سب بجا کہیے

حمد کا حق ادا نہیں ہوتا
لفظ کتنے ہی خوش نما کہیے

وہ علیم و خبیر ہے تو پھر
حال کہیے نہ ماجرا کہیے

نعمتوں سے نوازتا اس کا
یاد آتا ہے بارہا کہیے !

مالک و خالقِ حقیقی کو
دو جہانوں کا آسرا کہیے

ہم سے مسرور یہ کہاں ممکن
حرف اس کی صفات کا کہیے

مسرور کیفی

تو روحِ ازل نورِ ابد، جانِ دو عالم
محبوبِ خدا، یوسفِ جانانِ دو عالم

تُو حامد و محمود ہے تُو شاہد و مشہود
قائم ترے جلوے پہ ہے ایوانِ دو عالم

توفیق خدا دے تو تری ایک نظر پر
قربان کروں دولتِ امکانِ دو عالم

اللہ کے جلووں کا ہے آئینہ تری ذات
آئینہ ترا دیدۂ حیرانِ دو عالم

کعبہ ہے وہی، طالب و مطلوبِ جہاں ہوں
طیبہ ہے وہی تو ہے جہاں، جانِ دو عالم

دیکھے ہیں ظفر گنبدِ خضرا کے وہ انوار
نظروں میں ٹھہرتی ہی نہیں شانِ دو عالم

یوسف ظفر

عاصم محمود سے ملاقات

شاہین رشید

"علی کی امی" سے شہرت پانے والے عاصم محمود اب ہر ڈائریکٹر اور پروڈیوسر کی ضرورت بن چکے ہیں اور ہر سیریل میں لیڈ رول کر رہے ہیں' خوش شکل اسمارٹ اور با اخلاق عاصم محمود کو آج کل آپ متعدد ڈراموں میں دیکھ رہے ہیں۔۔۔ اور آئندہ بھی دیکھتے رہیں گے۔

★ "کیا حال ہیں عاصم؟"

✻ "جی اللہ کا شکر ہے۔"

★ "کیا ہو رہا ہے آج کل۔۔۔ کیا آن ایئر ہے۔ کیا انڈر پروڈکشن ہے؟"

✻ "جی۔۔۔ الحمدوللہ آج کل میرے تین سیریلز آن ایئر ہیں۔ ان میں "من یارا" جس کے ڈائریکٹر دانش نواز ہیں "بے بی" اس کے ڈائریکٹر محمد افتخار عفی ہیں اور "آؤ لوٹ چلیں" اس کے ڈائریکٹر شہود علوی ہیں اور تینوں کا رسپانس بہت اچھا ہے اور آنے والے سیریلز میں "ساحل" جو کہ "اردو ون" سے آن ایئر ہو گا اور "امید" وہ جیو سے ہو گا۔"

★ "شہرت ملنے کے بعد مصروفیات میں بھی اضافہ ہو گیا ہو گا؟"

✻ "جی۔۔۔ جی۔۔۔ بالکل پہلے میں دوستوں کے گھر جایا کرتا تھا اب دوست میرے گھر آکر میرا ٹائم بچاتے ہیں پھر میرے فینز ماشاء اللہ بہت ہیں تو انہی میں وقت گزرتا ہے۔ جس دن شوٹ نہ ہو۔"

★ "چڑتے تو نہیں فینز کی وجہ سے کہ تنگ کرتے ہیں؟"

✻ "ارے نہیں۔۔۔ یہ فینز ہی تو ہیں جو میرا حوصلہ بڑھاتے ہیں اور میں آج جو کچھ ہوں اپنے فینز کی وجہ سے ہی ہوں۔ ان کا پیار ان کی محبت میرے لیے سرمایا ہیں۔"

★ "علی کی امی" آپ کا مشہور ترین سیریل تھا۔۔۔ میرے خیال میں اس نے آپ کے راستے ہموار کیے ہوں گے؟"

✻ "جی۔۔۔ اس سیریل سے مجھے بہت زیادہ شہرت ملی

اور اس سیریل سے قبل میرا ایک سیریل ایکسپریس انٹرٹینمنٹ سے آن ایئر ہوا تھا "گلہ کریں کس سے" اس سے بھی مجھے بہت فیم ملا اور "علی کی امی" نے تو خیر دھوم مچادی تھی اور مزے کی بات تو یہ کہ اس ڈرامے کو نوجوانوں سے زیادہ بڑوں نے نہ صرف دیکھا بلکہ پسند بھی کیا، فیس بک پہ مجھے بہت میسجز آتے تھے کہ ہر کسی نے یہ سیریل بہت شوق سے دیکھا اس طرح "جنت" بھی بہت پاپولر گیا... تو اللہ کا شکر ہے کہ میرا ہر سیریل بہت پسند کیا جاتا ہے اور آج کل جو تین سیریلز آن ایئر ہیں ان کا بھی بہت اچھا فیڈ بیک مل رہا ہے... ہاں ایک سیریل میں نے کیا تھا "میرا یہاں کوئی نہیں" اس میں میرا نگیٹو رول تھا... اسے ناظرین نے زیادہ پسند نہیں کیا تھا... اور یہ میرا پہلا نگیٹو رول تھا جو میں نے تجربے کے طور پر کیا تھا۔"

★ "فیلڈ میں کیسے آئے؟"

✳ "بس جی شوق لے آیا اس فیلڈ میں... ورنہ ہماری فیملی میں سب بزنس کرتے ہیں... مگر میرا رجحان اس طرف تھا۔ تو مجھے یاد ہے کہ "ہیرو بننے کی ترنگ" ایک شوائے آروائی سے ہوتا تھا اس میں میں نے اپنی تصاویر بھیجیں اور پھر اس شو میں حصہ لیا پورے پاکستان سے اس میں تقریباً 50 ہزار لوگوں نے حصہ لیا اور مرحلہ وار یہ شو ہوتا تھا تو الحمد للہ تمام مراحل طے کر کے میں اس میں پہلے نمبر پر آیا یہ 2010ء میں ہوا تھا۔ سید نور اس کے جج تھے اور فیصل قریشی ہوسٹ تھے۔"

★ "باقاعدہ کیسے آئے؟"

✳ "باقاعدہ میں اس وقت آیا جب تقریباً تین، چار سال قبل میں نے فلم "میں ہوں شاہد آفریدی" میں کام کیا تھا... تو اس رئیلٹی شو نے بھی اس فیلڈ میں آنے میں مدد کی اور اس فلم نے بھی۔ فلم کے بعد مجھے آفرز آئیں تو کراچی شفٹ ہو گیا اور میں نے اس فیلڈ کو بطور پروفیشن لینا شروع کیا اور آپ کو بتاؤں کہ ہماری فیملی میں دور دور تک کوئی اس فیلڈ میں نہیں ہے۔"

★ "امید تھی کہ اتنی کامیابیاں مل جائیں گی آپ کو؟"

✳ "بس اللہ پر بھروسا تھا اور پھر اپنے آپ پر بھروسہ تھا کہ ہاں میں کر سکتا ہوں۔ لیکن یہ ڈر ضرور تھا کہ چونکہ ہماری انڈسٹری میں لک کا ہونا بہت ضروری ہے تو پتا نہیں میرا لک اچھا ہے یا نہیں، مجھے کام ملتا ہے یا نہیں... اور کام ملنا ایک الگ بات ہوتی ہے اور اچھا کام ملنا ایک الگ بات ہوتی ہے... تو بس اللہ کا شکر ہے کہ بہت اچھا کام ملا اور اللہ نے عزت شہرت بھی دے دی۔"

★ "عاصم آپ نے ماشاءاللہ ایم بی اے کی ڈگری لی اور ڈگری لے کر لوگ وائٹ کالر جاب کرتے ہیں۔ آپ نے جاب کو ترجیح کیوں نہیں دی؟"

✳ "ایسا نہیں ہے کہ میں نے جاب نہیں کی ڈگری لے کر جاب ہی کی تھی اور میں نے ایم بی اے اور اے بی اے بھی کیا ہے۔ بزنس میں اپنے بھائی کے ساتھ بھی کام کیا تھا مگر اداکاری کے کیڑے نے مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دیا اور جب میں نے "ہیرو بننے کی ترنگ" جیت لیا تو پھر یار دوستوں نے کہا کہ اتنا بڑا شو تم

نے جیت لیا ہے تو اب اس طرف آؤ۔۔۔ اور اپنی صلاحیتوں کو آزماؤ۔"

★ "بچپن میں تو بچوں کے بہت خواب ہوتے ہیں کہ بڑا ہو کر یہ بنوں گا۔۔۔ وہ بنوں گا؟"

✻ "جی۔۔۔ میرا بھی خواب تھا کہ میں آرمی میں جاؤں یا بزنس کی طرف جاؤں۔۔۔ ہاں یہ نہیں سوچا تھا کہ شوبز میں جاؤں گا۔۔۔ البتہ تصاویر کھینچوانے کا شادی بیاہ میں مووی بنوانے کا بہت شوق تھا تو ہمیشہ کیمرے کے آگے آگے رہتا تھا۔۔۔ کیمرے سے ہمیشہ ہی پیار رہا ہے مجھے۔"

★ "اس فیلڈ میں گھر والے رکاوٹ بنے؟"

✻ "نہیں بالکل نہیں۔ گھر والوں نے بہت زیادہ سپورٹ کیا۔ ہاں جب میں سیالکوٹ سے کراچی شفٹ ہو رہا تھا تو میرے بھائی نے کہا کہ تم کراچی جا کر بہت خوار ہو جاؤ گے۔۔۔ اور یہ فیلڈ بھی کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے اور پتا نہیں تمہیں وہاں جا کر کام ملتا بھی ہے یا نہیں اور پھر انہوں نے یہ بھی کہا کہ جو پیسے تم سیالکوٹ میں کما رہے ہو اگر اتنے ہی پیسے کراچی میں بھی کماؤ تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔۔۔ اور وقت ضائع نہیں کرنا۔۔۔ اور پھر میں نے محنت کر کے دکھائی اور اللہ کا شکر ہے کہ جتنے سیالکوٹ میں کماتا تھا اس سے زیادہ ہی کماتا ہوں۔"

★ "پہلا ڈرامہ سیریل کون سا تھا۔۔۔ اور کیا رزلٹ رہا تھا؟"

✻ "میرا پہلا ڈرامہ سید عاطف حسین کی ڈائریکشن میں تھا "قرض" کافی مقبول ہوا تھا یہ سیریل لیکن میری وجہ شہرت ڈرامہ سیریل "علی کی امی" تھا جو بڑوں میں کافی مقبول ہوا تھا اور پھر "جنت" بھی کافی پسند کیا گیا تھا۔"

★ "کیا کمایا تھا۔۔۔ معاوضہ اچھا ملا تھا؟"

✻ "کمائی کا عمل تب شروع ہوا جب میں نے انٹرنشپ کی تھی اس وقت مجھے سات ہزار ملے تھے جو کہ امی کو دے دیے تھے اور شوبز میں بھی اچھا معاوضہ ملتا ہے۔ اپنی اس کمائی کا کچھ حصہ اپنے گھر والوں کو بھی ضرور بھیجتا ہوں۔"

★ "کراچی میں اکیلے رہتے ہیں۔۔۔ جلدی اٹھ جاتے ہیں؟"

✻ "جی بالکل۔۔۔ جب خود پہ ذمہ داری ہو تو پھر سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ شوٹ پہ جانا ہو یا نہ جانا ہو جلدی اٹھ جاتا ہوں، کیونکہ مجھے جیم بھی جانا ہوتا ہے۔"

★ "آپ بتا رہے ہیں کہ گھر بھی پیسے بھیجتے ہیں۔ اور یہاں اپنے اوپر بھی خرچ ہوتا ہو گا۔ تو بچت ہو جاتی ہے کچھ؟"

✻ "جی الحمد للہ۔۔۔ ہمیشہ سے بچت کی عادت ہے تو کچھ نہ کچھ بچا لیتا ہوں۔۔۔ اور معقول رقم جمع ہونے پر کہیں نہ کہیں انویسٹ کر دیتا ہوں پراپرٹی لیتا ہوں یا کچھ بھی۔"

★ "آپ بتا رہے ہو کہ آپ کے کام کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔ تو یہ تعریف آپ کے سامنے تو کرتے ہی ہوں گے۔ ادھر ادھر سے بھی تعریف ہی آتی ہے یا کچھ تنقید بھی ہوتی ہے؟"

✻ "سچ بتاؤں۔۔۔ فین ہو، یا لوگ ویسے ملیں، بہت تعریف کرتے ہیں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ لوگ تنقید

بھی کریں۔ مجھے میری خامیاں بھی بتائیں تاکہ میں مزید اچھا کام کرسکوں... کہ میری نظر میں اچھا کام کرنے کے لیے تعریف کے ساتھ تنقید بہت ضروری ہے... ہمارے یہاں عموماً لوگ تعریف منہ پر کرتے ہیں اور تنقید آپ کی عدم موجودگی... جبکہ میں چاہتا ہوں کہ تنقید میرے منہ پر کریں تاکہ میں مزید بہتری کی طرف جاسکوں۔"

★ "بچپن سے لے کر اب تک اچھا ہی وقت دیکھا یا کچھ برا وقت بھی دیکھا؟"

✳ "جی برا وقت بھی دیکھا... ہماری فیملی کی زندگی میں ایک برا فیز آیا تھا جب والد صاحب کا بزنس پارٹنر کافی ساری رقم لے کر بھاگ گیا تھا... تو تقریباً ایک سال ہم نے کرائیسس میں وقت گزارہ اور اس وقت میں بھی زیادہ بڑا نہیں تھا۔ میں اس وقت شاید 9th یا 10th کا طالب علم تھا اور میرے خیال میں اچھا اور برا وقت سب کی لائف میں آتا ہے۔"

★ "اس فیلڈ میں آکر کیا خواہش تھی کہ کس کے ساتھ کام کروں؟"

✳ "بہت فنکار ایسے ہیں جن کے ساتھ کام کرنے کی خواہش ہے اور ابھی تو شروعات ہے ان شاء اللہ یہ خواہش ضرور پوری ہوگی... فیصل قریشی، عدنان صدیقی جاوید شیخ اور ان جیسے دیگر فنکار جن کے ساتھ کام کرنا چاہتا ہوں۔"

★ "گڈ... اور کردار کے لیے کوئی خواہش؟"

✳ "کوئی ایک کردار نہیں ہے بلکہ میں ہر کردار کرنا چاہتا ہوں۔ ہر وہ کردار جس میں میرے لیے چیلنج ہو، جس کو کرنے کے بعد لوگ مجھے یاد رکھیں میری بہت زیادہ تعریف کریں۔"

★ "چاہے وہ نگیٹو ہی کیوں نہ ہو؟"

✳ "ایک ڈرامے میں نگیٹو کیا تھا۔ مگر میرے نقادوں نے اور میرے مخلص لوگوں نے کہا کہ نگیٹو رول مجھ پر سوٹ نہیں کرتا... اس لیے یہی سوچا ہے کہ کوئی بہت ہی اچھوتا قسم کا نگیٹو رول ہوگا تو کروں

گا ورنہ نہیں کروں گا۔ لوگ کہتے ہیں تمہاری شکل میں معصومیت بہت ہے۔ تو صرف نگیٹو ہی کردار جاندار نہیں ہوتے دیگر بھی ہوتے ہیں... جیسے اگر مجھے کسی نفسیاتی آدمی کا رول ملے تو مجھے بہت مزا آئے گا کام کرنے کا۔"

★ "آپ نے بتایا کہ آپ نے ایک "م "میں ہوں شاہد آفریدی" میں بھی کام کیا ہے... تو مزید بھی کی یا آفرز ہیں؟"

✳ "میں نے تین فلموں میں کام کیا ہے۔ "میں ہوں شاہد آفریدی" اس میں میرا کردار مختصر سا ہی تھا... ایک فلم ریلیز ہوئی تھی بقرا عید پہ اس کا نام "ہلہ گلہ" تھا اس میں میں ہیرو تھا ایک فلم اور کی تھی جو سید نور نے ڈائریکٹ کی تھی وہ ابھی تک ریلیز نہیں ہوئی اور اب مزید فلموں کے لیے بات چیت چل رہی ہے... اور... اور... اگر باہر سے کوئی آفر آئی مطلب پڑوسی ملک سے تو ضرور جاؤں گا اور جانا بھی چاہیے۔"

★ وقت کی پابندی کرتے ہیں یا سوچ لیا کہ جلدی جاؤں گا تو لوگ کہیں گے کہ فارغ بیٹھا تھا؟"

✳ "ارے نہیں... وقت کی بہت زیادہ پابندی کرتا ہوں اور کرنی بھی چاہیے... بے شک سامنے والا

باتیں بنانا ہے تو بناتا رہے' پھر ایک دن وہ میری پابندی کا قائل بھی ہو جائے گا جب میں بے پناہ مصروفیات کے باوجود وقت پر پہنچوں گا۔"

★ "ڈرامے کے کردار میں آپ کی شخصیت ہوتی ہے؟"

✳ "میں کوشش کرتا ہوں کہ جو کردار میں کر رہا ہوں اس میں "میں" نظر نہ آؤں بلکہ میرا کردار ہی نظر آئے۔ ویسے ایسے کردار کیے بھی نہیں کہ اس میں میری شخصیت کا عکس نظر آیا ہو' سوائے "جنت" کے کہ اس میں عام زندگی جیسا ہی تھا۔ شرارتی سا گانے کا شوقین... اور ارادہ بھی ہے فیوچر میں گلوکاری کا۔"

★ "ویسے فیوچر پلاننگ کیا ہے؟"

✳ "یہی کہ اچھا اچھا کام کروں... اور جو میرے ساتھی ہیں کام کے حوالے سے ان سے بہت آگے جاؤں... بہت نام کمانا ہے مجھے اس فیلڈ میں۔"

★ "ان شاء اللہ... کچھ اپنے بارے میں بتائیں... پھر مزید سوالات ہوں گے؟"

✳ "جی... اصلی نام تو عاصم محمود ہے اور پیار کا بھی یہی نام ہے... کیونکہ میرا نام نہ کسی نے بگاڑا اور نہ ہی شاید یہ بگڑنے والا نام ہے... میں خود نہیں بگڑا تو نام کیا بگڑے گا (قہقہہ) خیر 16 جنوری 1988ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوا... اس لحاظ سے میرا ستارہ کیپری کورن ہے۔ ہم تین بھائی اور ایک بہن ہے اور میرا نمبر تیسرا ہے۔ تعلیم کے بارے میں بتا چکا ہوں کہ کیا ہے۔"

★ "اکیلے رہتے ہیں... کھانا تو باہر سے ہی کھاتے ہوں گے؟"

✳ "ارے نہیں... کب تک باہر سے کھاؤں گا... اور ویسے بھی میں خود بہت اچھا کک ہوں... اچھا بھی نہیں بہت اعلا کک ہوں... اور خواتین سے زیادہ اچھا پکا لیتا ہوں۔"

★ "بہترین کیا پکا لیتے ہیں... اور کیا سیکھا ہے کہیں سے؟"

✳ "میں ہر چیز بہترین پکا لیتا ہوں لیکن پائے' چکن کڑاہی اور پلاؤ بہت اچھا پکا لیتا ہوں... اور سیکھا کہیں سے نہیں' بلکہ میرے ابو کو بہت شوق تھا کوکنگ کا اور عموماً "چھٹی کے دن وہی پکاتے تھے تو شوق تو تھا مجھے مگر کبھی پکایا نہیں تھا... البتہ جب کراچی شفٹ ہوا... تو پہلی بار میں نے امی سے پوچھا کہ کسی بھی سالن کا مین مسالا کیا ہوتا ہے... انہوں نے دو چار بنیادی باتیں مجھے بتا دیں تھیں تو بس اس کے بعد مجھے خود ہی آئیڈیا ہو گیا کہ کس سالن کے لیے کیا مسالا ٹھیک رہے گا... اور بس... نہ کسی سے سیکھا اور نہ ہی نیٹ سے مدد لی... اور پھر بھی بہت اچھا پکا لیتا ہوں۔"

★ "کوئی حادثہ زندگی کا جو یاد ہے؟"

✳ "جی بالکل... ایک بار میں اپنی چھت سے گر پڑا تھا اور تقریباً "قریب المرگ ہو گیا تھا... بس شکر کہ اللہ نے زندگی دی۔ تب سے میں اونچائی سے بہت ڈرتا ہوں... اصل میں لائٹ گئی ہوئی تھی اور میں اپنی چھت پہ واک کر رہا تھا۔ پتا ہی نہیں چلا کہ کہاں چھت ختم ہو گئی ہے تو بس گر گیا...۔"

★ "اس فیلڈ میں کیا کارنامہ انجام دینا چاہتے ہیں؟"

✳ "کوئی ایسا کردار کرنا چاہتا ہوں جو میری پہچان بن جائے۔ جیسا فیصل قریشی بھائی نے "ٹوبہ ٹیک سنگھ" میں کر کے اپنے آپ کو امر کر لیا تھا۔ تو اگرچہ "دلی کی امی" کو بھی میرے حوالے سے یاد کیا جاتا ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ شروع سے ہی کوئی ڈرامہ مجھ پر بیس کرتا ہو۔ مین اسٹوری کا بنیادی کردار میں ہی ہوں۔"

★ "پیسہ ملنے میں قسمت اہم کردار ادا کرتی ہے یا محنت؟"

✳ "قسمت سے ملتا ہے مگر پھر اس کو برقرار رکھنے کے لیے بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔"

★ "ہماری اس فیلڈ میں بہت خوب صورت خواتین کام کرتی ہیں۔ آپ کس کے ساتھ کام کرنے کے خواہش مند ہیں؟"

✳ "کافی ہیں... کسی ایک کا نام کیسے لے سکتا ہوں۔ مجھے بھی تو اس فیلڈ میں رہنا ہے..." (قہقہہ)۔

"گڈ..." اور اس کے ساتھ ہی ہم نے عاصم محمود سے اجازت چاہی۔

✲ ✲

میری بھی سنیے

عشاء نور

شاہین رشید

1 ''اصلی نام؟''
''سحرش احتشام۔''
2 ''پیار کا نام؟''
''عشاء۔''
3 ''جنم تاریخ/سال/شہر؟''
''13جون/1989ء/کراچی۔''
4 ''فیملی؟''
''والدین' ہم چار بہنیں اور ایک بھائی سب میں میرا نمبر پہلا ہے۔''
5 ''شادی؟''
''ہو ہی جائے گی.... اوپر والے کے یہاں وقت مقرر ہے۔''
6 ''تعلیم؟''
''گریجویشن۔''
7 ''فیلڈ میں آنے کے لیے رکاوٹ ہوئی؟''
''پہلے پہل ہوئی.... گھر والے نہیں چاہتے تھے کہ میں اس فیلڈ میں آؤں.... لیکن پھر میری امی نے میرا بہت ساتھ دیا اور سب کو اس بات کے لیے راضی کر لیا کہ اگر یہ کام کرے گی تو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔''
8 ''میں مشہور ہوئی؟''
''ایک سوپ تھا ''خوشبو کا گھر'' بہت پاپولر ہوا تھا اور مجھے بھی شہرت ملی اس سوپ میں۔''
9 ''میں نے محسوس کیا ہے کہ؟''
''شوبز میں لوگ ایک دوسرے سے نہ صرف حسد کرتے ہیں بلکہ آگے بڑھنے میں رکاوٹ بھی بنتے ہیں۔''
10 ''ایک تہوار جو بچوں کی طرح مناتی ہوں؟''
''14 اگست' اس دن کے لیے خاص اہتمام کرتی ہوں۔ جھنڈیاں بھی لگاتی ہوں اور خوب سجاتی ہوں اور اگست کے شروع دن سے ہی گاڑی پہ جھنڈا بھی لگا لیتی ہوں۔''
11 ''ایک تہوار جو بہت انتظار کے بعد آتا ہے؟''
''قہقہہ میری سالگرہ کا دن لگتا ہے سال جیسے لمبا ہو گیا ہے۔''
12 ''شکر کرتی ہوں کہ؟''
''کہ میں اس پروفیشن میں ہوں.... مجھے اداکاری کا جنون ہے اور کام کر کے مجھے بہت مزا آتا ہے۔''
13 ''موڈ اچھا ہو جاتا ہے؟''
''جب کھانے کی ٹیبل پہ اچھا اور لذیذ کھانا ہو تو بھوک اپنے عروج پہ پہنچ جاتی ہے۔''
14 ''گھر میں میرا لباس؟''

"ٹراؤزر' شرٹ پہننا بھی آسان ہوتا ہے اور مجھے پسند بھی بہت ہے۔"

15 "سوچتی ہوں؟"

"کاش میری دور کی نظر کمزور نہ ہوتی... کہیں جاتا ہو تو پھر مجھے لینس لگانے پڑتے ہیں۔"

16 "بہت باتیں کرتی ہوں؟"

"اپنے منگیتر سے اور اسی کے میسج کے جواب بھی فوراً" دیتی ہوں۔"

17 "فارغ اوقات میں میرا مشغلہ؟"

"انٹرنیٹ اور فیس بک... بہت دلچسپی ہے۔"

18 "میرا ارادہ ہے فیوچر میں؟"

"اپنا بوتیک کھولنے کا۔"

19 "جب امی سے بات منوانا ہو تو؟"

"تو کھانا پینا چھوڑ دیتی ہوں۔ امی فوراً" بات مان جاتی ہیں۔"

20 "جھوٹ بولتی ہوں؟"

"جب فرینڈز کے ساتھ کہیں جانا ہو اور گھر سے اجازت نہ ملے تو پھر جھوٹ بول کر اجازت لے لیتی ہوں۔"

21 "میری بری عادت؟"

"دوسروں پر جلدی بھروسا کر لیتی ہوں اور پھر نقصان اٹھاتی ہوں۔"

22 "مجھے کوفت ہوتی ہے؟"

"بلاوجہ کے سوال جواب سے اور خاص طور پر اس وقت کہ جب میں گھر آؤں اور آتے ہی مجھ سے سوال جواب شروع ہو جائیں۔"

23 "میری پہچان بنا؟"

"میرا پہلا کمرشل جو کہ ایک ٹیلی کام کمپنی "ٹیلی نار" کا تھا اور میرا پہلا ڈرامہ "عورت ایک کہانی" اس کے بعد آفرز آنی شروع ہو گئیں۔"

24 "میری نیند کی ساتھی؟"

"میرے گلاسز' پانی' موبائل فون۔"

25 "میرے بیگ کی تلاشی لی جائے تو؟"

"تو بہت سی چیزوں کے علاوہ موبائل فون' والٹ

آئی ڈی کارڈ اور کچھ کیش آپ کو ضرور ملے گا۔"

26 "کس بات میں شرم نہیں؟"

"اپنی غلطی مان لینے میں... بندہ بشر ہوں... غلطی تو ہو ہی جاتی ہے۔"

27 "مردوں کی ایک بری عادت؟"

"کہ وہ لڑکیوں کو ہمیشہ ہی غلط سمجھتے ہیں' خاص طور پر میڈیا کے لوگوں میں تو یہ بہت ہی بری عادت ہے۔"

28 "ایک خواہش جس کے لیے جینا چاہتی ہوں؟"

"میں ورلڈ ٹور کرنا چاہتی ہوں... مجھے دنیا گھومنے کا بے حد شوق ہے۔"

29 "موڈ آف ہو جاتا ہے؟"

"جب پتا چلتا ہے کہ آج فلاں تہوار کی وجہ سے ڈبل سواری بند ہے۔ موبائل سروس بند ہے... فلاں فلاں روڈ بند ہیں... پتا نہیں ہم لوگ کب سدھریں گے۔"

30 ”مجھے یاد ہے اب تک؟“
”سینما میں پہلی فلم ”سر کٹا انسان“ دیکھنا... نام کی وجہ سے یہ فلم دیکھنے گئی تھی۔“

31 ”کن چیزوں کے بغیر کھانا ہضم نہیں ہوتا؟“
”سلاد کے بغیر... بہت کھاتی ہوں... اور یہ صحت کے لیے اچھا بھی ہوتا ہے۔“

32 ”گھر آتے ہی دل چاہتا ہے؟“
”اپنے بستر پہ جاؤں... تھوڑا آرام کروں اور پھر واش روم جا کر اپنا میک اپ اتاروں... پھر سکون مل جاتا ہے۔“

33 ”مجھے تبدیلی لانی ہے؟“
”اپنی طبیعت میں... اپنے اندر سے سستی اور کاہلی کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔ ایکٹو ہونا چاہتی ہوں۔“

34 ”ہمیشہ دیر کر دیتی ہوں؟“
”ہر کام میں... سستی جو بہت ہے... کہیں بھی جانا ہو' خواہ کسی کے گھر میں' شوٹ پہ... کسی تقریب میں ہمیشہ دیر کر دیتی ہوں۔“

35 ”اخبار کا کون سا صفحہ سب سے پہلے پڑھتی ہوں؟“
”شوبز کا صفحہ سب سے پہلے پڑھتی ہوں۔ اور اتوار کا اخبار ضرور منگواتی ہوں... باقی عام دنوں میں نیٹ پر ہی پڑھ لیتی ہوں۔“

36 ”بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے جب؟“
”میرا بی پی ہائی نہیں ہوتا بلکہ لو ہو جاتا ہے جب بھوک لگی ہو اور کچھ کھانے کو نہ ملے۔ اس لیے میں ہر وقت کوئی نہ کوئی چیز کھانے کی ضرور رکھتی ہوں اپنے پاس۔“

37 ”کس آرٹسٹ کے ساتھ ایک شام گزارنا چاہتی ہوں؟“
”امتابھ بچن... میرے پسندیدہ ترین فنکار ہیں۔“

38 ”پیسہ کس صورت میں جمع کرتی ہوں؟“
”فی الحال تو کیش کی شکل میں... اور اپنے اکاؤنٹ میں کیونکہ وہی پیسہ محفوظ ہے جو آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔“

39 ”کس ملک میں بسیرا کرنا چاہوں گی؟“
”آسٹریلیا... بہت پسند ہے مجھے' خواہش ہے کہ شادی کے بعد وہاں رہائش پذیر ہو جاؤں۔“

40 ”ہمیشہ جانے کے لیے تیار رہتی ہوں؟“
”شاپنگ کے لیے اس کے لیے تو انکار ہے ہی نہیں۔“

41 ”دنیا میں اللہ کا بہترین تحفہ؟“
”ماں... ان سے بہتر تحفہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا ان کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔“

42 ”میرا مشن ہے کہ؟“
”کہ اللہ تعالیٰ مجھے بہت سارا پیسہ دے تو میں غریب بچوں کے لیے ایک مفت تعلیمی ادارہ بناؤں تاکہ وہ بھی اعلا تعلیم حاصل کر سکیں۔“

43 ”24 گھنٹوں میں میرا بہترین وقت؟“
”شام کا وقت... بہت فریش ہوتی ہوں شام کے وقت۔“

44 ”شاپنگ کے وقت شہرت مسئلہ بنتی ہے یا پیسے؟“
”پیسے تو کبھی بھی مسئلہ نہیں بنتے... البتہ شہرت بہت مسئلہ بنتی ہے دکان دار ہمیں بہت ہی امیر سمجھتے ہیں' ڈسکاؤنٹ تو کرتے ہی نہیں ہیں۔“

45 ”سیاست میں آ کر موجودہ سیاست دانوں سے میرا سلوک؟“
”سب کو ملک بدر کر دوں گی' تاکہ ان لوگوں سے ملک پاک صاف ہو جائے اور پھر تمام ایمان دار اور پڑھے لکھے لوگوں کو اعلا عہدوں پہ فائز کر دوں گی۔“

46 ”کیا اچھا پکا لیتی ہوں؟“
”ہر قسم کے نوڈلز بہت اچھے اور لذیذ بناتی ہوں۔“

47 ”کھانا پکانے میں مہارت کس کے ہاتھ میں ہوتی ہے؟“
”مرد کے ہاتھ میں بڑے بڑے ہوٹلز میں ریسٹورنٹ میں اور جہاں بھی جائیے مرد ہی پکا رہے ہوتے ہیں۔ تو انہی کے ہاتھ میں لذت ہوتی ہے۔“

48 ”کاش وہ شخص میرے ہاتھ آجائے؟“
”بل گیٹس کا نام لوں گی ' وہ ہاتھ آجائے تو کافی ساری دولت اس سے لے کر اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرا دوں گی۔“

49 ”میں ڈر جاتی ہوں؟“
”جی مجھے کیڑے مکوڑوں سے بہت ڈر لگتا ہے اور جہاں میں انہیں دیکھتی ہوں.... میری روح فنا ہونے لگتی ہے۔ خاص طور پر چھپکلی سے تو میری جان جاتی ہے۔“

50 ”شادی میں پسندیدہ رسم؟“
”جب سالا بہنوئی کا راستہ روکتا ہے اور جب ساری سالیاں جوتا چھپاتی ہیں تو یہ دو رسمیں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔“

51 ”کوئی قیمتی چیز جو لے کر پچھتائی؟“
”لے کر پچھتائی تو نہیں لیکن بار بار احساس ضرور ہوتا تھا کہ میں نے اتنا خرچ کیوں کر دیا۔ میں نے اپنے لیے ایک قیمتی موبائل لیا تھا۔ بس اسی کا خیال اکثر آجاتا ہے 'کیونکہ میں اپنے اوپر اتنا خرچ نہیں کرتی۔“

52 ”کس پر خرچ کرتی ہوں؟“
”اپنی فیملی پر' مجھے اپنی فیملی پہ خرچ کرنا اچھا لگتا ہے.... عجیب سی خوشی حاصل ہوتی ہے۔“

53 ”نمبر نہیں دیتی؟“
”اپنے فینز کو.... کیوں کہ پھر وہ بہت تنگ کرتے ہیں۔“

54 ”شاپنگ میں میری پہلی ترجیح؟“
”مجھے جوتے' چپلیں اور سینڈلز خریدنے کا جنون کی حد تک شوق ہے۔ تو پہلی ترجیح یہی ہوتی ہے۔“

55 ”میرے پاس ذخیرہ ہے؟“
”بہترین جیولری اور انہی جوتوں وغیرہ کا جس کا مجھے کریز ہے۔“

56 ”ماں کس بات پر خفا ہوتی ہیں؟“
”کہ جب میں سو کر اٹھتی ہوں تو فوراً" بستر نہیں

چھوڑتی' بلکہ ابھی اٹھتی ہوں کہتے کہتے کافی ٹائم گزار دیتی ہوں۔ میری اسی سستی پر امی ناراض ہوتی ہیں۔“

57 ”خوش ہوتی ہوں تو؟“
”تو پھر سب کو اپنی کمائی سے نہ صرف گھر سے باہر کسی اچھی جگہ پر دعوت کرتی ہوں۔ گفٹ دیتی ہوں۔ تاکہ سب کو پتا چل جائے کہ میں آج بہت خوش ہوں۔“

58 ”جب کوئی لڑکا پریشان کرتا ہے تو؟“
”اسے فوراً" بھائی کہہ دیتی ہوں (قہقہہ) پھر نہیں کچھ کہتا۔“

59 ”نیند کب اچھی آتی ہے؟“
”جب بہت تھکی ہوئی ہوتی ہوں یا بہت ریلیکس ہوتی ہوں۔“

60 ”امی کی ایک خطرناک بات؟“
”کہ جب ان کو غصہ آتا ہے تو بات کرنا چھوڑ دیتی ہیں ان کا غصہ بڑا خطرناک ہوتا ہے۔“

☆ ☆

شگفتہ یاسمین

شاہین رشید

آواز کی دنیا سے وہی لوگ وابستہ ہوتے ہیں جن کی آواز بہت اچھی ہوتی ہے اور جنہیں بولنے کا سلیقہ ہوتا ہے۔ "آواز کی دنیا" سے میں نے کافی انٹرویوز کیے ہیں اور یقیناً "سب کی ہی آواز خوب صورت ہوتی ہے۔۔۔ مگر جو مٹھاس شگفتہ یاسمین کی آواز میں ہے وہ کم ہی سننے میں آتی ہے۔۔۔ شگفتہ یاسمین کی نہ صرف آواز خوب صورت ہے بلکہ بات کرنے کا انداز بھی بہت حسین ہے۔۔۔ اور جو لوگ ان کے پروگرام سنتے ہیں وہ یقیناً "میری بات کی تائید کریں گے۔ شگفتہ ٹی وی کے مختلف چینلز سے بھی بہت کام کر چکی ہیں۔۔۔ ایک مکمل شخصیت کی مالک شگفتہ سے ہم نے پوچھا۔

* "کیسی ہیں شگفتہ؟"

☆ "جی اللہ کا شکر ہے۔"

* "کچھ اپنے بارے میں بتایئے؟"

☆ "جی ضروری۔۔۔ 16 ستمبر میرا جنم دن ہے۔ ہم تین بہن بھائی ہیں۔ والدہ ڈاکٹر تھیں جن کا انتقال ہو چکا ہے۔ والد بینکر ہیں مگر وہ اب ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔ ہاں بہن میری بڑی ہیں۔ پھر بھائی اور آخر میں میں ہوں۔ چار سال ہو گئے ہیں شادی کو اور ہماری لومیرج تھی۔"

* "آج کل کیا مصروفیات ہیں۔ ٹی وی اور ریڈیو پہ؟"

☆ "آج کل گھر کو ذرا ٹائم زیادہ دے رہی ہوں۔ صبح کے وقت ایف ایم 107 پہ ہوتی ہوں اور بہ حیثیت آر جے کے کام کرتی ہوں اور اس ادارے میں کام کرتے ہوئے مجھے تقریباً" چار سال ہو گئے ہیں۔۔۔ پیچھے کی طرف نظر دوڑاؤں تو ٹی وی کے حوالے سے آپ کو بتاؤں کہ میں 13 سال سے ہوسٹنگ کر رہی ہوں۔ ڈراموں کے حوالے سے بھی کام کیا۔۔۔ شاعری بھی کرتی ہوں۔ کبھی کبھار کچھ مضامین بھی لکھ لیتی ہوں اور ہوسٹنگ کا کوئی پروجیکٹ آتا ہے تو وہ بھی کر لیتی ہوں۔ میں بطور فری لانسر کے کام کرتی ہوں۔ ہوسٹنگ کے لیے میں نے کسی ادارے یا چینل کو جوائن نہیں کیا۔ اس کے علاوہ اسپورٹس میں "آل پاکستان بلائنڈ اسپورٹس فیڈریشن" کی میڈیا کوآرڈینیٹر ہوں اور یہ ایک چیریٹی ورک ہے۔ جو بلائنڈ لوگوں کے لیے میں اپنے طور پر کرتی ہوں۔ اسپورٹس کے حوالے سے ان کی جو بھی ایکٹیویٹیز ہوتی ہیں ان میں ان کی مدد کرتی ہوں' ان کے میچ۔۔۔ کو بھی میں مین کرتی ہوں۔ اور ان کی ایکٹیویٹیز کو میڈیا تک پہنچاتی ہوں یا میڈیا کو ان تک لاتی ہوں۔"

* ”آواز کا جادو کب سے جگا رہی ہیں؟“

☆ ”آواز کا جادو تو 2003ء سے جگا رہی ہوں اور ریڈیو پہ آنے کا تو کوئی رجحان نہیں تھا۔ میں نے تو اپنے کیریئر کا آغاز ہی ٹی وی سے کیا۔۔۔ بولنے کا اسٹائل تو مجھے اپنی امی کی طرف سے ملا ہے اور سب میرے انداز کی تعریف بھی کرتے تھے مگر میں نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ میں ریڈیو پہ آؤں اور پروگرام کروں۔ البتہ جب میں نے ٹی وی پہ اپنے کیریئر کا آغاز کیا تو سب نے کہا کہ تمہاری آواز بہت اچھی ہے۔ بہت ٹھہر کر بولتی ہیں اور آپ کی اردو بہت صاف ہے اور یہ بھی جملے سننے کو ملتے تھے کہ ان کے بولنے کا انداز مصنوعی نہیں ہے بلکہ اوریجنل ہے۔۔۔ تو خیر۔۔۔ میرے ٹی وی کے ایک پروگرام میں ایک سنگر ”علی وارث“ آئے تھے تو انہوں نے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ تم ریڈیو کرو گی‘ تو میں نے کہا کہ میں نے کبھی کیا نہیں ہے اس لیے زیادہ نہیں جانتی۔۔۔ تو انہوں نے کہا کہ میں ایک جگہ تمہیں بھجوا رہا ہوں تم جا کر آڈیشن دے دو۔۔۔ اس طرح میں ایف ایم 107 تک پہنچی۔۔۔ وہاں میں نے آڈیشن دیا۔۔۔ تو کہا گیا کہ آپ کے بولنے کا انداز ٹھیک ہے۔ ہم آپ کو 15 دن کی ٹریننگ دیں گے اور ٹریننگ کے بعد ہم آپ کو ہائر کریں گے۔ 15 دن کی ٹریننگ میں بہت مزا آیا کیونکہ مجھے ایکیوپمنٹ (سازو سامان) کو ہینڈل کرنا تھا۔۔۔ پروگرام کر کے بڑا مزا آیا۔۔۔ شروع میں تھوڑی مشکل ضرور ہوئی مگر میں نے بہت جلدی تمام مشکلات پہ قابو پا لیا۔۔۔ اور یہاں ایف ایم 107 کے حوالے سے ایک بات ضرور کہنا چاہوں گی کہ ”اجنبی“ ہمارے پروگرامنگ ہیڈ ہیں اور ان کے بارے میں یہ بات ضرور کہوں گی کہ یہ بہت اچھے انداز میں بہت اچھے طریقے سے چیزوں کو سمجھاتے ہیں۔ اور میرا اتنا کام نہیں ہے کہ میں شو کروں یا ایکیوپمنٹ کو ہینڈل کروں بلکہ مجھے اتنا فری ہینڈ دیا گیا ہے کہ میں شو کے لیے اپنی رائے دے سکتی ہوں کہ ہمیں یہ کرنا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے۔ میرا عہدہ صرف آر جے کا ہے مگر مجھے ہر طرح کا اختیار ہے کہ اگر کوئی ایونٹ آنے والا ہے تو اس کے پروگرام میں اپنے پروڈیوسر کے ساتھ پلان کر سکتی ہوں یا شیئر کر سکتی ہوں اور پھر ہم اسے اپنے پروگرامنگ ہیڈ کے ساتھ بھی شیئر کر سکتے ہیں۔ اور اگر آپ میں تخلیقی صلاحیت ہے تو آپ اور بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں تو یہاں ایف ایم 107 کا ماحول بہت اچھا اور بہت فرینڈلی ہے۔۔۔ اور آپ کو بتاؤں کہ کچھ ڈاکومنٹریز کی بھی کمنٹری میں نے کی ہے اور کچھ کمرشلز میں بھی وائس اوور کیا ہے۔“

* ”ٹی وی سے کب سے وابستہ ہیں اور کیریئر کا آغاز کس چینل سے کیا تھا؟“

☆ ”جیسا کہ میں نے بتایا کہ میں نے اپنے کیریئر کا آغاز 2003ء میں انڈس ٹی وی سے کیا جو کہ اس زمانے میں اپنے عروج پہ تھا اور مجھے بہ حیثیت فیشن ڈیزائنر کنسلٹنٹ کے بلایا گیا تھا میرا انٹرویو تھا۔ جو میری ہی پڑھائی ہوئی ایک سابقہ طالبہ نے کیا۔۔۔ اور آپ کو بتاؤں کہ میں کراچی میں پہلی لڑکی تھی جس نے فیشن ڈیزائننگ کے شارٹ کورسز متعارف کرائے تھے اور آپ یقین کریں کہ ہر ایج گروپ کے لوگ میرے طالب علم تھے‘ ان میں نانی دادی کی ایج کے بھی لوگ ہوتے تھے‘ تو پڑھایا بہت ہے میں نے۔۔۔ تو

جب اس نے بلایا تو میں نے کہا کہ ٹھیک ہے میں آجاؤں گی۔ اور جب انٹرویو ہو گیا تو شو کی میزبان شائستہ واحدی نے مجھ سے کہا کہ آپ ہوسٹنگ کیوں نہیں کرتیں اور چینل کے "اونر" پوچھ رہے ہیں کہ آپ ہوسٹنگ میں دلچسپی رکھتی ہیں یا نہیں۔۔۔ تو میں نے کہا کہ ٹھیک ہے میں ٹرائی کرتی ہوں۔۔۔ تو ابتدا میری انڈس ویژن سے ہوئی ایسا کوئی خواب نہیں تھا کہ مجھے میڈیا کی فیلڈ میں آنا ہے میں تو ٹیچنگ میں مگن تھی۔ خیر پھر میں نے اس چینل سے باقاعدہ شوز کرنے شروع کردیے۔ مگر زیادہ اسے جاری نہ رکھ سکی کیونکہ میں اس وقت خود یونیورسٹی کی طالبہ تھی اور ٹیچنگ اور ہوسٹنگ کی جاب میرے لیے مسئلہ ہو رہی تھی۔ لہٰذا ہوسٹنگ کی جاب کو چھوڑ دیا' پھر 2004ء میں میں اے آر وائی گئی وہاں میں نے اپنا ایک کانسپٹ متعارف جو کہ ایرو د ہوا اور میں نے پھر خود ہی اسے ہوسٹ کیا۔ بیوٹی آف کلرز کے نام سے تھا اور پاکستان میں پہلی بار اس پہ کام کیا گیا تھا۔ جس دن پروگرام آن ایئر آنا تھا کسی نے جیو پہ میراذکر کیا اور جیو سے میرا بلاوہ آگیا۔۔۔ مزے کی بات یہ کہ یہ سارے کام میں شوقیہ کر رہی تھی اور انجوائے کر رہی تھی۔ اصل کام تو ٹیچنگ کا تھا جو کہ میں مسلسل کر رہی تھی۔ جیو سے بلاوہ آیا تو جیو دبئی جاکر پروگرام کیے۔۔۔ پھر واپس آئی اور ایگزام کی تیاری میں سب کچھ چھوڑنا پڑ گیا۔۔۔ 2006ء میں پھر میں پی ٹی وی گئی وہاں کے ایک پروگرام "مینا بازار" میں مجھے بلایا گیا فیشن کارنر ڈیویلپ کرنے کے لیے اور پاکستان میں پہلی بار کسی مارننگ شو میں میں نے "کیٹ واک" کروائی۔۔۔ اس پروگرام میں میرے اسٹوڈنٹ آتے تھے اور وہ مختلف چیزیں بناتے تھے۔۔۔ تو بڑا مزا تھا اس طرح کے تخلیقی کام کرکے۔۔۔ 2007ء میں مجھے پی ٹی وی سے ہی ایک پروجیکٹ آفر ہوا "ستاروں سے آگے" یہ یوتھ کا پروجیکٹ تھا اس پروگرام کو شروع کیا تو ساتھ ہی مجھے "مینا بازار" ہوسٹ کرنے کی بھی آفر ہو گئی۔ تو ایک سال "مینا بازار" ہوسٹ کیا۔۔۔ یوں مجھے تم 2007ء سے پھر میں نے اس فیلڈ کو بطور کیریئر سنجیدگی سے لینا شروع کیا اور ڈراموں کی آفرز آئیں تو ڈرامے بھی کیے مگر زیادہ نہیں' کیونکہ ٹائم بہت لگ جاتا ہے۔۔۔ پھر ایک اور چینل کا مارننگ شو کیا۔ اس کے بعد میٹرو ٹی وی کا ایک پروگرام "ادبی شاعری" کے عنوان سے کیا' کچھ عرصے کے بعد اسے بھی ڈراپ کر دیا۔۔۔ اور آج کل میں صرف اپنے ایف ایم 107 سے پروگرام کر رہی ہوں۔"

* "اس مقام کو حاصل کرنے کے لیے بہت محنت کرنا پڑی یا سب کچھ آسانی سے ہوتا چلا گیا۔۔۔ آپ کی گفتگو سے اندازہ ہو رہا ہے کہ راستے خود ہی ہموار ہو گئے؟"

☆ "جدوجہد بہت کی' محنت بہت کی' کیونکہ کچھ کرنے کا جنون تھا سب راستے آسانی سے ہموار نہیں ہوئے۔ میں نے پروفیشن کو بہت زیادہ پرسنل لینا شروع کیا اور اس میں اپنے آپ کو گم کر لیا۔۔۔ اور سیکھنے کی جدوجہد میں ہر پروگرام کیا اور الحمد للہ بہت کچھ سیکھا بھی اور بہت سے تجربات بھی حاصل ہوئے۔ جو اب میرے کام آرہے ہیں۔۔۔ اور ایسا نہیں کہ میں نے ٹی وی کو چھوڑ دیا ہے بطور فری لانسر کے میں ابھی بھی کام کرتی ہوں اور میں ہر کام میں اپنا بیسٹ دینے کی کوشش کرتی ہوں اور پھر رزلٹ اپنے اللہ پر چھوڑ دیتی ہوں۔ ایک ہوسٹ کی کامیابی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی یہ نہ کہے کہ آپ بہت خوب صورت لگ رہی ہیں بلکہ یہ کہے کہ آپ کا پروگرام بہت خوب صورت تھا آپ کی گفتگو بہت اچھی ہوتی ہے اور ہم آپ کو سنتے ہیں۔ صرف آواز سے متاثر کرنا بہت مشکل کام ہے اور ٹی وی پر آپ کو اپنے لیے ہر طرح کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

* "یعنی ٹی وی کی بہ نسبت ریڈیو مشکل ہے؟"

☆ "جی۔۔۔ ٹی وی کی بہ نسبتا" ریڈیو مشکل ہے۔۔۔ اور ریڈیو پہ مجھے پہلے آنا چاہیے تھا مگر میں ٹی وی پہ پہلے آئی پھر ریڈیو گئی۔ ٹی وی پہ تو کوئی بھی ہدایات آئی ہو تو وہ ہمارے کان میں آجاتی ہیں آئی ایف بی کی وجہ سے۔۔۔

جبکہ ریڈیو پہ بحیثیت آر جے کے ساری ذمہ داری آپ پر ہوتی ہے۔۔۔ ٹائم پر کمرشل چلنا ہے ٹائم پہ سونگ چلنا ہے، مہمان سے کتنی دیر بات کرنی ہے، کس کے آگے بات نہیں کرنی، کس کے آگے کرنی ہے۔ یوں سمجھیں کہ آپ پائلٹ ہیں چاہیں تو جہاز کو بہت اچھے انداز میں اڑا دیں چاہیں تو کرش لینڈنگ کرلیں۔۔۔ ہر شو پہلا اور آخری ہوتا ہے۔"

* "ایف ایم 107 پہ آج کل کیا پروگرام آپ کر رہی ہیں؟"

☆ "FM-107 پہ آج کل دو پروجیکٹ کر رہی ہوں۔۔۔ ایک پروگرام "مکمل گھر" کے نام سے میں تقریباً چار سال سے کر رہی ہوں۔۔۔ اس پروجیکٹ کو مجھ سے پہلے بھی کافی آر جے کر چکے ہیں۔ یہ میرا اپنا پروجیکٹ ہے اور اسے میں نے "بینا بنجمن" کے ساتھ شروع کیا تھا۔ یعنی وہ شو کرتی تھیں اور میری شروعات تھی۔۔۔ پھر وہ سال بعد امریکہ چلی گئیں تو اسے دیگر آر جے نے کیا میرے ساتھ۔۔۔ اور اب تقریباً دو سال سے میں اسے اکیلے ہی کر رہی ہوں اور صبح گیارہ بجے سے 1 بجے تک میرا یہ شو ہوتا ہے اور اس میں مختلف مہمان آتے ہیں اور ان مہمانوں میں ڈاکٹرز شیف، زبیدہ آپا بیرسٹر شاہدہ جمیل۔۔۔ یعنی ہفتہ بھر ہمارے مہمان آتے ہیں مختلف فیلڈز سے پیر سے جمعہ تک ہوتا ہے۔ درمیان میں ہم لائیو کالز بھی لیتے ہیں اور تمام کالز نہیں لیتے بلکہ پوچھ لیتے ہیں کہ کیا بات کرنی ہے کیا سوال پوچھنا ہے اور ایسا ہر جگہ ہوتا ہے ریڈیو پہ بھی اور ٹی وی پہ بھی۔۔۔ آف ایئر بھی کالز لیتی ہوں جو سامعین جو سوال پوچھتے ہیں ان کے جواب اپنے مہمانوں سے لیتی ہوں۔۔۔ کبھی کوئی مہمان نہیں آتا تو پھر سامعین سے گپ شپ چل رہی ہوتی ہے اور اس میں بات کرنے کے لیے میں اپنے سامعین کو ایک ٹاپک دے دیتی ہوں۔ دوسرا پروگرام جو ہم نے حال ہی میں شروع کیا ہے "نو باؤنڈریز" کے نام سے۔۔۔ اس میں ہم مختلف ممالک کی سیر کراتے ہیں اپنے سامعین کو کسی ایک ملک کا انتخاب کرتے ہیں اور پھر اس کے بارے میں سامعین کو بہت کچھ بتاتے ہیں وہاں کی ثقافت، وہاں کے کھانے وہاں کے لوگوں کے بارے میں بتاتے، وہاں کے تاریخی مقامات کے بارے میں بتاتے ہیں۔۔۔ یہ پڑھانے کے انداز میں نہیں ہوتا بلکہ فن کے انداز میں ہوتا ہے تاکہ سامعین بور نہ ہوں۔ اس میں ہنسی مذاق سب چلتا ہے۔ اس میں ہم جس ملک کے بارے میں بتا رہے ہوتے ہیں وہاں کی زبان کا کوئی ایک لفظ لیتے ہیں اور اس کا تلفظ کیا ہے ادائیگی کیسے کرتے ہیں اور اس سے وابستہ کرکے بہت ساری چیزیں بھی بتا رہے ہوتے ہیں یہ شو جمعرات کی شب گیارہ سے بارہ تک ہوتا ہے اور بہت دلچسپ پروگرام ہے۔"

* "لائیو پروگرام میں کبھی کوئی غلطی ہوئی؟"

☆ "لائیو پروگرام ہوں خواہ وہ ٹی وی کے ہوں یا ریڈیو کے، غلطی تو کبھی نہ کبھی ہو ہی جاتی ہے۔۔۔ کبھی نام غلط لے لیا یا کچھ بھی۔۔۔ لیکن یہ خیال رکھیں کہ غلطی کر کے اٹکیں نہیں بلکہ بہت خوب صورتی سے نبھاتے ہوئے نکل جائیں۔ تو وہ غلطی بھی بڑی معمولی ہو جاتی ہے، لیکن اگر خاموش ہو جائیں اور گھبرا جائیں تو وہ چیز آپ کے لیے بہت نقصان دے ہوتی ہے بہ حیثیت ایک آر جے کے یا ہوسٹ کے غلطی کو نیچرل انداز میں فیس کریں کیونکہ غلطی انسانوں سے ہی ہوتی ہے۔"

* "مختلف ایج گروپ کے لوگ آپ کو کالز کرتے ہوں گے ہمارے یہاں لوگ رشتے داریاں بہت جلدی بنا لیتے ہیں، آنٹی، باجی۔۔۔ وغیرہ تو آپ کو یہ سب کیسا لگتا ہے؟"

☆ "جی بالکل۔۔۔ مختلف ایج گروپ کے لوگوں کو فون آتے ہیں ٹین ایجر لڑکیوں کو کوئی مسئلہ ہو تو وہ بھی فون کرکے بڑے پیارے انداز میں باجی کہہ دیتی ہیں۔ بڑی عمر کی خواتین بیٹا کہہ کر بات کرتی ہیں۔۔۔ مرد حضرات فون کرتے ہیں جن کا ایجوکیشن لیول ذرا ہائی ہوتا ہے تو وہ یا تو نام لیتے ہیں یا پھر میم کہتے ہیں۔۔۔ اور جو ذرا کم پڑھے لکھے ہوتے ہیں وہ عزت کے طور پر احترام کے طور پر باجی کہہ دیتے ہیں تو مجھے برا نہیں لگتا کیونکہ

اس میں ایک پیار ایک احترام اور ایک مٹھاس ہوتی ہے۔۔۔ تو میں سمجھتی ہوں کہ یہ لوگوں کا ایک اپنا طریقہ کار ہوتا ہے۔ بری نیت کسی کی نہیں ہوتی۔"

* "لوگ آواز تو نہیں لیکن شکل سے تو پہچان لیتے ہوں گے؟"

☆ "چونکہ کافی سالوں سے ٹی وی کے پروگرام کر رہی ہوں اس لیے لوگوں کو میرے چہرے کی پہچان ہے۔ عام لوگ اور میڈیا کے لوگ مجھے بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔۔۔ ریڈیو پہ جب لوگ انٹرویو دینے آتے ہیں تو پہلے وہ مجھے دیکھتے ہیں اور پھر ضرور پوچھتے ہیں کہ آپ کا چہرہ جانا پہچانا لگ رہا ہے پتا نہیں کہاں دیکھا ہے آپ کو۔۔۔ تو پھر خود ہی کہتے ہیں کہ آپ۔۔۔ ٹی وی۔۔۔ پہ بھی کام کرتی ہیں؟ بہت اٹک اٹک کر بول رہے ہوتے ہیں کیونکہ ٹی وی پہ ہم میک اپ میں ہوتے ہیں جبکہ ایف ایم میں بہت لائٹ میک اپ ہوتا ہے ہمارا۔۔۔ اور مزے کی بات یہ کہ جب مارننگ شو کرتی تھی تو ایک عام دکان دار بھی پہچان لیتا تھا۔۔۔ ایک اچھی بات آپ کو ضرور بتاؤں گی کہ جب میں نے ریڈیو شروع کیا تو دوسرے دن ایک کالر نے کال کی اور کہا کہ آپ کی آواز کچھ جانی پہچانی ہے' آپ وہ ہی والی شگفتہ یاسمین تو نہیں جو ٹی وی پہ آتی ہیں تو اس وقت مجھے بہت اچھا لگا کہ لوگ میری آواز سے بھی مجھے پہچانتے ہیں۔۔۔"

* "چلیں جی۔۔۔ فیلڈ کی باتیں تو بہت ہو گئیں۔۔۔ کچھ نجی گفتگو ہو جائے۔۔۔ کھانے پینے کا شوق ہے؟ مزاج کی کیسی ہیں؟"

☆ "میرا مزاج ٹھنڈا ہی ہے۔ نہ میں چیختی چلاتی ہوں نہ اس بات کو پسند کرتی ہوں اور نہ ہی کسی کے چیخنے چلانے کو پسند کرتی ہوں۔ سکون سے بات کرتی ہوں۔ دوسروں کو بہت عزت دیتی ہوں۔ لوگ میرے لیے کہتے ہیں کہ میں ہنس مکھ ہوں۔ میرا منہ کبھی لٹکا ہوا آپ نہیں دیکھیں گی۔ وہ جو خواتین ناراض رہتی ہیں نا۔۔۔ اپنے گھر والوں سے اپنے میاں سے' جنہیں کاموں کی ٹینشن ہوتی ہے۔۔۔ میں الحمدللہ ان خواتین میں سے نہیں ہوں۔۔۔ میں کہتی ہوں کہ کام تو کرنا ہے تو کیوں نہ ہنس کر کر لیں' کیونکہ کرنا تو ہم نے ہی ہے پھر منہ کیوں بنائیں۔۔۔ تو میں اپنا کام بہت ہنسی خوشی کرتی ہوں چاہے وہ گھر کا ہو' آفس کا ہو اپنی ذمہ داری سمجھ کر بڑے اچھے موڈ کے ساتھ کر لیتی ہوں۔ اور اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے پورا کرتی ہوں۔"

* "کھانا خود پکاتی ہیں؟"

☆ "میرے آفس جانے سے پہلے میری کک آجاتی ہے وہ کھانا پکاتی ہے۔ البتہ ہفتہ اتوار میرا آف ہوتا ہے تو اس دن میں خود کھانا بناتی ہوں۔۔۔ کوکنگ بہت اچھی کر لیتی ہوں اور یہ میں نے اپنی امی سے سیکھی ہے تب ہی لوگ کہتے ہیں کہ تمہارے ہاتھ میں تمہاری امی کا ذائقہ ہے۔ امی بہت اچھی کوکنگ کرتی تھیں اور سب کچھ ہمارے گھر میں ہی پکتا تھا۔ باہر سے بہت کم چیزیں آتی تھیں۔ بچپن سے گھر کا کھانا پکایا کھایا۔۔۔ کیک بھی گھر پر ہی بنتا تھا۔۔۔ امی کو شوق تھا اور ہم دیکھتے رہتے تھے اور دیکھ دیکھ کر ہم نے بھی سیکھ لیا۔۔۔ تو میرے گھر والے میرے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانوں کا انتظار کرتے ہیں۔۔۔ تو بات جو ہے کہ میں کچن میں بھی خوشگوار موڈ میں کام کرتی ہوں۔"

* "کھیلوں سے لگاؤ ہے؟"

☆ "کھیلوں سے مجھے کچھ خاص لگاؤ نہیں ہے۔ کرکٹ سے کچھ خاص لگاؤ نہیں ہے۔ خود بھی ٹیبل ٹینس کھیلتی رہی ہوں تو اس سے دلچسپی ہے۔ اسکواش مجھ پسند ہے۔ اسپورٹس کی ایکٹوٹیز میں "ان" ہوں تو مجھے اچھا لگتا ہے۔ گیمز دیکھنا ان میں حصہ لینا مجھے بہت پسند ہے۔۔۔ سوائے کرکٹ کے سب گیمز اچھے لگتے ہیں۔"

* "زندگی کو کس انداز میں دیکھتی ہیں؟"

☆ "زندگی بڑی خوب صورت تحفہ ہے اللہ تعالیٰ کا اور میں سمجھتی ہوں کہ اس کا ایک ایک لمحہ بہت اچھے انداز میں گزارنا چاہیے۔۔۔ کیونکہ ہمیں پتا نہیں ہوتا اگلا لمحہ ہمارا ہے کہ نہیں۔ تو میں اس طرح جیتی ہوں کہ یہ جو ہمارا ہے اس میں جی لو اگلے کا پتا نہیں۔۔۔ خوشی کے ساتھ زندگی گزارتی ہوں۔ پرسکون رہتی ہوں۔۔۔

✲ ✲

مقابل ہے آئینہ

تسنیم شریف

ادارہ

س : "اصلی نام کیا ہے؟ گھر والے پیار سے کیا کہتے ہیں؟"
ج : "جس نام سے لوگ جانتے ہیں وہی اصلی نام ہے اور پیار سے بھی کوئی کچھ کہتا ہے؟ جو کچھ کہتے ہیں غصے سے ہی کہتے ہیں۔"
س : "آئینہ آپ سے کیا کہتا ہے؟"
ج : "ہمارا آئینہ گونگا ہے۔"
س : "حسین صورتیں دیکھ کر دل میں کیا خیال آتا ہے؟"
ج : "بہت بے ہودہ خیال آتا ہے۔"
س : "اگر آپ کے پرس کی تلاشی لی جائے تو؟"
ج : "کوئی ہاتھ تو لگا کر دکھائے۔"
س : "بھوتوں سے ڈرتی ہیں؟"
ج : "آج تک کسی بھوت سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی اور میں ہوش میں آ گئی تب ہی بتا سکوں گی کہ ڈرتی ہوں یا نہیں۔"
س : "مہمان کیسے لگتے ہیں؟"
ج : "بہت اچھے... اگر جلدی چلے جائیں تو۔"
س : "کھانے میں کیا پسند ہے؟"
ج : "مفت کا مال۔"
س : "اگر آپ کو حکومت مل جائے تو کیا کریں گی؟"
ج : "وہی کروں گی جو آج تک سارے حکمران کرتے آئے ہیں۔"
س : "پسندیدہ شاعر؟"
ج : "اب بتانے کا کوئی فائدہ نہیں سب کی شادی ہو چکی ہے۔"
س : "مزاجاً "لڑاکا" ہیں؟"
ج : "ہی ہی ہی..."
س : "گھر سے باہر جاتے ہوئے کیا کیا چیزیں ساتھ رکھتی ہیں؟"
ج : "واہ! کیوں بتاؤں۔"
س : "کس مزاج کے لوگ پسند ہیں؟"
ج : "پٹاخہ ٹائپ۔"
س : "اگر لوڈ شیڈنگ نہ ہوتی تو؟"
ج : "آبادی میں اتنی تیز رفتاری سے اضافہ نہ ہوتا۔"
س : "اللہ پاک کو یاد کرنے کا سب سے بہترین وقت؟"
ج : "جب آپ کراچی کی بس میں سفر کر رہے ہوں۔"
س : "آپ کفایت شعار ہیں یا فضول خرچ؟"
ج : "خواتین کے بارے میں کوئی بھی بات یقینی طور

نوٹ: "مقابل ہے آئینہ" کے سوالات تبدیل کر دیے گئے ہیں۔
آئندہ قارئین "مقابل ہے آئینہ" میں مندرجہ بالا سوالات کے جوابات تحریر کریں۔

پر نہیں کی جا سکتی۔"

س : "کیا نام شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے؟"

ج : "جوابات سے اندازہ نہیں ہو رہا۔"

س : "وہ کون سے کام ہیں جن کو کرتے ہوئے خیال آتا ہے کہ دنیا کیا کہے گی؟"

ج : "میں بہری ہوں۔"

س : "آپ کسی سنسان راستے سے گزر رہی ہوں اور کتا پیچھے لگ جائے تو؟"

ج : "پہلے یہ بتائیں کتا دو ٹانگوں والا ہے یا چار ٹانگوں والا۔"

س : "آپ کی نظر میں محبت کیا ہے؟"

ج : "ذلیل ہونے کا مہذب طریقہ۔"

س : "کن لوگوں کی احسان مند ہیں؟"

ج : "اپنے دشمنوں کی اور ان سب کی جنہوں نے جی بھر کے مجھے ذلیل کیا۔ اگر وہ یہ سب نہ کرتے تو کبھی میری اپنے آپ سے ملاقات نہ ہوتی۔"

س : "اپنی تعریف سن کر خوشی ہوتی ہے؟"

ج : "میں جھوٹی باتوں پر یقین نہیں رکھتی۔"

س : "ڈرامے دیکھتی ہیں؟"

ج : "کس کے؟ ٹی وی کے یا...."

س : "اگر دوست ناراض ہو جائیں تو کیسے مناتی ہیں؟"

ج : "تم روٹھے ہم چھوٹے۔ دنیا اچھے لوگوں سے بھری پڑی ہے۔"

س : "حقیقی خوشی کس وقت حاصل ہوتی ہے؟"

ج : "ناپسندیدہ شخصیات کا دل جلا کر۔"

س : "زندگی سے کیا سبق سیکھا؟"

ج : "ترقی کرنے کے لیے ایک دشمن کا وجود ضروری ہے۔"

س : "ستاروں پہ یقین رکھتی ہیں؟"

ج : "ستاروں پر ہی نہیں' چاند اور سورج پہ بھی یقین رکھتی ہوں۔"

س : "کوئی آخری بات؟"

ج : "خواتین کی کوئی بات' آخری نہیں ہوتی۔"

س : "کوئی ایسی بات جو ہمیشہ ذہن میں رہتی ہے؟"

ج : "ہم سب اللہ کے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔"

☆☆

آسیہ مرزا

من سے دکھ کی بات سناؤ

عباد گیلانی بلڈ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہے۔ وہ اپنی بیوی مومنہ کو طلاق دے کر اپنے بیٹے حازم کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور دوسری شادی عاظمہ سے کر لیتا ہے۔ حازم اپنی ماں عاظمہ اور بھائی بابر کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہوتا ہے' مگر اپنے باپ عباد گیلانی کی بیماری کی وجہ سے فکر مند رہتا ہے۔ جب کہ عاظمہ اور بابر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ عباد گیلانی کو اپنی بیماری میں احساس ہوا ہے کہ اس نے حازم کی ماں مومنہ کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ عباد گیلانی مومنہ کے باپ یاور علی کو بلاتا ہے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے اور حازم کو خاص طور سے اس کے نانا یاور علی سے ملواتا ہے' مگر حازم اپنے نانا سے مل کر اچھے تاثرات کا اظہار نہیں کرتا' مگر بعد میں اپنے باپ کی خواہش پر ان کے ساتھ اپنے نانا کے گھر جاتا ہے اور اپنی ماں مومنہ سے ملتا ہے۔ ماں سے مل کے تمام شکوے بھول جاتا ہے اور اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے اس کی ماں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔

حوریہ مومنہ کی بھتیجی ہے' بے حد محبت کرتی ہے اور مومنہ بھی اسے بے تحاشا چاہتی ہے' حازم جب حوریہ کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں حوریہ کے لیے پسندیدگی کے جذبات ابھرتے ہیں اور یہی حال حوریہ کا بھی ہوتا ہے۔ عباد گیلانی حوریہ سے مل کر بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ حوریہ میں اسے مومنہ کا عکس نظر آتا ہے اور حازم سے پوچھ کر اس کے نانا یاور علی سے دونوں کی شادی کی بات کرتا ہے۔

حوریہ اپنی دوست فضا سے بہت محبت کرتی ہے' فضا کی ایک امیرزادے سے دوستی ہے اور وہ گھر والوں سے چھپ کر اس سے ملتی ہے۔ حوریہ کو اس بات سے اختلاف ہے' وہ فضا کو بہت سمجھاتی ہے کہ اس راستے پر نہ چلے' مگر فضا نہ مانی اور آخر کار ایک دن محبت کے نام پر بربادی اپنی قسمت میں لکھوا لیتی ہے اور اس بات کا پتا اس کی سوتیلی ماں جہاں آرا کو چل جاتا ہے اور وہ اپنے بھانجے نصیر سے اس کی شادی کرنے کا پروگرام بنا لیتی ہے جبکہ فضا اس پر راضی نہیں ہوتی۔ حوریہ کو جب پتا چلتا ہے تو وہ فضا کو سمجھاتی ہے' اس امیرزادے کو کہے کہ وہ اس سے شادی کرے اور فضا اس کو مجبور کرتی ہے کہ یہ بات

وہ خود اس کو سمجھائے اور فضا کے مجبور کرنے پر جب وہ بابر سے ملتی ہے تو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوتا ہے بابر سے ہرگز نہیں ملنا چاہیے تھا اور اس بات پہ بھی افسوس ہوتا ہے کہ اس نے ایک غلط لڑکی کو دوست بنایا.... (اب آگے

پندرھویں قسط

علی شاہ ذرا سا کسمسایا پھر گہری نیند میں ڈوب چکا تھا۔ بابر نے ہلکی سی سانس بھری اور نظریں علی شاہ کے چہرے سے ہٹالیں اور اضطراری انداز میں بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بیڈ سے اتر گیا۔ یادوں کے نقوش بہت گہرے ہوتے ہیں مٹائے نہیں مٹتے۔

عجیب بات ہے کبھی یہ نقش آگ بن کر دل پر تپکتے رہتے ہیں۔ کسی طور بجھ نہیں پاتے اور کبھی روشنی بن کر ابھرتے ہیں اور وجود کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں کہ اندر باہر سب منور محسوس ہونے لگتا ہے۔ اور پھر اسی روشنی میں آپ اپنا باقی سفر طے کرنا چاہتے ہیں۔

بابر کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ حوریہ کے ہاتھ سے اٹھائی اس ذلت کی تپش 'اسے اب تک سلگائے رکھے ہوئے تھی مگر اب اسے لگ رہا تھا وہ آگ کی تپش تو کسی انوکھے احساس میں ڈھل کر روشنی بن کر ابھر رہی تھی۔ ایسی روشنی جس سے وہ نظریں چرانے کے باوجود نہیں چرا پا رہا تھا۔

روشنی تو روشنی ہے اسے بھلا پھیلنے سے کون روک سکتا ہے۔ جس طرح آسمان کے سیاہ سینے پر ابھرنے والے مہتاب کا رستہ کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ کمرے سے باہر آگیا اور باغیچے سے ملحقہ راہداری میں ٹہلنے لگا۔

اٹالین ٹائلز سے مزین یہ خوش نما راہداری تھی جس کے دونوں اطراف دلکش اور امپورٹڈ پودے سجے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ راہداری کے اختتام پر دو زینے تھے جن سے اتر کر صحن نما حصہ تھا جو سفید ماربل سے مزین تھا۔ اس کے ایک طرف ناریل کے درختوں کی قطار تھی اور وہیں ملازموں کے سرونٹ کوارٹرز بھی تھے۔ بابر کا اس راہداری میں گزر نہیں ہوتا تھا بلکہ اس راہداری میں کیا کوٹھی کے کئی ایسے حصے تھے جہاں جانے کا اتفاق شاذونادر ہی ہوتا ہوگا۔

وہ ٹراوزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے بے مقصد راہداری میں ٹہلنے لگا۔ اختتامی حصے پر پہنچ کر رک گیا۔ امیر علی اور اس کی بیوی نفیسہ... اپنے کوارٹر کے باہر بنی سیمنٹ کی کنی پر بیٹھے ہوئے اپنی باتیں کر رہے تھے۔ وہ بے ارادہ رکا تھا مگر پھر نفیسہ کی آواز کانوں میں پڑی تو ارادتاً "رک گیا تا یک حوریہ کا تھا اس کا تجسس کیسے بے دار نہ ہوتا۔

"امیر علی... میری تو سمجھ میں نہیں آتا حوریہ بی بی! یہاں خوش نہیں ہے تو رہ کیوں رہی ہیں؟ اپنے میکے کیوں نہیں جاتیں۔"

"ہاں... پر بڑے صاحب بڑے خوش ہیں ان کے اور علی شاہ کے آجانے سے مانو جان پڑ گئی ہے ان کے مردہ جسم میں تو۔" امیر علی سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے بولا پھر آخری ٹوٹا بجھا کر کیاری میں پھینک دیا۔

"ہاں یہ تو ہے صاحب۔ علی شاہ کو نہ دیکھ لیں تو بے چین رہتے ہیں۔ ان کی صورت میں انہیں حازم مل گیا ہے۔" نفیسہ نے ایک پرسوز قسم کی آہ بھی ساتھ کھینچی پھر بولی۔

"پر سچ تو یہ ہے کہ اپنی حوریہ بی بی ہیں بڑی ظرف والی۔ جب ان کے میکے سے فون آتا ہے وہ یہی کہتی ہیں کہ میں بڑی خوش ہوں۔ پر امیر علی! وہ بالکل بھی خوش نہیں دکھائی دیتیں... اپنے کمرے میں بند پڑی رہتی ہیں بس قرآن پڑھتی رہتی ہیں نماز پڑھتی رہتی ہیں... اتنے بڑے بڑے حلقے پڑ گئے ہیں ان کی بڑی بڑی آنکھوں کے نیچے... میرا تو کلیجہ کٹ جاتا ہے انہیں اس حال میں دیکھ کر۔"

"ارے جھلی اب کیسی خوشی 'ایسا سجیلا گبھرو جوان شوہر آن واحد میں منوں مٹی تلے چلا گیا۔ بھلا بھولنے والی شخصیت تھی حازم بابا کی... یہاں تو جگہ جگہ یادیں بکھری پڑی ہیں ان کی۔" امیر علی کے لہجے میں حازم کی جدائی کا درد بکھرا ہوا تھا۔ پھر کسی خیال سے چونکتے ہوئے بولا۔

"اب ادھر بیٹھے بیٹھے رات گزار دے گی یا ہاتھ پیر بھی چلائے گی' جا اندر جا۔ حوریہ بی بی نے تو کھانا بھی نہیں کھایا کم از کم دودھ تو دے کر آجا۔ خود سے تو وہ مانگتی نہیں ہیں۔"

"میں تو پوچھتی ہوں پر وہ منع کر دیتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں بار بار آکر مجھے ڈسٹرب نہ کیا کرو نفیسہ۔" نفیسہ اٹھتے ہوئے بولی اور ادھر ادھر بکھرے موڑھے قرینے سے دیوار سے لگا کر رکھنے لگی۔

"ایک بات کہوں امیر علی۔ جب سے حوریہ بی بی کوٹھی میں بیاہ کر آئی ہیں ماحول کچھ بدل بدل سا گیا ہے۔ اور حازم بابا کی وفات کے بعد تو کچھ اور بھی زیادہ۔" وہ رازدارانہ انداز میں امیر علی کی طرف جھکی۔"میں نے عباد صاحب کو پہلی بار نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔"

"اچھا بس کر۔ تیری باتیں تو ختم ہونے کا نام نہیں لیں گی۔" امیر علی اسی موضوع سے اجتناب برت رہا تھا۔ اسے یکدم جھاڑ دیا۔

"تجھے حیرت نہیں ہوئی امیر علی۔" وہ جھاڑ کھا کر بھی اپنے جون میں بولی۔ پھر ہلکے سے مسکرائی "یاد ہے امیر علی۔ حازم صاحب کو بھی حوریہ بی بی نے دو بار زبردستی نماز پڑھائی تھی۔ کتنے پیارے لگ رہے تھے سفید شلوار قمیص اور سفید ٹوپی میں آہ۔ ہا۔"

"دیکھ نفیسہ اس وقت میرا جی پہلے ہی اداس ہو رہا ہے بڑے صاحب کی طبیعت کی وجہ سے تو حازم صاحب کا ذکر کر کے مجھے اور غمگین نہ کر۔ جا اندر جا بیگم صاحبہ کے آنے کا ٹائم بھی ہو رہا ہے۔"

"ارے نہیں آتیں وہ ایک دو بجے سے پہلے ان کو موجیں اڑانے سے کہاں فرصت ہے۔" نفیسہ جھنجلا کر پچھلی طرف کو نکل گئی۔

نفیسہ کے آخری جملوں پر بابر کی پیشانی پر پڑے بل کچھ اور گہرے ہو گئے تھے۔ نوکروں کا بیٹھ کر مالکوں کی ذات پر تبصرے اسے بے حد ناگوار گزرے تھے۔ تاہم غصے سے زیادہ اس پر حوریہ کا تصور غالب تھا۔ حوریہ کے متعلق کی گئیں نفیسہ کی باتیں اسے مختلف سوچوں میں دھکیل رہی تھیں۔ وہ راہداری کے اندرونی حصے کی طرف دھیرے دھیرے چلنے لگا۔

کوٹھی یقیناً "حوریہ کے لیے سونے کا پنجرہ تھی جس میں وہ قید کر دی گئی تھی۔۔۔ اور قید میں پرندہ فقط پھڑپھڑا سکتا ہے اور بابر کا بھی خیال تھا وہ اسے پھڑپھڑاتا دیکھ کر لطف اٹھائے گا اس کی بے بسی پر حظ اٹھائے گا۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ نہ وہ لطف اٹھا رہا تھا نہ حظ۔ وہ مضطرب تھا' ایک بے قراری سی بے قراری تھی جو ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

وہ اندر آیا تو نفیسہ اسے دیکھ کر جلدی سے اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"وہ علی شاہ کافی دیر سے رو رہا ہے جاگ گیا ہے۔ کیا میں اسے آپ کے روم سے لے کر حوریہ بی بی کو دے آؤں۔ شاید بھوک لگی ہوگی اسے۔"

وہ خاصی پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ مگر بابر کی اجازت کے بغیر وہ بابر کے روم میں قدم نہیں رکھ سکتی تھی۔ نہ علی شاہ کو چھو سکتی تھی۔

بابر نے سر کو اثباتی جنبش دی تو نفیسہ سرعت سے اس کی خواب گاہ کی جانب بھاگ لی۔۔۔ پلٹ کر آئی تو علی شاہ اس کے کندھے سے لگا ہوا تھا۔ بابر کسی خیال سے چونکا۔

"بات سنو!" وہ ہاتھ میں پکڑا سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر تپائی پہ رکھتے ہوئے بولا۔ "لاؤ اسے مجھے دے دو میں دے آتا ہوں۔"

"جی بہتر۔" نفیسہ نے جھٹ سے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے علی شاہ کو احتیاط سے بابر کی طرف بڑھا دیا۔ بابر کی گود میں آتے ہی بچہ پل بھر میں چپ ہو گیا۔ اس کا بسورتا ہوا منہ نارمل حالت میں آ گیا۔

بابر کے لبوں کی تراش میں بے ساختہ مسکراہٹ جھلکی تھی۔

"گڈ... پہچان کے مراحل طے کر رہے ہو پرنس۔" وہ اس کے سر کو ہلکے سے تھپک کر حوریہ کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

"مجھے ایسا لگتا ہے جیسے آپ مجھے یہاں لا کر کسی بچے کی طرح بہلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" فضا نے اپنے سامنے پھیلے وسیع و عریض سمندر کو دیکھ کر نصیر کی طرف دیکھا جو اگنیشن سے چابی نکال رہا تھا۔

وہ دونوں یاور علی کے گھر سے نکل کر ساحل سمندر پر آئے تھے اور یہ فیصلہ خالص نصیر کا تھا۔ اسے فضا پہلی بار اپنے غم سے نڈھال نہیں بلکہ کسی دوسرے کے لیے اتنی پراگندہ اور پژمردہ دکھائی دے رہی تھی۔ اب تک اس کا خیال تھا کہ وہ ایک خود غرض اور اپنی ذات کے گرد ہی گھومتے رہنے والی لڑکی ہے، کسی اور کے غم و رنج کو محسوس نہ کرنے والی فقط اپنی ذات سے اپنی ذات تک کا ہی سفر کرنے والی... مگر اسے حوریہ کے لیے اتنا دکھی دیکھ کر نصیر کے اندر ایک انجانی سی مسرت پھوٹی تھی۔

"ہاتھ میں چاکلیٹ دے کر مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہیں آپ۔" وہ دونوں گاڑی سے اتر گئے۔ فضا نے اڑتے بالوں کو سمیٹتے ہوئے نصیر کی طرف دیکھا۔

"ہاں بالکل یہی سمجھ لو کہ میں تمہیں بہلانے کے لیے یہاں لایا ہوں۔" نصیر نے جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال کر اس کا ریپر کھول کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "چاکلیٹ نہ سہی... چیونگم ہی سہی، لو کھالو۔" فضا اس کی طرف دیکھنے لگی۔ تب وہ سنجیدگی سے بولا۔

"مجھے حیرت کے ساتھ انکشاف بھی ہوا کہ تم اپنی ذات کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی اتنی حساس ہو۔ ان کا دکھ محسوس کرتی ہو۔" وہ دونوں نسبتاً "ویران گوشے" کی طرف چل رہے تھے۔

فضا نے لب بھینچ لیے اور نظریں نصیر کی نظروں سے کترا کر سامنے تاحد نظر پھیلے سمندر کی جانب کرلیں... جسے ایک پل قرار نہیں تھا۔ وہ ایک اضمحلال کے ساتھ ہنس دی۔

"انسان جب اپنی ذات تک ہی محدود رہتا ہے تو اسے اپنا ہر بے معنی، بے مقصد غم بھی بہت بڑا دکھائی دیتا ہے۔ مگر جب اپنی ذات سے باہر نکل کر نگاہیں دوڑاتا ہے تو... جانتا ہے کہ ہم نے تو کچھ ایسا کھویا ہی نہیں جس کا ماتم کر رہے ہوتے ہیں۔ لوگ تو غم کا پہاڑ اٹھا کر بھی باحوصلہ کھڑے ہیں۔ تب... تب ندامت سے زمین میں گڑ جانے کو دل کرتا ہے۔" اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندہ سا پڑنے لگا۔

"میں تو اب تک سمجھتی رہی کہ میں ہی اس روئے زمین پر سب سے زیادہ دکھی اور ناآسودہ ہوں۔ اب تک محض اپنے خوابوں کے ٹوٹنے کا غم مناتی رہی... مگر یہاں تو زندگی بھر کا سرمایہ ہی چھن گیا۔ ایک بچے سے پیدا ہونے سے پہلے ہی باپ کی چھت اور بیوی سے محبوب شوہر چھن گیا۔ ایک ماں سے اس کا بیٹا بائیس سال کی جدائی کے بعد ملا اور پھر جدا ہو گیا ہمیشہ کے لیے امیدیں ہی دم توڑ گئیں۔ اس سے بڑا غم اور کیا ہو گا نصیر۔" وہ ایک اونچے پتھر پر نڈھال سی بیٹھ گئی۔

"شاید پھپھو سچ ہی کہتی ہیں۔ اس غم پر صبر ضرور آجاتا ہے۔ جو خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ مگر جو تکلیف انسان اپنے ہاتھ سے اپنے لیے پیدا کرتا ہے وہ انسان کو ہمہ وقت جلاتی رہتی ہے۔ شیطان اسے واویلا کرنے پر اکساتا رہتا ہے اور اس اجر سے بھی محروم کر دیتا ہے۔ جو ہر تکلیف پر اس کا رب اپنے بندے کے لیے رکھتا ہے۔"

وہ اتنی پژمردہ اور افسردہ دکھائی دے رہی تھی کہ نصیر کو وہ قابل رحم محسوس ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں آج فقط غم اور رنج، مایوسی رقم نہیں تھی بلکہ ایک ندامت کا رنگ بھرا ہوا تھا۔ ایسی ندامت جو خود اپنے آپ سے بھی محسوس

ہو اور درحقیقت اس پل وہ جتنا سوچتی جارہی تھی ندامت کا احساس نڈھال کیے جارہا تھا۔

"کسی اپنے کا غم ہی ہمارے غموں کی اذیت کو کیوں کم کرنے کا سبب بنتا ہے نصیر۔ انسان کو یہ ادراک پہلے کیوں نہیں ہوتا۔" اس نے ایک تھکی تھکی سانس کھینچی۔ اور ان آنسوؤں کو روکنے کی کوشش بھی کررہی تھی جو دل سے امڈ امڈ کر آنکھوں کی جانب دوڑے چلے آرہے تھے۔

"لگتا ہے حوریہ سے تم بہت زیادہ قریب تھیں تمہیں اس کے غم میں یوں نڈھال دیکھ کر لگتا ہے جیسے میں بھی اس غم میں شریک ہوں۔ کوئی تعلق نہ ہوتے ہوئے بھی تمہارے ساتھ اس رنج میں خود کو شامل محسوس کررہا ہوں۔" وہ اس کے نزدیک بیٹھ گیا اور بے حد نرمی اور اپنائیت سے اس کی کمر کے گرد اپنا بازو حمائل کردیا۔

فضا کا دل یکبارگی دھڑکا۔ دوسرے پل اپنائیت کے احساس کی گرمی سے پگھل کر بہنے لگا۔ وہ اس کے کندھے پر سر ڈال کر بلک پڑی۔

"اس پر بہت بڑا غم ٹوٹ پڑا ہے نصیر اور مومنہ پھپھو کے صبر کو دیکھ کر میرا دل غم سے پھٹ رہا ہے۔"

"چلو رو لو.... کھل کر رو لو۔" نصیر اسے تھپکنے لگا کہ اتنا ہی اس کے بس میں تھا۔ وہ نہ حوریہ کو جانتا تھا نہ مومنہ پھپھو سے کبھی ملاقات ہوئی تھی.... وہ تو بس فضا کی دل جوئی چاہتا تھا۔

پہلی بار فضا کو نصیر کا وجود اس کا اپنے گرد یہ حصار کسی بڑی نعمت سے کم نہ لگ رہا تھا۔ سچ ہی کہتے ہیں کہنے والے "کبھی اس کو نظر انداز نہ کرو جو تمہاری بہت پروا کرتا ہے ورنہ تمہیں کسی دن احساس ہوگا کہ پتھر جمع کرتے کرتے تم نے ہیرا گنوا دیا۔" اسے گزرے دنوں پر ملال ہونے لگا۔

انسان کیسی کیسی باتوں پر شکستہ دل اور پر ملال رہتا ہے۔ بے معنی غموں کو سینے سے لگائے تھکا ڈالتا ہے خود کو.... جیسے حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جوتا پیروں میں نہ ہونے کا ملال رہتا ہے مگر جب کسی ایسے پر نظر پڑتی ہے جس کا سرے سے پیر ہی نہ ہو تو یہ ملال کتنا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ جوتے کے نا ہونے کے غم سے کہیں زیادہ پیروں کا موجود ہونا سکون بخشتا ہے۔

وہ آنسو پونچھتے ہوئے نصیر کو پہلی بار عقیدت مندانہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

انسان کا کردار.... اس کا اخلاق اسے کتنا خوب صورت بنا دیتا ہے۔ وہ اس کے لیے ٹھنڈے پانی کی بوتل شاپر سے نکال رہا تھا۔

چھاؤں تو کوئی بھی بن سکتا ہے آپ کے لیے۔ اس کے لیے کسی رئیس یا خوبرو کا ہونا شرط تو نہیں۔ چھاؤں بننا ان باتوں سے کب مشروط ہے۔ اس کے لیے تو پر خلوص بے غرض اور سچی چاہت والا دل چاہیے۔ ایسے دل اور جذبے رکھنے والے ہی درحقیقت کسی کی دھوپ کم کرسکتے ہیں ان کے وجود سے ہی آسودگی اور گھنیری چھاؤں کا احساس ملتا ہے۔ اسے مومنہ کی باتیں یاد آنے لگیں جب انہوں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

"جو شخص تمہارے رویوں کی بے اعتنائی صرف اس لیے سہ رہا ہو کہ تمہیں سنبھالنے کا موقع دینا چاہ رہا ہو.... تمہارے ماضی کے حوالے سے تمہیں طعنہ نہ دے۔ تمہارے آنسوؤں کو پونچھنے کی ہر ممکن کوشش کرے ایسا شخص بہت رحم دل اور محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ ایسی چھاؤں ہوتے ہیں جو سفر کی ساری دھوپ سمیٹ لیتے ہیں یہ ایسی پناہ گاہ ہوتے ہیں فضا.... یہی درحقیقت عورت کی عزت کرسکتے ہیں۔ یہ انہیں ہیرا سمجھ کر اپنی زندگی کے سیپ میں بڑے سنبھال کر رکھتے ہیں۔ ان کی قدر نہ کرنا دراصل اپنے ساتھ ظلم کرنا ہے۔"

"یہ لو پانی پی لو۔" وہ پانی کی بوتل اس کی طرف بڑھا رہا تھا "منہ دکھائی سے لے کر اب تک تم مجھے بس آنسو ہی دیے جارہی ہو۔" اس کا انداز بظاہر شگفتہ سا تھا مگر فضا کے دل میں تیر کی طرح کھب گیا۔ اس نے پانی کی بوتل کے ہمراہ اس کے کانپتے ہاتھ پر بھی اپنی گرفت کرلی تھی جو آہستہ آہستہ مضبوط ہوتی جارہی تھی۔ فضا کی پلکیں جھک

گئیں۔

"میں مذاق کر رہا ہوں۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بس اب تم ان آنسوؤں کو آج اس سمندر میں پھینک دو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔" وہ اس کے چہرے پر پھیلنے والی خفت کی سرخی پر جلدی سے وضاحت دیتے ہوئے بولا۔

"آپ شاید ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔" وہ پانی کی بوتل اس کے ہاتھ سے لے کر ایک مضمحل سانس کھینچتے ہوئے بولی۔

"میں نے آج تک آپ کو سوائے آنسوؤں کے کچھ نہیں دیا۔ حالانکہ آپ جیسے سچے خالص اور محبت کرنے والے انسان کے لیے خالص شفاف مسکراہٹ ہونی چاہیے تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ میں آپ جیسے عظیم انسان کے قابل ہی نہیں تھی۔" اس کا لہجہ بکھرنے لگا۔ اس نے پانی کا چھوٹا سا گھونٹ بھر کر بوتل پتھر پر رکھ دی۔

"بس... اتنی سی بات۔" نصیر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف کیا۔

"یہ اتنی سی بات نہیں ہے۔" وہ تڑپ کر اضطراری انداز میں لب کاٹنے لگی۔

"دیکھو فضا گھر ہوس سے نہیں بنتے۔ نہ خوابوں سے اسے سنوارا جا سکتا ہے یہ آپس کے اعتماد اور محبت سے بنتے ہیں۔" نصیر نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیے "میں زیادہ پڑھا لکھا تو نہیں ہوں مگر اتنا جانتا ہوں کہ ہم جس سے محبت کرتے ہیں اس کی تمام خامیوں اور کمزوریوں کے ساتھ اسے نہ صرف چاہیں بلکہ اس کی خامیوں کو ڈھانپ لیں۔ سچ کہوں کہ گھر کا سکون ایک دوسرے کی خامیوں کو نظرانداز کرنے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔" وہ اس کا ہاتھ محبت اور نرمی سے سہلا رہا تھا فضا کا دل گداز ہونے لگا۔ عورت عزت کی چادر میں ہی محفوظ اور پرسکون رہ سکتی ہے اور یہ چادر اسے وہی مرد پہناتا ہے جو اس سے سچی اور بے غرض محبت کرتا ہے۔ اسے نصیر کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا دکھ ستانے لگا۔ وہ مضطرب ہو کر اٹھنے لگی۔

"گھر چلیں نصیر... بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"ارے۔" نصیر اس کے اٹھ جانے پر چونکا۔ پھر خود بھی اٹھ کر اسی کے بازو کو پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے بولا۔

"کچھ دیر اور بیٹھ جاؤ۔ مدتوں بعد ایسا خوب صورت منظر دیکھنے کو ملا ہے۔ آج تو سمندر بھی نیا نیا لگ رہا ہے۔"

"نہیں گھر چلیں... ہم صبح کے نکلے ہوئے ہیں شام ہونے کو آ گئی ہے۔" وہ اس کی قربت سے گھبرا کر گاڑی کی جانب چل دی۔

"دیر کہاں ہوئی ہے۔" نصیر کے سینے سے ایک سانس نکل کر فضا کا حصہ بن گئی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے فضا سوچ رہی تھی کہ کچھ لوگ کیسے ہوتے ہیں ان کی جانب جب بھی آؤ۔ کسی بھی طرف سے آؤ۔ محبت ہی ملتی ہے کوئی پرسکون جزیرہ جس کے چاروں جانب محبت کا ٹھاٹھیں مارتا پانی۔

☆ ☆ ☆

دروازہ بجا تو حوریہ کا خیال تھا نفیسہ ہو گی علی شاہ کو سلانے آئی ہو گی۔ وہ عشا کی نماز سے فارغ ہو چکی تھی۔ جائے نماز لپیٹتے ہوئے بولی۔

"آ جاؤ اندر۔" دروازہ ہلکے سے کھلا اور بابر اندر داخل ہوا... بابر کو خلاف معمول دیکھ کر حوریہ کی پیشانی پر شکن ہو گئی۔

"میں سمجھی نفیسہ ہو گی علی شاہ کو سلانے آئی ہو گی۔" وہ اس کی طرف سے رخ پھیرتے ہوئے بولی۔

"علی شاہ کو ہی دینے آیا ہوں۔" وہ اس کے گریز کو نظرانداز کرتے ہوئے علی شاہ کو اس کے بیڈ پر لٹانے لگا۔

"اس کو بھوک لگی ہوگی۔ اسی لیے رو رہا تھا۔" اسے لٹا کر حوریہ کی طرف دیکھا جو رخ موڑے کھڑی تھی۔ سفید چادر سر سے پیروں تک لٹک رہی تھی۔

"یہ اگینسٹ ہیومن نیچر (انسانی فطرت کے خلاف) نہیں ہے کہ تم یوں آئسولیٹڈ (تنہا) ہو جاؤ۔ آئی مین کہ یوں کمرے میں خود کو قید کر لو۔ یہ بھی تو نعمتوں کی ناشکری ہی ہے۔" وہ چلتا ہوا اس کی پشت پر کچھ فاصلے پر رک گیا۔ وہ کھڑکی سے باہر اندھیرے کو گھورتے ہوئے دھیرے سے مسکرا دی۔ اور بغیر پلٹے بولی۔

"ایک کمرے پر کیا موقوف۔۔۔ میں تو اس کوٹھی میں رہنے پر مجبور کر دی گئی ہوں۔" اس کا لہجہ نیم استہزائیہ تھا "پنجرہ سونے کا بھی ہو تو وہ پنجرہ ہی ہوتا ہے۔ ایک کمرے پر محدود ہو یا مرلوں پر۔ قید ہونے کا احساس ہی کافی ہوتا ہے۔"

بابر نے ابرو اچکا کر اس پر نگاہیں ڈالیں اسے ایک پل اپنے اعصاب کھنچتے ہوئے محسوس ہوئے مگر دوسرے پل وہ ہلکے سے سر کو خفیف سی جنبش دے کر اعصاب نارمل رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم دوستی کر لیں۔" اس کا لہجہ دوستانہ تھا "ضروری تو نہیں کہ ہم ہر بار ماضی کے حوالے سے ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو جائیں اور اسی بیک گراؤنڈ (پس منظر) میں دیکھیں۔ اچھے فرینڈز کی طرح بھی مل سکتے ہیں۔"

"ہم ماضی میں بھی کبھی دوست نہیں رہے۔" وہ جھنجلا کر پلٹی۔۔۔ بابر ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے بڑے انہماک سے اس کی طرف متوجہ تھا۔ حازم کی طرح اس کا قد بھی دراز تھا حوریہ کو کمرے میں اس کی موجودگی سے الجھن ہونے لگی۔

"اب تو بن سکتے ہیں۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"کیا ہمارا دین اس کی اجازت دیتا ہے کہ میں تم سے دوستی کروں۔ ایک غیر مرد سے دوستی جائز ہے۔" وہ اپنے اندر سے اٹھتے غصے کے ابال کو دبا کر تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

سفید چادر کے ہالے میں حوریہ کا سرخ ہوتا چہرہ اور شہد رنگ آنکھیں بابر کو شام کے سمندر کی مانند دکھائی دینے لگیں۔ پرسکون سطح مگر اندر تہہ میں طوفان کی شوریدہ سری۔

"اگر ایک غیر مرد سے دوستی جائز ہوتی تو ہم ہی کیوں۔ ایسے بہت سے مرد ہوں گے جو حقیقی معنیٰ میں دوستی کے قابل ہوں گے۔"

"لسن!" بابر یوں تڑپا جیسے اس کے گلے پر کند چھری رکھ دی گئی ہو۔

شٹ اپ۔۔۔ انسلٹنگ می (چپ ہو جاؤ۔۔۔ میری توہین کر رہی ہو۔) میں تمہاری اکثر باتیں محض حازم کے حوالے سے برداشت کر جاتا ہوں بٹ۔۔۔"

"اور میں بھی یہاں حازم کے حوالے سے رہ رہی ہوں اور تم سے جتنی بات بھی کرتی ہوں حازم کا بھائی سمجھ کر کر لیتی ہوں۔" وہ بھی جواباً" تلخی سے بولی اور پلٹ کر دروازے کی جانب بڑھی۔ اسے کمرے میں شدید گھٹن کا احساس ہونے لگا تھا۔

"نان سینس۔" بابر بل کھا کر اس کی طرف بڑھا اور دوسرے پل اس کا بازو جھٹکے سے پکڑ کر اسے دیوار کی طرف دھکا دیا۔ وہ اس حملے کے لیے قطعی تیار نہیں تھی اس کی پشت دیوار سے ٹکرائی۔ وہ بلبلا اٹھی۔

"تم اب اس احساس سے باہر نکل آؤ اور اس حقیقت کو مان لو کہ حازم اب اس دنیا میں نہیں رہا اور جب حازم ہی نہیں رہا تو کون سا رشتہ۔۔۔ کیسا حوالہ۔" وہ ایک ہاتھ دیوار پہ رکھے اس کی جانب جھکا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے بھنچے بھنچے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

وہ اعصاب شکن احساس کے ساتھ دیوار سے لگی کھڑی رہ گئی تھی۔ نفرت کا ایک تیز ریلا اس کے وجود کے اندر سے اٹھا۔

"دنیا ایک انسان پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے دین میں بھی یہ ہو گا کہ مرنے والوں کے ساتھ خود بھی مرجایا جائے۔ کوئی نیا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا۔"

"بکواس بند کرو۔" وہ اپنے منتشر اعصاب کو سنبھال کر چلائی۔

"واؤ۔۔۔" وہ ہلکے سے ہنسا "جب سچ بولنے کی جرات کر سکتی ہو تو سچ سننے کا حوصلہ بھی ہونا چاہیے حوریہ عادل۔" بابر نے اس کی طرف مزید جھکتے ہوئے اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانکا۔

"ہٹ جاؤ میرے آگے سے۔" وہ نفرت اور غصے سے چیختے ہوئے بولی "آئندہ میرے نزدیک آنے یا مجھے چھونے کی ہرگز کوشش مت کرنا۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا بابر کو دھکے دے کر یہاں سے نکال دے۔ تھپڑوں سے اس کا منہ لال کر دے۔

"اوکے۔۔۔ ابھی ہٹ جاتا ہوں۔ آئندہ کی البتہ کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا یہ جذبات پر منحصر ہے۔" وہ نہایت اطمینان سے اس کے سلگتے چہرے پر نگاہیں پھینک کر دیوار سے ہاتھ اٹھا کر پیچھے ہٹا تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم۔۔۔ اب بھی وہیں کھڑے ہو جہاں پہلے دن کھڑے تھے۔" وہ متاسفانہ نظریں اس پر ڈال کر بولی۔ "مجھے اب سمجھ آنے لگا ہے کہ تم مجھے علی شاہ کے ذریعے اس کوٹھی میں رہنے پر مجبور کیوں کر رہے ہو۔" اس کی آواز ابھری تو بابر پلٹنے کا ارادہ ترک کر کے اس کی سمت رخ موڑتے ہوئے دیکھا۔

"تمہارے ناپاک عزائم کو میں اچھی طرح جان۔۔۔"

"حوریہ۔۔۔ شٹ اپ۔" اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے بابر بلبلا کر چلایا۔۔۔ اسے لگا کوئی آگ اس کی سماعتوں کو چھو گئی ہو۔

"کیا عزائم ہیں میرے۔۔۔" وہ ملامتی نظروں سے اسے گھورتا ہوا اس کے نزدیک چلا آیا۔

وہ غصے، طنز اور نفرت کے مشترکہ احساس سے اسے دیکھ رہی تھی' اس کے لبوں سے نکلنے والے یہ الفاظ اور اس کی آنکھوں سے چھلکتا بے اعتباری کا خوف۔۔۔ بابر کے وجود پر آگ کے چھینٹوں کی طرح پڑا وہ گویا پورا کا پورا جھلس کر رہ گیا۔

"تم۔۔۔ تم حوریہ تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمہیں یہاں اپنے کسی امپراپر انٹینشن (خراب نیت) کے لیے لایا ہوں۔ تم، تم اس حد تک بد اعتمادی کی فضا میں سانس لے رہی ہو۔" وہ غصے کی شدت سے جیسے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔ اس لمحے بابر کی آنکھوں سے نکلتی آگ حوریہ کو اپنے وجود پر گرتی محسوس ہونے لگی۔ اسے لگا وہ کھڑے کھڑے ہی بھسم ہو جائے گی۔

مگر بھسم تو جیسے وہ ہو رہا تھا اس آگ سے، جو حوریہ نے اس کے ارد گرد دہکا دی تھی۔

اچانک اس نے شدید طیش کے عالم میں ریک پر پڑا شوپیس اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔

کانچ کا نفیس شوپیس آن واحد میں کانچ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں کارپٹ پر جا بجا بکھر گیا۔

"تمہارے یہ الفاظ مجھے پرانے بابر کے روپ میں ڈھال رہے ہیں حوریہ' اس سے پہلے کہ میں وہی بابر بن کر تمہارے سامنے کھڑا ہو جاؤں اپنے الفاظ واپس لو۔"

وہ طیش کے عالم میں اس سے پہلے مزید چیزیں ادھر ادھر پھینکتا۔ اس سے پہلے علی شاہ کے رونے کی آواز آئی۔ وہ اس شور و غل پر کسمسا کر' رہ گیا تھا۔ بابر کا ہاتھ فون سیٹ پر ڈھیلا پڑ گیا پھر اس نے سیٹ کو زور سے ریک پر ہی دھکیل دیا اور حوریہ پر چلچلاتی نگاہ پھینکتا ہوا جھٹکے سے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ دروازہ اتنا مضبوط اور

عمدہ لکڑی کا نہ ہوتا تو یقیناً" دیوار سے ٹکرا کر ہل گیا ہوتا۔

حوریہ کو لگا ایک پل کے لیے کمرے میں طوفان آ گیا ہو۔ مگر حقیقت تو یہ تھی کہ یہ طوفان اس کے اپنے اندر ہی آیا تھا۔ اس کی رگ رگ کو نچوڑ گیا تھا... ایک وحشت بن کر سینے کی دیوار سے لپٹ گیا تھا۔

علی شاہ اب سہمی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ وہ نڈھال سی بیڈ کے کنارے ڈھے سی گئی۔ جیسے پیروں کی کسی نے جان کھینچ کر رکھ دی ہو۔

وہ بد اعتمادی کا شکار نہیں تھی۔ وہ اتنے سخت الفاظ نہیں کہنا چاہتی تھی مگر غصے کی شدت سے بے ارادہ وہ اس پر یہ وار کر گئی تھی۔

مگر حقیقت تو یہ تھی کہ یہ کھولن بھی بابر کے رویوں کی بخشی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

بابر حوریہ کے کمرے سے نکل کر جارحانہ انداز میں اپنے کمرے میں آیا تھا۔ لات سے دروازہ بند کیا۔ بدن سے ٹی شرٹ کھینچ کر اتار کر فرش پر پھینکی اے سی کی کولنگ تیز کی۔ پھر بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔

حوریہ کے الفاظ' اس کے لہجے کا اتار چڑھاؤ' اس کی آنکھوں سے چھلکتا بے اعتمادی کا رنگ' اس کے لیے کسی ذلت سے کم نہ تھا۔ اس نے کلائی میں بندھی گھڑی اتار کر دیوار پر دے ماری۔ پھر تکیہ سر کے نیچے دبا کر بیڈ پر چت لیٹ گیا۔ مگر اسے لگ رہا تھا۔ کوئی آگ ہے۔ جو پیروں سے ہوتی دماغ پر چڑھ رہی تھی۔

اسے لگا اس کی ذات کے بخیے ادھیڑ دیے گئے ہو۔ اسے ذلت کی اندھی کھائی میں دھکا دے دیا ہو حوریہ عادل نے۔

وہ نفرت کی انتہا پر کھڑی تھی اس بات کا احساس اس کے لفظوں نے بھی دلا دیا تھا۔ وہ اضطراری انداز میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور سگریٹ سلگا کر گہرے گہرے کش لگاتے ہوئے دھواں آنکھوں کے گرد پھیلانے لگا۔ کتنی دیر سگریٹ پھونکتا رہا۔ اس آگ سے دل میں دہکنے والی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتا رہا... پورا کمرہ سرمئی دھوئیں سے اٹ گیا مگر سوچوں کی طنابیں یونہی تنی پڑی رہیں۔

اسے پہلی بار معلوم ہوا کہ نظروں سے گرنا اور گرنے کی اذیت کیا ہوتی ہے۔ اس ذلت کا تصور بھی نہیں تھا اس کے پاس... درحقیقت ذلت کا تصور ہر کسی کے لیے الگ معنی رکھتا ہے۔ کچھ لوگ اپنی عزت کا معیار خود قائم کر لیتے ہیں اور اس میں کمی بیشی کو اپنی ذلت تصور کرتے ہیں۔ کچھ ڈھیٹ قسم کے اس تصور سے بھی آزاد ہوتے ہیں۔ جبکہ کچھ لوگوں کو قدرت وارننگ کے طور پر کسی بہت ہی اپنے کی نگاہوں سے گرا کر اس ذلت کے احساس سے دوچار کرتی ہے۔ ایسے میں کچھ سنبھل جاتے ہیں۔ کچھ انتقام پر اتر آتے ہیں' کچھ انتقام کی صلاحیت اور طاقت نہ رکھنے پر عمر بھر سلگتے رہتے ہیں۔

مگر بابر کا شمار ان میں تھا کہ انتقام کی طاقت رکھنے کے باوجود وہ سلگ رہا تھا اس لیے کہ وہ اب حوریہ کو کسی قیمت پر چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اسے پانا چاہتا تھا ہر ممکن طریقے سے۔ اور وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ پانے کا کون سا طریقہ اسے اپنانا چاہیے۔ کس راستے سے وہ حوریہ تک پہنچ سکتا ہے اس کا ذہن ماؤف تھا' سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود۔ بس اسے پانے کا تصور دل میں تند موجوں کی طرح موجزن تھا۔

اس کے چہرے کا تناؤ آہستہ آہستہ ڈھیلا پڑ گیا۔ اس نے جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی۔ اور صوفے پر بازو کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

حوریہ' عاظمہ اور عباد گیلانی کی اجازت سے میکے چلی گئی تھی۔ اس کی مومنہ سے بات ہوئی تو پتا چلا کہ یاور علی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ یوں بھی ذہنی طور پر اس قدر تھک گئی تھی کہ اسے لگ رہا تھا کہ اگر مزید لمحے یہاں گزارے تو اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ وہ کچھ لمحات اس زنداں سے نکل کر گزارنا چاہتی تھی۔ یاور ہاؤس میں حوریہ اور علی شاہ کے آنے سے سب بے حد خوش ہوئے۔ وہ کتنی دیر یاور علی کے سینے سے لگی روتی رہی۔

"تم وہاں خوش نہیں ہو کیا حوریہ بیٹی۔" وہ اس کے یوں رونے پر پریشان ہو گئے۔

"ایسی بات نہیں ہے دادا جان۔" وہ جلدی سے سنبھل کر دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑنے لگی۔ "بس آپ کی طبیعت کی خرابی کا سنا تو پریشان ہو گئی تھی۔"

"ارے علی شاہ کو دیکھا اباجی۔ کتنا بڑا بڑا سا لگ رہا تھا۔" مومنہ علی شاہ کو اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔

یاور علی اور حوریہ دروازے کی جانب مڑے۔ یاور علی کے لبوں کی تراش میں علی شاہ کو دیکھ کر چمکتی مسکراہٹ اور آنکھوں میں روشنی اترنے لگی۔

مومنہ نے ان کی نحیف گود میں علی شاہ کو ڈالا تو انہوں نے اس کے ننھے وجود کو بانہوں میں بھر کر سینے سے بھینچ لیا۔

"عباد انکل بھی۔ اس سے بے حد پیار کرتے ہیں جب تک اسے نہ دیکھ لیں بے چین رہتے ہیں۔"

"ہاں انسان اس عمر میں نیچر سے بہت نزدیک ہو جاتا ہے اور اس دنیا میں بچوں سے زیادہ نیچرل بیوٹی اور کیا ہو گی۔" حوریہ سرہلاتے ہوئے مسکرا دی۔

"یہ تو ہے اسے دیکھ کر دنیا کی ساری خوب صورتیاں ہیچ دکھائی دیتی ہیں۔" اس کی پیار سے بھری نگاہیں علی شاہ پر جم گئیں جو یاور علی کی گود میں سکون سے لیٹا آنکھیں گھما گھما کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی سنہری سنہری آنکھوں کی پتلیوں میں تجسس بکھرا ہوا تھا اسے ہر چیز نئی معلوم ہو رہی تھی۔

"بابر کا رویہ کیسا ہے اس کے ساتھ' میرا مطلب ہے علی شاہ کو ٹائم دیتا ہے۔"

حوریہ کے چہرے پر بابر کے ذکر سے ایک پل خفیف سا کھنچاؤ آگیا وہ سر کو ہلکے سے اثبات میں ہلا کر رہ گئی۔ پھر یکدم کسی سے احساس سے نکلنے کی غرض سے مومنہ کی طرف پلٹ کر پوچھنے لگی۔

"پاپا آگئے ہیں کیا؟" وہ عادل بھائی کی بابت پوچھنے لگی۔

"ہاں... رقیہ بھابھی نے انہیں تمہاری آمد کی خبر دی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ فریش ہونے گئے ہیں تم بھی فٹافٹ آجاؤ۔ کھانا رقیہ بھابھی نے لگا دیا ہے۔ پھر دادا سے جڑ کر باتیں کرتی رہنا۔" مومنہ' پیار سے حوریہ کو بالوں کو سہلا کر بولی تو وہ مسکرا دی اور کرسی سے اٹھ کر باپ سے ملنے کمرے سے نکل گئی۔

"لائیے اسے مجھے دے دیجیے۔ میں آپ کے لیے کھانا یہیں لگوا دیتی ہوں۔" مومنہ علی شاہ کو یاور علی کی گود سے لینے کو جھکی تو انہوں نے اسے روک دیا۔

"نہیں مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔ اسے میرے پاس ہی رہنے دو۔" وہ تکیہ بیڈ کراؤن سے لگا کر علی شاہ کو احتیاط سے تکیے کے سہارے نیم دراز لٹانے لگے۔

"چلیں۔ ٹھہر کر کھا لیجیے گا۔" مومنہ واپس پلٹنے لگی کہ یاور علی نے کچھ سوچ کر اسے پکارا۔

"مومنہ۔" وہ رک گئی۔

"حوریہ ٹھہرنے آئی ہے یا چلی جائے گی۔" ان کے لہجے میں عجیب سی آس تھی۔

"پتا نہیں ابھی پوچھا نہیں اس سے۔ میرا خیال ہے ایک دن تو رہے گی۔"

"ہوں۔" یاور علی فقط ہنکارا بھر کر رہ گئے "جہاں رہے خوش رہے۔" وہ دھیرے سے بولے۔
مومنہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

رات حوریہ مومنہ کے نزدیک بیڈ پر لیٹی تھی مومنہ اس کا سر اپنی گود میں رکھے اس کے بالوں کو دھیرے دھیرے سہلا رہی تھی۔ علی شاہ، عادل بھائی اور رقیہ بھابھی کے پاس تھا۔

"بھول جانا اتنا ہی مشکل ہے پھپھو جیسے دہکتے الاؤ سے بہ خیریت گزر جانا۔" وہ خود آزاری کی کیفیت سے گزر رہی تھی۔ "میں جانتی ہوں کہ سب کچھ بھلانے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے اور رب کی رضا بھی یہی ہے مگر کبھی کبھی ہر دلیل سے دل الجھ کر رہ جاتا ہے ماننے سے انکاری سا ہو جاتا ہے۔"

"تو کیا ضروری ہے خود کو مشقت میں ڈالنے کی۔ بھولنے کی شعوری کوشش مت کرو۔ بس اللہ سے تعلق جوڑے رکھو، اس کے آگے ہر دکھ رنج رکھ دو، وہ خود تمہیں صبر دیتا جائے گا۔ یہ انسان کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے چاہے جتنی بھی شعوری کوشش کر لی جائے۔"

"ہاں ایسا ہی لگتا ہے۔" اس نے مومنہ کے نرم سفید ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے اور پلکیں اٹھا کر انہیں محبت پاش نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آپ مجھے بہت یاد آتی ہیں۔ فون بھی نہیں کرتی آپ تو۔" حوریہ شکوہ کیے بنا نہ رہ سکی۔

"پگلی اپنے دل و دماغ کو یہیں لگا رکھو گی تو وہاں ایڈجسٹ کیسے ہو گی۔ بس اسی لیے کم کم کرتی ہوں فون۔"

"ایڈجسٹ۔" حوریہ نے شدت کرب سے لبوں کو دبا لیا۔ بابر کا سراپا ایک پل نظروں میں لہرا کر گم ہو گیا۔

"آپ کا خیال ہے میں وہاں ایڈجسٹ ہونے گئی ہوں۔ عمر بھر کے لیے وہیں رہوں گی۔" اس نے کچھ بر امان کر مومنہ کو دیکھا تھا۔

"اتنی دور تک کیوں سوچتی ہو تم۔" مومنہ نے تڑپ کر اس کا ہاتھ اسے ہاتھ میں تھام لیا۔ "کون جانتا ہے تقدیر میں کیا لکھا ہے یاد رکھو اللہ بندے کو اس کی طاقت سے زیادہ نہیں آزماتا۔ حوریہ کم آن تم اتنی پینک (خوف زدہ) کیوں ہو جاتی ہو۔ علی شاہ تمہارے پاس ہے اسے دیکھ دیکھ کر خوش رہو۔ اپنی تمام تر توجہ اس کی طرف رکھو۔ ساری باتیں ذہن سے جھٹک دو۔"

وہ لب دبائے چپ رہ گئی۔ اس کی ناک کے کناروں پر سرخی کی تہ گہری ہوتی جا رہی تھی جیسے اندر ہی اندر ایک الاؤ کو روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کی انگلیاں اضطراری انداز میں مومنہ کی انگلیوں سے لپٹ رہی تھیں۔

"ارے ہاں.... فضا آئی تھی۔" مومنہ یاد آنے پر بولی۔ وہ چونکی۔

"اچھا کب، یہاں پر۔"

"ہوں.... اس نے فون کیا تھا اور جب تمہارے ساتھ ہوئے اس حادثے کا اسے علم ہوا تو دوڑی چلی آئی۔ بہت ڈپریسڈ تھی۔"

"کس کے ہمراہ آئی تھی۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ایک عرصے کے بعد فضا کا ذکر سن کر اسے اپنا خوش گوار ماضی یاد آنے لگا۔ فضا کے ساتھ کالج میں گزرا وقت۔ اس کے لبوں پر بے اختیار مدھم مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اپنے میاں کے ساتھ آئی تھی وہی اسے چھوڑ گیا تھا۔"

"ارے نصیر کے ہمراہ۔" اسے اچھی خاصی حیرت ہوئی۔

"کیسا ہے وہ دیکھنے میں۔ دیکھا آپ نے اسے، فضا خوش ہے اب۔"

"وہ باہر ہی رہا اندر نہیں آیا تھا اور کیسا ہے کیا مطلب۔" مومنہ نے اسے مصنوعی پن سے گھورا۔ "جیسے سب ہوتے ہیں۔"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ فضا اس سے شادی کرنے پر راضی نہیں تھی نا۔ اس کی شکل وصورت کی وجہ سے بھی۔"

"فضا تو پاگل ہے۔" مومنہ نے ہلکی ناراضی سے سر جھٹکا۔

"کم عقل ہے وہ۔ اپنے خوابوں کی جو دیوار کھڑی کر رکھی ہے اس نے اپنے اردگرد اس سے نکلنے کو تیار نہیں ہے۔ پتا نہیں ایسا کیا تھا اس لڑکے میں۔" مومنہ تکیہ بیڈ کراؤن سے لگا کر ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"اس لڑکے میں کچھ بھی نہیں تھا یہ تو بس اس کی دولت اور اسٹیٹس پر مر رہی تھی۔" حوریہ دھیرے سے بولی۔ اور نظریں سامنے دیوار پر مرکوز کر دیں۔

"ایک کمزور کردار اور اخلاق کا انسان بس۔۔۔ یوں بھی ایسے شخص کے ساتھ کوئی آباد نہیں رہ سکتا۔" اس کی آنکھوں کی سطح پر بابر کا نفرت انگیز سراپا لہرانے لگا۔ ماضی کا وہ منظر ذہن کی سطح پر پتھر کی طرح لگنے لگا۔ کیفے کی میز کے گرد بیٹھے ہوئے اسے جن نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کو چھونے کی کوشش کرتے ہوئے اسے ایک لوز کریکٹر کی لڑکی خیال کرتے ہوئے جس قسم کی دعوت دے رہا تھا۔ اپنی نظروں میں گرنے کے وہ لمحات وہ شاید بھول ہی نہیں سکتی تھی۔

"تم فون کر لینا فضا کو تمہارے لیے بہت افسردہ تھی۔" مومنہ کی آواز جیسے بہت دور سے سنائی دے رہی تھی۔ وہ فقط سرہلا کر ان کے نزدیک ہی چت لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

کیسے اور کس طرح وہ مومنہ سے شیئر کرتی۔۔۔ کتنا سفر طے کر کے آئی تھی اور اب کتنا باقی تھا۔۔۔ اور اب مزید اسے اسی محاذ پر جانے اور کتنا ڈٹا رہنا پڑے گا وہ مومنہ سے کس طرح یہ سب شیئر کرے۔ اس کے لیے اسے بہت ماضی میں جانا پڑتا۔۔۔ اور بالفرض وہ شیئر کر بھی لے گی تو۔ مومنہ بابر کا کیا اکھاڑ لے گی۔۔۔ اس کے لیے آسانی کا کون سا راستہ نکال پائے گی۔۔۔ اس کی سوچوں کی طنابیں تنی پڑی تھیں۔

مومنہ کی مہربان انگلیاں حوریہ کے بالوں کو دھیرے دھیرے سہلا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تھکن سے نیند اترنے لگی۔

☼ ☼ ☼

بابر لاؤنج کے صوفے پر بے دلی سے بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا آفس سے وہ آج جلدی اٹھ کر آ گیا تھا۔ اس کا کسی کام میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا عجیب وحشت سی سوار تھی۔۔۔ رات کے واقعہ نے جیسے اسے اندر سے ادھیڑ کر رکھ دیا تھا اس کا دل چاہ رہا تھا ساری دنیا کو تہس نہس کر دے۔ مگر عجیب بے بسی محسوس کر کے رہ جاتا۔ پہلی بار زندگی میں وہ خود کو حوریہ کے مقابلے میں ایسا بے بس محسوس کر رہا تھا جیسے کسی اپاہج کے سامنے پہاڑ کھڑا کر دیا گیا ہو اور اسے یہ پہاڑ عبور کرنا پڑ رہا ہو۔ وہ سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے اپنے سامنے رکھی بھاپ اڑاتی چائے کو دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنا دل بھی چائے سے بھرا کپ محسوس ہو رہا تھا۔ جس سے گاہے بگاہے بھاپ اٹھتی رہتی تھی۔

"آپ نے کھانا تو کھایا نہیں ہے اور چائے پی رہے ہیں۔ کھانا لگوا دوں۔" امیر علی عباد گیلانی کے روم سے نکل کر بابر کی طرف چلا آیا۔

"نہیں ابھی بھوک نہیں ہے۔" اس نے آدھی سے زیادہ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں دبا کر بجھا دی۔ "پاپا جاگ رہے ہیں۔"

"نہیں سوگئے ہیں۔ رات ان کی طبیعت خاصی خراب ہوگئی تھی ڈاکٹر زمان آئے تھے۔" امیر علی صوفے کے کشن ترتیب سے رکھتے ہوئے بتانے لگا۔
"کمال ہے تم نے مجھے جگایا نہیں۔" چائے کا مگ اٹھاتے اٹھاتے وہ ٹھٹکا۔
"صاحب نے منع کردیا تھا کہ آپ کو نہ جگاؤں۔ بس ڈاکٹر کو بلوالیا تھا۔"
"اب کیسی طبیعت ہے کیا کہا ڈاکٹر نے۔" وہ یکدم پریشان دکھائی دینے لگا۔ "خیر میں خود انہیں کال کرلیتا ہوں۔" وہ الجھ رہا تھا۔ امیر علی سرہلا کر پلٹنے لگا کہ وہ بولا۔
"سنو تم ایسا کرو علی شاہ کو میرے پاس لے آؤ۔" وہ چائے کا مگ اٹھا کر دھیرے سے چسکی بھرتے ہوئے بولا۔
"حوریہ بی بی تو شام سے ہی میکے چلی گئی ہیں۔"
"واٹ۔" امیر علی کی بات پر اس کے اعصاب پل بھر کو منتشر ہوئے اس نے جھٹکے سے کپ پرچ پر رکھا۔
"میکے چلی گئی۔ کیسے کب کس کے ساتھ۔" اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑگئیں۔ امیر علی سٹپٹا گیا۔
"وہ جی بڑے صاحب نے ہی اجازت دی تھی' عاظمہ بی بی کو بھی علم ہے۔" "جی ڈرائیور ہی چھوڑنے گیا تھا۔"
"ہوں۔" بابر نے ہنکارا بھر کر نظریں امیر علی کے چہرے سے ہٹالیں۔ "اوکے... تم جاؤ۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے جانے کا اشارہ کیا اور صوفے کی پشت سے گردن ٹکا کر ایک گہری سانس کھینچی۔ اسے اپنی کنپٹیوں پر یکدم کوئی نوکیلی شے چبھتی محسوس ہونے لگی۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ وہ ردعمل کے طور پر ایسا کررہی تھی۔ وہ احتجاجاً میکے گئی تھی۔

حوریہ عادل ہم کیسے میرے زندگی سے نکل سکتی ہو۔ تمہاری نفرت یہ بے اعتنائی میرے قدموں کو پیچھے ہٹانے کے بجائے آگے بڑھانے کا سبب بن رہی ہے۔

اس نے سگریٹ کا پیکٹ اٹھا کر اس سے ایک سڈول سگریٹ نکالی اور اسے لبوں کے باھم دبا کر اس کی ٹاپ پر لائٹر کھٹ کرنے لگا دوسرے پل ننھا سا بے ضرر شعلہ سگریٹ کی ٹاپ پر چمکنے لگا۔

گہری سوچ میں کھوئے کھوئے اس نے ایک گہرا کش لگا کر لائٹر تپائی پر پھینکا اور اٹھ کر اضطراری انداز میں ٹہلنے لگا۔ وہ اب مختلف خطوط پر سوچ رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

رات کے کھانے کی میز پر ہی بابر کی عاظمہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ شاپرز سے لدی پھندی آئی تھیں۔ لائبہ بھی ان کے ہمراہ تھی۔ بابر کو دیکھ کر وہ منہ بنا کر صوفے پر جا کر بیٹھ گئی تھی۔ جبکہ عاظمہ ڈرائیور سے سارے شاپرز ایک طرف رکھوا کر لوازمات سے سجی کھانے کی میز پر ہی چلی آئیں۔

"واؤ۔ کھانا دیکھ کر تو بھوک اور چمک اٹھی ہے وہ کہتے ہیں نا پیٹ میں چوہے دوڑنا تو... چوہے ہی دوڑ رہے ہیں۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔

"یہ لائبہ نے بھی نا اتنا شور مچا دیا تھا واپسی کے لیے۔ ورنہ میرا تو فل موڈ تھا ڈنر کرکے ہی آتے۔ اینی ویز تم بھی آجاؤ لائبہ ڈیئر۔" وہ ساتھ ساتھ لائبہ سے بھی بولیں۔

"پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی رات سے" "آپ دن بھر کہاں غائب رہتی ہیں مام۔ کچھ ٹائم گھر کو بھی دے دیا کریں اب۔" اس کے لہجے میں ہی نہیں آنکھوں میں بھی سرزنش تھی۔ عاظمہ نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

"یو مین میں تمہارے پاپا کی اب نرس بن کردن رات ان کی خدمت پر لگ جاؤں۔ نان سینس!" وہ چڑ کر بولیں پھر پلیٹ اپنی طرف گھسیٹ کرلیں۔ "تم ٹائم دے دیا کرونا۔"

"میری نالج میں نہیں تھا۔" بابر کھا چکا تھا نیپکن سے منہ پونچھتے ہوئے بولا۔

"تو ر کھا کرو نا نالج۔ یوں تو تم اس کوٹھی میں ہر ضروری غیر ضروری باتوں اور لوگوں میں انٹرس لیتے دکھائی دیتے ہو۔" عاظمہ کے لہجے میں چھپے طنز' بابر بخوبی سمجھ رہا تھا۔ تاہم اس نے مزید الجھنے کو بے کار جانا اور ایک طرف پڑے شاپرز کے ڈھیر پر طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔

"واؤ..... یہ اتنی شاپنگ کس خوشی میں۔"

"ارے بس۔ لائبہ آئی تو پروگرام بن گیا۔ ارے لائبہ تم وہاں کیوں بیٹھی ہو۔ ادھر آجاؤ۔ ڈنر کرکے ہی جانا۔" عاظمہ کو اچانک پھر لائبہ کا خیال آیا۔ وہ اسے بلانے لگیں۔ جبکہ لائبہ جان کر اجتناب برت رہی تھی وہ بابر کو جتانا چاہتی تھی کہ وہ اس سے خفا ہے۔ جبکہ بابر کو مطلق پروا نہیں تھی بلکہ اس کو تو یاد بھی نہیں تھا کہ لائبہ سے کچھ دنوں پہلے تلخ کلامی ہو چکی ہے اور لائبہ اس سے خفا ہو کر چلی گئی تھی۔

"اوہ۔ میں سمجھ رہا تھا لائبہ کی شادی ڈیٹ تو نہیں ہو رہی ہے کہیں۔" وہ بھنویں اچکا کر ہلکے سے ہنسا۔ اس کی ہنسی میں چھپی کاٹ لائبہ کو بری طرح کاٹ گئی تھی۔ اتنی شاپنگ دیکھ کر تو لگ رہا ہے کچھ ایسا ہی۔"

"دیکھیے آنٹی یہ مجھے پھر ٹیز (تنگ) کر رہا ہے۔"

"کم آن لائبہ۔ ہی از جسٹ کڈنگ (وہ مذاق کر رہا ہے) عاظمہ ہنسنے لگیں۔ اس کی تو عادت ہے چھیڑنے کی۔"

بابر ابرو کو خفیف سی جنبش دے کر رہ گیا پھر کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے بولا۔

"مام کل آپ حوریہ کو بھی لے جائیں اپنے ساتھ شاپنگ پر۔ اور اس کی اور علی شاہ کی بھی شاپنگ کرلیں۔ میں علی شاہ کے لیے کم انگ فرائے ڈے (آنے والے جمعہ) کو ایک پارٹی ارینج کر رہا ہوں۔" اس کا لہجہ سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔ عاظمہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ صوفے سے اٹھتے ہوئے لائبہ نے بھی خاصی ترچھی نظر بابر پر ڈالی تھی۔

"ارے بھئی یہ بیٹھے بٹھائے کیا پروگرام بنا ڈالا تم نے۔ کم انگ فرائے ڈے یعنی پرسوں۔ اتنی جلدی کیا ہے۔"

"ایکچوئلی مجھے سیٹرڈے کو اسلام آباد جانا ہے۔ کچھ دن وہاں رہنا پڑے گا۔"

"ہاں تو وہ تو ٹھیک ہے بٹ۔ پرسوں سب ارینج کرنا مشکل ہے۔"

"آپ کو ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں۔ آپ بس حوریہ اور علی شاہ کی شاپنگ کیجیے۔ اسے اپنے ساتھ کل لے جائیے۔"

"حوریہ تو آج ہی گئی ہے میکے کل پتا نہیں شاپنگ پر جانے کو اویلیبل ہوتی بھی ہے یا نہیں۔"

"اسے کل ہر حال میں یہاں ہونا ہے۔" بابر یک دم دبنگ لہجے میں بولا۔ "آپ جانتی ہیں کہ میں علی شاہ کے بغیر نہیں رہتا۔" اس نے جھک کر تپائی سے اپنا لائٹر اور سگریٹ کا پیکٹ اٹھاتے ہوئے اچٹتی نگاہ لائبہ پر ڈالی جس کے چہرے کے تاثرات میں ناگواری جھلک رہی تھی۔ حوریہ اور علی شاہ کے لیے بابر کا یہ جذباتی پن اسے بری طرح کھلا تھا۔

"میں علی شاہ کی تو شاپنگ کرلوں گی لیکن حوریہ کا کچھ نہیں کہہ سکتی کہ وہ کس طرح ری ایکٹ کرے گی۔" اس کے پلٹنے پر عاظمہ بولیں۔ بابر رک کر پلٹا۔

"اس کے لیے آپ خود اپنی پسند سے کچھ ڈریسز لے لیجیے گا۔" بابر کا لہجہ قطعی تھا۔ "میں اس پارٹی میں علی شاہ اور حوریہ کو پرفیکٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ وڈو (بیوہ) بیوہ دکھائی دے۔ ضروری نہیں کہ ہر غم اشتہار بنا کر گلے میں ہر وقت لٹکایا جائے۔" یہ کہتے ہوئے بابر لابی سے پلٹنے لگا کہ لائبہ مدھم اور چھپے لہجے میں بولی۔

"بیوہ ہے تو بیوہ ہی دکھائی دے گی ناں۔" بابر اس کے نزدیک سے گزرتے ہوئے ذرا سا ٹھٹکا۔ ترچھی نگاہ اس پر

ڈالی۔ دوسرے پل اس کے چہرے کے تاثرات پر ایک مبہم سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھوگئی تھی۔ وہ اس کی بات کو قطعی غیر اہم جان کر وہاں سے چلا گیا۔

لائبہ نے چہرہ موڑ کر عاظمہ کی طرف دیکھا جو بابر کی باتوں پر الجھی اور پریشان سی دکھائی دے رہی تھیں۔

"یہ بابر۔ حوریہ کے لیے کچھ زیادہ اوور نہیں ہے۔" لائبہ کا لہجہ زہر بجھا تھا۔ وہ صوفے سے اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے استہزائیہ انداز میں سر جھٹک کر بیگ کندھے پر ڈالنے لگی۔

"ارے تم جا کہاں رہی ہو بیٹھو۔"

"نہیں میں اب چلوں گی۔" اس کا دل یک دم بدمزا ہو گیا تھا۔ کڑواہٹ کی حد تک۔

"آپ حوریہ اور علی شاہ کی فکر میں مصروف ہو جائیے۔ بابر کا حکم ہے کہ حوریہ کو دلہن نظر آنا چاہیے۔" وہ طنز سے ہلکے سے ہنسی اور بیگ سے اپنی گاڑی کی چابی نکالنے لگی۔ عاظمہ نے آنکھیں پوری کھول کر متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

"دلہن... کیا مطلب..." لائبہ ہنسی۔ مگر اس کی ہنسی میں گویا چنگاریاں چیخ رہی تھیں۔

"پرفیکٹ نظر آنے کا تو یہی مطلب بنتا ہے ناں۔" وہ ابرو کو جنبش دے کے بولی۔ "اس کا بس چلے تو شاید وہ حوریہ کو خود شاپنگ پر لے جا کر گھوماتا پھرے۔" وہ بل کھا کر پلٹ گئی اور اونچی ہیل کو لابی کے چمک دار فرش پر کھٹ کھٹ کرتی لابی کے داخلی دروازے سے باہر نکل گئی۔ عاظمہ الجھن بھرے انداز میں اُسے جاتا دیکھتی رہیں۔ لائبہ نے جیسے کوئی تیر سا پھینکا تھا سیدھا دماغ میں کھب گیا تھا۔

انہوں نے خالی خالی نظروں سے بابر کے روم کے بند دروازے کو دیکھا۔ اور کھانے سے ہاتھ کھینچ کر کرسی کی گداز پشت پر کمر ٹکالی۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیسے ہو سکتا ہے پھپھو۔ ابھی کل تو میں آئی ہوں اور آج چلی جاؤں۔ میں اس طرح کی کوئی پارٹی شارٹی اٹینڈ نہیں کرنا چاہتی۔"

عاظمہ نے دوسرے روز ہی حوریہ کو لینے گاڑی بھیج دی تھی۔ اور فون پر پارٹی کے بارے میں بتا دیا تھا کہ بابر نے گیلانی ہاؤس میں پارٹی ارینج کی ہے علی شاہ کی خوشی میں۔ وہ سن کر چکرا گئی۔

یہ شخص مجھے ٹیز کرنے کو کر رہا ہے۔ لگتا ہے مجھے سکون سے مرنے بھی نہیں دے گا۔" وہ بری طرح ہرٹ ہو رہی تھی۔

"یہ سب تو تمہارے اپنے بچے کی خوشی میں ہو رہا ہے تم کیوں نالاں ہو۔" رقیہ بھابھی سرزنش کر رہی تھیں اسے۔ "اتنی محبت سے وہ اتنی بڑی دعوت کر رہے ہیں ہمیں بھی انوائٹ کیا ہے کیا قباحت ہے اس میں۔"

"آخر میری بھی اپنی کوئی مرضی ہے یا نہیں۔ جس کا جو دل چاہے کرتا پھرے۔" وہ غصے سے وارڈ روب کا پٹ دھپ سے بند کرتے ہوئے چلائی۔

"تم ہی سمجھاؤ مومنہ اسے۔ اس لڑکی کی تو مجھے سمجھ نہیں آتی۔" رقیہ بھابھی بے بسی سے مومنہ کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ "زندگی بھلا اس طرح گزرتی ہے جل جل کر سلگ سلگ کر۔" وہ دکھ کے احساس کے ساتھ حوریہ پر نگاہ ڈال کر کمرے سے نکل گئیں۔

"خوشیاں منانا اس وقت اچھا لگتا ہے پھپھو۔ جب دل خوش ہو۔ جب دل میں کہیں کانٹا سا گڑا ہو' ایک نا آسودگی ہم بستہ اداسی دل کو چھوئے ہوئے ہو تو کوئی خوشی' خوشی نہیں لگتی۔" اس کا لہجہ سوکھے پتوں کی طرح بکھرا

اور بنجر تھا۔

"ہاں میں تمہاری قلبی کیفیت کو محسوس کر سکتی ہوں۔ میرا اور تمہارا غم کوئی الگ تو نہیں ہے۔ مگر حوریہ۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کبھی کبھی دل بہلانے کا سبب بن جاتی ہیں۔ خوشیوں کے راستے پر تم دیوار بن کر کھڑی رہو گی تو غم کو ڈھلنے اور خوش ہونے کا راستہ کیسے کھلے گا۔ حالات سے ہی خوشیاں کشید کرنا پڑتی ہیں نا۔ غم کو ہلکا کرنے کے لیے کبھی کبھی شعوری کوشش بھی ضروری ہو جاتی ہے ختم نہ سہی کم تو ہو ہی جاتا ہے۔"

"آپ ہمیشہ ان کی سائڈ لیتی ہیں پھپھو۔" وہ بکھرے لہجے میں بولی اور ہار ماننے والے انداز میں بیڈ کے کنارے ڈھے سی گئی۔

"پگلی۔ میرے نزدیک علی شاہ کی خوشی ہے وہ کچھ غلط نہیں کر رہے ہیں جس پر اعتراض کیا جائے۔ حازم آج زندہ ہوتا تو وہ بھی اپنے بچے کے لیے اسی طرح سب کچھ کرتا۔ بلکہ میں بھی کرتی۔" مومنہ اس کے نزدیک بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی سے دبایا۔

"تم حد سے زیادہ حساس ہو گئی ہو بس یہ بات ہے۔" وہ اسے تھپکنے لگیں۔

✡ ✡ ✡

حوریہ نے سوچا وہ عباد گیلانی سے بات کرے گی۔ بابر کے منہ وہ لگنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ مگر جب وہ گیلانی ہاؤس میں لوٹی تو اسے ہر طرف کل ہونے والی پارٹی کی تیاریاں زور و شور سے ہوتی دکھائی دے رہی تھیں۔ کوٹھی کی تزئین و آرائش کا کام جاری تھا۔ ملازم مصروف دکھائی دے رہے تھے۔۔۔ اس نے ٹیرس میں کھڑے بابر کو دیکھا جو موبائل پر مصروف گفتگو تھا۔

وہ سر جھکا کر سیدھی اندر چلی گئی۔ عاظمہ لابی کے ٹیلی فون پر مصروف تھیں۔ ہاتھ کے اشارے سے ہی اسے ویلکم کیا۔۔۔ نفیسہ علی شاہ کی پرام دھکیلتی روم میں چلی گئی علی شاہ کو سلانے، وہ سو چکا تھا جبکہ حوریہ عباد گیلانی کے روم میں چلی آئی۔ عباد گیلانی اسے دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"آؤ آؤ حوریہ۔ تمہارے اور علی شاہ کے نہ ہونے سے کوٹھی ویران ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک دن پہاڑ کی طرح گزرا ہے۔ کہاں ہے علی شاہ۔"

"وہ سو گیا ہے نفیسہ اسے روم میں لے گئی ہے۔" وہ چادر اچھی طرح جسم کے گرد لپیٹ کر ان کے سامنے رکھی گداز مخملی کرسی پر بیٹھ گئی۔ عباد گیلانی اسے بے حد نڈھال اور کمزور دکھائی دے رہے تھے۔

"بابر نے یہ سب اتنا جلدی کیا ہے ناں کہ تمہیں ٹائم نہیں ملا شاپنگ کا۔ ویسے عاظمہ نے تمہارے اور علی شاہ کے لیے شاپنگ کی تو ہے۔" وہ اس دعوت کی بابت بات کر رہے تھے۔

حوریہ کے چہرے کو ایک تکلیف دہ رنگ چھو گیا۔ وہ اضطراری انداز میں انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے اسی ٹاپک پر بات شروع کرنے کے لیے لفظ تلاش کرنے لگی۔

ان کے لبوں کی تراش میں مسکراہٹ ابھری تھی۔ "آج حازم زندہ ہوتا تو وہ بھی اسی طرح اسے سیلی بریٹ کرتا۔ خیر۔" انہوں نے دھیرے سے سانس کھینچ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی۔

مسلسل رنجیدگی اور اضمحلال نے حوریہ کو تھکا سا ڈالا تھا۔ عباد گیلانی کی پر شفیق اور اپنائیت بھری چھاؤں میں آکر اس کا دل کچھ اور گداز ہونے لگا۔ یک دم بہت سے آنسو اس کی آنکھوں میں جھلملانے لگے۔

"وہ زندہ ہوتے تو اس طرح کی خوشی کو سیلی بریٹ کرنا اچھا لگتا پاپا۔ مگر ان کے بغیر اب کچھ بھی اچھا نہیں لگ سکتا۔" وہ یک دم رو پڑی۔ عباد گیلانی پریشان ہو گئے۔

ادھر بابر نے جیسے ہی اندر قدم رکھا وہ سسکیاں بھر رہی تھی اور بابر کے اس فیصلے سے نالاں دکھائی دے رہی تھی۔ بابر کے بھنچے ہوئے لبوں سے بے اختیار ایک سلگتی سی سانس خارج ہوگئی۔

"آنسو بہانے سے حازم اگر واپس آسکتا ہے تو میں بھی تمہارے ساتھ بیٹھ کر رو لیتا ہوں۔" وہ اندر چلا آیا۔ موبائل سائڈ ریک پر پھینکنے کے انداز میں رکھتے ہوئے تلخی سے بولا۔ اس کی آواز پر حوریہ کے بھل بھل بہتے آنسو ٹھٹھر سے گئے۔ اس نے سر اٹھانا چاہا مگر نظریں محض اس کی سیاہ پٹی والے چپلوں میں مقید مضبوط پیروں پر جم کر رہ گئیں۔

"ہاں حوریہ۔ بیٹا۔ رونے سے غم اور بڑھتا ہے۔ یہ سب تمہاری اور علی شاہ کی خوشی کے لیے کر رہا ہے بابر۔" عباد گیلانی بابر کے لہجے میں چھپی کاٹ کو محسوس ہی نہ کرپائے۔ نہ حوریہ کے آنسوؤں کا اصل سبب وہ جان پائے تھے۔ وہ چھپکتے لہجے میں بولے۔

"ہم سب تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں رونا کسی مسئلے کا حل نہیں ہے بیٹا۔"

"آنسو تو کمزوری کی علامت ہوتے ہیں اور تم پر یہ کمزوری سوٹ نہیں کررہی ہے۔" وہ اسی تلخی سے ہلکے سے بڑبڑا رہا تھا اور تضحیک آمیز ہنکارا بھر کر کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ یوں جیسے اس کے آنسو اس کی افسردگی اس کا انکار کوئی معنی نہ رکھتا ہو۔

"میں جانتا ہوں بیٹا۔ ٹوٹنے اور بکھرنے کے ساتھ خود کو سنبھالے رکھنے کی کوشش بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ مگر تم تو خود مجھے تسلی دیتی رہی ہو۔ مجھے کمپوز کرتی رہی ہو۔ پھر آج یہ تم اتنی کمزور کیسے پڑ گئیں۔ تم نے تو بہت ہمت سے خود کو کمپوز کرلیا تھا بیٹا۔" عباد گیلانی اسے اس حد تک افسردہ اور الجھا ہوا دیکھ کر بولے۔

"پاپا۔ یہ حادثہ میرے لیے بہت بڑا ہے۔ خود کو کمپوز کرلینے کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں سب بھول چکی ہوں۔ میں شاید عمر بھر خود کو ذہنی طور پر کسی بھی ذاتی خوشی کے لیے تیار نہ کرپاؤں گی اور کم از کم ابھی تو بالکل بھی نہیں۔ اس طرح کی سیلی بریشن ہم بعد میں بھی کرسکتے ہیں۔" بابر جیسے تڑپ کر پلٹا تھا۔

"ایسے مت کہو حوریہ بیٹی۔ یہ سب تو تمہارے بہلنے کے لیے ہی کر رہے ہیں۔"

"مگر پاپا۔ اگر کوئی بہلنا ہی نہ چاہے تو۔" وہ دھیرے سے بولی بابر کو یک دم اپنے اندر سے غصے کی لپیٹیں اٹھتی محسوس ہونے لگیں۔ احساس توہین سے پہلے ہی اس کا رواں رواں سلگ رہا تھا اس نے چبھتی نظروں سے حوریہ کو دیکھا۔

"تمہارا خیال ہے ہمیں حازم کی ڈیتھ کا کوئی غم نہیں ہے۔ ہم سب بڑے خوش اور مسرور ہیں۔ ہمارے لیے یہ روٹین ہے۔" وہ چلتا ہوا اس کے نزدیک آکر رک گیا۔ اس کا لہجہ زہر بجھا تھا۔ حوریہ نے ایک پل کو اپنے اوپر سے جیسے اختیار اٹھتا محسوس کیا۔ کوئی سیلاب گویا بندھ توڑ کر بہہ جانے کو مچلنے لگا۔ اسے اپنے سامنے کھڑے اس شخص کا چہرہ نوچ لینے کو دل چاہا۔ اس کی ساری حقیقت فاش کردینے کو دل چاہا۔

"اسے کہہ دیں پاپا۔ سیلی بریشن اپنے ٹائم پر ہی ہوگی۔ اور اس میں اس کی پریزنس (موجودگی) ضروری ہے۔" وہ یک دم تڑختے ہوئے بولا۔ اس کے لہجے سے گرتی چنگاریاں حوریہ کو اپنے دل پر گرتی محسوس ہوئیں۔ اس نے بے اختیار سر اٹھا کر بابر کو دیکھا مگر دوسرے پل پلکوں کی باڑھ جھکا دی۔ اسے لگا اس کی آنکھوں سے کوئی آگ نکل کر براہ راست اس کی روح میں اترتی جارہی ہو۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔

"ماتم کرنے کے لیے ساری زندگی پڑی ہے کوئی نہیں روکے گا۔ مگر اس پارٹی میں حازم کی بیوہ نہیں علی شاہ کی ماں بن کر اپنا رول ادا کرلینا۔ بڑی مہربانی ہوگی تمہاری۔" بابر نے غصے کے عالم میں ریک سے اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے اس کے جھکے سر پر ایک سلگتی نگاہ پھینکی اور دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے راہ میں آتی کانچ کی نفیس ٹرالی پر

زور سے ٹھوکر ماری اور دروازہ دھاڑ سے بند کرتا ہوا چلا گیا۔
ٹھوکر اس قدر شدید تھی کہ ٹرالی لہراتی دیوار سے جا ٹکرائی تھی اور اس کا نفیس کانچ آن واحد میں ٹوٹ کر کرچیوں کی صورت کارپٹ پر بکھر گیا۔
حوریہ دم سادھے دروازے کی جانب دیکھنے لگی پھر کانچ کے بکھرے ٹکڑوں کو خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔
بابر کے اس قدر شدید رد عمل پر عباد گیلانی بھی دنگ رہ گئے تھے۔
"مائی فٹ۔ اس لڑکے کی تحقّل کو کیا ہو گیا ہے۔" عاظمہ بابر کو غصے سے کمرے سے نکلتے دیکھ کر سرعت سے عباد گیلانی کے کمرے میں آئی تھیں مگر اب کارپٹ پر بکھرے کانچ کے ٹکڑوں کو دیکھ کر سر پکڑ لیا۔
"دیکھ رہے ہیں آپ یہ کس طرح کا ری ایکٹ کرنے لگا ہے۔" عاظمہ کے چہرے پر غصے کے ساتھ ساتھ ایک بے بسی سی اور بے چارگی چیخ رہی تھی۔ حوریہ خاموشی سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔
"حازم کی ڈیتھ کے بعد تو وہ عجیب چڑچڑا اور غصیلا ہوتا جا رہا ہے۔ میری تو سمجھ سے بالاتر ہے۔" عاظمہ جھنجلاتیں دروازے سے منہ نکالتی امیر علی کو آواز دینے لگیں۔ امیر علی دوڑتا ہوا آیا۔
"ہاں۔ وہ علی شاہ کے معاملے میں بہت زیادہ پوزیسو ہو گیا ہے۔" عباد گیلانی ایک ہنکارا بھر کے تھکے تھکے انداز میں پلٹ گئے اور آنکھوں پر بازو دھر لیا۔
"علی شاہ کے معاملے میں یا حوریہ کے۔" عاظمہ ترچھی نگاہ شوہر پر ڈال کر دھیرے سے بڑبڑا کر گئیں۔

☆ ☆ ☆

حوریہ نے عاظمہ کے لائے ہوئے ڈریسز میں سے سب سے نسبتاً "سادہ سا سوٹ چوائس کر کے زیب تن کیا تھا۔ عاظمہ نے بھی زیادہ اصرار مناسب نہ سمجھا۔ تاہم اسے بصد اصرار ہلکی جیولری پہنا دی۔ اور ہاتھوں میں حازم کے گفٹ کیے وائٹ گولڈ کے کنگن بھی پہنا دیے..... اس نے بھی بحث نہ کی۔ یوں بھی اسے سوگوار ظاہر کر کے لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنے کا شوق نہ تھا۔ وہ اپنا دکھ اپنا رنج اپنے دل میں ہی سمیٹ کر رکھنا چاہتی تھی اس کا ہار بنا کر گلے میں لٹکانا نہیں..... وہ بھی چاہتی تھی کہ پارٹی میں شامل لوگ اس سے علی شاہ کی ماں کے طور پر ہیلو ہائے کریں۔ حازم کی بیوہ سمجھتے ہوئے پرسہ اور دلاسا نہ دیں۔
وہ بے حد اعتماد کے ساتھ اس پارٹی میں شامل ہوئی تھی مگر کئی بار اسے اپنا اعتماد بکھرتا محسوس ہوا۔ اعصاب چٹختے ہوئے محسوس ہوئے..... قدم جیسے اکھڑنے لگے..... بابر کی نگاہیں گاہے بہ گاہے اس کے گرد کوئی حصار کھینچ لیتی تھیں۔
رائل بلو کلر کے بہت نفیس دھاگے کے کام سے مزین یہ لباس اس کے وجود کی ساری تابندگیاں اجاگر کر رہا تھا۔ ایک عرصے سے وہ بے حد ڈل کلر اور سادے سے لباس اور سیاہ چادر میں ہمہ وقت خود کو ڈھانپے رکھتی تھی مگر آج اس کے سادہ سے میک اپ سے عاری چہرے پر یہ لباس ایک انوکھا رنگ بھر رہا تھا۔ قمیص کے ہم رنگ بڑے سے دوپٹے کو اچھی طرح پھیلائے ...... وہ بہت سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی..... مگر ادھر بابر کو تو لگ رہا تھا حوریہ کوئی مقناطیس ہے اور وہ لوہے کا ٹکڑا..... اس کی جھکی جھکی لرزتی پلکوں میں بیٹھ جانے کو اس کا دل مچلنے لگا۔ وہیں ٹھہر جانے کو دل چاہنے لگا۔

کیوں طبیعت کہیں ٹھہرتی نہیں
دوستی تو اداس کرتی نہیں
ہم ہمیشہ کے سیر چشم سہی

تجھ کو دیکھیں تو آنکھ بھرتی نہیں
شب ہجراں بھی روز بد کی طرح
کٹ تو جاتی ہے پر گزرتی نہیں
یہ محبت ہے سن زمانے سن!
اتنی آسانیوں سے مرتی نہیں

"ہائے بابر۔" وہ جوس کے دھیرے دھیرے سپ لے رہا تھا جب لائبہ اس کی طرف چلی آئی۔

"آج تو تم جان محفل بنے ہوئے ہو۔ لوگ تعریفیں کر رہے ہیں میں نے سوچا نزدیک جاکر دیکھ لوں۔ کیا یہ واقعی سچ ہے۔" وہ بلورین گلاس میں بھرے اورنج جوس کی ہلکی ہلکی چسکیاں بھرتی اس کے نزدیک آئی۔ بابر نے ابرو اچکا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ محظوظ ہو کر ہنستی ہوئی بولی۔

"ہاں نزدیک سے تو کچھ اور چارمنگ لگ رہے ہو۔"

"نہیں دور سے بھی اتنا ہی چارمنگ لگتا ہوں۔ ہاں اگر تمہاری نظر کمزور نہ ہو تو۔"

"آہ ہا۔ نظر تو نہیں ہاں دل ضرور کمزور پڑ جاتا ہے۔" وہ دوبدو بولی اور بے باکی سے بابر کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اوہ۔۔۔ یہ تو خطرناک بات ہے۔ جس کو مضبوط ہونا چاہیے وہی کمزور نکلا۔" اس نے پاس سے گزرتے ویٹر کی ٹرے میں جوس کا خالی گلاس رکھ کر ٹشو اٹھالیا۔

"اف بابر۔ زچ کرنا تو کوئی تم سے سیکھے۔ مسٹر اتنی تعریف کر رہی ہوں تمہاری اور تم سے تو میری تعریف ہوتی نہیں ہے۔" وہ لاڈ سے بولی۔ "تمہیں تو بابر منانے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا۔ میں تم سے خفا تھی یاد ہے ناں تمہیں۔"

"ان فورچنیٹلی (بدقسمتی سے) میں اس خوبی سے بالکل عاری ہوں۔" بابر نے کندھے اچکائے پھر ٹشو کی گولی سی بنا کر ایک طرف اچھالتے ہوئے مبہم نظروں سے اس کی طرف بغور دیکھا۔

سفید میکسی میں جگمگ کرتی وہ یقیناً" بہت سی نظروں کو خیرہ کر رہی تھی۔ بالوں کا بڑی نفاست اور عمدگی سے اسٹائل دیا گیا تھا۔

"ہوں اچھی لگ رہی ہو۔" بابر نے سراہنے والے انداز میں سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ "خاصی محنت کر ڈالی ہے آج تم نے۔"

"کیا مطلب محنت۔" وہ مصنوعی پن سے اسے گھورنے لگی۔ پھر بابر کے سراپے پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے بولی۔

"آج تم ضرورت سے زیادہ اچھے لگ رہے تھے اس لیے میں پرانی ساری رنجشیں بھلا کر تمہاری طرف خود چلی آئی۔"

"بڑی مہربانی تمہاری۔" بابر سر خم کرتے ہوئے بولا۔ "تمہارا یہ احسان یاد رہے گا۔"

لائبہ مصنوعی پن سے اسے گھورنے لگی پھر محظوظ ہو کر ہنس پڑی۔

"آئی لو۔ رئیلی تمہارا یہی روپ تو تم پر جچتا ہے بابر۔ تم اپنے اسی روپ میں دلکش اور ہوش اڑانے والے لگتے ہو۔ ڈریم بوائے جیسے دل کو چھونے والے۔" لائبہ کی آنکھوں میں خمار اترنے لگا۔ اس کی آنکھیں خوابناک سی ہو رہی تھیں۔ پتا نہیں یہ اس کی حقیقی کیفیت تھی یا وہ زبردستی ان میں یہ تاثر پیدا کر رہی تھی۔

"تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں۔ ورنہ اس گیٹ اپ سے تو میں نے بہت بڑے نقصان اٹھائے ہیں۔ اب سوچ رہا ہوں بدل کر دیکھ لوں۔۔۔ شاید کسی کو پسند آجاؤں۔" اس کی نظریں حوریہ پر جاکر ٹھہر گئیں۔ جو عاظمہ کے ہمراہ خواتین کی نرغے میں تھی۔

چہرے پر جتنی بھی نقابیں ڈالی جائیں۔ مگر آنکھیں اپنے اندر کے حبس اور خلفشار سے مشروط ہوتی ہیں۔ حوریہ کی خوب صورت آنکھیں بھی بجھی بجھی سی تھیں..... اس کی مسکراہٹ کا ساتھ بالکل نہیں دے رہی تھیں۔ ایسا صاف ظاہر تھا کہ وہ بہرحال مجبوری میں ہر کسی سے مل رہی ہے..... پھر بابر نے دیکھا وہ معذرت کرتی ایک نسبتاً" خاموش گوشے کی میز کی طرف چلی گئی اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی۔

ایک ہلکی سی سانس بابر کے سینے سے نکل گئی۔ وہ لائبہ کی موجودگی سے یکسر غافل ہوگیا تھا۔ اس کی سوچوں کی ساری ندیاں حوریہ کی جانب گامزن تھیں۔ عجیب شوریدہ سر لہریں سر اٹھا اٹھا کر دل کے ساحل پر سر پٹخ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

تنہائیوں کا اک الگ ہی مزہ ہے
اس میں ڈر نہیں ہوتا کسی کے چھوڑ جانے کا

بابر کی آواز اس کے بے حد نزدیک سے ابھری..... وہ ایک پرسکون گوشہ تلاش کرکے بیٹھی تھی۔ بابر کو دیکھ کر اسے سارا سکون غارت ہوتا محسوس ہوا۔

"کہتے ہیں تنہائی آس پاس کے لوگوں کی غیر موجودگی کا نام نہیں۔ ہمارے آس پاس موجود انسانوں میں ہماری غیر دلچسپی ہمیں تنہا کردیتی ہے۔" وہ جوس کا گلاس اس کے آگے میز کی سطح پر رکھتے ہوئے اس کی اٹھنے والی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

"یہاں کیوں آکر بیٹھ گئی ہو اکیلے۔" وہ اپنی مسکراہٹ سمیٹ کر اپنی سنجیدگی سے بولا۔

"سکون کی تلاش میں۔" وہ لب بھینچ کر پلکیں جھکا گئی۔

"اوہ۔" بابر بے ساختہ ابرو کو جنبش دے کر رہ گیا۔ پھر اس کے مقابل رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ایسا ہے تو میں بھی بیٹھ کر دیکھتا ہوں۔ شاید مجھے بھی سکون مل جائے۔"

حوریہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"تم سوچ رہی ہو شاید کہ میرے جیسے بندے کو بھی سکون کی تلاش ہونے لگی ہے۔" وہ ہلکے سے ہنس دیا۔

"نہیں۔ میں ایسا کچھ ہرگز نہیں سوچ رہی۔" وہ سر کو ہلکے سے نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔ اور گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا کر جوس کی ہلکی سی چسکی بھر کر خواتین کے ایک گروپ پر نظریں مرکوز کرتے ہوئے بولی۔

"بلکہ میں سوچ رہی ہوں کہ دوسروں کا سکون غارت کرنے والوں کو سکون ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتا۔"

بابر کے اعصاب پر اس کے الفاظ چابک کی طرح پڑے۔ اس کی کشادہ پیشانی پر سلوٹ سی پڑ گئی۔ اس نے لبوں کو باہم دبا کر اس کی طرف دیکھا مگر دوسرے پل ٹھہرے ٹھہرے انداز میں ایک ہنکارا ابھرا اور کمال ضبط سے ہنستے ہوئے بولا۔

"چلو۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ میرے اندر یہ کوالٹی بھی ہے دوسروں کا سکون غارت کرنے والی۔" حوریہ نے جواباً" استہزائیہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بجائے شرمندہ دکھائی دینے کے اسے دل آویز نظروں سے تک رہا تھا۔ اس کے رخ موڑنے پر بولا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔ بلکہ بہت زیادہ۔" حوریہ کو یکدم اپنی پیشانی جلتی محسوس ہوئی۔ بابر کی نگاہیں سلگتے انگارے کی طرح محسوس ہو رہی تھیں۔ ادھر وہ اسی کے چہرے کے ابھرتے تاثرات کو جانچتے ہوئے بھی بے نیاز بنا کھڑا رہا تھا۔

"لوگ کہہ رہے ہیں کہ اتنی کیوٹ لڑکی ہے حوریہ' اس کو بابر سے کیوں منسوب نہیں کردیتے۔ آں۔ آں۔" وہ

اسے بھڑکتے دیکھ کر جلدی سے وضاحتی انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا۔ ''یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں' لوگ کہہ رہے ہیں۔'' وہ ہلکے سے ہنس دیا۔ پھر میز کی سطح پر ہاتھ جما کر اس کی طرف جھکتے ہوئے بھنچے بھنچے لہجے میں بولا۔

''اب لوگوں کی زبانیں تو نہیں روک سکتے۔ یوں بھی تمہیں ہر حالات کو فیس کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔'' حوریہ اس پر ایک چلچلاتی نگاہ ڈال کر کرسی دھکیل کر اٹھنے لگی کہ بابر کا ہاتھ سرعت سے اس کے گداز ہاتھ پر کسی آہنی شکنجے کی طرح پڑا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اس کا لہجہ دبنگ تھا۔ حوریہ کو لگا اس کی ہر رگ سے آگ کی لپیٹیں اٹھنے لگی ہوں۔

''اس پارٹی کو چھوڑ کر جانے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں تمہارے روم سے بھی پکڑ کر لا سکتا ہوں۔ سیٹ ڈاون۔'' اس کا سرسراتا ہوا لہجہ ہی نہیں اس کی نگاہیں بھی تحکم آمیز تھیں۔ حوریہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور دھیرے سے بیٹھ گئی۔

''گڈ۔'' بابر کے لبوں پر مسکراہٹ کوند گئی۔ ''اگر دیکھا جائے تو یہ پارٹی بھی تمہارے اور علی شاہ کے لیے ہی ارینج کی ہے میں نے۔''

''میرے لیے نہیں علی شاہ کے لیے کہہ سکتے ہو۔'' وہ جل کر بولی اور اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے کھینچ کر اس پر ایک متاسفانہ نگاہ ڈالی۔

''میں ہر بار سوچتی رہ جاتی ہوں کہ تمہارے ساتھ نارمل بی ہیو کروں۔ اپنی نفرت کو اندر ہی دفن کردوں۔ مگر۔۔۔ تم میرے سامنے آکر ہر بار میری نفرت کو بڑھا دیتے ہو۔ اپنے رویوں سے نفرت کی اس دیوار کو اور بھی مضبوط کر جاتے ہو۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ تمہیں اپنے رویوں پر افسوس بھی نہیں ہوتا۔ تم شاید خدا کے خوف سے بھی نڈر ہوگئے ہو۔ تکلیف پہنچا کر تم آگے بڑھ جاتے ہو اور اپنے ہاتھوں گھائل ہونے والے کو ایک نظر دیکھنا تو کیا اس کے بارے میں سوچتے تک نہیں ہو۔ تم شاید اللہ کے خوف سے بھی آزاد ہو۔ مگر یاد رکھنا بابر۔ آزاد سمجھنے اور آزاد ہونے میں بہت فرق ہے۔ ایسا نہ ہو کسی دن کسی کی آہ۔ تمہارے پیروں سے زمین ہی کھینچ لے۔'' اس کا لہجہ طنزیا استہزائیہ نہیں تھا بلکہ ملامتی تھا متاسفانہ تھا۔ پھر دھیرے سے مغموم انداز میں مسکرا دی۔

بابر کو اپنے اعصاب تڑختے ہوئے محسوس ہونے لگے۔

''ارے حوریہ۔ تم یہاں ہو۔'' عاظمہ کی آواز نزدیک سے ابھری۔

''ادھر آؤ بھئی۔ مسز عثمان سے تمہیں ملواؤں۔ وہ آج ہی امریکہ سے آئی ہیں چار سال بعد تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ کم آن ہری اپ۔'' وہ اسے پکڑ کر لے گئیں۔

حوریہ۔ بابر پہ ایک نگاہ ڈال کر اٹھ کر ان کے ہمراہ چلی گئیں۔

بابر۔ کسی پتھر کی طرح کرسی پر گر کر رہ گیا تھا۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

✲ ✲

سرورق کی شخصیت

ماڈل	ماہین
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی	موسیٰ رضا

یاسمین نشاط

مغلظات کا ایک طوفان تھا جو انجم رضا کے منہ سے ابل رہا تھا اور جواباً" زینت ہو بہو وہی سب یوں دہرا رہی تھی جیسے کچھ بھی چھوٹ گیا تو خدانا خواستہ ایمان میں کوئی خلل پڑ جائے گا۔ عاتکہ نے کچھ دیر تو یہ طوفان بدتمیزی برداشت کیا پھر اٹھ کر داخلی دروازہ اور گلی میں کھلنے والی کھڑکیاں بند کر دیں وہ جانتی تھی ابھی کچھ دیر بعد انجم رضا کے دفتر روانہ ہوتے ہی زینت خود ہی سب کچھ سنانے کو آموجود ہوگی۔ اور سراسر انجم رضا کو قصوروار ٹھہراتے ہوئے کم از کم دو گھنٹے تو ٹسوے بہائے گی ہی ساتھ ہی اپنی نندوں اور دیوروں کے ظلم کی داستان بھی از سر نو دہرائے گی اور عاتکہ کو مجبوراً" سننا پڑے گا اور اس ہمدردی کے عوض اس کے پورے شیڈول کا بیڑا غرق ہو جائے گا۔ سو اس خدشے کے پیش نظر اس نے جلدی جلدی اپنا کام سمیٹا اور گھر کو لاک کر کے مارکیٹ چلی گئی۔ سبزی گوشت اور بیکری کا سامان اس ہفتے اسے خود ہی خریدنا تھا کیونکہ ارحم پندرہ دن کے لیے شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اپنی طرف سے اس نے دو ڈھائی گھنٹے لگا کر (شاید اس دوران زینت کا دکھ کچھ کم ہو گیا ہو) شاپنگ مکمل کی اور گھر پہنچ کر ابھی گیٹ کا لاک کھول ہی رہی تھی کہ جانے کہاں سے لپک جھپک زینت آن ٹپکی۔ وہ اندر ہی اندر کلس کر رہ گئی۔ اور زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر اسے خوش آمدید کہا۔ (یہ منافقت ہماری ذات کا نہ چاہتے ہوئے بھی حصہ بن گئی ہے۔) زینت کی روئی روئی سوجی آنکھیں آج ہونے والے جھگڑے کا چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھیں' عاتکہ چاہتی تھی آج تو اس کی دکھ بھری داستان نہ ہی سننی پڑے۔ لیکن اس کے چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس نے زینت کو لاؤنج میں بٹھایا' چائے کا پانی چڑھایا اور مٹروں کا شاپر لے کر وہیں اس کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ چھلکی پڑ رہی تھی۔

"سنا تم نے آج؟" آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی بھر کر اس نے داستان غم کا آغاز کیا اور عاتکہ کے کچھ بھی کہنے سے قبل اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ "کیا بتاؤں میں؟ عاتکہ اس قدر غلیظ زبان ہے اس کی۔" اس نے غلیظ گالی بکی۔ عاتکہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"گالیاں تو مت بکا کرو۔ وہ تو مرد ہے تم اس کی برابری مت کیا کرو۔" اس نے نرمی سے کہا تو زینت کے پتنگے لگ گئے۔

"مرد ہے تو کیا جو مرضی کہتا پھرے۔ زبان ہے اس کی یا کوئی گندگی بھری پوٹلی' کھولتا ہے تو دیکھتا ہی نہیں غلاظت کہاں کہاں اور کس کس پر گر رہی ہے۔ میں اتنے اعلا خاندان کی (وہ تو دکھ رہا تھا کئی سالوں سے) اور یہ بھنسا... کون سا مرد ہے گلی کا جس کے ساتھ اس نے میرا رشتہ نہیں جوڑا۔ میں سبزی لے لوں تو سبزی والے سے میرا چکر' بازار چلی جاؤں تو رکشے والے سے میرا چکر' دکان دار' راہ چلتے' ہر شخص کو میرا یار بنا دیتا ہے۔ یہ گندا شخص میں نے تو کہہ دیا' نہیں کروں گی اس کا کوئی بھی کام۔ میری بھی کوئی عزت نفس ہے۔" دوپٹا پکڑ کر اس نے آنکھیں صاف کیں۔ ناک رگڑی۔ عاتکہ خاموشی سے سن رہی تھی' وہ چپ ہوئی تو بولی۔

"دیکھو زینت کچھ قصور تمہارا بھی ہے۔" زینت نے اس کی حمایت نہ پاکر شاکی نظروں سے اسے دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "دیکھو تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ ایک آگ لگائے اور دوسرا اس پر تیل ڈالتا رہے تو آگ پھیلتی ہے ختم نہیں ہوتی' کچھ باتیں انجم بھائی کی بھی ٹھیک ہیں اور کچھ باتوں میں تم بھی غلط نہیں ہو۔ لیکن تم دونوں نے طریقہ غلط اپنا رکھا ہے۔ یہ جو تم دونوں ایک دوسرے کو گندی گالیاں دیتے ہو کیا بچوں پر برا اثر نہیں پڑ رہا؟ کیا فائدہ ان کو اچھے اسکولز میں پڑھانے کا جب تم لوگوں نے گھر کا ماحول ہی بہتر نہیں کرنا۔ بولتے ہوئے تھوڑا سنبھل کر بولا کرو۔" عاتکہ نے اپنا فرض نبھایا لیکن جانتی تھی زینت اس کی ساری باتیں سنتے ہوئے دونوں کانوں کا استعمال بخوبی کرتی تھی اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ زینت تو دوپہر کا کھانا کھا کر ہی اٹھی۔

اس کے جانے کے بعد اس نے کچن سمیٹا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی میں شعیب اور مثال آنے والے تھے۔ ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے بھی اس کا دھیان زینت اور اس کے شوہر میں اٹکا رہا' اس نے کئی بار لاحول پڑھی' اور کئی بار ارحم اور انجم کا موازنہ کیا۔ شکر تھا ان کے گھر میں سکون تھا اور ارحم اور وہ دونوں ہی زبان دراز نہیں تھے۔

اگلے دن چھت پر جب وہ ماسی کے ساتھ مل کر کپڑے دھو رہی تھی اس نے یونہی جھانکا زینت اور انجم لان میں بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ زینت کا چہرہ چمک رہا تھا اور وہ بات بے بات ہنس رہی تھی۔ انجم بھی اپنی چھوٹی بیٹی کے ساتھ اٹکھیلیوں میں مصروف تھا۔ عاتکہ ایک گہری سانس لیتی پیچھے ہٹ آئی۔

"کل تو لگ رہا تھا آج تو ان کی طلاق ہوئی کہ ہوئی۔"

"ان کی فکر نہ کیا کرو باجی!" ماسی بھی واقف حال تھی ہنس کر بولی۔ "یہ تو ایسے ہی ہیں' صبح لڑ بھڑ کر یوں ایک دوسرے کو کوسیں پیٹیں گے کہ بس آج ان کا آخری دن' اور رات کو پھر ویسے کے ویسے' اصل میں جی' میرے دادا مرحوم کہا کرتے تھے' کچھ لوگ اپنی محبت کو لڑ کر زندہ رکھتے ہیں۔" یہ جمیلہ بھی اسے کبھی کبھار ماسی کم اور فلاسفر زیادہ لگتی تھی۔ عاتکہ نے کچھ نہیں کہا ضرورت ہی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

اس دن رضیہ آگئی۔ رضیہ نے اس کے گھر میں کچھ عرصہ کام کیا تھا بعد میں اس نے کسی دور کے علاقے میں گھر لے لیا تو آنا مشکل ہو گیا۔ اس لیے کام چھوڑ گئی۔ عاتکہ نے اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ رضیہ واپس اسی علاقے میں آ رہی تھی اور یاد دہانی کے طور پر آج اس کے پاس آئی تھی۔ رضیہ اچھی اور محنتی عورت تھی کام سے جی نہیں چراتی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اعتبار والی تھی' لیکن وہ فی الفور ماسی جمیلہ کو بھی کام سے نہیں ہٹا سکتی تھی۔ اس لیے اس نے رضیہ کو سہولت سے منع کر دیا۔

"دیکھو ابھی ماسی جمیلہ کام کر رہی ہیں۔ جب چھوڑ کر جائیں گی تو پہلا حق تمہارا ہی ہے۔" بات اس کی سمجھ میں آگئی۔

☼ ☼ ☼

کافی دن گزر گئے۔ زینت اور انجم کا کوئی نیا جھگڑا منظر عام پر نہیں آیا تھا۔ وہ بھی کچھ مطمئن سی ہو گئی۔ آخر ہمسائے بھی تو متاثر ہوتے ہی ہیں۔

اس روز چمکیلی دھوپ پھیلی تھی۔ عاتکہ نے لان میں کرسیاں لگوائیں اور جمیلہ سے کہا کہ اس کے سر میں تیل ڈال دے۔ ابھی جمیلہ تیل لے کر آئی ہی نہیں تھی کہ ادھ کھلے گیٹ سے رضیہ نے اندر جھانکا۔

"آجاؤں باجی؟" اس نے اجازت مانگی' عاتکہ نے سر ہلا کر اشارہ کیا۔ وہ سست روی سے چلتی اندر آگئی اور اس کے سامنے نیچے گھاس پر بیٹھ گئی۔

"اوپر بیٹھو رضیہ!" اس نے کرسی کی سمت اشارہ کیا۔ اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔ وہ چہرے سے پریشان لگ رہی تھی۔ عاتکہ نے چند لمحے بغور اس کا جائزہ لیا پھر پوچھ لیا۔

"کچھ کہنا چاہتی ہو؟" وہ اپنی چٹیا کھولنے لگی۔ اس کے بال بے حد لمبے اور خوب صورت تھے اور وہ ان کی بہت کیئر بھی کرتی تھی۔

"جی باجی! وہ اپنی باجی زینت ہیں ناں....!" وہ ذرا رازداری سے بولی۔ تو عاتکہ ہنس پڑی۔

"کیا پھر جھگڑا ہو گیا میاں بیوی کا؟" بالوں میں ہلکا ہلکا برش چلانے لگی۔

"ارے باجی ان میاں بیوی کا تو نہیں البتہ ہمارا ضرور ہو گیا ہے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"کیوں کیا ہوا!" اب کہ عاتکہ سنجیدہ ہوئی۔ رضیہ آگے کو جھک آئی۔

"بس باجی۔ یہ جو زینت باجی ہے ناں۔ مچھلی ہے مچھلی۔"

"ہائیں!" عاتکہ کا منہ کھل گیا۔ اس عجیب و غریب تجزیے پر۔

"پانی کے بغیر نہیں رہ سکتی' اب چاہے وہ مانگے کا ہی کیوں نہ ہو۔" رضیہ کی بات نے عاتکہ کو بھونچکا کر دیا۔ یہ کیسی بات کر رہی تھی وہ۔

"کیا کہہ رہی ہو رضیہ؟" اس نے دل میں اٹھتے وسوسوں کو دبایا۔

"ہاں جی صحیح کہہ رہی ہوں باجی۔ ان کا صحیح جھگڑا ہوتا ہے۔ یہ جو زینت باجی ہے' بھائی بھائی کہہ کر ہر غیر بندے سے باتیں مٹھارتی رہتی ہے۔ خود کا شوہر مصروف رہتا ہے' رات گئے گھر آتا ہے' صبح سویرے نکل جاتا ہے اور زینت باجی...."

"بس کرو رضیہ۔" اس نے ٹوک دیا۔

"جانتی ہو کسی پر بہتان تراشی کرنا گناہ عظیم ہے۔ مجھے تو اتنے سال ہو گئے یہاں رہتے' کبھی ایسا ویسا کچھ نہیں دیکھا میں نے۔ اچھی ملنسار اخلاق والی عورت ہے۔ پاس پڑوس کا بھی دھیان رکھتی ہے۔ بس ذرا شوہر سے لڑائی جھگڑا رہتا ہے۔ تو وہ تو ہر گھر میں ہوتا ہے' اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ وہ خدا ناخواستہ دوسرے مردوں سے تعلق رکھتی ہے۔ آج کے بعد تم ایسی بات منہ سے مت نکالنا' فساد پڑے گا کسی نے سن لیا تو۔" عاتکہ نے اچھی خاصی طبیعت سیٹ کر دی رضیہ کی۔

"آپ میری بات سنیں تو سہی! رضیہ نے پھر کوشش کی لیکن عاتکہ نے ڈانٹ دیا۔

"گھر جاؤ اور بس آج کے بعد زینت کے گھر کی کوئی بات مت کرنا۔ بلکہ کسی کے گھر کی بات باہر مت نکالا کرو' تم امانت دار ہو' اس گھر کی جہاں کا نمک کھاتی ہو' جاؤ کچن میں فروٹ کا شاپر رکھا ہے۔ لے جاؤ بچوں کو کھلاؤ۔ اللہ نے ٹوہ لینے سے منع فرمایا ہے' سنجھیں۔"

رضیہ منہ بسورتی اٹھ گئی۔ عاتکہ دوبارہ جمیلہ کو آوازیں دینے لگی تیل کے لیے۔

رضیہ چلی گئی لیکن عاتکہ کے دماغ میں جو بات ڈال گئی اس نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ رضیہ نے چھوٹی بات نہیں کہی تھی لیکن اس کا ذہن یہ بات ماننے کو آمادہ نہیں تھا۔ گو سچ تھا کہ اس کا شوہر اس کو وقت نہیں دے پاتا تھا اور جتنا وقت وہ گھر میں رہتا اکثر جھگڑا ہی چلتا۔ لیکن ایسا تو نہیں تھا کہ زینت غلط راہ پر چل رہی ہو۔

☼ ☼ ☼

بہت دنوں تک اس کے دماغ میں یہ باتیں گردش کرتی رہی تھیں اور ابھی پوری طرح نکلی نہیں تھیں کہ زینت اور انجم کا ایک بار پھر جھگڑا ہوا۔ حسب معمول ایک دوسرے کو گالیوں سے نوازا جا رہا تھا۔ اتفاق سے اس وقت ارحم بھی گھر پر تھے۔ آوازیں ناگوار لگیں تو اس کو کہہ دیا۔

"تم تو ہر وقت تعریفوں کے پل باندھتی رہتی ہو' لیکن ان پڑھے لکھے جاہلوں کی زبان تو دیکھو!" انہوں نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا' وہ خفیف ہو گئی۔ جیسے ان کے جھگڑے میں سارا ہاتھ اسی کا تو تھا۔

"ہاں' پتا نہیں کیوں ہر وقت لڑتے رہتے ہیں۔ کس چیز کی کمی ہے ان کے پاس' ہر شے کی فراوانی ہے' پھر بھی۔"

"تم پھر اپنی سہیلی کی صفائی پیش کرنے لگی ہو؟" ارحم نے دزدیدہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"نہیں' میں صفائی نہیں دے رہی۔ یونہی ایک بات کر رہی ہوں۔" عاتکہ کو واقعی سمجھ نہیں آرہی تھی ارحم کی باتوں کا کیا جواب دے۔ سو اٹھ کر کچن کی کھڑکیاں بند کرنے چلی گئی۔ واپس آئی تو ارحم ناشتا ختم کر چکے تھے۔ وہ ٹیبل پر سے برتن اٹھانے لگی۔

"ویسے تمہاری یہ سہیلی ڈبل پرسنیلٹی کی ہے۔" ارحم اب باہر جانے کو تیار کھڑے تھے۔ وہ چڑ گئی۔

"آخر آج سب کو زینت ہی ٹاپک کیوں مل گیا ہے۔"

"برا مت مانو۔ صحیح کہہ رہا ہوں۔ میں نہیں کہتا کہ وہ غلط ہے شاید نادانستہ طور پر وہ سب کرتی ہو۔ اچھائی لیکن اکثر یہ غیر مردوں کے ساتھ بڑا کھل کر باتیں کر

رہی ہوتی ہے۔ غیر مرد مطلب گلی کا چوکیدار' مالی' ڈرائیور اور بات کرنا اتنا برا نہیں لیکن اس کا حلیہ 'ایک تو فربہ ہے اوپر سے بغیر دوپٹے کے پورا گیٹ کھول کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ ہر ایک کو چائے پانی کی آفر کر رہی ہوتی ہے۔ پوری گلی اس کی "مہمان نوازی" کی معترف ہے۔ تمام لوگ اس کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔"

"اللہ ارحم۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟" وہ روہانسی ہی ہو گئی۔

"کیوں اس بے چاری کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ اس کی رحم دلی کو بھی آپ غلط نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ اگر وہ کسی سے اخلاق سے مل لیتی ہے تو اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے۔" وہ پھر غیر دانستہ طور پر زینت کی حمایت کر بیٹھی۔۔۔ ارحم بے ساختہ ہنس دیے۔

"اچھا وکیل صاحبہ۔ میں چلا' آج دیر سے آؤں گا۔ ڈرائیور بچوں کو چھوڑ جائے گا۔ خدا حافظ۔" ارحم باہر نکلے تو گیٹ بند کرنے کی غرض سے وہ بھی پیچھے آگئی۔ سبزی والا گلی میں ہانک لگا رہا تھا۔ ارحم گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ جانے اس کے جی میں کیا آئی گیٹ کو ہلکا سا بھیڑ کر وہ زینت کی طرف آگئی۔ گیٹ کھلا تھا اس نے جھانکا "گاڑی نہیں کھڑی تھی۔ گویا انجم بھائی تو پیں چلا کر رخصت ہو چکے تھے۔ اور اب گھر میں خاموشی طاری تھی۔ اس نے بیل بجائی اور اندر داخل ہو گئی۔ کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔

"زینت 'زینت۔" اس نے آواز لگائی۔ لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ وہ ٹی وی لاؤنج کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ تبھی گلی کا دروازہ کھلا اور ہنستی کھلکھلاتی زینت بر آمد ہوئی۔

"ارے تم ہو۔ آج کیسے زحمت کرلی۔" وہ اپنی ازلی خوش دلی سے مسکرائی۔ "میں گٹر کھلوا رہی تھی۔ آؤ بیٹھو۔" عاتکہ کی نظر بے ساختہ گلی کے اندر گئی۔ جمع دار گٹر کا ڈھکنا اٹھائے کھڑا تھا۔ ساتھ ہی تپائی پر چائے کا کپ اور بسکٹوں کی پلیٹ دھری تھی اور زینت کے پاس دوپٹے نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ کھلے گلے کے ساتھ وہ بے دھڑک اس غیر مرد کے ساتھ کھڑی گٹر کھلوا رہی تھی۔ اور اپنی ازلی خوش اخلاقی کے مظاہرے کے طور پر چائے پانی بھی پوچھا تھا اس کی ہتھیلیاں بھیگنے لگیں (کیا لوگوں کی باتیں سچ۔۔۔)

"ارے آ بھی جاؤ۔ چائے مل کے پیتے ہیں۔ بلکہ ناشتا بھی کرتے ہیں۔" زینت نے اسے بازو سے پکڑ کر اندر کی طرف کھینچا۔ اس کے کانوں میں ارحم کی باتیں گونج رہی تھیں۔ زینت نے فٹافٹ چائے اور بسکٹ کی پلیٹ اس کے آگے لا رکھی۔ "چائے پیو شہزادی ناشتا بنا رہی ہے۔"

"نہیں۔" اس نے بمشکل لبوں کو مسکرانے پر آمادہ کیا۔

"میں ناشتا کر چکی ہوں۔ یونہی چلی آئی رضیہ کا پوچھنے۔" اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا بہانہ بنائے اپنے یوں چلے آنے پر۔

"اے ہے پی لو۔" اس نے کپ زبردستی اس کے ہاتھ میں تھمایا پھر شروع ہو گئی۔ "سنا تم نے آج کیا ہوا؟" عاتکہ نے غائب دماغی سے اسے دیکھا۔

"صبح چار بجے گھر آیا ہے۔ میں نے بھی گیٹ پر ہی اس کی دھنائی کر دی۔" کپ عاتکہ کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"غضب خدا کا۔۔۔ میں کیا اس کی ملازم ہوں جو ساری رات جاگوں۔ ایک گیٹ کھولنے کے لیے۔ یوں پکڑا میں نے گریبان سے اور دو لگائیں میں تو گیٹ میں گھسنے نہیں دے رہی تھی لیکن وہ بھی کون سا کم جوان ہے۔ دھکا مار کر گھس آیا اندر۔ کہہ دیا میں نے' کل سے دیر کی تو گیٹ کھلے گا ہی نہیں' سوئے اسی ماں کے پاس جا کر جس۔۔۔ کی خاطر اپنے بیوی بچے بھلا رکھے ہیں۔" عاتکہ نے ایک گھونٹ لے کر کپ ٹرے میں واپس رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چائے تو پی لو۔" ایسے اٹھتے دیکھ کر اس نے مٹھاس بھرے لہجے میں کہا۔

"نہیں بس تھینک یو۔ گھر کا گیٹ کھلا پڑا ہے۔ پھر سہی۔" اس نے جان چھڑانے والے انداز سے کہا۔

زینت نے بھی اصرار نہیں کیا۔ وہ مصروف تھی۔ عاتکہ خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔ گیٹ عبور کرتے ہوئے اس نے ایک بار پھر مڑ کے دیکھا جمعدار اب زینت کے پاس کھڑا دانت نکوس رہا تھا اور زینت بھی ہنس رہی تھی۔ "ولا تجسس۔" اس کے کانوں میں آواز پڑی اور وہ استغفار پڑھتی اپنے گھر میں داخل ہوگئی۔ وہ خوامخواہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کے گھر چلی گئی تھی اور اس کی آنکھوں نے اسے وہی دکھایا تھا جو وہ دیکھنا چاہتی تھی' وہی سنایا تھا جو وہ سننا چاہتی تھی اور یہ وہی کام تھا جس سے سختی سے منع کیا گیا تھا اور ایسا ارحم اور رضیہ کی بے تکی باتوں کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس نے باہر لگے واش بیسن پر کھڑے ہو کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے وہ کثافت دھونے کی کوشش کی جو اس کے دماغ میں بھر گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سلام باجی۔" وہ سلائی مشین لے کر بیٹھی ہی تھی رضیہ آگئی۔

رضیہ کو دیکھ کر سر اٹھایا' پھر جھکا لیا۔ وہ چاہتی تھی رضیہ' زینت کی بات نہ ہی چھیڑے۔ لیکن اس کے چاہنے سے کیا ہوتا تھا۔ وہ چھیڑ چکی تھی اور خلاف معمول عاتکہ نے اسے منع نہیں کیا' دراصل دل چاہتا تھا وہ زینت کی کچھ اور باتیں بتائے تاکہ شک کی کونپل پھل پھول کر تناور درخت بن جائے۔ پھر اس نے وہ سب سن لیا جو رضیہ سنانا چاہتی تھی اور اس کا دل سننا چاہتا تھا اور جس کی سخت ممانعت تھی۔ رضیہ بولتی رہی اور وہ سنتی رہی۔

"زینت باجی تو مچھلی ہے مچھلی۔ اسے زندہ رہنے کے لیے پانی چاہیے پانی' اب وہ گندا ہو یا صاف' گھر کا ہو یا باہر کسی گندے نالے کا۔ وہ اپنے لیے پانی کا انتظام کر ہی لیتی ہے۔ اپنی زبان کی مٹھاس سے۔ اس دن آئی ہمارے گھر' منور کی طبیعت خراب تھی۔ میں نے کہہ دیا منور کی بیماری کی وجہ سے نہیں آسکتی۔ وہ تو دروازہ کھول کوارٹر میں گھس آئی۔

"کدھر ہے منور... ہاۓ منور؟" وہ آوازیں دیتی منور کے سر پر جا پہنچی۔ وہ رضائی ڈالے پڑا تھا۔ اس نے رضائی چہرے سے ہٹائی' منور کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ نبض چیک کی۔ جیسے ڈاکٹر ہو۔

"اوئے ہوئے ہاۓ منور اتنا تیز بخار۔ رضیہ جا پانی لا ٹھنڈا۔ میں پٹیاں کردیتی ہوں۔" بڑی فکر مندی تھی اس کے لہجے میں اور میرے کچھ کہنے سے قبل ہی اس نے منور کی رضائی اتار پرے پھینکی منور بے چارہ ناں ناں کرتا رہ گیا۔ میرا تو دل چاہ رہا تھا میں باجی کے ہاتھ سے سب چھین لوں۔ پر جی انہوں نے خود ہی پیالے میں پانی لیا۔ تولیہ پھاڑا اور پٹیاں کرنے لگی۔ پھر آدھے گھنٹے اس کے سرہانے بیٹھی اور دوا کھلانے کے بہانے جاتے ہوئے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئی۔ چاۓ بنا کر بخار کی دو گولیاں کھلائیں۔ پھر آتے ہوئے شاپر میں سیب اور مالٹے ڈال کر دیے۔ باجی میں تو کھڑی منہ دیکھتی رہی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے منور کی بیوی میں نہیں وہ ہے اور باجی آج کی سن لیں۔ میں نے منور کی منت کرلی۔ مجھے ماں کے گھر چھوڑ آ۔ بولا دیر ہو رہی ہے جیسے ہی موٹر سائیکل لے کر نکلا زینت باجی لپک جھپک بیٹھ گئی پیچھے اور وہ اس کو مارکیٹ لے کر چلا گیا۔ اللہ کرے باجی کے شوہر کو پتا چل جاۓ اور وہ مار مار کر ہڈی پسلی توڑ دے باجی کی۔ کیسے دوسرے مردوں کو رجھاتی پھرتی ہے۔" وہ دوپٹا پھیلا پھیلا کر زینت کو کوسنے اور بددعائیں دینے لگی۔

"ایسا نہیں کہتے رضیہ!" وہ مری مری آواز میں بولی۔ کیا پتا اس کی نیت خراب نہ ہو۔ ایسے ہی ہوتے ہیں کچھ لوگ دل کے کھرے۔ تو جی برا نہ کر۔ منور کو سمجھا۔ دیکھنا اس کے دل میں ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔"

رضیہ کو سمجھاتے ہوئے اسے اپنا لہجہ بے حد کھوکھلا محسوس ہوا تھا۔ وہ اندر سے اس کی باتوں پر یقین کررہی تھی۔ لیکن رضیہ کے سامنے اپنا بھرم قائم رکھنا چاہتی تھی۔ اب اس کے ذہن میں بھی کئی ایسے واقعات گردش کرنے لگے تھے جو اس وقت اسے قطعی غیر اہم لگے تھے۔ اکثر جب ارحم آفس کے لیے نکلتے تھے وہ گیٹ پر ٹنگی ہوتی تھی اور بھائی جان بھائی جان کر کے ادھر ادھر کی گپیں مارتی رہتی۔ ارحم ذرا ریزروڈ رہتے تھے۔ پھر بھی ان کے جانے تک وہ وہیں کھڑی باتیں مٹھارتی رہتی عاتکہ بھی لقمہ دے ڈالتی۔ لیکن اس سب میں اسے کچھ بھی غیر معمولی نظر نہ آتا تھا۔ جیسے دو ہمساۓ آپس میں بات چیت کرتے ہیں! دوپہر کے وقت زینت پلاؤ اور زردے کی دو بڑی ڈشیں لے کر چلی آئی۔

"انجم نے نیاز کی دیگیں چڑھائی تھیں اپنے دفتر نئی ڈیل ہوئی ہے ناں۔ میں نے سوچا اپنی بہن کو بھی دے آؤں۔ بڑے مزے کا پلاؤ ہے اور یہ زردہ نہیں متنجن ہے۔ دیکھو ڈھیر ساری بوٹیاں ڈال کرلائی ہوں۔ ابھی کھاؤ اور بھائی جان کے لیے بھی رکھنا۔ انہیں بہت پسند ہے ناں متنجن۔" وہ بولتی گئی اور عاتکہ اس کے لہجے میں چھپی پالی کی خواہش ڈھونڈتی رہی۔ ٹھیک طرح سے اسے ٹریٹ بھی نہ کرسکی۔ عاتکہ کو خاموش پاکر اس نے ڈشیں کچن میں رکھیں اور چلی گئی۔ اس میں ایک خامی تھی وہ منافقت نہیں کرسکتی تھی۔ اس نے چاول اسی طرح پلاسٹک کے ڈونگوں میں ڈالے اور جمیلہ کو تھما دیے۔ ذہن میں "بھائی جان کو پسند ہیں" اٹک گیا تھا۔ بھائی جان تو نہیں کھائیں گے کم از کم بیوی پوری طرح سر اٹھاۓ ہوشیار ہوگئی تھی۔

☆ ☆ ☆

ابا جی کی طبیعت اچانک بگڑی۔ بڑے بھیا کا فون آ گیا۔ اسے بچوں کے ساتھ سرگودھا جانا پڑا۔ ارحم اس معاملے میں کوآپریٹو تھے۔ ایک دو دن کا پروگرام تھا اس کا۔ لیکن ابا جی نے آنے ہی نہیں دیا۔ ارحم کا روز فون آرہا تھا۔ اسے ان کی فکر ہو رہی تھی۔ لیکن وہ بڑی مطمئن تھے اور پہلی بار ایسا ہوا کہ وہ اسے مس بھی نہیں کر رہے تھے۔ اس کے اندر بیوی جاگی۔ "کہیں زینت اور بھائی جان۔" اس سے آگے وہ سوچ نہیں سکی۔ اپنی سوچ پر لعنت بھیجی زینت تو جیسی تھی سو

تھی۔ لیکن اسے ارحم پر پورا یقین تھا جیسے تیسے کر کے کئی دنوں بعد وہ واپس آئی۔ بڑے بھیا نے اسے بس پر بٹھا دیا تھا اور وہ ٹیکسی پر گھر آگئی تھی۔ اندر کی بیوی نے کچھ اور پلان کیا ہوا تھا۔

گیٹ تھوڑا سا کھلا تھا۔ جیسے کوئی ابھی ابھی اندر یا باہر گیا ہو۔ اس نے بچوں کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور دبے قدموں کوریڈور کی طرف آگئی۔ کچن سے آوازیں آرہی تھیں اور کچھ پکنے کی خوشبو بھی۔ یقیناً" زینت کچھ نہ کچھ پکا رہی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ بس رو ہی دے۔ کچن کے اندر جھانکنے سے پہلے اس نے اپنے دل کو مٹھی میں سنبھالا۔ آگے پتا نہیں کیا دیکھنے کو ملنے والا تھا۔

"ہاؤ!" کسی نے پیچھے سے اچانک ڈرا دیا تھا۔ اس کے لبوں سے چیخ نکل گئی پلٹ کر دیکھا۔

"کیسا رہا سرپرائز؟" ارحم ہنس رہے تھے۔ اور وہ لبوں پر ہاتھ رکھے ایک ٹک انہیں دیکھے جا رہی تھی۔

"دیکھ لو اچھی طرح گھر میں کوئی نہیں ہے۔" ارحم کی کہی بات نے اس پر گھڑوں پانی ڈال دیا۔ ارحم واقعی ایسے نہیں تھے۔ اس کا دل شانت ہو گیا۔ وہ مسکرا دی۔ بڑے بھیا نے یقیناً" انہیں فون پر۔۔۔ اس کے آنے کی اطلاع دے دی ہوگی۔ اور کہیں اسی لیے تو شک کے ناگ نے پھر پھن لہرایا۔

"دیکھو میں نے اپنے ہاتھوں سے تمہارے لیے سارا کھانا بنایا ہے۔" وہ کہہ رہے تھے۔ بچے اپنے باپ سے لپٹ رہے تھے۔ اور وہ شرمندہ ہوتی سوچ رہی تھی واقعی کچھ گمان گناہ ہوتے ہیں۔ ارحم ایسے نہیں تھے۔ اگلے دن بچوں کو اسکول بھیج کر وہ جمیلہ سے صفائی کروا رہی تھی کہ اچانک اسے خیال سا آیا۔

"زینت کا کیا حال ہے جمیلہ؟" فرش دھوتی جمیلہ نے پلٹ کر اسے دیکھا پھر پائپ سے پانی کی دھار مارنے لگی۔

"صاحب سے لڑائی ہوئی تھی۔ جانے کدھر گیا صاب۔ پر بی بی وہ تو اڑی پھرتی ہے۔ کبھی ادھر۔ کبھی ادھر اور کل کسی پیر بابے کے پاس بھی گئی تھی۔ پتا نہیں کس لیے۔" اب اس پتا نہیں کا بھی سارا پتا تھا جمیلہ کو۔ کام والیاں تو اندر تک کی خبر کھینچ لاتی تھیں۔

"پیچھے سے کام کرنے آتی رہی ہو؟" وہ گھما پھرا کر اصل بات پوچھنا چاہتی تھی۔

"جی بی بی صاب تو دفتر گئے ہی نہیں۔ صبح کا ناشتہ، دوپہر اور رات کا کھانا سب اور زینت بی بی بھجواتی رہی۔ جی میں ہی تو لاتی تھی۔ اچھی ہیں بی بی۔ بہت خیال رکھا انہوں نے صاب کا ایسے لوگ بھی کم ہی ہوتے ہیں بیگم صاحبہ۔" جمیلہ نے اس کے دل میں چھپے سوالات پڑھ کر جواب دے ڈالے اور اس کا پورا وجود جیسے زینت کے چولہے میں بھن گیا۔ زینت بڑے کھلے دل کی تھی۔ جب بھی چیز بھجواتی خوب پلیٹ بھر کر بھجواتی۔ اور اچھے طریقے سے بھجواتی۔ صاب کی دفتری چھٹیوں کا تو اسے علم ہی نہیں تھا۔

اسے رضیہ اور زینب میں بے حد مماثلت محسوس ہوئی۔

منور کے پاس بھی ٹائم نہیں تھا اور ارحم کے پاس بھی۔ لیکن اس زینت کی خاطر۔ آخر کیا تھا اس زینت میں؟ اس نے کھولتے دل اور دماغ کے ساتھ وائپر وہیں پھینکا اور اندر آگئی۔ کچن کے ریک میں زینت کے بھجوائے گئے برتنوں کا ڈھیر تھا۔ جمیلہ سچ کہہ رہی تھی۔ اسے ارحم کی اس حرکت پر بے حد دکھ ہو رہا تھا۔ انہوں نے واقعی اسے مس نہیں کیا تھا۔ اور کرنے کی کوئی وجہ بھی تو نہیں تھی ان کے پاس۔ کھانا انہیں پکا پکایا مل رہا تھا۔ چائے اور دودھ کے گرما گرم کپ بصد اصرار اور محبت کے ان کو پلائے گئے تھے۔

سارے کپڑے استری شدہ ہنگ کیے ہوئے تھے۔ گھر کے کسی بھی چیز سے نہیں لگا تھا کہ یہاں مالکن موجود نہیں تھی۔ وہ لگی لپٹی رکھنے کی قائل نہیں تھی۔ وجود تو زینت کے چولہے میں بھن چکا تھا' بس سواہ (راکھ) ہونے کی دیر تھی۔ اس نے فوراً" ارحم کا نمبر ملا لیا۔ پھر وہ بہت دیر سوال جواب کرتی رہی۔ لیکن ارحم مانا ہی نہیں۔

"کس نے زہر بھرا ہے تمہارے دل اور دماغ میں۔" ان کی دبی دبی آواز ان کے چور ہونے کی دلیل تھی۔

اس نے کچھ نہیں کہا۔ چپ چاپ ریسیور رکھ دیا' عورت جب محبت میں بے اعتبار ہوتی ہے تو سارے سوال جواب چھوڑ دیتی ہے۔ ارحم کے انکار نے اس کے وجود پر بھی گویا اوس ڈال دی۔ جلے پیر کی بلی کی طرح ساری دوپہر وہ اندر باہر پھرتی رہی۔ رات ارحم لیٹ ہی آئے۔ شاید وہ بھی اس کا سامنا کرنے سے کترا رہے تھے۔ ایک بے نام سی خاموشی دونوں کے درمیان حائل ہو گئی تھی۔ اس ساری رات عاتکہ کا تکیہ بھیگا اور ساتھ میں دل بھی۔ محبت کے شیشے میں جھوٹ کا بال آجائے تو محبت دھندلانے لگتی ہے۔ وہ رات اسے اپنی زندگی کی سب سے طویل رات لگی تھی۔

"زینت بری عورت نہیں ہے۔" فجر کی نماز پڑھ کر اس نے سلام پھیرا ہی تھا کہ ارحم کی آواز کانوں میں پڑی۔ وہ چپ چاپ تسبیح کے دانے گرانے لگی۔ "بس ذرا خیال رکھتی ہے سب کا۔ اب دیکھو تمہاری غیر موجودگی میں جس طرح اس نے تین وقت کھانا پہنچایا۔ کون کرتا ہے کسی کے لیے۔ یہ تو زینت اور بھائی کی اچھائی ہی ہے ناں۔ خاندانی لوگ ہیں۔" اعتراف جرم گفٹ ریپر میں لپیٹ کر اسے تھمایا جا رہا تھا۔ اسے لگا رضیہ اس سے زیادہ اسٹرونگ ہے۔ کم از کم ہر گھر میں جا کر اس نے زینت کی کا ڈھنڈورا تو پیٹ ڈالا تھا اور یہ ارحم۔ انہی کا تو بیان تھا کہ ہر ایک کو چائے پانی کے بہانے بلا کر گھر میں بٹھائے رکھتی ہے۔ اور اب ایک دم ہی اس کی ساری خامیاں' خوبیوں میں ڈھل گئی تھیں۔ اس نے ارحم کی کسی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا اور خاموشی سے اٹھ کر لان میں آگئی تھی۔ ماحول میں خنکی تھی اس نے جوتے اتارے اور شبنم کی نرماہٹ کو اندر اتارنے لگی۔

اسے رضیہ کے مشاہدے پر رشک آرہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس کا دل چاہا تھا کہ وہ بھی ان پڑھ ہوتی' چٹی ان پڑھ اور جا کر زینت کے منہ پر دو چار تھپڑ جڑ کر واپس لے آتی اپنے شوہر کو جو وہیں کہیں اس کے کھانے کے برتنوں میں پڑا رہ گیا تھا۔

وہ ایسا صرف سوچ سکتی تھی۔ کر نہیں سکتی تھی۔ گیراج سے گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو وہ اپنے خیالوں سے چونکی ارحم پھر جلد ہی نکل رہے تھے۔ لیکن اس لمحے دل ہی نہیں چاہا کہ جا کر ناشتے کا پوچھ لے۔ چپ چاپ گیٹ سے گاڑی نکلتے دیکھتی رہی۔ فائدہ کیا اتنی خدمتوں کا' ایک منٹ میں سب برابر۔

"ارے بھائی جان' اتنی صبح کہاں بھاگے جا رہے ہیں۔" وہ آواز تھی کہ صورِ اسرافیل۔ وہ کسی گہری نیند سے بے دار ہوئی۔ رضیہ بول رہی تھی۔ اس نے

جلدی سے پیروں میں سلیپر اڑائے اور باہر کو بھاگی۔
"آپ کی پسند کا آملیٹ بنایا ہے۔ بھجوانے والی ہی تھی کہ آپ پر نظر پڑ گئی۔ ناشتا تو نہیں بنا ہو گا آج۔ ویسے میں نے چائے بنا رکھی ہے۔ خالص بھینسوں کا دودھ آیا ہے۔ دو پراٹھے ڈالنے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے۔" وہ ہنستی مسکراتی اسے "دعوت" دے رہی تھی۔ قریب تھا کہ ارحم اس کے پیچھے پیچھے چل ہی پڑتے۔ اس نے بھاگ کر ارحم بازو پکڑ لیا۔ ارحم نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ پھر زینت کی 'چور' کی سی حالت ہو رہی تھی ان کی۔
"ارے آؤ ناں تم بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔" اس نے عاتکہ کو بھی شامل دعوت کیا۔ عاتکہ نے ایک پل میں فیصلہ کیا تھا۔
"میں اور ارحم آج باہر ناشتا کرنے جا رہے ہیں تم بھی انجم بھائی کو لے کر آجاؤ۔" اس کی گرفت مضبوط تھی۔
"انجم تو جا چکے۔" اس کا چہرہ بجھا تھا۔ لیکن اگلے ہی پل وہ پھر پہلے کی طرح چہکی۔ "چھوڑ دیا باہر کا ناشتا' جانے کیا کیا گند بلا کھلاتے پلاتے ہیں۔ میں نے تو اپنے ہاتھوں سے....." بات کرتے کرتے اس نے غیر محسوس طریقے سے دوپٹا شانوں سے ڈھلکا دیا تھا۔ ارحم جو پہلے کبھی زینت اور کبھی عاتکہ کو دیکھ رہے تھے 'ایک دم نظریں جھکا گئے۔ عاتکہ کا کھویا اعتماد بحال ہونے لگا۔ ارحم واقعی ایسے نہیں تھے..... وہ بڑے اعتماد سے آگے بڑھی اور اس کا ڈھلکا دوپٹا دوبارہ اس کے شانوں پر پھیلا دیا۔ زینت کا چہرہ ایک بار پھر پھیکا پڑا تھا۔
"انجم بھائی کو کھلایا کرو ناں اپنے ہاتھ کا بنایا کھانا۔ بے چارے میڈ کے بے ذائقہ کھانے کھاتے رہتے ہیں۔" عاتکہ نے ہنستے ہوئے چوٹ کی۔ زینت کی نظریں ابھی بھی ارحم پر ہی تھیں۔
"مچھلی ہے مچھلی!" رضیہ کی آواز گونجی۔ فیصلہ کرنے کی گھڑی تھی۔ اس نے زینت کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑی ہو گئی۔

"عورت کی سب سے بڑی خوبی اس کا عورت ہونا ہے زینت۔" اس نے دھیرے دھیرے کہنا شروع کیا۔ "اور اس کی ذات کا محور صرف اور صرف اس کے گھر اور اس کے بچے ہوتے ہیں۔ اور جب عورت اپنے مدار سے باہر نکلتی ہے ناں تو ایک بس عورت نہیں رہتی' باقی سب کچھ بن جاتی ہے۔ اس کے کئی نام' کئی روپ ہو جاتے ہیں' عورت کو بے شک مچھلی کی طرح خوشنما ہونا چاہیے۔ اس کی طرح چکیلی اور ہاتھ نہ آنے والی بھی۔ لیکن مچھلی بننا نہیں چاہیے کہ زندہ رہنے کے لیے اسے نالے اور تالاب کا فرق بھول جائے۔ تمہارے گھر کا تالاب چاہے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو' اس گندے نالے سے کہیں بہتر ہے جو باہر بہتا ہے۔ اور زینت! تمہاری زندگی کا سبب وہ تالاب ہی ہے گندا نالا ہرگز نہیں۔ اگر تم سمجھ لو تو....." اس نے زینت کا ہاتھ چھوڑا اور ارحم کا ہاتھ پکڑے گھر کی طرف بڑھ گئی۔ ارحم کا ڈھیلا ڈھالا وجود غماز تھا کہ وہ ابھی اس نالے میں زیادہ دور تک نہیں بہے۔ گلی کے بچے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گول گول گھوم رہے تھے اور گا رہے تھے۔

مچھلی جل کی رانی ہے
جیون اس کا پانی ہے
ہاتھ لگاؤ گے تو ڈر جائے گی
پانی سے نکالو گے تو مر جائے گی
مچھلی.....

ان کی آوازیں اور سر اونچے ہوتے چلے جا رہے تھے اور اپنے گھر کا گیٹ بند کرنے سے قبل اس نے دیکھا زینت سڑک کے اس پار کھڑے رضیہ کے شوہر یاء منور کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر کی طرف کھینچ رہی تھی اور اصرار کر رہی تھی کہ وہ اس کا بنایا ناشتا اس کے سامنے بیٹھ کر کرے۔ عاتکہ نے ایک لمحہ کی دیر کیے بنا جلدی سے گیٹ بند کیا تھا اور ارحم کا ناشتا بنانے کچن کی طرف چل پڑی تھی۔

☆ ☆

ناولٹ

فاخرہ گل

ریلوے اسٹیشن سے نکلتے ہی صائم کو سب سے پہلا رکشا ہی نظر تو آیا ہی تھا' لیکن ایسا رکشے والا بھی پہلی دفعہ ہی دیکھنے کو ملا تھا کہ جس نے اسے کچھ بھی سوچنے سمجھنے کا وقت دیے بغیر اس کے قریب آتے ہی ماتھے تک ہاتھ لے جا کر اسے کچھ پوچھنے یا بتانے کا تکلف کیے بغیر اس کے ہاتھ میں موجود بیگ تھام لیا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی سوال کرتا رکشے والے نے خود سوال کرتے ہوئے بات چیت میں پہل کر دی۔

"صاحب جی کہاں جانا ہے؟"

اور پھر اسے بولنے کے لیے ایک منٹ کا بھی وقفہ دیے بغیر بیگ اٹھا کر چلنے لگا۔

"خیر جدھر بھی جانا ہوا میں جاؤں گا' میرا تو صبح سے شام تک کام بھی یہی ہے۔" صائم نے ایک نظر ریلوے اسٹیشن سے نکلتے مسکراتے' تھکے ہوئے پریشان مسافروں کو دیکھا۔ جن کے ساتھ بچے تھے وہ بھی ادھر ادھر کی باتیں کرتے کندھوں پر بیگ لٹکائے ہوئے تھے۔ کچھ کے ساتھ قلی تھے اور کچھ نے خود اور بچوں کو سامان اٹھانے کی ذمہ داری دے رکھی تھی۔ اس کی طرح کے اکیلے نوجوان ہاتھ میں موبائل اور کندھے پر بیگ ڈالے نظر آئے۔ سب نے سفر ایک ساتھ کیا تھا' لیکن منزل سب کی جدا تھی اور سفر ختم ہوتے ہی سب اپنی اپنی منزل تک پہنچنے کی جلدی میں تھے۔ یوں بھی اس وقت شام ہونے کو تھی اور تھوڑی ہی دیر میں اندھیرا ہر بولتی نظر آنے والی چیز کو خاموش کروا دینے والا تھا۔ زندہ نظر آنے والی ہر شے بے جان ہونے کو تھی۔

"محبت کی طرح اللہ نے روشنی میں بھی بہت طاقت رکھی ہے۔ جس کی ذرا سی موجودگی دنیا کا نقشہ ہی بدل دیتی ہے۔ ہونے کا احساس جگاتی ہے اور زندگی پھونک دیتی ہے۔" اس نے سوچا۔

"کسی نے لینے آنا ہے؟" تھوڑا سا آگے جا کر رکشے والے کو احساس ہوا تھا کہ وہ اکیلا ہے جبھی پیچھے مڑ کر اسے دیکھا' وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے شاید اس تمام منظر کو حفظ کر رہا تھا۔ رکشے والے کی آواز پر اسے دیکھا' مسکرا کر سر جھٹکا اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔ رکشے والا بلاشبہ ایک انتہائی باتونی انسان تھا۔ اس کے پتا بتاتے ہی جو رکشا اسٹارٹ ہوا تو ساتھ ہی اس کی زبان بھی۔ ملکی حالات میڈیا' سیاستدان' مہنگائی سے ہوتا ہوا' وہ آج کل کی نسل پر آ پہنچا تھا۔ ستم یہ کہ رکشا دونوں اطراف سے بند تھا اور صائم مکمل طور پر باہر نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ لیکن اسے رکشے والے کی بھی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ از راہ مروت ہوں ہاں اور کبھی مختصر رائے سے کام چلاتے ہوئے رکشے والے نے اسے ایک گلی کے سامنے لا اتارا۔

"جناب یہ رہا آپ کا مطلوبہ مقام اور اب جلدی سے ادا کر دیجیے میرے دام۔" رکشے والے نے سامنے رکھے ہوئے تولیے کے نیچے سے اپنا سیاہ ڈبیا نما موبائل نکال کر ٹائم دیکھا اور صائم نے اپنے موبائل میں لکھا ایڈریس۔

یعنی وہ صحیح مقام تک آن پہنچا تھا اور اب اس گلی کے اندر ہی اس کی رہائش بھی ہو گی۔ رکشے والے کو پیسوں کی ادائیگی کرنے کے بعد اس نے سوچتے ہوئے علاقے کا جائزہ لیا۔

رات کی سیاہی مکمل طور پر تو ابھی نہیں اتری تھی

لیکن روشنی ملگجی سی ضرور لگنے لگی تھی۔ سورج کی کرنیں الوداعی نظروں سے دیکھتی اب افق کے کہیں پار چھپنے کو تھیں۔ اور جہاں آسمان پر اڑتے پرندے اپنے گھونسلوں کی طرف روانہ تھے' وہیں زمین پر بھی سب اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ یہ علاقہ کوئی بہت پوش رہائشی علاقہ نہیں تھا بلکہ پرانی طرز کے بنے حویلی نما گھروں سے متوسط نما دکھائی دیتا تھا۔ گلی کے بالکل اوائل میں دائیں طرف پرچون والے کی دکان تھی اور ساتھ موٹر سائیکل کی ورکشاپ' جبکہ بائیں طرف درزی' قصائی اور سبزی والے کی دکانیں ایک قطار سے موجود تھیں۔ یعنی اس گلی کے مکینوں کی تمام بنیادی ضروریات کی تکمیل چند قدموں پر تھی۔ صائم نے سوچا اور اسی دوران سر میں نیلے کلپ لگائے جسم پر بھڑکیلے آتشی گلابی رنگ کے کپڑے دوپٹا سنبھالتی نوعمر

سی لڑکی سبزی والے کی دکان سے نکل کر گلی میں مڑتے مڑتے اسے دیکھ کر پلٹی۔

"کسے ڈھونڈ رہے ہیں آپ؟" کسی سے ملنا ہے یا گھر نہیں مل رہا کسی کا؟" یقیناً" یہاں کا کوئی بھی رہائشی اس سے یہ سوال کر سکتا تھا۔ کیونکہ بہرحال وہ اس جگہ پر ایک اجنبی ہی تو تھا۔

"مجھے اس گھر میں جانا ہے۔" اس نے موبائل کے بجائے والٹ سے وہ رقعہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا جس پر پتا درج تھا۔ اور پھر خود بھی اس کے ناخواندہ ہونے کا شک گزرا جسے اگلے ہی لمحے اس نے غلط ثابت کر دیا۔

"اچھا تو آپ شہزاد صاحب کے گھر آئے ہیں' میرے ساتھ ہی آجائیں یہ گھر تو بالکل ہمارے سامنے والا ہے۔" رقعہ واپس دے کر وہ بولی۔

صائم نے اس کے ہاتھوں کی کھردری نظر آنے والی جلد اور ناخنوں میں برتنوں کی میل دیکھی۔ شاید برتن مانجھ مانجھ کر ان کی سیاہی اس کے ناخنوں کے اندر گھس گئی تھی۔ بات کرنے کے دوران اس نے جذبہ خیر سگالی کے اظہار کے طور پر اپنے دنداسے سے رنگے ہونٹ پھیلائے' صائم اس کے ساتھ ہی ہولیا تھا۔ باقی کا تمام رستہ وہ خاموش ہی رہی' البتہ اس کی قینچی چپل کے زمین پر گھسٹنے اور پھر ایڑی پر ٹک کر کے لگنے کی آواز نے اپنا سر جاری رکھا۔ گلی کے اندر گیارہویں نمبر پر موجود گھر صائم کا تھا اور اس کے بالکل سامنے والے گھر کے بڑے سے لکڑی کے دروازے پر وہ کھڑی تھی۔

"کیا آپ نے شہزاد صاحب کا گھر خرید لیا ہے؟" ہاتھ میں پکڑے سبزی کے شاپر کو بس یونہی خواہ مخواہ ٹٹولتے ہوئے اس نے پوچھا اور صائم جو کہ اس کا شکریہ ادا کرنے کے بعد اب تالا کھولنے میں مصروف تھا اس کی آواز پر پلٹا۔

"نہیں نہیں' خریدا تو نہیں ہے۔ دراصل شہزاد انکل ابو کے دوست ہیں اور میرا یہاں یونیورسٹی میں داخلہ ہو گیا ہے۔ ہاسٹل میں فی الحال جگہ نہیں ملی' اس لیے کچھ عرصے تک ان کا گھر استعمال کروں گا۔" اس نے جان بوجھ کر تفصیل اس لیے بھی بتائی تھی' کہ وہ جانتا تھا کہ آس پڑوس کے گھروں میں یقیناً" اس کے بارے میں تجسس ہو گا۔

"اوہ اچھا اچھا چلیں ٹھیک ہے اب میں چلتی ہوں۔" مڑ کر اس نے کھلا ہوا دروازہ مزید کھول کر اندر داخل ہونے کا ارادہ کیا اور پھر خود ہی ارادہ ملتوی بھی کر دیا اور دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ہمارا سارا محلہ بہت اچھا ہے سب لوگ یہاں مل جل کر رہتے ہیں اور ایک دوسرے کا دکھ بانٹتے ہیں۔ آپ کو بھی کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ اور اگر کوئی چیز چاہیے ہو تو وہ بھی بلا شبہ مانگ سکتے ہیں آپ۔" دائیں ہاتھ سے دوپٹا سنبھالتے ہوئے اس نے فراخدلانہ پیشکش کی تھی۔

"بہت شکریہ' اگر کسی بھی چیز کی ضرورت ہوئی تو یقیناً" آپ سے ہی رابطہ ہو گا۔" وہ شکر گزاری کے احساس سے مسکرایا۔

صائم کا خیال تھا کہ شاید وہ اس گھر کی ملازمہ ہے کیونکہ ایک تو اس کا حلیہ ایسا تھا اور پھر جس گھر کے سامنے وہ کھڑی تھی' وہ اس سے ہرگز میل کھاتا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ گو کہ اس لمبی گلی میں موجود ہر مکان پرانے طرز کی تعمیر کا پتا دیتا تھا لیکن دو منزلہ اس گھر کی اچھی خاصی لیپا پوتی کر کے اسے موجودہ زمانے سے بھی ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور صرف یہی مکان نہیں' بلکہ گلی میں جس طرف بھی وہ دیکھتا۔ دائیں اور بائیں اطراف میں اسی طرح کے مکانات نظر آتے جو یقیناً" پاکستان کے قیام سے پہلے ہندوؤں کی رہائش گاہیں رہی ہوں گی اور تقسیم کے بعد مسلمانوں کے حصے آئی ہوں گی۔

لیکن خیر وہ اس گھر کی ملازمہ ہوتی یا مالکن اسے ان دونوں باتوں سے کوئی بھی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔ لہٰذا اس کے جاتے ہی اپنے گھر کا دروازہ کھولنے لگا۔

شہزاد انکل کا یہ گھر کافی عرصے سے بند ہی تھا۔ خود مال دار آدمی تھے لہٰذا کبھی کرائے پر چڑھانے کے لیے

بھی کوئی تنگ و دو نہ کی۔ آج سے دس بارہ سال پہلے ان کے ابا کی وفات ہوئی تو یہ گھر مکمل طور پر مقفل ہو گیا' ورنہ اس سے پہلے وہ ہر جمعرات کو ضرور یہاں آکر دروازے کھولتے اور روشنیاں جلاتے۔ اب صائم کو یونیورسٹی کی وجہ سے رہائش کی ضرورت پڑی تو انہوں نے فراخدلانہ آفر کرتے ہوئے یہ گھر استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔

آج سے پہلے صائم نے یہ گھر دیکھا ہوا نہیں تھا اور نہ ہی اس علاقے سے کوئی واقفیت تھی کہ کچھ اندازہ ہوتا۔ لیکن اب یہ اور اس سے ملحقہ باقی گھروں کو دیکھ کر اسے لگا جیسے وہ آج سے پچاس سال پہلے کے زمانے میں چلا آیا ہو۔

گھر کا دروازہ کھول کر دائیں طرف موجود بٹن پر اس کی نظر پڑی تو شکر کیا کہ فوراً" سے لائٹ آن کی جا سکے گی۔

دروازے کے ساتھ بڑی سی ڈیوڑھی تھی۔ جس میں دائیں اور بائیں دیواروں کے اطراف خالی گملے رکھے تھے۔ جن میں کبھی پھول پودے ہوا کرتے ہوں گے۔ ڈیوڑھی سے ملحقہ چھوٹا صحن اور صحن میں کھلتے کچن اور باقی تینوں کمروں کے دروازے سب کھلے ہوئے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے آنے سے پہلے یہاں کی خاص صفائی ستھرائی کی گئی تھی۔

کیونکہ کمروں میں سامان تو برائے نام ہی تھا لیکن دھلے دھلائے صاف ستھرے فرش کسی بھی قسم کی دھول مٹی سے پاک کھڑکیاں دروازے وغیرہ بتاتے تھے کہ گھر کو اس کے لیے رہائش کے قابل بنایا گیا ہے۔

باورچی خانے میں فرشی چولہے کے ساتھ موجود پیڑھی' دائیں طرف بنے شیلف پر رکھے مرچ مسالوں کے ڈبوں سے ایک ہاتھ کے فاصلے پر رکھی۔ ڈبے تھے تو خالی لیکن یقیناً" دھوئے گئے تھے یا صاف لاکر رکھے گئے تھے اسے اندازہ نہ ہوا۔ ڈبوں کے اوپر دستر خوان پھیلا کر انہیں چکنائی سے بچانے کی ترکیب کی گئی تھی۔ فرشی چولہے کے عین اوپر بنے شیلف پر ایک چھوٹی اور دوسری نسبتاً" بڑی دیگچی اوپر نیچے اوندھی رکھی تھیں' ایک جگ میں چمچے اور ڈوئیاں تھیں اور پیڑھی کے بائیں ہاتھ پر دروازے کے ساتھ ایک خالی ڈرم' جس کا استعمال یقینی طور پر آٹے کے لیے کیا جاتا ہو گا۔

عین سر کے اوپر زرد روشنی والا بلب بغیر کھڑکی کے اس باورچی خانے کو انتہائی گھٹن اور حبس زدہ بنا رہا تھا۔ اور اسی وقت اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ کسی اور جگہ کو باورچی خانے کے طور پر استعمال کرے گا۔ کوئی ایسی جگہ جہاں کم از کم روشنی تو بہتر ہو لیکن ہوا کی آمد رفت کا بھی خاطر خواہ انتظام ہو سکے۔

سیڑھیاں چڑھ کر اپنا بیگ اٹھائے اوپر گیا' تو شام کے سائے گہرے ہو چلے تھے۔ بہت مدھم سی روشنی' مکمل سیاہی طاری ہونے سے روکے ہوئے تھی لیکن رات کی طاقت اس معدوم روشنی کو پچھاڑنے میں مکمل کامیاب نظر آئی۔ سیڑھیاں چڑھ کر اسے ایک خوش گوار سا احساس اس لیے بھی ہوا کہ یہاں نیچے کی طرح پراسراریت اور سناٹا نہ تھا اور نہ ہی ہر حصہ مکمل طور پر تعمیر کیا گیا تھا۔ بلکہ سیڑھیاں چڑھتے ہی بالکل سامنے صرف ایک کمرہ تھا جو نیچے موجود کمروں کی نسبت زیادہ کشادہ بھی تھا اور دو کھڑکیاں ہونے کی وجہ سے ہوادار بھی۔ اس نے اندر داخل ہو کر دیکھا۔

دونوں کھڑکیاں سامنے گلی کی طرف کھلتی تھیں اور اگر سامنے والے گھر کی کھڑکیاں بھی کھلی ہوں تو یہیں بیٹھے بیٹھے آسانی سے دونوں گھروں کے مکین ایک دوسرے کو دیکھ بھی سکتے اور بات چیت کرنا بھی ممکن ہوتی۔ کھڑکیوں کے عین سامنے والی دیوار پر ایک چارپائی اور ساتھ کرسی میز رکھی تھی اور بس۔

چھت پر لٹکتا پنکھا اور میز کے عین اوپر ہولڈر میں لگا وہی زرد بلب... اسے بلب کی زرد روشنی سے چڑ تھی۔ لہٰذا فائنل فیصلہ یہ کیا وہ رہائش کے طور پر اسی کمرے کو استعمال کیا کرے گا۔ البتہ صبح ضرورت کی باقی چیزوں کے ساتھ جو چیز سب سے پہلے لانی ہے وہ ایک سفید بلب ہے۔ بیگ کو چارپائی پر رکھنے سے پہلے اس نے چادر اور تکیے کو سونگھ کر دیکھا۔ جس میں سے خلاف

توقع کسی بھی گرد مٹی کے بجائے سرف کی ہلکی ہلکی مہک آرہی تھی۔ یعنی نیچے باورچی خانے سے لے کر اوپر کے اس کمرے تک فرش سے چھتوں تک صاف ستھرا کیا گیا تھا۔

وہ دل ہی دل میں شہزاد انکل کا مشکور ہوا۔

کہ اگر ایک عرصے سے بند یہ گھر اسے گرد اور مٹی میں اٹا ہوا بھی ملتا تو آخر وہ کیا کر لیتا ظاہر ہے کہ چارو ناچار خود ہی اپنے رہنے کی جگہ کو صاف کرنا پڑتا اور پھر بالفرض وہ کرتا بھی تو آخر کتنا۔۔۔ اتنی صفائی تو وہ ہرگز نہ کرپاتا۔ لہٰذا آرام سے بیگ کو چارپائی کے بجائے میز پر رکھ کر اپنے سلیپرز نکالے اور کھلی چھت پر ارد گرد کا جائزہ لینے لگا۔ چاروں طرف چھتوں پر روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ لیکن جہاں چھتوں پر لوگوں کی موجودگی محسوس ہو رہی تھی وہاں بلب بند رکھے گئے تھے تاکہ دوسروں کو نظر نہ آسکیں۔

چھت پر ہی ایک چھوٹا سا باتھ روم بھی تھا' جسے دیکھ کر اسے لگا جیسے پتا نہیں کیا خزانہ مل گیا ہو۔ یعنی اب صبح وہ صرف نیچے سے چولہا اور چند ضروری اشیاء لاکر مکمل طور پر اوپر ہی رہائش اختیار کر سکے گا۔ اور نیچے والے مکمل پورشن سے اس کا کوئی لینا دینا نہ ہوگا۔ وہ ایک دم ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔ لہٰذا بہتر ہی سمجھا کہ بیگ سے ٹراوزر شرٹ نکالے اور ایک مرتبہ نہا کر پھر سکون کی نیند سو جائے۔ صبح یونیورسٹی بھی جانا تھا اور کچھ اسے اتنی بھوک بھی نہیں لگی تھی' لہٰذا جلد سونے کی تیاری کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

صبح جاگنے کے لیے اس نے حسب معمول الارم لگا رکھا تھا۔ گھر میں ہوتا تب بھی اس کی یہی عادت تھی لیکن آج الارم سے پہلے ہی اس کی آنکھ مختلف قسم کی آوازوں سے کھل گئی تھی۔

"لیکن ابھی تو مکمل صبح بھی نہیں ہوئی۔" اس نے پلکوں کی ہلکی جھری سے موبائل پر وقت دیکھا پھر کروٹ بدلی تو اس کے کمرے کی کھڑکیاں تو کھلی تھیں ہی' لیکن سامنے والے گھر کی بھی کھڑکیاں کھلی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں اور یہ چلنے پھرنے کی آوازیں وہیں سے آتی محسوس ہو رہی تھیں۔ صبح ہی صبح وہ سخت بدمزا ہوا تھا۔ اور پھر یہ بھی احساس کہ وہ تو ساری رات تھکن کے باعث گہری نیند سویا رہا۔ لیکن جس کسی نے بھی دوسری طرف کی کھڑکیاں کھولی ہوں گی یقیناً" اسے بھی دیکھا ہی ہوگا۔

"اب یہ کیا بات ہوئی کہ جب بندہ خود اپنے آپ کو نہ دیکھ رہا ہو تو دوسرے دیکھیں۔" اس نے منہ بسور کر جمائی لی اور کہنی کے بل ذرا سا اوپر ہو کر سامنے کی کھلی کھڑکیوں کا جائزہ لینے لگا۔ سامنے والا گھر اس کے گھر سے قدرے مختلف تھا۔

اس کے کمرے کے عین سامنے کمرہ اور کمرے کے کھلے دروازے سے نظر آتے لمبے لمبے ستون' جنہیں دیکھ کر رومن کولوسیم کی یاد آنے لگے اور انہی ستونوں کے سامنے بیٹھی لٹکی ٹھوڑی والی وہ خاتون جو دودھ بلو کر کے مکھن نکالنے میں مصروف تھیں۔ کل نظر آنے والی وہی لڑکی جس نے اس گھر تک اس کی رہنمائی کی تھی

"مینا۔۔۔ جا دیکھ کے آ' ہادیہ نے روٹیاں بنالیں کہ نہیں۔؟" بزرگ خاتون کی زبانی اسے پتا چلا کہ وہ مینا ہے۔ اسے لگا جیسے اس کے سامنے تھیٹر ہے اور وہ براہ راست چند کرداروں کو دیکھ اور سن رہا ہے۔

لیکن ایسا نہیں تھا۔ جس طرح اسے یہ بات معیوب لگی تھی کہ کوئی اسے سوتا ہوا دیکھے اسی طرح شاید ان خاتون کو بھی اچانک اس پر نظر پڑنے پر اس کا یوں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا شاید اچھا نہیں لگا تھا۔ تبھی تو جیسے ہی اس کے ساتھ نظر ملی' مینا کو کچھ کہنے کے بجائے خود گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھیں اور کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف بڑھیں۔

صائم چوری پکڑے جانے پر شرمندہ سا وہیں بیٹھا رہ گیا تھا۔

یونہی ادھر ادھر نظریں گھماتے ہوئے سلیپرز

ڈھونڈنے کی اداکاری کرتے صائم کو انہوں نے کھڑکی کے قریب آکر پکارا۔

"بیٹا کیا نام ہے تمہارا؟"

"صائم۔" اس نے مختصر جواب دیا اور اٹھنا چاہا۔ بجائے اس کے کہ وہ اسے اپنے گھر میں جھانکنے پر سرزنش کرتیں لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس ان کا لہجہ نرم تھا۔ انداز میں تمکنت اور وقار تو تھا لیکن لہجے کی حلاوت اپنی مثال آپ تھی۔

"مکئی کی روٹی کھاؤ گے؟ ساتھ سرسوں کا ساگ بھی ہے اور چاہو تو مکھن لے لو۔" خاتون تو اسے مکمل حیران کر گئی تھیں۔ نہ ڈانٹ نہ ڈپٹ نہ سرزنش نہ غصہ بلکہ وہ تو اتنے پیار سے اسے ناشتا آفر کر رہی تھیں۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا ہلکی ہلکی روشنی ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ "فجر پڑھو گے پہلے؟" ان کے سوال نے تو جیسے اسے شرمندہ ہی کر ڈالا تھا اور صرف یہی نہیں بلکہ دونوں سوال ہی ایسے تھے شاید اس کے یوں باہر دیکھنے پر وہ سمجھیں کہ نماز قضا ہونے کا ڈر ہو۔ وہ کراچی سے یہاں آیا تھا۔ اس سے پہلے وہ کبھی لاہور نہیں آیا تھا اور اب داخلہ یہاں ہوا تو رہائش بھی ظاہر ہے کہ یہیں اختیار کرنی پڑی اور اسی طرح آج سے پہلے بہت کم ہی ایسا ہوا تھا کہ اس نے کبھی فجر پڑھی ہو۔ لہٰذا ان کے سوال پر گڑبڑا گیا اور سوال تھا بھی ایسا کہ اس پر انکار کی کوئی گنجائش بھلا کہاں نکلتی۔ لہٰذا چاروناچار سر ہلانے پڑا۔

"جی آنٹی وہی دیکھ رہا تھا کہ نماز کا ٹائم نہ نکل جائے۔"

"ارے بیٹا، مجھ بوڑھی کو دادی ہی رہنے دو آنٹی اچھا نہیں لگتا۔" اپنے پوپلے منہ کے ساتھ وہ جھینپ گئی تھیں۔

"اور جاؤ جلدی سے نماز پڑھ لو۔ اب بھلا بیٹھے رہنے کی گنجائش بھی کہاں تھی۔ اسے اٹھتے ہی بنی۔۔۔ اور دادی کے پلٹتے ہی سب سے پہلا کام اس نے کھڑکی بند کرنے کا کیا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ گو کہ اس کمرے میں اسے پنکھے کے ساتھ کھلی کھڑکی کی بھی ضرورت تھی، لیکن آج آتے ہوئے باقی اشیاء کے ساتھ اس نے ایک پردے کی خریداری بھی لازم کر دی تھی۔ اسی دوران اسے محسوس ہوا کہ روشنی ہو جانے کی وجہ سے یقینی طور پر اب فجر کا وقت نہیں رہا، لہٰذا سکون سے واش روم گیا اور جب لوٹا تو نیچے دروازہ بج رہا تھا۔ سیڑھیاں پھلانگتا نیچے اترا، تو باہر مینا ٹرے پکڑے کھڑی تھی۔

"یہ دادی نے ناشتا بھیجا ہے اور یہ جاء نماز۔ کہہ رہی تھیں پتا نہیں کیسے نماز پڑھی ہوگی آپ نے۔"

"تمہاری دادی ہیں وہ؟" ٹرے پکڑ کر اس نے سوال کیا۔

"میری تو ماکن ہیں، دادی تو ہادیہ باجی کی ہیں، لیکن میں بھی انہیں دادی ہی کہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میرا شکریہ کہہ دینا ان سے۔" جاء نماز کی طرف اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔ لیکن مینا بھولی نہیں اور خود سے اسے پکڑاتے ہوئے بولی۔

"دادی پوچھ رہی تھیں قرآن پاک ہے آپ کے پاس یا ہم دے جائیں؟"

"ہے میرے پاس، مہربانی۔" جان نہ پہچان میں تیری خالہ جان، والے رویے سے وہ چڑ گیا تھا۔ لہٰذا جواب دیتے ہی دروازہ بند بھی کر دیا۔ ان کے رویے نے اسے اکتاہٹ کا شکار تو کیا ہی تھا لیکن خیر ہاتھ میں پکڑے ٹرے کے باعث موڈ خوش گوار ہی رہا۔ مکئی کی روٹی اور سرسوں کے ساگ کا میل اس نے سنا تو تھا لیکن پہلی مرتبہ کھانے کا اتفاق ہونے کی وجہ سے پرجوش بھی تھا۔ اسی خیال میں وہ پلٹا اور سیڑھیاں چڑھنے ہی والا تھا کہ سامنے موجود تین کمروں میں سے ایک کا دروازہ کھلا ہوا دیکھا۔

"یہ دروازہ کس نے کھولا؟ رات تک تو بند تھے تینوں کمرے۔" اس نے خود کلامی کی پھر سر جھٹک کر اپنا وہم خیال کرتے ہوئے اوپر چلا آیا۔ اس نے رات کو تینوں کمرے اندر سے نہیں دیکھے تھے اور اگر دیکھے تو سرسری طور پر، لیکن جہاں تک اسے یاد پڑتا تھا کہ اس نے تینوں ہی کمرے باہر نکلتے ہوئے بند کر دیے تھے خیر

جو بھی ہے۔ یقیناً" وہم ہے۔ یہی سوچ کر اس نے کمرے میں بیٹھ کر بڑے مزے سے مکئی کی روٹی بھی کھائی اور سرسوں کا ساگ بھی ساتھ رکھا مکھن اس نے گرما گرم ساگ پر ہی ڈال لیا تھا اور وہ اس بات کا دل سے قائل ہو گیا تھا کہ واقعی یہ سب کسی سوغات سے ہرگز کم نہیں ہے۔

شکریہ ادا کرنے کی نیت سے ایک بار پھر بند کی ہوئی کھڑکی کھولی' تو اس مرتبہ سامنے نہ دادی نظر آئیں اور نہ ہی مینا۔ بلکہ ستون کے ساتھ رکھی کرسی پر کوئی اور ہی لڑکی موجود تھی۔ صائم نے از خود اسے ہادیہ فرض کر لیا تھا اور یہ نام ابھی تقریباً" گھنٹہ پہلے ہی اس نے دادی سے اور پھر مینا کی زبانی سنا تھا۔

کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندے بیٹھی ہادیہ کے ہاتھ میں تسبیح موجود تھی جس پر کچھ پڑھتے ہوئے وہ بڑی سست روی سے دانے بدلتی جاتی تھی۔ دائیں ٹانگ پر بائیں ٹانگ دھرے ساتھ ساتھ وہ پاؤں بھی ہلاتی جا رہی تھی۔ اور آرام کرسی کینچوے کی طرح کبھی آگے تو کبھی پیچھے جاتے ہوئے اسے آرام پہنچانے کی سعی کر رہی تھی۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا کہ اس کی بند آنکھوں سے آنسو لڑھکتے نظر آئے۔

اسے لگا جیسے سنگ مرمر کے صاف شفاف فرش پر بارش کی بوندیں گرتی اور پھسلتی جا رہی ہوں۔ منظر اتنا دلچسپ تھا کہ وہ جامد ہو کر رہ گیا۔ "کیا روتی ہوئی لڑکیاں بھی خوب صورت لگتی ہیں؟" اس نے حیرت سے سوچا۔

"اور اگر روتے ہوئے خوب صورت لگ رہی ہے تو ہنستے ہوئے کیسی لگتی ہو گی؟" اپنے آپ سے اس نے سوال کیا۔

"اور کیا تسبیح کرتے ہوئے کوئی خدا سے اس قدر بھی نزدیک ہو سکتا ہے کہ آنسو ہی نکلنے لگیں' زبان خاموش ہو جائے اور دل کی سب کہانی ان آنسوؤں کی زبانی بیان کی جائے؟" وہ واقعی حیران تھا کشمیری چائے سی گلابی' مغلیہ عمارتوں کی سی روشن اور چنار کے درختوں کی طرف متناسب۔۔۔ سامنے آنکھیں بند کیے بیٹھی کو وہ جوں جوں دیکھتا جا رہا تھا۔ ایسا لگتا جیسے وہ آنکھیں بند کیے اس پر منتر پڑھ رہی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ وہ دم بخود سا وہیں پر کھڑا بس اسے دیکھے ہی چلا جا رہا ہے۔

کراچی کی کھلی فضاؤں میں پلنے بڑھنے اور مخلوط تعلیم حاصل کرنے والے صائم کے لیے ایسا نہ تھا کہ پہلی مرتبہ کسی لڑکی کو دیکھا ہو' لیکن ہاں ایسا ضرور تھا کہ اس میں واقعی کچھ تھا جو اس نے آج تک کسی میں محسوس نہیں کیا تھا۔ اس نے چاہا کہ وہ آنکھیں کھولے وہ بند آنکھوں میں چھپے سحر کو محسوس کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔

تسبیح کے دانے اور اس کی آنکھوں سے آنسو سست روی سے مگر ایک کے بعد ایک کر کے گرتے چلے گئے۔ کبھی جی چاہتا کمرے میں اٹھا پٹخ کر کے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دے پھر سوچتا براہ راست مخاطب کر کے ناشتا بھجوانے کا شکریہ ادا کرے۔ لیکن پھر دونوں خیال مسترد کرتے ہوئے اس نے سوچا کہ خود ان کے گھر جا کر شکریہ ادا کرنا بہتر ہے۔ لہٰذا شام کو ان کے گھر جانے کا ارادہ کیا یونیورسٹی سے تاخیر ہو جانے کے خدشے کے تحت دل پر جبر کر کے وہاں سے ہٹ گیا۔ لیکن اس عمر میں ہادیہ کا یہ انداز اس کے لیے واقعی منفرد تھا۔

☆ ☆ ☆

یونیورسٹی میں پہلا دن تھا اور ویسا ہی گزرا جیسا عموماً" سب کا گزرتا ہے' اکثریت ایک دوسرے سے ناواقف تھی اور پہلے روز اپنا اپنا تعارف کروا کر دوستیاں بنانے میں مصروف تھی۔ اس کے لیے تو خیر نیا تھا ہی سب کچھ' لیکن پھر بھی بہت اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔ وہی زبان' وہی ملک اور وہی اپنے لوگ' لہٰذا اسے کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن ہاں اتنا ضرور تھا کہ ہر لڑکی میں اسے ہادیہ نظر آئی' وہ لاشعوری طور پر ہر نظر آنے والی لڑکی کا مقابلہ ہادیہ سے کرنے لگتا۔ لیکن وہ معصومیت اور بے خودی کسی میں نظر نہ آئی جو اس

نے ہادیہ میں دیکھی تھی اور پھر دیکھتے ہی اس کے دل و دماغ اور اعصاب پر ایسی چھائی کہ یونیورسٹی کے پہلے دن کی ایکسائٹمنٹ بھی ہوا ہو گئی۔

اس کا ڈیپارٹمنٹ کہاں تھا؟ پروفیسرز کون سے تھے؟ کلاس فیلوز کس مزاج کے تھے؟ اسے ان سب باتوں سے بالکل بھی دلچسپی نہیں رہی تھی بس کسی روبوٹ کی طرح وہ یونیورسٹی میں موجود رہا۔ کئی لڑکوں نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا ٗ لڑکیوں نے بھی بات کرنا چاہی لیکن اس کی خشک مزاجی کے باعث فوراً" رستہ بدل لیا۔ حالانکہ وہ خشک مزاج تو ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ وہ تو ہر وقت بولنے اور ہنسنے مسکرانے والا لڑکا تھا۔ لیکن آج ایسا لگتا جیسے کچھ بہت قیمتی چیز گھر پر بھول آیا ہو۔ دھیان بار بار گھر کی طرف پلٹتا۔ اس کا حال ایسا ہی تھا جیسے کوئی اپنے گھر کو تالا لگائے بغیر نکل آیا ہو اور وہ بھی اس صورت میں کہ جب گھر میں اس کی قیمتی چیز رکھی ہو۔ ایسے میں کسی کام میں دل نہ لگنا اور خیال کا پلٹنا قدرتی فعل ہے اور اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔ لہٰذا جیسے تیسے یونیورسٹی کا وقت ختم ہوا وہ فوراً" گھر پہنچا۔

مینا اسے رستے میں ہی مل گئی تھی۔ ایک ہی دن ہی تو ابھی اسے ہوا تھا یہاں آئے ہوئے ٗ لیکن پھر بھی وہ اسے اپنی اپنی سی لگی شاید اس لیے کہ اس کا واسطہ ہادیہ سے تھا۔ وہ اس کے قریب رہنے والوں میں تھی۔

"آ گئے آپ پڑھ لکھ کے؟" وہ خالی پلیٹیں لیے کہیں سے واپس آ رہی تھی۔

"ہاں ٗ آ ہی رہا ہوں۔ کہاں گئی تھیں؟" اس شہر میں وہ اس کی پہلی پہلی جاننے والی تھی۔ اس لیے بے تکلفانہ انداز میں کہا۔

"دادی جب جب سرسوں کا ساگ بناتی ہیں تو اپنی پرانی دوستوں کو بھی بھجواتی ہیں ٗ صبح کو دے کر آئی تھی ٗ ابھی انہوں نے پلیٹیں دینے کے لیے بلایا تھا ٗ اکیلی رہتی ہیں نا ٗ صبح سو رہی تھیں تو میں بس رکھ کر آ گئی تھی۔"

اس نے تفصیل سے بات کی صائم نے بات سمجھ کر سر ہلایا۔

"آپ نے نہیں بتایا کہ کیسا لگا صبح سرسوں کا ساگ اور مکئی کی روٹی؟" گھر کے نزدیک پہنچ کر اس نے پوچھا۔

"کس نے بنایا تھا؟"

"دادی نے۔"

"تو بس پھر رائے بھی انہی کے سامنے دوں گا نا۔"

مینا کو اس کی بات سمجھ نہیں آئی تھی۔ لیکن گھر آ گیا تو وہ رکا نہیں۔ تالا کھولا تو یاد آیا کہ آج تو اسے چولہے سمیت باقی ضروری چیزیں اوپر شفٹ کرنا تھیں اور باقی چیزیں جو اس نے آج بازار سے لانے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ بھی یکسر ذہن سے محو ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس وقت اس کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا کہ واپس لوٹے ٗ لیکن اکیلے رہنا ہو تو حالات جیسے بھی ہوں اپنے تمام کام خود کرنا ہی پڑتے ہیں۔ لہٰذا وہیں سے پلٹا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا گلی کے باہر والی سڑک پر جا پہنچا۔ اس بات کی تو سہولت تھی کہ عام روزمرہ استعمال کی ہر چیز گلی کے باہر نکلتے ہی دستیاب ہوتی۔

سڑک پر دودھ دہی کی دکانیں ٗ پرچون والا ٗ پتنگ والا ٗ گنے کے جوس کی مشین والی ریڑھیاں ٗ فال نکالتے طوطوں کے ساتھ بیٹھے نجومی اور پٹواری تک موجود تھے۔ اس نے بھی دودھ کے ساتھ ساتھ بنیادی استعمال کی چند چیزیں لیں اور جن قدموں پر گیا تھا ان پر اور اسی رفتار سے لوٹ آیا۔ دروازہ کھول کر سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر گیا۔ شاپر زمین پر رکھے اور ہاتھ منہ دھو کر دادی کے بنائے گئے ناشتے کی تعریف کرنے کے بہانے بالکل سامنے والے دروازے کی اطلاعی گھنٹی پر انگلی رکھ دی۔

حسب توقع کچھ ہی دیر بعد مینا باہر آئی اور اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"کچھ چاہیے تھا کیا؟" اس نے یہی خیال کیا تھا کہ شاید اسے گھر میں استعمال کی کوئی چیز درکار ہے۔ اب وہ اسے کیا بتاتا کہ وہ کس کی خاطر یہاں کھڑا ہے۔

"دادی گھر پر نہیں ہیں کیا؟" صائم نے اس کے پیچھے نظر دوڑائی۔

"ہاں وہ تو ہیں۔"

"مجھے ان سے ہی کام ہے اندر آجاؤں۔"

"پتا نہیں' یہ تو میں ان سے پوچھ کر بتا سکتی ہوں۔" وہ عجیب تذبذب کا شکار لگی۔ پھر اندر گئی اور تھوڑی ہی دیر میں لوٹ بھی آئی۔

"آجائیں' اندر آجائیں۔" اس نے دروازہ کھول کر ایک طرف ہوتے ہوئے اسے اندر آنے کی جگہ دی' تو صائم کو لگا جیسے وہ اپنا قدم ان کے گھر میں نہیں' بلکہ اپنی زندگی کے نئے سفر کی جانب بڑھا رہا ہے اور جو جوش و خروش اس وقت وہ محسوس کر رہا تھا ایسا تو یونیورسٹی جاتے ہوئے بھی نہیں تھا۔ وہ مسکراتا ہوا بڑے اعتماد کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

کم و بیش اس گھر کا طرز تعمیر بھی ویسا ہی تھا جیسا اس کے گھر کا تھا' لیکن یہاں کے ڈیوڑھی کے دونوں اطراف رکھے گملوں میں پھول بھی تھے اور پتے بھی اور یہی نہیں بلکہ ڈیوڑھی سے ملحقہ صحن میں یہاں ایک طرف پلنگ بچھا ہوا تھا اور اس کے عین سامنے انگریزی حروف تہجی کے حرف "ایل" کی شکل میں صوفہ سیٹ رکھا تھا سامنے درمیان میں چائے کے لیے شیشے کا میز بھی تھا جس پر ایک چھوٹا سا آرائشی گلدان' اخبار' پانی کی بوتل اور ایک خالی مگر ڈھکا ہوا گلاس رکھا تھا۔

"آؤ بیٹا آؤ رک کیوں گئے؟" دادی سامنے ہی پلنگ پر بیٹھی اپنے گود میں دوائیوں کا لفافہ رکھے اس میں سے دوا نکال رہی تھیں۔

"السلام علیکم۔" اس نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور دادی کے اشارے پر قریب رکھے نزدیکی صوفے پر بیٹھ گیا۔

"وہ دراصل ... میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔" اس نے فوراً" اپنے آنے کی وجہ بیان کر کے دادی کو اطمینان بخشا اسے لگا جیسے دادی جاننا چاہتی ہوں کہ کل اس محلے میں آنے والا صائم آج ان کے گھر تک کیوں آن پہنچا اور یہ صرف اس کا گمان تھا ورنہ وہ بریقین نہیں تھا کہ ایسا ہے بھی یا نہیں۔

"شکریہ کس بات کا؟" دوائی میز پر ڈال کر نگلتے ہوئے انہوں نے پانی پی کر پوچھا۔

"دراصل آج آپ نے صبح ناشتا بھیجا تھا نا' وہ بہت مزے دار تھا اور مجھے لگا کہ جب تک میں اس کی تعریف اور شکریہ خود آپ کے پاس آکر نہ کروں' تو حق ادا نہ ہوگا۔" اس نے مسکراتے ہوئے دل سے تعریف کی تو دادی واقعی خوش ہوئیں۔

ویسے بھی اپنی محنت اور اپنے کام پر تعریف بھلا کسے بری لگتی ہے اور پھر بزرگوں کو تو ویسے بھی کسی کام پر سراہا جائے تو وہ پل میں جوان دکھائی دینے لگتے ہیں۔ دادی کی بھی یہی حالت تھی' البتہ وہ خود بے چین تھا۔ جس ماہ رخ کے دیدار کی خاطر کھنچا کھنچا وہ یہاں تک چلا آیا تھا۔ اس کا تو کہیں اتا پتا تک نظر نہ آتا تھا۔ جس رخ پر وہ بیٹھا تھا وہاں سے اس کا منہ سیڑھیوں کی طرف تھا۔ عقب پر باورچی خانے میں مینا تھی' جبکہ باقی تینوں کمروں کے دروازے بند تھے۔

اس نے حسرت سے ان بند دروازوں کو دیکھا اور بڑی شدت سے خواہش کی کہ کاش وہ ان میں سے کسی کمرے سے نکل آئے۔ لیکن کچھ خواہشات فوری طور پر پوری ہونے والی نہیں ہوتیں اور شاید یہ خواہش بھی انہی میں سے ایک تھی۔

دادی اس سے یہاں وہاں کی باتیں کر رہی تھیں۔ انہوں نے یہی بتایا کہ اس گھر میں وہ اپنی پوتی ہادیہ کے ساتھ رہتی ہیں۔ جبکہ مینا ہے تو ملازمہ لیکن درجہ اس کا بھی ہادیہ جتنا ہی ہے۔ وہ اس کے بارے میں بھی پوچھ رہی تھیں۔ اور جو کچھ وہ پوچھتیں صائم بڑی ایمانداری اور انتہائی فرمانبرداری سے بتاتا جاتا۔ وہ چاہنے کے باوجود یہاں وہاں گردن موڑ کر اس لیے بھی نہیں دیکھ سکتا تھا کہ کہیں دادی اس کے بارے میں کوئی غلط تاثر قائم نہ کرلیں۔ اسی دوران مینا ٹرے میں چائے کے ساتھ بسکٹ اور ابلے ہوئے انڈے بھی لے آئی۔

دوسرے ہاتھ میں ایک ڈائری تھی۔ جس کے اوپر بیرونی سائیڈ پر ہادیہ کا نام تحریر تھا۔

"یہ ڈائری آخر مل ہی گئی دادی۔" مینا نے فخریہ اعلان کیا۔

"کہاں سے دریافت کی؟" دادی بھی حیران تھیں

اسی لیے اس کی بات میں دلچسپی ظاہر کی۔

"دریافت کیا کرتا تھی دادی' میرا خیال ہے کچن میں بیٹھ کر کچھ لکھا ہوگا نا تو بس وہیں چھوڑ کر ہی اٹھ گئیں۔"

"جاؤ دے آؤ اسے' کل سے ہلکان ہو رہی تھی اس ڈائری کے لیے۔" دادی کے کہنے پر مینا نے جانے کے لیے رخ موڑا ہی تھا کہ صائم کو جانے کیا سوجھا بن پیاس کے پانی مانگ لیا اور مینا بھی ایسی تابعدار کہ سامنے میز پر رکھی بوتل اور گلاس پر نظر بھی نہ پڑی اور فوراً" باورچی خانے کی طرف لپکی اور عجلت میں ڈائری سامنے ہی صوفے پر رکھ گئی۔

اداس لوگوں سے پیار کرنا کوئی تو سیکھے
سفید لمحوں میں رنگ بھرنا کوئی تو سیکھے
کوئی تو آئے خزاں میں پتے اگانے والا
گلوں کی خوشبو کو قید کرنا کوئی تو سیکھے
کوئی دکھائے محبتوں کے سراب مجھ کو
میری نگاہوں سے بات کرنا کوئی تو سیکھے
کوئی تو آئے نئی رتوں کا پیام لے کر
اندھیری راتوں میں چاند بننا کوئی تو سیکھے

شاعری تو خوب صورت اور دل میں اترنے والی تھی ہی لیکن لکھائی اس سے بڑھ کر تھی اور اسے اس لیے بھی اچھی لگی کہ وہ ہادیہ کی لکھائی تھی۔

اسی وقت مینا پانی لے آئی اور ڈائری لے کر درمیانی کمرے کا دروازہ کھولا تو صائم کو لگا جیسے اس کے جسم کا رواں رواں آنکھ بن گیا ہو۔ دل نے صرف ایک مرتبہ اسے دیکھنے کی شدت سے خواہش کی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے ابھی وہ اسے نہ دیکھ پایا تو تکان کے مارے اس سے اٹھنا محال ہو جائے گا۔ اور آخر اس کی سنی گئی۔ مینا نے دروازہ کھولا تو بالکل سامنے بیڈ پر ٹیک لگا کر وہ کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ صبح کے برعکس اس وقت اس کے سر پر دوپٹا نہیں تھا اور آگے سے چند بالوں کی لٹیں چہرے کے دائیں طرف جھول رہی تھیں۔ دروازہ کھلتے ہی یقیناً" اس نے چونک کر سر اٹھایا ہوگا اور عین اسی وقت صائم نے اسے دیکھا۔

وہ شاید چند سیکنڈز کی بات تھی لیکن صائم کو لگا جیسے وہ چند سیکنڈز اس کی پوری زندگی پر محیط ہو گئے ہوں۔ مینا دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی تھی اور اس کا دل دروازے پر سر پٹختا رہا' لیکن وہ مایوس نہیں تھا۔ بلکہ خوش تھا کہ یہاں تک آنے کی محنت ضائع نہ ہوئی۔

"ہمارے بزرگ فارسی زبان میں شعر کہتے تھے اور نہ صرف وہ بلکہ ہمارے گھر کی خواتین کو بھی فارسی پر ایسا عبور تھا کہ بولنے پر آتیں تو بولتی جاتیں اور خاص طور پر ملازموں کے سامنے آپس کی کوئی بھی بات کرنے کے لیے فارسی ہی استعمال کی جاتی۔ بالکل اسی طرح جیسے آج کل کی خواتین انگریزی استعمال کرتی ہیں۔ ہمارے مرد حضرات خاکی رنگ کی پگڑی پہنتے اور سردیاں ہوتیں تو اسی رنگ کے چوغے استعمال کرتے۔" دادی اسے اپنے آباؤ اجداد کی شان اور لیاقت بتانا چاہ رہی تھیں' جبکہ اس کی اس تمام معاملے میں کوئی دلچسپی بھی نہ تھی' لیکن اس کے باوجود وہ سر ہلا تا جا رہا تھا اور ان کی بات کے لحاظ سے اپنے چہرے کے تاثرات سے بتا تا کہ وہ ان کی باتیں کس قدر دھیان سے سن رہا ہے اور شاید اسی بات کے اجر کے طور پر دادی کی باتوں کا رخ ہادیہ کی طرف پھرا تو اس کی دلچسپی دیدنی تھی۔

"میرا ایک ہی بیٹا تھا' بڑا ہونہار اور قابل... لیکن وقت نے اسے دنیا میں رہنے کی بہت زیادہ مہلت نہ دی اور ایک دن اپنی بیوی کے ساتھ ہی حادثے میں ہم سے جدا ہو گیا۔" دادی نے اپنے دوپٹے کے پلو سے آنکھوں میں چمکتی نمی چھپائی۔

"یہ ہادیہ اسی کی بیٹی ہے' بی اے پاس کر چکی ہے اب تو بس میری ایک ہی خواہش ہے کہ کوئی اچھا سا رشتہ ملے تو اسے بیاہ کر خود سرخرو ہو جاؤں۔"

اور اس بات سے تو صائم کا دل جیسے بلیوں اچھلنے لگا۔ دل چاہا اٹھ کر بغیر ڈھول اور میوزک کے ہی بھنگڑے ڈالنے لگے کہ آخر بات ہی ایسی تھی۔ منزل کوئی بہت دور نہیں بلکہ اس کے سامنے اور بہت ہی نزدیک تھی' اتنی نزدیک کہ اسے لگا ہاتھ بڑھائے گا تو وہ

اس کی دسترس میں ہوگی۔

"دادی کوئی اپنے رشتے داروں میں رشتہ نہیں مل سکتا کیا؟" صائم نے یونہی بڑے اوپری دل سے یقین دہانی کرنے کے لیے کہا تھا۔

"رشتے داروں کو چھوڑو بیٹا' ان سے تو غیر بھلے۔" دادی نے گہری سانس لے کر کہا۔

"اچھا تم یہ چائے پیو نا بیٹا' ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" اور پھر صائم کے کپ پکڑتے ہی وہ دوبارہ بولیں۔

"کیا خود چائے بنا لیتے ہو؟ میرا مطلب ہے کہ روز کسی طرح کیا کرو گے کھانے پینے کا انتظام؟" اور اسی وقت اچانک سے صائم کو یاد آیا کہ وہ تو باقی سودے کے ساتھ دودھ بھی میز پر ہی رکھ آیا ہے۔

"کیا ہوا؟ یوں بوکھلا کیوں گئے؟" انہوں نے پوچھا۔

"وہ دادی دراصل' ابھی سودا لایا تھا تو سودے کے ساتھ دودھ بھی میز پر ہی رکھ آیا۔ یاد ہی نہیں رہا۔" چائے کی پیالی اس نے واپس میز پر رکھی۔

"تو رکھو گے کہاں؟ فریج تو میرا خیال ہے نہیں ہے اس گھر میں۔"

"اوہ ہاں ... یہ بات تو میرے ذہن میں نہیں رہی۔"

عین اسی وقت مینا کمرے سے باہر آئی' لیکن اس مرتبہ اس کا یوں باہر نکلنا غیر متوقع تھا اس لیے وہ ہادیہ کو دیکھ لینے کی کوشش بھی نہ کر سکا اور اب دل ہی دل میں اس ایک لمحے کو کوسنے لگا جس میں اس نے دودھ خریدنے کا سوچا اور اب اسی ایک لمحے کی وجہ سے وہ ہادیہ کو نہ دیکھ سکا تھا۔

"اگر چاہو تو فریج کی چیزیں یہاں ہمارے گھر رکھوا دیا کرو' بلکہ اب تم ایک اکیلے کیا کھانا پکاؤ گے۔ یہیں ہمارے گھر جو دال روٹی پکا کرے وہ تم بھی کھا لینا۔" دادی اپنائیت کی سب سے اوپری منزل پر تھیں۔

"ارے نہیں دادی ایسے کیسے میں آپ پر بوجھ بن سکتا ہوں۔" وہ جزبز ہوا۔

"پہلی بات تو یہ کہ تم یہ کپ اٹھا کر چائے ختم کرو۔ اور دوسری بات بیٹا یہ کہ ہم کون سا تمہارے لیے بطور خاص کوئی مرغ مسلم یا شب دیگ کی تیاری کیا کریں گے' کھانا کہ جو دال روٹی ہم کھائیں تم بھی کھا لینا۔"

صائم پر ہچکچاہٹ تو سوار تھی بھی لیکن اس معاملے میں وہ خود غرض ہو چلا تھا اور یہی سوچ رہا تھا کہ چلو اس بہانے اسے ہادیہ کو دیکھنے یا بات کرنے کا تو موقع میسر آ ہی جایا کرے گا۔

"مینا ... جا ان کی گھر سے اوپر والے کمرے میں دودھ رکھا ہے۔ وہ لے آ۔" دادی نے مینا کو پکارا تو وہ آن کی آن میں حاضر ہو گئی اور اس سے پہلے کہ چابی نکال کر انہیں دیتا انہوں نے اپنی چابیوں کا گچھا مینا کو پکڑا دیا اور اس سے بولیں۔

"تمہارے گھر کی دو چابیاں ہیں' ایک ہمارے پاس ہوتی ہے۔" اور یوں دادی کے کہنے پر نہ صرف مینا نے اس کا لایا ہوا سودا سیٹ کر دیا بلکہ دودھ بھی لا کر فریج میں رکھ دیا۔ لیکن دوسرے ہی روز وہ' وہ تمام چیزیں جو سودے میں لایا تھا اور ان کے ساتھ کچھ مزید چیزیں خرید کر وہاں جا پہنچا۔

اسے یوں لدا پھندا دیکھ کر دادی حیران ہوئیں۔ ڈیوڑھی میں کھڑے کھڑے ہادیہ کے نظر آجانے کی آس میں اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن آج ہادیہ اور مینا دونوں لاپتا تھیں۔

"یہ تم کیا اتنا سب کچھ اٹھا لائے ہو؟" دادی نے ناپسندیدگی ظاہر کی تھی۔

"دادی یہ دراصل میں اپنے استعمال کے لیے سودا سلف لایا تھا لیکن اب جبکہ میں آپ کے گھر پر ہی کھایا پیا کروں گا تو اس کی ضرورت ہی نہیں تھی' اس لیے یہاں اٹھا لایا۔" اس نے تمام شاپرز میز پر ہی رکھ دیے تھے۔

"اور ہاں دادی' ایک اور بات ..." وہ لمحہ بھر کے لیے رکا دادی مکمل توجہ سے اس کی بات سن رہی تھیں۔

"میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ کی محبت بھری آفر اپنی جگہ اور میں اس محبت اور خلوص کے لیے یقیناً" آپ

کا شکر گزار ہوں لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا۔۔۔؟"

"لیکن یہ کہ ایک دو دن کی بات ہو تو چلو میں آپ کے گھر سے کھا بھی لوں تو کوئی بات نہیں، مگر ابھی میری تعلیم شروع ہوئی ہے اور یہ ایک دو دن کی بات نہیں بلکہ مجھے تو یہاں وقت لگ جائے گا۔"

"ہاں یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ پڑھائی کوئی دو دن کی تو بات نہیں ہوتی، لیکن تم یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہو؟" وہ اب تک سمجھ نہیں پائی تھیں۔

"آپ برا مت مانیے گا لیکن میں آپ کو اپنے کھانے پینے کی ادائیگی کیا کروں گا۔" اس نے دیکھا کہ دادی کے چہرے پر مختلف رنگ آکر گزر گئے تھے۔ اور یقیناً "انہیں اچھا نہیں لگا تھا۔

"ہمارے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے اور ہمیں کسی کی طرف سے سو روپے تو بہت دور کی بات ہے سو آنے کی بھی نہ ضرورت ہے نہ طلب، یہ تو بس تمہیں اکیلا دیکھ کر کہہ دیا ورنہ میرا مقصد تم سے پیسے لینا ہرگز نہیں تھا۔ ارے ہم تو بھرے دسترخوانوں والے لوگ ہیں، ہمارے بڑے آتے جاتے لوگوں کی مہمان نوازیاں کرتے نہ تھکتے تھے۔ تو کیا ہم اب اتنے گئے گزرے ہو گئے کہ تم سے دو وقت کی روٹی کے بھی پیسے لیں، ہونہہ۔۔۔ جیسے کہ ان پیسوں سے تو ہماری غربت جائے گی۔" انہیں واقعی برا محسوس ہوا تھا۔

"میرے کہنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا، لیکن ہاں یہ سچ ہے کہ میں یوں مفت خوروں کی طرح نوالے توڑنا بھی پسند نہیں کرتا۔ اور پھر آپ کا یہ احسان کیا کم ہو گا دادی کہ میں یونیورسٹی سے تھکا ہوا آؤں اور مجھے گرما گرم تیار کھانا مل جایا کرے وہ بھی گھر کا بنا ہوا اور صاف ستھرا۔۔۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو اللہ نے بہت نوازا ہے لیکن اگر میں پیسے نہیں دوں گا تو دل پر بوجھ رہا کرے گا آتے ہوئے شرمندگی ہوا کرے گی۔ ایک جھجک رہے گی۔"

"ہم ہم۔۔۔" دادی نے ہنکارا بھرا۔

"یا پھر آپ ایسا کریں نا کہ مجھ سے پیسے لے کر اگر گھر میں استعمال نہ کرنے ہوں تو کسی ضرورت مند کو دے دیں۔ لیکن خدارا میرے لیے بغیر پیسوں کے کھانا ممکن نہ ہو گا۔" عجیب معاملہ تھا۔ وہ نہ تو اتنی اچھی پیشکش ٹھکرا سکتا تھا اور نہ قبول کر سکتا تھا۔ یہی حال دادی کا بھی تھا۔ نہ تو ان کا دل پیسے لینے پر آمادہ تھا اور نہ ہی وہ یہ چاہتی تھیں کہ صائم اس گھر میں نہ آیا کرے، بلکہ وہ تو صائم کو اس گھر کے داماد کے طور پر دیکھنے کی بھی خواہش کر رہی تھیں اور حد سے بڑھا ہوا التفات مہربانی اور محبت بھی اسی باعث تھی۔

"چلو ٹھیک ہے تم مہینے کے مہینے مجھے پیسے دے دیا کرو میں تمہاری ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیتی ہوں۔" ان کے مان جانے پر صائم بہت خوش تھا۔ کچھ دیر بیٹھ کر ہادیہ کا انتظار کیا، لیکن نظر نہ آئی تو مایوس ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دل تو چاہا کہ دادی سے پوچھ لے، لیکن ظاہر ہے کہ ایسا ممکن نہیں تھا اور گرم گرم کھا کر وہ منہ جلانے کے بجائے ٹھنڈی کر لینے پر یقین رکھتا تھا اسی لیے دل کی حسرت دل ہی میں دبائے اپنے گھر چلا آیا۔

گیٹ کھولتے ہی اسے ایک عجیب سی خوشبو محسوس ہوئی تھی۔ نامانوس سی اجنبی اور انجان سی خوشبو!

نا سمجھی میں سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے ایک بار پھر وہ پلٹا، باورچی خانہ دیکھا، تینوں کمروں میں جھانکا لیکن سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ ایک کمرے میں بلب موجود نہیں تھا، لہٰذا صحن کی روشنی سے وہاں کا جائزہ لیا، لیکن سب کچھ ویسا ہی تھا، شاید اسے یہ وہم ہوا تھا کہ یہاں کوئی آیا ہے اسی لیے اپنا وہم خیال کرتے ہوئے دوبارہ اپنے کمرے تک جا پہنچا۔

ہاتھ منہ دھو کر کپڑے بدلے اور کتاب تو کیا کھولتا، کھڑکی کھول دی اور جیسے ہی کھڑکی کھولی اسے محسوس ہوا کہ وہ یونیورسٹی سے آنے کے بعد سے اب تک کا سارا وقت ضائع کرتا رہا ہے۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ جس کی چاہ اور خواہش نے اسے دادی کے پاس اتنی دیر تک بٹھائے رکھا وہ چھت پر عین اس کی کھڑکی کے سامنے بیٹھی ہے تو وہ پہلے ہی اٹھ کر آجاتا۔

آج اس کی پشت صائم کی کھڑکی کی طرف تھی۔ اور

وہ یقیناً" نہا کر بیٹھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے بال گیلے اور کرسی کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے اور ان میں سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک کر نیچے فرش میں پھیلتا جارہا تھا۔

گیلے بالوں کو اس قدر حسین اور دلکش دیکھنے کا اسے پہلے کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا' اور کچھ یہ بھی تھا کہ وہ بال ہادیہ کے تھے اور جن سے محبت ہو جائے ان سے وابستہ ہر چیز ہی دنیا جہان کی باقی تمام چیزوں سے منفرد اور بہتر لگنے لگتی ہے۔ اور پھر ہادیہ کا یوں تھوڑے سے وقت کے لیے سامنے آنا' صائم کے شدید چاہنے کے باوجود کسی طور بات ہونے کا امکان پیدا نہ ہونا' روبرو ایک دوسرے کو نہ دیکھ پانا' ان سب چیزوں نے مل کر صائم کے دل میں موجود محبت کے اس الاؤ کو مزید بھڑکا دیا تھا اور اس کا بس نہ چلتا کسی دن وہ ہادیہ کو اپنے سامنے بٹھا کر جی بھر کر دیکھے' اس کی آواز سنے' اسے ہنستا دیکھے لیکن اب تک یہ خواہش' خواہش ہی رہی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اس کے جذبے میں شدت آتی جا رہی تھی۔

میں نے اس طور سے چاہا تجھے اکثر جاناں
جیسے مہتاب کو بے انت سمندر چاہے
جیسے سورج کی کرن سیپ کے دل میں اترے
جیسے خوشبو کو ہوا رنگ سے ہٹ کر چاہے
جیسے پتھر کے کلیجے سے کرن پھوٹتی ہے
جیسے غنچے کھلے موسم سے حنا مانگتے ہیں
جیسے خوابوں میں خیالوں کی کمان ٹوٹتی ہے
جیسے بارش کی دعا آبلہ پا مانگتے ہیں
میرا ہر خواب میرے سچ کی گواہی دے گا
وسعت دید نے تجھ سے تیری خواہش کی ہے
میری سوچوں میں کبھی دیکھ سراپا اپنا
میں نے دنیا سے الگ تیری پرستش کی ہے

کچھ دیر وہ یونہی بے تاب سا کھڑکی کے ساتھ لگا کھڑا رہا پھر اچانک خیال آیا کہ اگر گلی میں گزرتا کوئی بھی شخص اسے یوں کھڑکی میں کھڑے ہو کر سامنے والے گھر میں جھانکتا دیکھ لے تو کتنی شرمندگی کی بات ہو گی۔

یہی سوچ کر وہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کی چارپائی یوں بھی کھڑکی کے سامنے ہی تو تھی' لہٰذا کھڑکی سے ہٹ کر قدرے فاصلے پر رکھی چارپائی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ ہادیہ نے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے ان کے سوکھ جانے کو پرکھا تو وہ محتاط ہو کر بیٹھ گیا اسے لگا تھا جیسے وہ اٹھنے والی ہے لیکن اس کا گمان غلط ثابت ہوا۔ وہ بس دھیرے دھیرے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتی جاتی تھی اور کتنی عجیب بات تھی کہ انگلیاں وہ اپنے بالوں میں پھیر رہی تھی اور سکون صائم کو مل رہا تھا۔ عین اس وقت جب وہ بالوں کو سوکھ جانے کے بعد انہیں لپیٹ رہی تھی اور صائم کو یقین تھا کہ اب وہ نیچے جانے والی ہے اور وہ اس سے بات نہ سہی لیکن اسے دیکھ تو لے گا ہی۔ کہ مینا کی آوازیں آتی محسوس ہوتی۔ وہ بھی یقینی طور پر چھت پر ہی آرہی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ مینا اسے یوں سامنے دیکھ کر اس کے بارے میں کوئی بھی غلط رائے قائم کرے۔ اسی لیے فوری طور پر کھڑکی تو کھلی ہی رہنے دی لیکن خود کمرے سے نکل کر چھت پر چلا گیا۔

واپس آیا تو اسے مینا پر شدید غصہ آرہا تھا۔ جس کی وجہ سے آج وہ ہادیہ کو دیکھ نہیں سکا تھا۔ دل چاہا اس کا کان پکڑ کر کھڑکی سے ہی لٹکا دیتا' جس نے بنا بنایا کام بگاڑا۔ پھر بڑی ہی مشکل سے دل کو سمجھا بجھا کر اپنی کتابیں کھولیں اور ذہن پر زور دے کر یہ سوچنے کی کوشش کی کہ آج کس مضمون میں کیا کیا بتایا گیا' کون سے مضمون کو کس پروفیسر نے پڑھایا ہے۔ لیکن ذہن تھا کہ کسی بھی طرح ان کتابوں میں دلچسپی لینے کو تیار ہی نہیں تھا۔ حالانکہ وہ ایک پڑھنے والا اسٹوڈنٹ تھا اور ملک کی بڑی یونیورسٹی میں اگر اس کا داخلہ ہوا تھا تو مکمل قابلیت پر ہوا تھا۔ لیکن خیر جو بھی تھا لیکن اسے تو اتنا پتا تھا کہ فی الحال یہ دل پڑھنے پر قطعاً" تیار نہیں تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ بس ہادیہ کو ہی سوچے چلا جائے۔ اور تب اسے کہیں پڑھا ہوا چچا غالب کا شعر یاد آیا۔

عشق نے ہم کو نکما کر دیا
آدمی ہم بھی تھے ورنہ کام کے

اور اب اس کے اپنے حالات ایسے تھے کہ وہ اس شعر پر دل سے یقین کر چکا تھا۔ اور پھر نکما ہونے کا اس سے بڑھ کر بھلا ثبوت اور کیا ہوتا کہ جب سے کراچی سے آیا تھا۔ گھر پر امی ابو کو ایک فون تک نہیں کر پایا تھا۔ بس وہی ریلوے اسٹیشن پر اترتے ہوئے جو فون کیا سو کیا اس کے بعد میسج کے ذریعے اپنی خیریت کی اطلاع دے دی اور انہوں نے بھی اس خیال سے کوئی فون نہیں کیا کہ نیا گھر ہے ضرورت کی چیزیں رکھنے اور یونیورسٹی جانے میں مصروف ہو گا اور آج بھی جب وہ ہادیہ کے ہی خیالات میں کتاب چہرے پر رکھے آنکھیں موندے لیٹا تھا تو ان کا ہی فون آیا۔

"کہاں ہو بیٹا، تم تو ذرا سا دور کیا گئے۔ اپنے امی ابو کو بھول ہی گئے۔" امی نے پیار بھرا شکوہ کیا جو یقیناً "جائز" بھی تھا۔

"میں اور تمہارے ابو انتظار ہی کرتے رہے کہ جب وقت ملا تم خود فون کر لو گے، لیکن تم تو کچھ زیادہ ہی مصروف معلوم ہوتے ہو۔" امی کی باتوں نے اسے انتہائی شرمندہ کر دیا تھا۔

"آئی ایم ریئلی سوری امی، بس واقعی مصروفیت میں اس قدر تھی کہ چاہنے کے باوجود آپ کو فون نہ کر پایا اور پھر جس وقت میں فارغ ہوتا تو سوچتا آپ دونوں سو چکے ہوں گے تو اب کیا میں دوبارہ جگاؤں۔" شرمندگی سے بچنے کے لیے اس نے جھوٹ گھڑا اور خود کو انتہائی ملامت بھی کیا کہ صرف ہادیہ کی وجہ سے وہ اپنے امی ابو کو فون تک کرنے کے لیے وقت نہ نکال پایا۔

"ماں باپ کے ساتھ یہ تکلفات نہیں برتے جاتے بیٹا، جب بھی چاہو فون کیا کرو، تمہارے فون کی ہی تو اب آس رہتی ہے ہمیں۔"

"جی امی، معذرت چاہتا ہوں، لیکن پکا وعدہ کہ آئندہ کبھی ایسا نہیں ہو گا۔" وہ اپنی غلطی تسلیم کر چکا تھا۔

"یہ لو اپنے ابو سے بات کرو۔" انہوں نے فون ابو کو تھما دیا۔

"ہاں بھئی، لاہور شہر کی ہوا کھاؤ، لیکن ہم پر رحم بھی تو کھاؤ۔" انہوں نے بھی ازراہ مذاق شکوہ کیا تو وہ ہنس پڑا۔

"ابو کیا بتاؤں، لاہور کی فضاؤں میں ایسا سحر ہے کہ جس نے آتے ہی جکڑ لیا ہے۔" وہ بھی ان کا بیٹا تھا، جس انداز میں انہوں نے بات کی اس نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔ جس پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی کہ تم واقعی وہاں جا کر دل لگا کر ہی پڑھو گے۔ مطلب دل لگا لیا تو اب پڑھنا بھی شروع کر دو۔"

"بس جو آپ کا حکم۔" ہنستے مسکراتے ہوئے اس نے فون بند کیا۔ اور اس بات کا بھی شکر ادا کیا کہ اللہ نے اسے اتنے اچھے والدین دیئے جو بالکل اس کے دوستوں کی طرح تھے۔

اور والدین کی یہ خوبی ہی اولاد میں اعتماد کا باعث بنتی ہے۔ انہیں یہاں وہاں بھٹکنے سے روکے رکھتی ہے اور اب وہ جو ہادیہ پر اپنا دل ہار بیٹھا تھا تو اسے مکمل یقین تھا کہ والدین بھی اس کی پسند پر آمین کہتے ہوئے بخوشی یہ رشتہ قبول کر لیں گے۔ اور پھر دادی کو ہادیہ کے لیے رشتے کا انتظار تھا اسے دلہن کا اور امی ابو کو یقیناً "اپنی ہونے والی بہو کا" تو پھر بھلا انتظار کس چیز کا تھا۔ اس نے سوچا کہ ایک فرلانگ کا فاصلہ ایک ہی جست میں طے کر لے۔ وہ خود کسی طور ہادیہ کے سامنے آنا چاہتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس نے دادی کے نزدیک ہونے کا سوچا ..... ویسے بھی اپنے گھر آنے اور وہاں پر کھانا کھانے کی انہوں نے باقاعدہ دعوت تو نہیں دی تھی، لیکن اس نے خود ہی فرض کر لیا تھا کہ اسے ان کے گھر جا کر ہی کھانا ہے۔ اس طرح کم از کم ہادیہ کو دیکھنے اور اس سے ملنے کی آس امید تو رہے گی۔

☼ ☼ ☼

دوسرے روز یونیورسٹی سے واپس پر اپنے گھر آنے کے بجائے ہادیہ کے ہی گھر چلا آیا راستے میں آتے

ہوئے اس نے گرما گرم آلو کے سموسے بھی لے لیے تھے اور یہ اس نے اپنے دل میں سوچ لیا تھا کہ کبھی بھی خالی ہاتھ گھر نہیں جایا کرے گا۔ وہ کسی بھی طور ان پر بوجھ نہیں بننا چاہتا تھا اور نہ ہی وہ یہ چاہتا تھا کہ دادی کو کبھی اپنے فیصلے پر پچھتانا پڑے کہ خواہ مخواہ ہی اسے کھانا کھانے کی آفر کی۔

اور اپنے گھر نہ جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مینا اس کا کھانا لے کر وہاں اس کے گھر آئے' کیونکہ ایسی صورت میں اسے ہادیہ کے گھر آنے کے لیے کوئی بہانہ تراشنا پڑتا' لہٰذا بہتر یہی سمجھا کہ خود ہی کھانے کے وقت آجایا کرے۔

''ارے بیٹا تم.... آؤ آؤ۔'' دادی نے اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ ''مجھے معلوم تھا کہ تم اسی وقت یونیورسٹی سے لوٹو گے اس لیے میں مینا سے کہہ رہی تھی کہ بس اب جلدی سے کھانا گرم کر کے تمہیں دے آئے۔''

''یعنی وہی ہونے والا تھا جس کا خدشہ تھا۔'' صائم نے سوچا۔

''ارے دادی' مینا بے چاری کہاں روز تکلیف کرے گی میرے لیے' میں خود آجایا کروں گا کھانے کے وقت۔'' سموسوں والا شاپر اس نے میز پر رکھا۔

''اے لو بیٹا.... اس میں بھلا تکلیف کی کیا بات' اور یہ سامنے ہی تو گھر ہے کوئی دو میل دور تک کا فاصلہ تھوڑی ہے۔''

''وہ بات نہیں ہے دادی.... دراصل یونیورسٹی سے گھر آنے کا روز کا ایک ہی وقت نہیں ہوتا' کبھی کم پیریڈ ہوئے تو جلدی گھر آگئے' کبھی پڑھائی زیادہ ہوتی تو دیر سے واپسی ہوتی ہے' بس اسی لیے کہا۔'' اس نے اپنے مطلب کی بات بڑی تفصیل سے بتائی جو انہیں مکمل طور پر سمجھ بھی آگئی۔

''لیکن یہ کیا ہے؟ اور کیا ضرورت تھی کچھ بھی لانے کی؟'' سموسوں کی مزیدار سی خوشبو محسوس کرتے ہوئے دادی نے اسے منع کرنا ہی چاہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

''دادی' میں اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھتا ہوں' اس لیے پلیز اگر میں کچھ لاؤں تو آپ قبول نہ کر کے مجھے غیر مت کیجئے گا۔'' اس نے چہرے پر اس قدر معصومیت طاری کر کے بات کی تھی کہ دادی کو اس پر پیار آگیا۔

''جیتے رہو بیٹا' خوش رہو۔'' دادی نے اسے دل سے دعا دی تھی۔

''مینا.... او مینا! ادھر آ یہ سموسے نہ ٹھنڈے ہو جائیں۔'' انہوں نے با آواز بلند مینا کو پکارا اور پھر خود ہی ماتھے پر ہاتھ مار کر بولیں۔ ''لو بھلا' مجھے تو یاد ہی نہیں رہا کہ اسے تو میں نے درزی کے پاس بھیجا ہے۔''

''تو کیا ہوا دادی' میں ان سموسوں کو پلیٹ میں رکھ لاتا ہوں' کوئی بہت بڑا کام تھوڑی ہے یہ۔'' وہ صائم جو اپنے گھر میں امی ابو کے سامنے پانی پینے کے لیے گلاس تک لینے کو نہ اٹھتا' آج یوں سگھڑ بن کر شاپر ہاتھ میں تھامے کچن میں داخل ہوا جیسے گھر گرہستی کا اسے بہت تجربہ ہے۔ ابھی بڑے آرام سے وہ سموسوں کو شاپر سے نکال ہی رہا تھا کہ اس کے کانوں سے نہایت نرم آواز ٹکرائی۔

''دادی آپ مینا کو بلا رہی تھیں نا وہ گھر پر نہیں ہے۔'' وہ انہی قدموں پر پلٹا' اسے یقین تھا کہ یہ ہادیہ کے علاوہ اور کسی کی آواز نہیں ہو سکتی۔ جیسے تیسے اس نے جلدی سے سموسوں والی پلیٹ اٹھائی اور دوسرے ہاتھ میں چٹنی والا پیالہ پکڑا اور بڑی پھرتی سے اسی جگہ دادی کے عین سامنے پہنچ گیا۔ یوں ایک دم پھرتی دکھانے کے باعث پیالے سے تھوڑی سی چٹنی چھلک کر اس کے اپنے اوپر بھی جا گری تھی۔ لیکن ہادیہ کو دیکھنے کی تمنا' باقی تمام احساسات پر حاوی ہو گئی تھی۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ اسے محنت کا انعام بھی ملا تھا۔

ہادیہ بالکل اس کے سامنے تھی اور صائم کو جیسے سکتہ سا ہو گیا تھا۔ دل چاہتا بس خاموشی کے ساتھ بس اسے دیکھتا رہے۔ اس کے چہرے کا کون سا نقش ایسا تھا جو مناسب نہ تھا' آنکھوں سے لے کر ہونٹوں تک ہر چیز بے مثال اور انتہائی بہترین تھی' اسے لگا کہ اگر اس نے ہادیہ کی کھلی آنکھیں دیکھنے کی خواہش کی تھی تو بھلا اس میں کیا غلط تھا۔ اتنی روشن آنکھیں

کہ جن میں ایک دنیا سما جائے۔ اور جنہیں ایک دنیا دیکھنے کی خواہش کرے تو بھی جائز اور قابل قبول!

"السلام علیکم۔" صائم نے اس کے ساتھ گفتگو میں پہل کی تو اس نے جواب دے کر سامنے رکھے سموسوں کو دیکھنے کے بعد پھر دادی کو دیکھا۔

"بیٹا یہ صائم ہی لایا ہے ابھی ابھی۔"

"بہت شکریہ۔" ہادیہ نے اسے دیکھ کر کہا تو صائم کو یوں لگا جیسے کل کائنات ہی اس سے مخاطب ہو اور اس کا بے اختیار دل چاہا کہ کاش وقت اسی جگہ تھم جائے اور ہادیہ یوں ہی اسے دیکھتی رہے۔

"نہیں شکریہ کیسا' میری اپنی دادی ہیں اور یہ گھر بھی۔" خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے جواب دیا تو ہادیہ دادی کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔

یہ منظر دیکھنے کے لیے اس نے کتنی دعائیں کی تھیں' دل نے کس قدر شدید تمنا کی تھی کہ کبھی وہ اسے اپنے سامنے بولتا ہوا سنے' مسکراتا ہوا دیکھے اور دیکھے کہ یہ کھلی ہوئی آنکھیں کس طرح سے دیکھنے والوں کو تسخیر کرنے کا ہنر رکھتی ہیں۔ اور اس کی یہ خواہش اتنی جلدی پوری ہو جائے گی یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

وہ صوفے کے بجائے دادی کے ساتھ ان کے پلنگ پر ہی ٹک گئی تھی۔ دادی بھی اس کی طرح ہی پاؤں لٹکا کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس کے بیٹھنے پر انہوں نے تھوڑا سا آگے ہو کر پاؤں پلنگ رکھ کر سمٹنے چاہے تو اچانک پاؤں' ہادیہ کے پاؤں سے جا ٹکرایا اور اس کی جوتی پاؤں سے اتر کر عین صائم کے سامنے جا گری۔ جوتی ویج اسٹائل کی تھی جس کی اونچائی تقریباً تین سے چار انچ کے درمیان تھی۔

"اوہ بیٹا۔۔۔" دادی شرمندہ ہوئیں۔

"کوئی بات نہیں دادی' میں اٹھا لیتی ہوں۔" ہادیہ نے انتہائی نرم لہجے میں جواب دیا اور پلنگ سے اتر کر دوسرا جوتا بھی اتار کر اس کے سامنے سے جوتا اٹھانے آئی تو صائم حیران رہ گیا اس کا قد نارمل لڑکیوں سے بہت حد تک چھوٹا تھا۔ پہلے جس وقت وہ اس کے سامنے آئی تو جوتے پہنے ہوئی تھی اور یہی وجہ تھی کہ صائم کو محسوس ہی نہ ہوا تھا لیکن اب جبکہ وہ خود بھی کھڑا ہوا تھا۔ اور ہادیہ اس کے نزدیک آئی تو دونوں میں ایک نمایاں فرق محسوس ہوا۔ وہ فرق جو اب سے کچھ دیر پہلے تک جوتے کی وجہ سے غیر واضح تھا اب مکمل طور پر واضح ہو چکا تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑی اب بالکل ہی بچی معلوم ہو رہی تھی۔

دوسرے جوتے کو پاؤں سے سرکا کر وہ پلنگ تک لائی اور پھر دونوں جوتے پہن لیے۔ اسی دوران مینا بھی آ گئی۔

"کہاں رہ گئی تھیں؟ کب سے انتظار کر رہے تھے سب۔" دادی نے آتے ہی اسے سرزنش کی۔ "اور پتا بھی ہے نا کہ جوان لڑکیوں کو اتنی دیر تک گھر سے باہر نہیں رہنا چاہیے۔ زمانہ کتنا خراب ہے' لیکن کوئی اثر ہو تب نا۔ جہاں کوئی باتیں کرنے والا مل جائے بس 'مینا بیگم تو وہیں عمر گزارنے پر تیار کھڑی نظر آتی ہیں۔" دادی کا موڈ بغیر وجہ کے بگڑ گیا تھا۔ صائم نے ہادیہ کے چہرے پر بے چینی کے تاثرات دیکھے' محسوس ہوتا تھا کہ اسے دادی کا یوں مینا پر بگڑنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"دادی' میں تو فوراً' آجاتی' لیکن وہ تو آپ کی سہیلی ہے نا رشیدہ بوا' انہوں نے مجھے روک لیا' پہلے سلام دعا کی' حال احوال اور خیریت پوچھی پھر آپ کے لیے ایک پیغام بھجوا دیا۔" سامنے رکھے سموسوں کو اشتہا انگیز نظروں سے دیکھتے ہوئے تفصیل بتائی۔

"اب کون سا نیا پیغام بھجوا رہی ہے وہ؟" دادی نے پوچھا۔ اس دوران ہادیہ نے دادی کو پلیٹ میں سموسے اور چٹنی رکھ کر پکڑائی۔

"کہہ رہی تھیں کہ اگلے ہفتے کچھ لوگ ہادیہ بی بی کو دیکھنے آئیں گے' تو میں آپ کو بتا دوں۔" بات کرنے کے بعد وہ مزے سے آگے بڑھی اور ایک سموسہ ہاتھ میں لے کر کچن میں گھس گئی۔ لیکن صائم نے نوٹ کیا تھا کہ مینا کی اس اطلاع پر جو بوجھ اس نے اپنے دل پر محسوس کیا تھا اسی کا عکس ہادیہ اور دادی کے چہرے پر بھی نظر آنے لگا تھا۔ حالانکہ ایسے مواقعوں پر تو لڑکیاں

شرمایا کرتی ہیں اور والدین خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کی بیٹی کا فرض ادا ہونے کو ہے۔ مگر اس کے برعکس صائم کو لگا کہ دادی کی لٹکی ہوئی ٹھوڑی 'مزید لٹک گئی تھی' اور ہادیہ جو ابھی چند لمحوں پہلے تک مسکرا رہی تھی۔ اب اس کے چہرے پر بھی تناؤ کی سی کیفیت تھی۔

"یہ لیجیے کھانا......!" مینا نے کھٹے بینگن اور آلو کی نکیاں اس کے سامنے رکھیں اور اگلے ہی لمحے توے کی گرم گرم روٹی بھی چھابے میں رکھ لائی۔ لیکن صائم کو لگا جیسے اس کی بھوک مر گئی تھی۔ کھانے کی طلب ختم ہوتی محسوس ہوئی۔

"چلو بیٹا بسم اللہ کرو۔" دادی نے اسے اب تک صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے دیکھا تو بولا۔

"نہیں دادی' آج بھوک نہیں ہے' مینا رہنے دو اور روٹی مت لانا۔" دادی سے بات کرتے ہوئے اس نے باورچی خانے کی طرف دیکھ کر ہانک لگائی۔

"کیوں بھوک کہاں اڑ گئی' کھانا کھاؤ شاباش..... کھانا سامنے آجائے تو منع کر دینا بھی ناشکری ہے۔"

انہوں نے اسے سمجھایا تو ضرور تھا لیکن باوجود کوشش کے وہ اپنے انداز میں وہ بشاشت نہیں لا پائی تھیں جو ابھی تھوڑی دیر پہلے موجود تھی۔ اور پھر صائم بھی اب ان کو کیا بتاتا کہ جس ماہ رخ کو اپنے سامنے بولتا اور مسکراتا دیکھنے کا ارمان اس کے دل میں تھا اور جسے وہ ہمیشہ کے لیے اپنا بنا لینا چاہتا تھا' اسے حاصل کرنے کا کوئی اور دعوے دار آنے والا تھا اور وہ اسے روکنے پر بھی قادر نہ تھا۔ تو یہ اس کے لیے کس قدر بے چینی کا باعث تھا یہ سب تو پھر وہی جانتا تھا۔

اور پھر ان کا دل رکھنے کی خاطر اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور پھر دل جیسے مزید نوالہ لینے پر بھی رضامند نہ ہوا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح دادی کو بتائے کہ انہیں ہادیہ کے لیے ادھر ادھر کوئی بھی رشتہ دیکھنے کی قطعاً "ضرورت نہیں ہے' کیونکہ وہ خود ہادیہ کے ساتھ کا خواہش مند ہے اور اسے ہمیشہ بہت خوش رکھے گا۔ لیکن کہتا تو کیا اور کس بل بوتے پر کہ ابھی تو

اس سے ان کی شناسائی ہوئے جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی پورے نہیں ہوئے تھے' پھر نہ وہ اس کے حسب نسب سے واقف تھیں اور نہ ہی وہ اپنے پیروں پر کھڑا تھا' لہٰذا وہ کوئی بھی بات بھلا کرتا تو کیسے؟ اور اگر کرتا بھی تو اسے سنجیدہ کون لیتا اور اگر ایسا ہوتا کہ دادی اس کی بات کو برا مان کر اس کے اس گھر میں داخلے پر بھی پابندی لگا دیتیں تو بھلا وہ کیا کر لیتا۔

ایک عجیب سی کہانی تھی جو اس وقت صائم کے ذہن میں چل رہی تھی۔ لیکن کمال مہارت سے نہ صرف یہ کہ اس نے اپنے جذبات چھپائے رکھے بلکہ ان کا کسی طور عکس بھی ان تینوں پر پڑنے نہیں دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ جان جائیں۔ کھانے کے نام پر جو دو تین نوالے کھائے تھے وہ کھا کر رکا نہیں اور دادی سے اجازت لے کر اپنے گھر چلا آیا۔

زندگی میں تو سب ہی پیار کیا کرتے ہیں
میں تو مر کر بھی میری جان تجھے چاہوں گا

صائم ہادیہ کے گھر سے نکل کر اپنے گھر کا دروازہ کھول رہا تھا جب نزدیکی کسی کھڑکی سے ریڈیو پر بجتا یہ گیت صائم کو اپنی ہی آواز محسوس ہوا۔

تو ملا ہے تو یہ احساس ہوا ہے دل کو
یہ میری عمر محبت کے لیے تھوڑی ہے
اک ذرا سا غم دوراں کا بھی حق ہے جس پر
میں نے وہ سانس بھی تیرے لیے رکھ چھوڑی ہے
پیار کا بن کر نگہبان تجھے چاہوں گا
میں تو مر کر بھی میری جان..... تجھے چاہوں گا
زندگی میں تو سب ہی..... پیار کیا کرتے ہیں

آج اس کا دل بوجھل تھا ابھی تو وہ ہادیہ کو یوں اپنے سامنے دیکھ کر مکمل خوش بھی نہیں ہوا تھا کہ یہ خبر اسے سننے کو ملی۔ ایسا لگتا تھا جانے کتنی دور سے فاصلہ طے کر کے وہ یہاں تک پہنچا تھا۔ ایک ایک قدم من بھر کا لگنے لگا تھا۔ خود کو تقریباً "گھسیٹتے ہوئے وہ سیڑھیاں چڑھا اور اپنے کمرے تک پہنچا' کمرے کی کھڑکی وہ صبح بند کر کے گیا تھا' سو ظاہر ہے کہ اب تک بند ہی تھی کبھی سوچتا بند ہی رہنے دے کہ ہادیہ کو دیکھنے کی خواہش

میں ہی تو اس نے کھڑکی پر پردہ لگانے کا اپنا ہی آئیڈیا خود ہی مسترد کر دیا تھا کہ پردہ ہوتا تو باہر دیکھنے کے لیے خاص طور پر پردہ ہٹانا پڑتا جب کہ دوسری صورت میں ظاہر ہے مجبوراً" اسے ہوا کے لیے کھڑکی تو کھولنی ہی تھی۔ ایسے میں اگر دوسری طرف ہادیہ موجود ہوتی تو وہ بنا کسی مشقت کے اسے دیکھ بھی سکتا تھا۔

لیکن آخر اس نے کھڑکی کھول ہی دی۔ ہوا کا جھونکا تو فوراً" اندر آیا ہی تھا' مگر اس کے ساتھ ہی سامنے لمبے ستونوں کے درمیان رکھی آرام کرسی بھی نظر آئی۔ یہ ہادیہ کی مخصوص کرسی تھی چھت پر آتی تو کبھی ہاتھ میں کتاب ہوتی تو کبھی تسبیح' لیکن نشست ہمیشہ اس کی وہی ہوتی اور اس کا رخ سورج مکھی کی طرح بدلتا رہتا۔ کبھی چہرہ صائم کے کمرے کی طرف ہوتا تو کبھی اس کی طرف پشت ہوتی' لیکن صائم کے دل کو اسی بات سے ہی سکون مل جاتا تھا کہ وہ اس وقت اس کے سامنے ہے' مگر آج آرام کرسی تو تھی' لیکن ہادیہ نہیں تھی۔ اسے لگتا تھا' جسے اب اس کے پاس کرنے کو کوئی کام نہیں بچا تھا اور شاید آئندہ زندگی میں اس کے دل کو وہ سکون نہ مل سکے جو ابھی ان حالیہ چند دنوں میں ملا تھا۔ یہ سرور اور کیفیت ہی الگ تھی اور ایسی منفرد تھی کہ کبھی یہ کیفیت اس کے دل پر پہلے گزری بھی نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

صورتیں بزرگوں کی رونقیں ہیں اس گھر کی
ان سفید بالوں سے سارا گھر چمکتا ہے

جب سے صائم ان کے گھر سے اٹھ کر گیا تھا دادی کے ذہن میں اس وقت سے صائم ہی موجود تھا' وہ انہیں ہادیہ کے لیے پسند آیا تھا اور ویسے بھی اس وقت وہ عمر کے جس حصے میں تھیں تو وہ ایک ہی نشست میں آج کل کی نوجوان نسل کو پرکھ کر بتا سکتی تھیں کہ کون کتنے پانی میں ہے اور جس طرح کا رویہ صائم کا دیکھنے میں آیا تھا تو انہیں محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی اچھے گھرانے کا چشم و چراغ ہے اور اسے پہلی مرتبہ ملاقات کے بعد ان کے دل نے شدت سے یہ خواہش تھی کہ کاش اس طرح کا کوئی سلجھا ہوا لڑکا انہیں ہادیہ کے شریک سفر کے طور پر ملتا۔ ہادیہ دیکھنے میں بہت معصوم خوب صورت اور پرکشش تھی' بات کرنے کا سلیقہ اور طریقہ بھی خوب تھا۔ دادی نے اسے بی اے پڑھانے کے ساتھ ساتھ گھریلو امور خانہ داری میں بھی اس قدر طاق کر دیا تھا کہ وہ کھانے پکانے سے لے کر سلائی تک کرنے کی اہلیت رکھتی تھی' لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود صرف اور صرف ایک معمولی سا فرق اس کی تمام صلاحیتوں پر پانی پھیر دیتا اور وہ یہ کہ اس کا قد بہت چھوٹا تھا.....!

جس طرح کسی بھی سفید صفحے پر کوئی انتہائی محنت اور خوب صورت لکھائی سے پراثر الفاظ اور بھرپور جملوں کے ساتھ دل میں اترتے ہوئے کسی موضوع پر ایک مضمون لکھے اور کسی کو پڑھوانے یا دکھانے سے پہلے اس پر سیاہی کی شیشی گر جائے یا سیاہی کے دھبے گر جائیں تو پراثر الفاظ کام آتے ہیں نہ دل میں اترتے بہترین جملے' کوئی انہیں پڑھنے کی زحمت بھی نہیں کرتا کسی میں اتنی جستجو ہی نہیں ہوتی کہ وہ پڑھ کر دیکھے تو سہی کہ آخر لکھنے والے نے اتنی محنت سے لکھا تو کیا لکھا بلکہ اس کے بجائے پہلا اور آخری دھیان اسی سیاہی کی طرف جاتا ہے اور پھر وہ صفحہ خاموشی سے پلٹ دیا جاتا ہے۔ یہی معاملہ ہادیہ کے ساتھ بھی تھا' اب جب کہ دادی اپنے بعد اس کے اکیلے رہ جانے کے خوف سے جلد از جلد اس کی شادی کر دینا چاہتی تھیں تو کوئی ایسا ڈھنگ کا رشتہ ہی نہ ملتا جو ہادیہ کو دیکھنے کے بعد ہاں کرتا۔

وہی لوگ جو اس کی تصویر دیکھ کر دیوانہ وار ہاتھ میں انگوٹھی پکڑے دوڑے چلے آتے تھے وہ بھی اسے سامنے پا کر آئیں بائیں شائیں کرنے لگتے اور یہ صورت حال دادی کے لیے تو پریشان کن تھی ہی خود ہادیہ اس تمام رد عمل سے ٹوٹ کر رہ جاتی اور سوچتی اسے ایک وجہ کو بنیاد بنا کر مسترد کر دیا جاتا ہے جس میں اس کا کوئی عمل دخل ہے ہی نہیں۔ وہ لوگ اس مصور

کی تصویر میں نقص نکالتے ہیں جس سے بڑھ کر کوئی مصوری کرنے والا نہیں۔ اس خالق کی بنائی ہوئی تخلیق کو ناپسند کر کے مسترد کرتے ہیں جس سے بڑھ کر اور جس سے بہتر تخلیق کار اس کائنات میں کوئی ہے ہی نہیں اور پھر کسی بھی انسان کو اس کی شکل و صورت یا جسامت پر طنز و مذاق کا نشانہ بنانا' اس کی تحقیر کرنا یا صرف اسی بات کو بنیاد بنا کر مسترد کرنا کیا خالق کائنات کی تخلیق میں کیڑے نکالنے کے برابر نہیں۔

وہ اکثر سوچا کرتی کہ اگر اللہ نے اسے پستہ قد بنایا ہے تو اس میں بھلا اس کا کیا قصور ہے؟ اللہ نے جیسا بہتر سمجھا اسے ویسا بنایا اور اگر اللہ نے اسے خوب صورتی عطا کی تو اس میں اس کا کیا کمال ہے اور وہ بھلا اس بات پر کیوں متکبر ہو کہ وہ خوب صورت ہے' لیکن بس یہ اللہ کے بنائے ہوئے انسان اللہ ہی کے بنائے ہوئے دوسرے لوگوں میں نقص نکالتے اور ان کے نقوش کی وجہ سے ان کا مذاق اڑاتے نہیں تھکتے۔ بی اے کر لینے کے بعد شروع شروع میں ہادیہ کے لیے بے شمار رشتے آئے تھے' لیکن جیسے ہی ہادیہ سامنے آتی دوسری طرف سے انکار ہو جاتا۔ پھر رشیدہ بوا نے ہی دادی کو مشورہ دیا کہ ہادیہ کو ایسا جوتا پہنے رکھنے کی عادت ڈالنی چاہیے جس سے اس کی پستہ قامتی کچھ حد تک مناسب معلوم ہو' تاکہ رشتہ دیکھنے کے لیے آنے والوں پر اس کا پہلا تاثر چھوٹے قد کا نہ پڑے اور تب دادی مینا کو ساتھ لے کر خود بازار گئیں اور اس کے لیے دو جوڑے گھر کے استعمال کے جوتے لائیں جن کا نیچے سے جوتے کا حصہ زمین سے تقریباً" تین انچ اوپر ہی تھا۔

"دادی یہ کیسے جوتے لے آئیں آپ اس مرتبہ؟" اس نے الٹ پلٹ کر جوتے دیکھے۔

"ارے بیٹا کیا بتاؤں' فلیٹ جوتے تو سمجھو ہوا اڑا کر لے گئی۔ بازار میں کہیں بھی ڈھونڈنے سے ہاتھ نہیں آرہے تھے۔ ہر طرف اور ہر دکان پر جہاں دیکھو اسی طرح کے موٹے موٹے جوتے رکھے نظر آتے تھے تو میں بھی تمہارے لیے اٹھا لائی۔" اصل بات اور پس پردہ وہ وجہ انہوں نے بیان نہیں کی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے اس طرز کے جوتوں کا انتخاب کیا تھا۔

"مجھے لگتا ہے کہ آج کل اس طرح کے جوتے ہی فیشن میں ہیں۔ بازار میں جسے دیکھو اس نے بس اسی طرح کے جوتے پہن رکھے ہیں۔ خواہ بچی ہے یا جوان' لمبی ہے یا چھوٹی بھئی جس کو دیکھو اس کے پاؤں میں یہ سب نظر آتا ہے۔" انہوں نے مصلحتاً" غلط بیانی کی تھی۔

"لیکن دادی' میں تو اتنے موٹے جوتے پہن کر چلتے ہوئے گر ہی نہ جاؤں۔"

"لو بھئی واہ۔ گرو گی کیوں؟ اس کی ایڑی تھوڑی ہے کہ تم گر جاؤ گی۔ بھئی سادہ سا فلیٹ جوتا ہے' لیکن بس ہے نیچے سے تھوڑا سا موٹا تو کیا ہوا۔ تم نے دیکھا ہی نہیں لڑکیاں کیسی کیسی اونچی ایڑی کی جوتی پہنے یہاں سے وہاں ایک لمحے میں ٹک ٹک کرتی پہنچ جاتی ہیں۔" انہوں نے ہادیہ کی خوب حوصلہ افزائی کی تھی جس کے نتیجے میں وہ واقعی گھر میں بھی وہی جوتا استعمال کرنے لگی جس سے دیکھنے والوں کو یقینی طور پر وہ کچھ بہتر قد کی تو معلوم ہوتی۔

لیکن ہمارے معاشرے کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ لڑکے کے لیے رشتہ تلاش کرتے ہوئے لوگ لڑکیوں کو عموماً" اسی نظر سے دیکھتے ہیں جیسے قربانی کے جانور کو دیکھا اور پرکھا جاتا ہے' خود ان کا بیٹا چاہے دیکھنے میں انیس سو بارہ کی گاڑی کا کوئی ماڈل ہو' لیکن دوسروں کی بیٹی کو دیکھتے ہوئے ان کی توقع یہی ہوتی ہے کہ فراری ہو اور زیرو میٹر بھی اور معاشرے کی اس عمومی سوچ کی وجہ سے آج تک کتنی ہی لڑکیاں ہیں جو اپنی شخصیت یا جسامت کے معمولی سے اتار چڑھاؤ کے باعث اپنے گھر جانے کی خواہش دل میں دبائے ماں باپ کے آنگن میں ہی بیٹھی رہ جاتی ہیں۔

جب بھی کوئی رشتہ آتا' دادی کو نئے سرے سے چست کر دیتا۔ وہ مکمل توانائی کے ساتھ دعائیں مانگنے لگتیں' پکوان تیار کرواتیں' مہمانوں کے بیٹھنے کے لیے کمرہ روٹین سے ہٹ کر صاف ستھرا کرواتیں اور پھر

جب بات نہ بنتی تو ڈھے سی جاتیں 'پھر اگلے کئی روز تھکاوٹ کا بہانہ کر کے بستر سے ہی نہ اٹھتیں۔ کیسے اٹھتیں ان سے اٹھا ہی نہ جاتا 'ہمت ہی نہ ہوتی تھی' لیکن خیر اس مرتبہ پھر نئے لوگ آرہے تھے تو امید بھی نئی تھی۔ انہوں نے نئے سرے سے دعائیں مانگنا شروع کردی تھیں اور اس مرتبہ تو کئی منتیں بھی مانگ چکی تھیں اور ان کی انتہائی خواہش تھی کہ اس مرتبہ بات بن جائے۔

☆ ☆ ☆

وصال و ہجر کو خاطر میں لانے والا نہیں
مرا طریق مری جان زمانے والا نہیں
تو اس کو ضبط سمجھ یا میری انا کہہ لے
میں اپنے درد کسی کو بتانے والا نہیں

جب سے دادی کے سامنے مینا نے بتایا تھا کہ چند روز میں ہادیہ کو دیکھنے کچھ لوگ آرہے ہیں بس اس وقت سے اس کی بے چینی عروج پر تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کاش اس کے بس میں ہوتا تو وہ آنے والوں کو منع کردیتی۔ وہ ہر دو ماہ بعد کے اس عمل سے تنگ آچکی تھی 'لیکن دادی کی خوشی کے لیے پھر دوبارہ، ہمیشہ ہی وہی عمل دہرایا جاتا اور وہ مجبور ہوجاتی اور اب تو دادی کا اونچا جوتا پہنانے والا حربہ آزمانے کا وقت تھا۔

وہ جانتی تھی کہ اتنا اونچا جوتا لانے کے پیچھے ان کا کیا مقصد اور کون سی سوچ تھی 'لیکن پھر بھی وہ ان کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی اسی لیے چپ چاپ انجان بنتے ہوئے دادی کی ہدایت کے عین مطابق ایک جوتا گھر میں استعمال کے لیے رکھا اور دوسرا کہیں آنے جانے یا کسی کے آجانے پر پہننے کے لیے سنبھال کر الماری میں رکھ چھوڑا۔

والدین کی خوشی کے لیے اولاد اکثر اوقات اپنے جذبات مار دیا کرتی ہے اور پھر ہادیہ نے تو اپنے دل کی بات آج تک کسی کو بتائی ہی نہیں تھی۔ اس نے تو کبھی دادی کو کہا ہی نہیں تھا کہ کالج میں بی۔ اے کرلینے کے بعد ان کے بے حد اصرار پر بھی وہ یونیورسٹی میں داخلہ لینے پر اگر راضی نہیں ہوتی تھی تو اس کے پیچھے واحد وجہ یہی تھی کہ وہ کالج میں اپنی پہچان کے طور پر "وہ چھوٹے قد والی" سن سن کر عاجز آگئی تھی اور کچھ لڑکیاں جو خود اس سے ایک آدھ انچ ہی بڑی ہوتیں اسے یوں دیکھتیں جیسے وہ اس سیارے کی نہیں کسی اور کی سیارے کی مخلوق ہو جو غلطی سے راستہ بھٹک جانے پر ادھر آگئی ہے۔ اس کی پڑھائی کسی کو یاد تھی نہ چہرے کے خوب صورت نقوش 'جہاں کہیں بھی حوالہ دینا لازم ہوتا تو ہادیہ کے بجائے یہی کہا جاتا ہے کہ وہ جو چھوٹے سے قد والی ہے۔ کچھ لڑکیاں اس کی تعلیمی قابلیت اور بہترین نمبر آنے پر جل کر یا حسد کے مارے اس کی پہچان کی خاطر ٹھگنی یا بونی جیسے الفاظ بھی استعمال کرتیں اور اس کے سامنے آنے پر باتوں باتوں میں جس ترحم آمیز نظروں سے دیکھتیں تو ان کے اس انداز نے اس کے اندر کا سارا اعتماد خاک میں ملا دیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ تنہائی پسند ہوگئی تھی۔

"اُف 'تم کتنی پیاری ہو' لیکن یار قد کی وجہ سے کتنی عجیب سی لگتی ہو تا۔" لڑکیاں تعریف بھی کرتیں تو تحقیر کے انداز میں۔ سراہنے کا انداز ایسا ہوتا کہ اس میں افسوس کا رنگ ہی غالب نظر آتا اور پھر افسوس اور اظہار ہمدردی اس حد تک بڑھتے کہ اللہ تعالیٰ کو مشورے دیے جانے لگتے۔

"دیکھنے میں کتنی اچھی ہو۔ کیا ہوتا اگر اللہ تھوڑا قد بھی بڑھا دیتا...." یا پھر۔

"اللہ ہر کسی کو حد میں رکھتا ہے تاکہ غرور نہ آجائے اب تم ہی کو دیکھ لو ذہین بھی ہو خوب صورت بھی' لیکن قد کے معاملے میں مار کھا جاتی ہو۔"

کوئی قد بڑھانے کی دوا تجویز کرتا تو کوئی ایکسرسائز کرنے کا مشورہ۔ وہ حقیقتاً" عاجز آگئی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اس کا کالج کیا ویسے ہی گھر سے باہر نکلنے سے دل اچاٹ ہوگیا۔ کپڑے جوتے یا ویسے عام استعمال کی کسی بھی چیز کی خریداری کے لیے مینا ہی دادی کے ساتھ جایا کرتی تھی۔ البتہ وہ خود کبھی اس بارے میں سوچتی تو اللہ کے حضور اس سے مخاطب ہو کر رو پڑتی۔

صائم کو اپنے گھر میں آتا جاتا دیکھ کر وہ اس لحاظ سے تھوڑا سا مطمئن تھی کہ دادی کو وقتی طور پر بات چیت کرنے کے لیے کوئی باہر کا فرد میسر آجاتا ہے' لیکن وہ نہیں چاہتی تھی کہ دادی صائم سے کسی بھی قسم کی کوئی امید باندھیں۔ اسے یاد تھا کہ جب صائم پہلے روز مینا کی ہی رہنمائی میں اس گھر تک آیا تھا تب مینا کتنی پرجوش تھی اور گھر آتے ہی اس نے بڑی خوشی اور مسرت سے بتایا تھا کہ سامنے گھر میں ایک یونیورسٹی پڑھنے والا لڑکا آیا ہے۔ دیکھنے میں بھی خوب صورت' لمبا چوڑا اور بات چیت کرنے میں بھی ایسا چھچھورا معلوم نہیں ہوا۔ ویسے بھی ہادیہ سے کہیں بڑھ کر لوگوں کی پہچان مینا کو اس لیے بھی تھی کہ وہ اکثر اوقات مختلف چھوٹے موٹے کاموں سے بازار کا چکر لگاتی رہتی تھی اور اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ یوں ہی چھچھورے ٹھرکی مردوں اور سلجھے ہوئے شریف لڑکوں میں کتنا فرق ہوتا ہے۔

تب ہادیہ نے دادی کے چہرے پر جو چمک دیکھی تھی اور امید کی جو کرن ان کے چہرے پر اس روز ہادیہ نے محسوس کی تھی۔ وہ اس کے دل پر بوجھ سی بن کر رہ گئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس مرتبہ صائم کے معاملے میں بھی ان کی امید ہمیشہ کی طرح ٹوٹے اور وہ ایک بار پھر ہفتے بھر کے لیے بستر سے لگ جاتیں' لیکن اس معاملے میں وہ کھل کر ان سے کوئی بھی بات اس لیے بھی نہیں کر سکتی تھی کہ معاملہ اس کی ذات کا تھا اور وہ دادی سے اس حد تک بے تکلف نہیں تھی کہ ان سے اس موضوع پر یوں بے دھڑک بات کر سکتی۔

ورنہ وہ دادی کی نظریں دیکھ کر ہی جان گئی تھی کہ وہ صائم کو کس نظر سے اتنی اہمیت دے رہی ہیں اور جہاں تک خود اس کی بات تھی تو وہ اپنے بارے میں بالکل قدرے بھی خوش فہمی کا شکار نہیں تھی اور وہ جانتی تھی کہ صائم جیسے دراز قد انسان کے سامنے کھڑے ہو کر اس کا یا اس کے ساتھ کھڑے ہو کر اس کا مذاق تو بن سکتا تھا' لیکن ان دونوں کا جوڑ نہیں بن سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان بڑی بڑی روشن آنکھوں میں نہ تو خواب تھا اور نہ ہی کسی بھی قسم کی امید۔ لوگوں کے خود پر کیے تبصروں نے اسے خطرناک حد تک حقیقت پسند بنا دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ مستقبل کے کوئی سہانے خواب اپنی آنکھوں میں سجائے ہوئے نہیں تھی اور دادی کے سامنے اگر وہ' ان کی کہی ہوئی ہدایات پر عمل کرتی بھی تھی تو صرف اس لیے کہ وہ خوش رہیں اور ان کا دل نہ دکھے یا ان کے ذہن میں کہیں یہ خیال نہ آئے کہ اگر ہادیہ ایسا کرتی تو پھر یہ رشتہ ہو جاتا یا ہادیہ ویسا کر لیتی تو شاید یہ رشتہ ختم نہ ہوتا۔

وہ اچھی طرح سمجھتی تھی اور جانتی تھی کہ اس کا رشتہ اتنی آسانی سے کہیں بھی ہونے والا نہیں ہے اس لیے نہیں چاہتی تھی کہ دادی کو دہرا دکھ ملے۔ رشتہ نہ ہونے کا بھی اور اس کی طرف سے بات نہ ماننے یا اس کوشش میں ساتھ نہ دیے جانے پر بھی۔

اسی لیے جب بھی کوئی رشتہ آتا تو جیسے جیسے دادی اسے ہدایات دیتیں' وہ من وعن تسلیم کرتی جاتی اور اب نہ چاہنے کے باوجود اسے ایک بار پھر اس امتحان سے گزرنا تھا۔

✲ ✲ ✲

آج صائم کی تمام رات بے چین گزری تھی۔ تھوڑی سی دیر کے لیے نیند آتی اور پھر آنکھ کھل جاتی۔ ذہن میں ایک ہی خیال تمام رات کے لیے گھومتا رہا کہ ایسی صورت حال میں جب کہ اس کا رشتہ آرہا ہے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ کبھی سوچتا کہ دادی کے سامنے پہلے خود کو پیش کر دے' لیکن انتہائی عجیب بات لگتی کہ یقیناً "دادی بھی کہتیں کہ اچھا بھلا رشتہ آیا' لیکن صائم نے بیچ میں اپنی بات شروع کر دی اور اگر یوں ہی کسی وجہ سے وہاں رشتہ نہ ہوتا تو کیا خبر اسے کالی بلی کی طرح رستہ کاٹ جانے پر سخت سست سننی پڑتیں۔ اسی کشمکش میں صبح ہو گئی تھی۔ اب وہ رات کو سونے سے پہلے کھڑکی بند کر دیا کرتا تھا۔ لہٰذا سب سے پہلے اٹھ کر کھڑکی ہی کھولی اور وہاں تو اس وقت بھی ہمیشہ کی طرح ایسا سماں تھا جیسے عین دن چڑھ چکا ہو۔ دادی اماں

مسواک ہاتھ میں تھامے آہستہ آہستہ چلنے کے ساتھ دانت صاف کررہی تھیں۔ تو مینا جھاڑو دینے میں مگن تھی۔ ہادیہ البتہ اس تمام منظر سے غائب تھی۔ مینا تقریباً" جھاڑو دے کر صفائی کرچکی اور دادی اماں نے دانت صاف کرلیے تو اس نے ناشتے کا سامان رکھنا شروع کردیا۔ گو کہ ان کے استعمال میں نیچے والا کچن ہی تھا، لیکن صبح کے وقت اللہ کی طرف سے عطا کردہ اس خوب صورت منظر سے محظوظ ہونے کے لیے ناشتا اوپر ہی بنایا جاتا تھا۔ دادی اماں نے مسواک رکھ کر پلٹتے ہوئے جو رخ موڑا تو اسے سامنے کھڑکی میں کھڑا پایا اور وہ جو یہ سمجھے بیٹھا تھا کہ وہ قدرے ہٹ کر کھڑا ہونے کی وجہ سے ان کی نظروں سے اوجھل ہے تو شرمندہ ہوگیا کہ بھلا دادی اس کے بارے میں کیا سوچتی ہوں گی کہ صبح ہی صبح جاگتے ہی میں کھڑکی پر آرکا۔

"نماز پڑھ چکے ہو تو آجاؤ ناشتا کرلو۔" دادی نے دیکھتے ہی اسے کہا۔

"نہیں دادی۔ ابھی ابھی تو جاگا ہوں۔" اس نے کھسیا کر بالوں میں خارش کی۔ "اور اب تو شاید فجر کا وقت بھی نہیں رہا۔"

"وقت کیوں نہیں ہے! تم جلدی سے فٹافٹ وضو کرو اور جاء نماز پر کھڑے ہوجاؤ۔" وہ بس کسی بھی طریقے زبردستی اسے جاء نماز تک پہنچانا چاہتی تھیں۔ صائم نے سوچا۔ "نماز کا وقت ختم ہونے میں دو منٹ بھی رہتے ہوں تو اللہ کی رحمت پر بھروسا کرتے ہوئے نماز شروع کرلیا کرو۔ وہ بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔" پیڑھے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے وہیں پر سے دسترخوان اٹھایا۔

"وہ مکروہ وقت ہوتا ہے دادی۔ دو منٹ میں نماز تو ادا نہیں ہوتی نا۔ اتنی تاخیر سے نماز پڑھنی اور خاص طور پر اس وقت جب کہ دوسری نماز کے شروع ہونے میں صرف دو منٹ رہ گئے ہوں بہتر خیال نہیں کیا جاتا۔" اور کچھ نہ سوجھا تو صائم نے اپنی علمی قابلیت جھاڑی۔

"ہونہہ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔" ارے کام نہ کرنا ہو نا تو بہانے ہزار ہوتے ہیں اور میں تو بھئی ان پڑھ اور جاہل ہی خیال کرتی ہوں خود کو، لیکن پھر بھی ایسے معاملات میں اس رب سے خوش گمان رہتی ہوں اس سے جیسا گمان رکھو گے وہ ویسا ہی پیش آئے گا اور مجھے ایک بات تو بتاؤ۔" چند لمحے رک کر انہوں نے مینا کو دیکھا جو فرشی چولہے پر سے کپڑا ہٹا کر اس پر توا رکھ رہی تھی۔

"یہ جتنے بھی بڑے شاپنگ اسٹورز ہوتے ہیں۔ ان کے بند ہونے کا مقررہ وقت اگر رات کے نو بجے ہے تو قانوناً" آٹھ بج کر پچاس منٹ پر آنے والے کو باہر نہیں روک دیا جاتا کہ صرف دس منٹ ہی تو رہتے ہیں اس لیے تم واپس جاؤ بلکہ عین وقت یعنی پورے نو بجے تک دروازے کھلے ہی رہتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ نو بجے سے پہلے آنے والوں کو بھی پورے نو بجے یہ کہہ کر نکال نہیں دیا جاتا کہ اب کیونکہ نو بج گئے ہیں اس لیے تم باہر نکلو بلکہ یہ بات قانوناً" صارف کے حقوق میں شمار ہوتی ہے کہ اسے خریداری کا مکمل وقت ملے۔" دادی جو خود کو ان پڑھ اور جاہل کہہ رہی تھیں۔ پرانے زمانے کی پڑھی لکھی خاتون تھیں اور ہر بات کے بارے میں جان کاری بھی رکھتی تھیں۔ "ہے کہ نہیں؟"

"جی دادی ایسا ہی ہے... یہاں بھی اور بیرون ممالک میں بھی۔" اس نے تسلیم کیا تھا کہ وہ درست کہہ رہی ہیں۔

"تو پھر اگر دنیا میں یہ قانون ہے کہ پانچ منٹ پہلے اندر آنے والا بھی دھتکارا نہیں جائے گا تو پھر اس رحمٰن و رحیم سے بھی امید رکھا کرو کہ تم پانچ منٹ پہلے بھی اگر جاء نماز تک پہنچ گئے تو وہ تمہیں دھتکارے گا نہیں تم پر اپنی رحمت کے دروازے بند نہیں کرے گا بلکہ تمہیں موقع دے گا کہ جو چاہو لے لو، جو چاہو پالو... اور ہاں یاد رکھو بیٹا تاخیر سے نماز پڑھ لینا، نماز کو قضا کردینے سے ہزار درجے بہتر ہے۔" دادی نے اسے نرم لفظوں میں اچھا خاصا شرمندہ کردیا تھا۔ اسی لیے بغیر کچھ کہے بڑی خاموشی سے پلٹ گیا۔ جانتا تھا کہ

نماز کا وقت ختم ہونے میں بس چند منٹ ہیں۔

☼ ☼ ☼

آج دادی اماں کو گھر کی صفائی ستھرائی کا خوب جوش چڑھا ہوا تھا۔ مہمانوں کے بیٹھنے کے کمرے کو اچھی طرح دھلوایا۔ کل آنے والے مہمانوں کے لیے صوفوں پر نئے کور' کشن کے کور' ان کے اپنے پلنگ کی نئی چادر' تکیے کے غلاف غرض یہ کہ ہر چیز صاف اور ستھری اور نئی کردی گئی تھی۔

صائم یونیورسٹی سے واپسی پر آج آئس کریم لیتا ہوا آیا تھا۔ گھر آکر سب کچھ اتنا نیا دیکھا تو خوش گوار حیرت کا احساس ہوا۔

"دادی خیر تو ہے۔ کل عید ہے کیا جو یہ سب اس قدر جگمگ جگمگ کرتا دکھائی دے رہا ہے۔"

"یہ لیں دادی اوپر والے شوکیس کی چابی' برتن میں نے سارے نکلوا کر مینا کو دھونے کے لیے دے دیے ہیں۔" ہادیہ نے یقینی طور پر صائم کی بات نہیں سنی تھی اسی لیے دادی کو اس کو جواب دینے کا انتظار کیے بغیر بول پڑی۔

"مینا کو کہنا کہ اب اگر میں نے اس کے ناخن ذرا سے بڑھے ہوئے بھی دیکھے نا تو پھر چھوڑوں گی نہیں۔"

"کہہ دیا ہے کہہ دیا ہے۔" ہادیہ مسکرائی۔

صائم کو لگا جیسے وہ اس کی موجودگی سے بھی ناواقف ہے اسی لیے دادی سے بات کرنے کا انداز نہایت بے تکلفانہ تھا ورنہ کل اس کے سامنے بات کرتے ہوئے وہ انتہائی سنجیدہ تھی۔

"ارے غضب خدا کا' میری تو کل نظر پڑی اس کے ناخنوں پر۔۔۔ آخ تھو۔" دادی کے چہرے سے محسوس ہوتا تھا جیسے انہوں نے انتہائی ترش چیز منہ میں ڈال لی ہو۔ اور تم بھی اس کا ساتھ دیتی رہیں مجھے ہوا تک نہ لگنے دی کہ وہ کیسے بیماریوں کی ایک پوری دکان ان ناخنوں میں چھپائے گھوم رہی تھی۔

"بس کریں نا دادی۔۔۔ اب اور مت ڈانٹیں۔ وہ سمجھ بھی گئی ہے اور اس نے اپنے ناخن کاٹ بھی دیے ہیں۔ میں نے بھی سوچا چلو کوئی بات نہیں اگر وہ اس چھوٹی سی چیز میں خوش ہے تو برداشت کرنے میں کوئی حرج ہیں۔"

سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کرکے دیکھتے ہیں
سنا ہے رات اس کو چاند تکتا رہتا ہے
ستارے بام فلک سے اتر کر دیکھتے ہیں

اور صائم کو ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے اس کے منہ سے الفاظ نہیں بلکہ جنوری کے اخیر لمحوں کی ہلکی سرد ہوا سے لچکی ہوئی ڈالی سے پھول پھوار بن کر گر رہے ہوں۔

"باقی سب باتیں تو ٹھیک ہیں' لیکن میں یہ آئس کریم لایا تھا مزید خاموش رہا تو پھر یہیں پر پگھل جائے گی۔" اور تب صائم کی بات پر وہ ایک دم سے چونکی۔ وہ واقعی اس کی وہاں پر موجودگی سے بے خبر ہی تو تھی۔

"ارے جلدی سے لے کر فریج میں رکھ دو ہادیہ۔ ابھی سارا دن لگا کر صفائی ختم کی ہے۔" دادی نے فوراً" کہا تو وہ جلدی میں یونہی دادی کی چپل پاؤں میں اڑس کے اس سے آئس کریم لینے اس کے نزدیک آئی۔

صائم اس کے مقابلے میں واقعی دراز قد تھا اسے محسوس ہوا شاید وہ واقعی بہت ہی چھوٹے قد کی ہے اور یا پھر صائم زیادہ لمبا ہے وہ بمشکل اس کی کہنی تک کھڑی نظر آئی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ہادیہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔

ہادیہ نے گھبرا کر اس کے ہاتھ سے آئس کریم لی۔ ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ صائم کے دیکھنے سے جو دل کی دھڑکنیں ایک دم منتشر ہونے لگیں تھیں تو یہ احساسات کچھ عجیب سے ہی تھے اور پھر وہ جو کچن میں گئی تو دوبارہ باہر نکلنے کو اس کا دل ہی نہیں چاہا۔ وہ صائم کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی یا پھر شاید وہ اپنی ہی اس انوکھی کیفیت سے ڈر گئی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ دل نے جس طرف اسے مائل کرنا چاہا تھا وہاں کوئی منزل نہیں تھی۔ اسی لیے دل اور ذہن میں آتے ہر خیال کو جھٹکتی گئی اور اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب

صائم کے سامنے نہیں جائے گی۔ دادی بلائیں تب بھی نہیں۔

"بیٹا کل ہادیہ کے رشتے کے لیے کچھ لوگ آرہے ہیں دعا کرنا بات بن جائے مجھے بڑی ہی فکر ہے اس کی۔ آج میں دنیا سے چلی گئی تو اس کے سر پر کوئی ہاتھ رکھنے والا اس کے آنسو پونچھنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔" وہ وزدیدہ ہوگئی تھیں۔

"آپ فکر نہ کریں دادی۔ اللہ بہتر کرے گا۔"

وہ کہنا تو چاہتا تھا کہ دادی آپ فکر نہ کریں میں ہوں نا۔ آپ کا بھی بیٹا بن کر رہوں گا اور ہادیہ کو بھی دنیا کی ہر خوشی دوں گا لیکن وہ کہہ نہیں پایا تھا۔ کتنی ہی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو دل چاہتا ہے کہ فلاں بندے سے اس طرح کہہ دی جاتیں تو یہ ہوتا وہ سن لیتا تو وہ ہوتا لیکن یہ سب باتیں ہمارے دل کے ایک کونے میں کاش کی چھوٹی سی ڈھیری بنائے بوجھ کی طرح موجود ہی رہتی ہیں اور ہم کبھی بھی کچھ کہہ نہیں پاتے۔ بالکل اسی طرح دادی بھی تو اس کی بات کے جواب میں یہی کہنا چاہتی تھیں کہ اگر تمہارے جیسا لڑکا میری ہادیہ کے لیے مل جائے تو مجھے دنیا میں کسی بھی چیز کی طلب نہ رہے' لیکن وہ بھی خاموش رہیں اور صائم بھی کچھ کہہ نہ پایا۔ چند لمحوں بعد وہ بولیں بھی تو صرف اتنا کہ۔

"چلو جو مالک کی مرضی!"

اس دن گو کہ خوشی اور امید کا دن تھا کہ ہادیہ کے لیے رشتہ آنے والا تھا' لیکن اس کے باوجود فضا میں ایک عجیب و غریب قسم کی سوگواریت قائم رہی۔ فضا میں بوجھل پن اور اداسی اس قدر تھی کہ کوئی بھی بات چیت نہ کرپایا اور اسی گہری خاموشی میں صائم اٹھ کر اپنے گھر چلا آیا تھا اور ابھی اپنے گھر کا تالا کھولنے ہی والا تھا کہ وہ پہلے سے کھلا ہوا ملا۔ حیرت سے دبے پاؤں اندر داخل ہوا تو مینا نیچے والے کمروں کے دروازے بند کرکے باہر نکل رہی تھی۔ سرف اور فینائل کی ہلکی ہلکی خوشبو نے آج گھر میں صائم کا استقبال کیا۔

"تم؟ یہاں کیا کررہی ہو؟" وہ حیران تھا۔

"صفائی کرنے آئی تھی۔ جب آپ نہیں تھے تب

تو دو تین ماہ بعد آ کر تالا کھولتی اور صفائی ستھرائی کر جاتی تھی، لیکن اب دادی کے کہنے پر ہر دوسرے دن جھاڑ پونچھ وغیرہ کر کے جاتی ہوں۔" مینا نے تفصیل بتائی۔

"آج تو وہاں بھی بہت کام تھا۔ تھک گئی ہو گی تم؟" سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے یوں ہی سوال کیا۔

"نہیں کام کر کے جسم تو نہیں تھکا' لیکن ہاں سوچ سوچ کر دل ضرور تھک گیا ہے۔" اس کی بات پر وہ آخری سیڑھی پر جاتے جاتے رکا اور پلٹا۔

"ایسا کیا سوچتی رہتی ہو تم؟"

"آپ کو ہادیہ بی بی کیسی لگتی ہیں؟" نہ تمہید نہ گرہ۔ اس نے لمحوں ایک دم ہادیہ کا نام لیا تھا کہ وہ چونک ہی گیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ ہے کہ کیا آپ ہادیہ بی بی سے شادی نہیں کر سکتے؟" مینا خود بھی سیدھی تھی اور اس کی باتیں اس سے بھی زیادہ سیدھی۔

آخری سیڑھی پر کھڑا صائم برق رفتاری سے سیڑھیاں اترتا نیچے آ گیا تھا۔

"تم جانتی ہو کہ کل اس کا رشتہ آ رہا ہے دادی بتا رہی تھیں کہ لوگ بہت اچھے ہیں اور انہیں امید ہے کہ وہ ہادیہ کو پسند کر جائیں گے۔"

"ہاں میں جانتی ہوں کہ کل کچھ لوگ ہادیہ بی بی کو دیکھنے آ رہے ہیں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی انکار ہو جائے گا۔" اس کا لہجہ سرد تھا۔

"اور پھر کیا صرف یہی بات اہم ہے کہ دوسروں کو ہادیہ بی بی پسند آتی ہیں کہ نہیں۔ یہ بات دادی کیوں نہیں سوچتیں کہ جو لوگ رشتہ لے کر آئیں گے پتا نہیں وہ لوگ ہادیہ بی بی کو بھی پسند آتے ہیں کہ نہیں...... ان کی خوشی اور احساس کی تو دادی پروا نہیں کر رہیں نا...... وہ بس یہ چاہتی ہیں کہ اپنے مرنے سے پہلے کسی بھی طریقے سے ہادیہ بی بی کی ذمہ داری کسی پر ڈال جائیں...... لیکن سوچیں اگر کل آنے والوں کو ہادیہ بی بی پسند آ گئیں اور انہیں وہ لوگ پسند نہ آئے تو کیا یہ زندگی بہتر گزر پائے گی؟ نہیں ناں؟ لیکن ہاں یہ ہو گا کہ ان پر شادی شدہ کا لیبل ضرور لگ جائے گا۔"

"ہو سکتا ہے کل معاملہ بہتر ہی رہے۔" صائم کی آواز خود صائم کو اجنبی لگی۔

"مجھے نہیں پتا کہ کل کیا ہو گا' لیکن ہاں مجھے یہ ضرور پتا ہے کہ چھوٹے قد والی لڑکی کے ساتھ کوئی بڑے دل والا ہی زندگی گزارنے کی خواہش کر سکتا ہے۔ چھوٹے دل اور چھوٹے دماغ والوں کے بس کی بات نہیں ہے یہ۔"

مینا آج ہادیہ کے لیے بے حد جذباتی ہو رہی تھی۔ لہٰذا اپنا دل ہلکا کرنے کے بعد وہ وہاں رکی نہیں اور نہ ہی صائم کے کسی بھی قسم کے جواب کا انتظار کیا بلکہ دروازہ کھولا اور گلی پار کر کے اپنے گھر میں داخل ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

مجبوری حالات کی دیوار سے آگے
دیکھا ہی نہیں آنکھ نے گھربار سے آگے
میں مرکزی ہوں اس لیے ہر بار کہانی
پڑتی ہے نبھانی مجھے کردار سے آگے
ہم جیسے پیادوں کا کہیں ذکر نہیں ہے
جو لڑتے ہوئے مر گئے سالار سے آگے

اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ رشیدہ بوا کے بھیجے ہوئے لوگ آئے' اپنی تواضع کے لیے تیار کیے گئے لوازمات سے بھرپور انصاف کیا اور عین اس وقت جب ہادیہ سامنے آئی تو ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"ارے رشیدہ بوا نے اس کے رشتے کے لیے ہمیں بھیجا ہے؟" ایک خاتون جو شاید ماں تھیں؟ اپنی بیٹی سے بولیں۔

"تصویر تو اسی کی تھی۔" جواب ملا۔

"ہاں دیکھنے میں تو پیاری ہے لیکن شکل و صورت کا اچار تھوڑی ڈالنا ہے' کم از کم ہمارے بیٹے کے ساتھ کھڑی ہوئی تو اچھی لگے نا۔"

"ہاں اماں اس کا تو قد بہت ہی چھوٹا ہے اور آنکھیں بڑی...... کچھ عجیب سی لگ رہی ہے۔" وہ

لوگ اس بات کا بالکل لحاظ نہیں کررہی تھیں کہ وہ یہ سب باتیں ہادیہ اور دادی سمیت باقی مینا اور ابھی اندر آتے صائم کے سامنے ہی کہی جارہی تھیں۔

"معذرت چاہتی ہوں آپ لوگوں کو تکلیف دی' لیکن ہمارے بیٹے کے جوڑ کی نہیں ہے یہ آپ کی بیٹی۔" دونوں خواتین نے بڑی بے دردی سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

وہ دادی کا زرد پڑتا چہرہ یا ہادیہ کی آنکھوں کی نمی کو قطعاً" خاطر میں لانے کو تیار نہ تھیں۔ اور گو کہ ہادیہ جانتی تھی کہ جواب یہی ہوگا اور وہ صرف دادی کی خوشی کے لیے ان کے سامنے آئی تھی لیکن اس کے باوجود اسے بہت تکلیف پہنچی تھی۔ منہ بسور کر ناک سکیڑتی ہوئے بغل میں پرس دبائے وہ دونوں کمرے سے باہر نکلیں تو صائم دادی کی پاس چلا آیا۔

"دادی۔۔۔ آپ نے اس دن کہا تھا نا کہ نماز تاخیر سے پڑھ لینا قضا کرنے سے لاکھ درجے بہتر ہے؟"

دادی نے صرف سر ہلایا۔ کچھ بھی بولنے کی ہمت کہاں تھی ان میں۔

"اسی طرح کچھ فیصلے تاخیر سے کرلینا بھی کبھی نہ کرنے سے بہتر شمار ہوگا کہ نہیں؟" دادی کو اس کی بات بالکل سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ چہرے پر جامد سکوت اور آنکھوں کی ویرانی سمیت بس اسے دیکھے گئیں۔

"اگر میں آپ سے کہوں کہ میں ہادیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو کیا یہ فیصلہ تاخیر سے سامنے آنے پر بھی اتنا ہی اثر رہے گا؟"

"تم کیا کہہ رہے ہو صائم؟ تم ہادیہ سے شادی؟" وہ ایک دم بیٹھ گئی تھیں۔ مینا بھی خوشی سے مسکرائی اور ہادیہ کو دیکھا جو چونک گئی تھی۔

"تمہیں پتا ہے کہ ہادیہ کا قد بہت چھوٹا ہے' گھر میں تو میں اسے موٹے جوتے پہنا کر رکھتی ہوں تاکہ کبھی لگے ورنہ حقیقتاً" یہ ایک پستہ قد لڑکی ہے اور تم تو اتنے لمبے ہو کہ شاید تمہاری کہنی تک آئے یا تھوڑی اوپر۔" وہ حیران تھیں اور ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ

وہ صائم سے اس لمحے اسٹامپ پیپر پر لکھوا کر دستخط کروالیں کہ وہ ان کی ہادیہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

"دادی پہلی بات تو یہ کہ میں نے آج تک یہ محسوس ہی نہیں کیا کہ اس کا قد زیادہ لمبا نہیں ہے' گستاخی معاف لیکن ہادیہ مجھے پہلی نظر میں اتنی اچھی لگی تھی کہ پھر باقی کچھ بھی سوچا نہ کچھ خیال کیا۔ میں نے ہادیہ کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے اس کی چھاؤں میں بیٹھے نہیں رہنا۔ جس کے لیے مجھے لمبے قد کی تلاش ہو۔" اس نے کن انکھیوں سے ہادیہ کو دیکھا۔

جس کی شفاف آنکھوں میں اب حیا تھی اور اس کا سر جھکا تو جھکتا ہی چلا جارہا تھا۔

"اور ویسے بھی چھوٹے قد والی لڑکیوں کی شادی بڑے دل والے لڑکوں سے ہوتی ہے اور ہر ایک کا دل بڑا ہو یہ ممکن نہیں۔" مینا نے ایک بار پھر اپنی بات دہرائی تو صائم نے ہاتھ میں پکڑا شاپر دادی کی اجازت سے ہادیہ کو پیش کردیا۔

آج وہ کچھ بھی کھانے پینے کی چیز کے بجائے چنبیلی اور موتیا کے گجرے لایا تھا۔ جن کی مہک اب ہادیہ کی کلائیوں سے پورے گھر میں پھیلی تھیں۔ کیونکہ صائم نے ہادیہ سے محبت کی تھی اور محبت کی خوشبو کہیں سے بھی اٹھے جس سے محبت کی جائے اس تک پہنچ کر ہی رہتی ہے۔

بالکل اسی طرح جیسے آج ہادیہ تک چنبیلی اور موتیے کے گجروں کی صورت پہنچی تھی۔ اور اب اس خوشبو نے ان دونوں کے جیون کو مہکائے رکھنا تھا۔ کیونکہ کبھی اظہار نہ کرنے سے تاخیر سے اظہار کردینا بھی کئی درجے بہتر ہے۔۔۔!

☆ ☆

مصباح علی

سفید دھند میں لپٹیں مارگلہ ہلز کسی دیو قامت آسیب کی مانند لگ رہی تھیں۔ پھر بھی سڑک پر ٹریفک معمول کے مطابق رواں تھا۔ سب گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس کے بیم' ونڈو اسکرین پر چلتے وائپرز اور ہارن نے بے ہنگم شور مچا رکھا تھا۔ دن کے گیارہ بج چکے تھے اور دھند چھٹنے کا ہرگز امکان نہیں تھا۔ اچھے خاصے دھند لکے کی وجہ سے اس نے اپنی گاڑی کی رفتار قدرے کم کردی' پہلے سے ہی دھیما میوزک بالکل بند کر دیا تھا۔ اس کی سرد نگاہیں ونڈو اسکرین پر جمی تھیں۔ چہرہ بالکل سرد سپاٹ' بے تاثر۔۔۔ البتہ نچلا ہونٹ مسلسل دانتوں کے رگڑے کھا رہا تھا۔ آج کچھ گھر سے نکلنے میں دیر ہو گئی تھی سردی کے باعث سستی' غنودگی نے بدن بے جان کر رکھا تھا اور بے ہنگم ٹریفک۔ ست روی سے چلتی اس کی گاڑی بالآخر ایک بڑے سے گنبد نما عمارت کے سامنے رکی۔ برابر والی نشست پر سے اس نے اپنا بیگ' میگزینز اور کچھ پیکٹس اٹھائے دروازہ کھول باہر آگئی سڑک پر ہیل جماتے ہی سب سے پہلا خیال اس کا آیا تھا۔

"پتا نہیں ابھی بھی آیا ہے یا نہیں۔۔۔ ایک ذرا سا کام کہا تھا' تین دن لگا دیے' میں خود بھی ان پارٹیز سے بات کر سکتی تھی۔" گاڑی لاکڈ کرتے کوفت ماتھے پر سمیٹی بات کیا' جا بھی سکتی تھی' خواہ مخواہ اسے کہہ دیا۔" ٹک ٹک سنگی فرش سے ٹکراتی ہیل اب جدید

طرز کی بنی عمارت میں داخل ہو چکی تھی اسے تیسری منزل پر جانا تھا۔ اسی لیے وہ برقی سیڑھی پر چڑھی تھی۔

"میرا خیال ہے اسے کال کرلوں۔" اس نے بڑا اٹھالینا ہے۔"

ہاتھ میں پکڑے اپنے سیل فون کی اسکرین کو اسکوائپ کرتے ہی جلدی جلدی کچھ ٹائپ کرنا شروع

مکمل ناول

کیا۔" میسج بھیجا' برقی سیڑھی اسے مطلوبہ منزل تک پہنچا چکی تو وہ اپنے کوریڈور کی جانب بڑھی۔ بڑا سا گلاس ڈور دھکیلتے ہی اس کی ویل فرنشڈ ورک شاپ کھلتی چلی گئی۔

دروازے کے دائیں جانب بڑے بڑے ٹیبلز پر

کمپیوٹر کے پیچھے بیٹھے اس کے ورکرز کام میں مصروف تھے اس سے نگاہ ملتے ہی سر سلام میں خم ہوئے۔

دروازے کے بائیں جانب دور کہیں دروازہ کھلا تھا وہاں سے بھی ورکرز دکھائی دے رہے تھے ان کی مشینوں کی آوازیں، باریک آری سے اڈے پر تنی چادریں اور ان پر جھکے سر، چلتے ہاتھ اک ہی نگاہ میں ان کی محویت کا پتا دے رہے تھے۔ اس نے چلتے چلتے ان سب کو مشترکہ ہیلو کیا آگے اپنے آفس کی جانب بڑھ گئی۔ چھوٹا سا دروازہ دھکیلتے ہی جس پر سب سے پہلے نگاہ گئی وہ وہیں تھا۔ نہایت رف حلیے میں ٹانگیں لمبی پھیلائے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھا تھا۔ اس کی گود میں ایک میگزین رکھا تھا جس کے صفحے بے زاریت سے پلٹتے بار بار نگاہ قریب دھرے موبائل پر ڈال لیتا۔

"تم... تم کب آئے؟" آہٹ پر اس نے نگاہ اچکا کر دیکھا تھا وہ مزید کہہ رہی تھی۔ "کتنے میسج کیے ہیں، جواب نہیں دے سکتے تھے۔" اس نے ٹانگیں سمیٹتے ہوئے میگزین بند کیا، سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور مسکرایا۔

"مادام ہر بار جواب نہیں دیے جاتے، کچھ کو اندر ہی روک لینا چاہیے... بالکل اسی طرح جس طرح ہر حادثے پر سوال نہیں کیے جانے چاہئیں۔" دیر سے آنے پر اندر کی کوفت اس کے جملوں نے چہرے پر سمیٹ دی، اس نے ناگواری سے نگاہ اس پر ڈالی آگے بڑھ کر اپنا بیگ، پیکٹس اور میگزین ٹیبل پر رکھے اور اپنی جہازی نما نشست سنبھالی۔ وہ مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو۔" وہ گھرکی۔

"یہی کہ... کچھ بولی نہیں تم۔"

"خود ہی تو کہہ رہے ہو، ہر بار جواب نہیں دیے جاتے۔" اس نے اپنا لیپ ٹاپ آن کرتے ایک ملامتی نگاہ اس پر پھر ڈالی تھی۔ اس کی گہری نگاہوں میں بالکل فرق نہیں پڑا تھا اور وہ اس کے اس انداز سے بالکل تنگ آگئی تھی کل سے وہ عجیب و غریب باتیں کر رہا تھا۔ اس نے اس کا پتا کرنے کے لیے فون کیا تھا جبکہ وہ یہی سوال جواب، معافی، تلافی، ماضی حال اور جانے کس قسم کی گفتگو کر رہا تھا۔ وہ اسے ڈپٹ کر بولی تھی۔

"کون سی فضول فلم دیکھ لی ہے تم نے، جس کا بخار تمہارے دماغ کو چڑھ گیا ہے۔"

"فلم تو واقعی دیکھی ہے، اور بہت بڑی..." وہ لمحے بھر کو ایسے رکا جیسے گہری سانس لی ہو "تم بھی دیکھو گی تو تمہیں بھی بخار چڑھ جائے گا۔"

"مجھے تم معاف ہی رکھو... اور جا کر کسی ڈاکٹر سے رابطہ کرو، میڈیسن لو، افاقہ ہو... اور خدا کے لیے..." انداز بالکل ایسا تھا جیسے منتیں کرتی ہاتھ جوڑ رہی ہو "کل اپنا رخ روشن دکھا دینا، تفصیل بتا دو، تاکہ میں ڈیلنگ کے سلسلے میں پیش رفت کروں۔"

"تفصیل بھی بتاؤں گا اور ڈیلنگ بھی کرواؤں گا۔ بس تم دل کو ذرا کشادہ رکھو۔"

"او اللہ کے واسطے۔" اس کا لہجہ اتنا بے زار تھا اگر وہ سامنے ہوتا یقیناً کوئی چیز اسے دے مارتی اس نے کھٹ سے کال کاٹ دی تھی اور اب آفس آکر بھی وہ شروع ہی ہوا چاہتا تھا۔ اس نے نظر انداز کرتے انٹر کام اٹھایا اور پوچھا تھا۔

"کافی پیو گے۔" اس کی اثبات میں ہلتی گردن پر وہ مسکرائی آرڈر دے کر اپنے لیپ ٹاپ پر محو ہو گئی تھی۔ ابھی کئی ویب سائیٹ چیک کرنا تھیں کئی ای میلز اس کے انتظار میں اپنے ارو دکھا رہی تھیں۔ اس کی انگلی ٹچ پیڈ پر تیزی سے سرک رہی تھی جب اس نے اسے کہتے سنا۔

"میرے لیے کافی جیسی مرضی منگوا لو مگر اپنے لیے ایک پانی کا جگ ضرور آرڈر کر دو، میں چاہتا ہوں تم کول رہو۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا۔" اس نے انگلی روک کر چہرہ اٹھایا تھا۔ صاف بات کرو کیوں الجھا رہے ہو...

ہو آر پارٹنرز ریفیوزڈ (کیا پارٹنرز نے انکار کر دیا) اس کے تحمل سے کہنے پر وہ پیچھے ہو کر بیٹھا کمر بیک سے ٹکائی ٹانگ پر ٹانگ چڑھالی۔

"آئی ہو ناٹ میٹ دیم یٹ۔" (میں تو ان سے

ابھی ملا ہی نہیں۔) اس کے سپاٹ انداز پر وہ پوری چونک گئی لہجہ سخت ہو گیا۔

"واٹ ربش..." غصے سے آنکھیں قدرے پھیلی تھیں اور اب اس کا واقعی دل کر رہا تھا پیپر ویٹ اٹھا کر اس کا سر پھاڑ دے۔ تین دن برباد کر کے آرام سے کہہ رہا ہے ابھی ملا ہی نہیں۔ اس کے دانتوں کی کچکچاہٹ وہ محسوس کر چکا تھا اور اس کا ہاتھ کرسٹل پیپر ویٹ کی جانب بڑھتا دیکھ کر وہ مزید مسکرایا۔

"یہ مت مار دینا... پلیز۔"

"میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔" وہ چبا کر بولی "تین دن تک کیا اس شہر کی صفائی کرتے رہے' وہاں خاکروب کم پڑ گئے تھے۔"

"شہر کی نہیں اپنی... اپنے دل' اپنے دماغ کی۔" اس نے رک کر اسے دیکھا انداز گہرا ہو گیا "اور چاہتا ہوں' تمہارے بھی دل و دماغ کی صفائی ہو جائے۔"

"دگیٹ لاسٹ۔" اس کی انگلی سختی سے دروازے کی جانب اٹھی تھی "دفع ہو جاؤ اور اپنی یہ صفائی مہم باہر چلاؤ' اس کے بے تحاشا غصے پر بھی اسے کوئی اثر نہیں ہوا تھا وہ ویسے ہی بیٹھا تھا اور وہ دیکھ رہی تھی وہ مسلسل اپنے موبائل پر کچھ ٹائپ کر رہا تھا' کوئی پیغام آ رہا تھا' کوئی جا رہا تھا... یعنی کہ اسے کوئی شرمندگی نہیں اس کی انتہائی اہم ڈیلنگ پس پشت ڈال کر وہ ذرا برابر شرمندہ نہیں۔ تف ہے اس کی ڈھٹائی پر۔ اس نے جی بھر کر اسے ملامتی نگاہیں بخشیں اور پھر اپنا چہرہ لیپ ٹاپ کی جانب جھکا لیا البتہ چہرے پر خفگی کے آثار نمایاں تھے کھٹ کھٹ کی بورڈ کی شامت آ گئی تھی۔

"کب تک بے جان چیزوں سے الجھو گی... سختی برت کر تم نہیں کیوں سزا دے رہی ہو۔"

"میں کسی کو سزا نہیں دے رہی' سمجھے اور اب تم دفع ہو سکتے ہو۔" وہ نگاہ اٹھائے بنا بولی تھی۔ ایسے جیسے اسے اب دیکھنا بھی نہ چاہتی ہو۔

"ہو جاؤں گا دفع... بس تم معاملے کو اتنا طول مت دو... آریا... پار کرو اسے۔" کی بورڈ پر چلتے اس کے ہاتھ ایک بار پھر رک گئے تھے' آنکھیں بند کرتے

سانس اندر کو کھینچی۔ پلکیں اٹھادیں۔

"آر کرنے کا ظرف نہیں ہے مجھ میں... اور پار... ہونہہ۔" اس کی سخت نگاہیں اس کی آنکھوں میں گڑی تھیں جبڑے جمے تھے۔ چمکتے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو ہاتھ مار کر بند کر دیا' آنکھیں پھر موندھ کر سر چیئر کی پشت سے ٹکایا کرسی ہولے ہولے جھولنے لگی۔ جب بولی تو لہجہ درشتی سے نمی میں گھل چکا تھا۔

"اور پار اک سراب ہے' سایہ ہے' وہم ہے' گمان ہے... اور میں نے گمانوں کے پہناوے چھوڑ دیے ہیں...." اس کی پرملال نمی پر اس کا دل مٹھی میں سمٹ گیا تھا' لمحے بھر کو اسے اپنی سانسیں گہری دلدل میں گرتی محسوس ہوئیں مگر وہ مرد تھا باہمت دلیر' اپنے جذبات کو قابو میں رکھ کر مثبت اور موقع کی مناسبت سے فیصلہ کرنے والا۔ اس نے ایک کڑوا گھونٹ نگل کر الجھی سانسوں کو سمیٹا اور قدرے آگے ہو کر بیٹھا۔

"تم نے کبھی سوچا ہے' ہر ملزم مجرم نہیں ہوتا۔"

"سوچا....!!!"

اس کی کرسی جھٹکے سے رکی آنکھیں کھل گئیں

"میں اس تجربے سے گزر چکی ہوں مسٹر۔"

"تو پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے' وہ بھی اسی تجربے سے گزر رہا ہو... اس کا جرم اتنا بڑا نہ ہو کہ جتنا الزام ہے... سمجھنے کا ظرف پیدا کرو۔ یار۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا۔" اب کے وہ دونوں ہاتھ زور سے ٹیبل پر مارتے ہوئے آگے ہوئی تھی۔ لہجہ کٹیلا ہو گیا تھا۔

"مطلب یہ ہے میں تمہیں اتنی اذیت...."

"بس... اسٹاپ۔" اس نے دایاں ہاتھ اٹھا کر قطعیت سے کہا تھا "تم اپنی زندگی آباد کرو۔ میری اذیتیں شمار کرنا چھوڑ دو... پلیز۔"

"میم... مے آئی... کم ان۔" جدید تراش خراش کے لیڈیز ٹو پیس سوٹ میں ملبوس اس کی سیکریٹری اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئی اس کے ساتھ پیون تھا۔ اس نے کافی کی ٹرے ٹیبل پر رکھ دی اور چلا گیا۔ جب کہ سیکریٹری نے بہت مہنرڈے سے اس کی آرڈر کی

کافی سرو کی۔ اب وہ دونوں چپ تھے' بالکل خاموش۔ اس کی تند نگاہیں ٹیبل پر رکھی چیزوں پر پھرتیں قدرے نرم ہو گئی تھیں اور وہ جو محویت سے دیکھ رہا تھا اب صرف ان میں سرسری پن نظر آتا تھا۔ اس نے ایک کپ اور بسکٹ پلیٹ اس کے صوفے کے ساتھ رکھی میز پر رکھی۔ تب وہ موبائل پر کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ دوسرا کپ اپنی باس کے پاس رکھ دیا اور بہت نرمی سے بتایا تھا۔

"میم... ایک شخص آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کون... کیا اپائنٹمنٹ ہے؟" لہجہ بالکل نارمل ہو گیا تھا میگزین اٹھا کر باسکٹ میں رکھا اور ان میں سے ایک پیکٹ اٹھا کر کھولا جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی۔ البتہ وہ کن انکھیوں سے اس کے تاثرات جانچتا رہا۔

"نو میم... اپائنٹمنٹ تو نہیں ہے۔ آئی تھنک کوئی کلائنٹ ہیں۔" پیکٹ کھل چکا تھا اس کے اندر سے ایک سرخ شال نکلی تھی جس پر رنگین دھجیوں اور شیشیوں سے کٹ ورک بنا تھا۔ اس نے وہ ٹیبل پر پھیلائی اور ناقدرانہ جائزہ لیتے ہوئے "ہوں۔" کہا جیسے اس کی بات نہ سنی ہو۔

"یہ ان کا وزیٹنگ کارڈ ہے۔"

اس نے ٹرے سے ایک بلیک گولڈن کارڈ اس کی جانب بڑھایا تھا۔ وہ کارڈ کاغذ سے نہیں بنا تھا کسی تیز دھار دھات سے بنا تھا' یا شاید گولڈن حروف میں بجلی کا کرنٹ بہہ رہا تھا۔ اس نے صرف اچٹتی نگاہ ڈالتے اس کارڈ کو ٹچ کیا تھا سارا کرنٹ اس کے بدن میں سرایت کر گیا شال کا سرخ رنگ اس کے چہرے پر انڈیل گیا اور کانوں کی لو سے برقی گولڈن چنگاریاں نکلنے لگیں۔ کارڈ کو پٹختے ہوئے وہ کرسی دھکیل کر اٹھی تھی ۔غصے کی شدت سے ایک حرف بھی زبان سے نکلنا محال ہو گیا البتہ بڑی بڑی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں اس کے اٹھے ابرو کا درمیانی فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ بھاری جبڑوں سے بمشکل ادا ہوا۔

"میں اس شخص کو نہیں جانتی' نہ جاننے میں دلچسپی ہے... انہیں کہیں' ابھی' اسی وقت یہاں سے چلے

جائیں۔" وہ چلا رہی تھی اور شیشے کا دروازہ سرکتا ہوا کھلا اس نے اپنے بھاری قدم اندر رکھ دیے۔

"تم..." لہجے کا سارا تنفر چہرے کی سرخی میں رنگ گیا۔ "کیوں آئے ہو یہاں... سنا نہیں میں تمہیں نہیں جانتی۔"

☆ ☆ ☆

وہ ڈھیلے ڈھالے میرون ٹریک سوٹ میں ملبوس جاگنگ کرتے ہوئے اپنا تیسرا چکر مکمل کر رہی تھی۔ اس کے معمولات میں صبح کی جاگنگ ہمیشہ سے ایسے ہی شامل رہی تھی جیسے تین وقت کا کھانا۔ خواہ بارش ہو، آندھی طوفان یا دھوپ۔ گھر سے قدرے فاصلے پر بنے اس اسٹیڈیم میں آنا ہے اور ضرور آنا ہے ساتھ ممی اور ڈیڈی اور ان تینوں کی فٹنس کا سب سے بڑا راز بھی یہ صبح خیزی اور جاگنگ تھی۔ تیز بھاگنے اور صبح النہار میں رچ کر آسمان سے گرتی شبنمی بوندیں، اس کے چہرے کو مزید گلنار بنا رہی تھیں، یہ اندازہ لگانا مشکل تھا ٹریک سوٹ کا رنگ زیادہ گہرا ہے یا اس کے رخساروں کا۔ تپتے کانوں کی لو اور رخساروں کے ساتھ وہ ابھی بھی بھاگ رہی تھی تھکاوٹ اس کے دور تک نہیں تھی۔ وہ مزید چکر لگانا چاہتی تھی مگر جیسے ہی اس کے کانوں میں ازمیر کی آواز آئی۔

"روائیبہ... کم آن... اب چلتے ہیں ڈیئر۔" اس کے اچھلتے قدم قدرے ڈھیلے ہوئے اس نے گردن پھیر کر پیچھے دیکھا تھا۔ جہاں ایک بینچ کے پاس ازمیر، مریم اور جندب کھڑے باتوں میں مصروف تھے۔ اسے ڈیڈی کی یہی بات ناپسند تھی ہمیشہ بینچ کے قریب رکتے ہیں تاکہ فوراً" سے بیٹھ جائیں۔

"اولڈ مین" اس کی بھنوؤں میں خفگی سمٹی تھی وہ رکی پھر ان کی جانب ہی مڑ گئی۔ یہ بیضوی شیپ کا چرچل اسٹیڈیم ان کے فلیٹ کے کچھ قریب ہی تھا۔ اسی لیے اکثر اوقات یہاں ہی آ جاتے۔ یہاں سے جندب کا ہوسٹل بھی زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ اسی لیے وہ بھی صبح صبح ایکسرسائز کے لیے ادھر ہی آتا تھا۔ اسی بہانے اس کی ملاقات ان تینوں سے ہو جاتی۔ وہ اپنے وائٹ ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے آہستہ آہستہ اسی کی جانب قدم بڑھانے لگا۔ ازمیر اور مریم بھی اس کے ساتھ چل رہے تھے۔ سمندر سے اٹھتی ٹھنڈی ہوا سے ان تینوں کے بال اور ٹراؤزرز کے پائنچے پھڑپھڑانے لگے۔ وہ جاگنگ اسٹائل میں ہی اچھلتی ان کی جانب آ رہی تھی۔ اچھلتے ہوئے اس کی سنہری مائل اونچی پونی ٹیل گردن کے دائیں بائیں چھوتی۔

"اوکے..."

ان کے قریب پہنچ کر وہ تھوڑا سا جھکی اور لمبی سانس کھینچ کر اپنا تنفس بحال کیا تھا۔ دوران خون تیز ہونے اور ڈھیروں آکسیجن اندر بھرنے سے چہرہ مزید سرخ ہو گیا۔ ایک صبح کا وقت اور کچھ وکٹوریہ کی ٹھنڈ کا اثر۔

"ہائے... ہاؤ آر یو؟" روائیبہ کے ہاتھ بڑھانے پر اس نے اپنا ہاتھ جیب سے نکالا اور مصافحہ کیا۔

"ویری فائن... اینڈ یو۔"

"فرسٹ کلاس۔" وہ کندھے اچکا کر ازمیر اور مریم کے بیچ خواہ مخواہ جگہ بنا کر گھس گئی تھی۔

وہ چاروں سفید ٹریک پر چلتے ہوئے اسٹیڈیم سے باہر آ رہے تھے ازمیر نے اپنا ایک بازو جندب کے شانوں پر رکھا ہوا تھا اور دوسرا روائیبہ کے۔ مزے سے کوئی قصہ سناتے ان کے بیچ چل رہے تھے۔ جبکہ مریم روائیبہ کے ساتھ تھیں۔ اسٹیڈیم کی سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ یک لخت درمیان سے نکلی اور ماربل کے اسٹیپ پر اچھلتے ہوئے ننھے کوالہ کو جھک کر اٹھا لیا۔ ننھا منا سا یہ گرے جانور آسٹریلیا میں ایسے ہی دکھائی دیتا ہے جیسے ہمارے ہاں پالتو بلیاں۔ روائیبہ کو اس معصوم جانور پر بہت ہی پیار آتا تھا اسے دیکھ کر ایسے ہی بے قابو ہو کر گود میں بھر لیتی تھی۔ اس وقت بھی اسے گود میں لیے اس کی پشت کے بالوں کو سہلاتے مڑ کر جندب کو دیکھا تھا۔ وہ دبی مسکراہٹ کے ساتھ خفیف۔ بھنوئیں سمیٹے ایسے گھور رہا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔

"اوں ہوں... تم نہیں بدلوگی۔" اس کی خفا نظروں کے جواب میں اس نے کندھے اچکائے۔

"اوکے 'یوں ہے تو یوں ہی سہی۔" ازمیر کے ہاتھ اب اپنے اپر کی جیبوں میں تھے اور مریم سے ناشتے کے حوالے کوئی بات کرتے ان کی جانب ہوئے تب ہی وہ تیز قدموں سے اس کی جانب بڑھا تھا اور سرگوشی کی تھی۔

"ایک تو یہ بے چارہ اتنا معصوم جانور 'اوپر سے تم اٹھالیتی ہو.... قسم سے دونوں بہن بھائی لگتے ہو۔"

"یو کنگرو کہیں کے...." اس نے اپنا مکا اس کے کندھے پر برسانا ہی چاہا تھا کہ گرفت ڈھیلی ہونے پر کوالہ بے چین ہو گیا غالباً" یوکلپٹس کے درخت سامنے تھے جو اس کی پسندیدہ غذا تھے' روائیبہ نے اسے درخت پر اچھال دیا تھا۔ فٹ پاتھ کے ساتھ لگے درختوں کے درمیان جنگلی پھولوں کی باڑ سے جندب نے ایک لمبی ٹہنی والا للی (پھول) توڑا اور اس کی جانب بڑھایا تھا۔

"کس لیے؟"

"بھائی کوالہ کو زندہ چھوڑ دینے کی خوشی میں۔" اس کا ذو معنی کورنش.... وہ جھلا گئی۔ اور پھول زور سے کوالہ کی جانب اچھالا تھا۔

"پھوبھائی کی خوشی بھائی کو ہی منانے دو۔"

"اے۔" وہ اسے پکارتا رہ گیا لیکن وہ تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی تھی۔

ازمیر نے آج پھر جندب کو اپنے ساتھ ناشتے کی آفر دی تھی جو بلا چوں و چراں اس نے قبول کی۔ ہوسٹل ان کے فلیٹ کے قریب ہونے کا وہ یہ فائدہ ضرور اٹھاتا تھا' مہینے میں کم و بیش دس دن تو ان کے ہاں ہی کھانا کھانے آتا تھا۔ روائیبہ نے کئی بار تمام لحاظ بلائے طاق رکھ اسے آفر دی تھی۔

"جہاں دس دن ادھر طعام کرتے ہو' مزید بیس دن بھی گزار لیا کرو.... ایک کمرہ دے دیتے ہیں اور پہنٹنگ گیسٹ کے طور پر آجاؤ.... ہوسٹل میں بھی تو بھرتے ہو۔"

"ہاں آنٹی.... روائیبہ کا گیسٹ والا آئیڈیا ٹھیک ہے۔"

"جسٹ گیسٹ نہیں.... پینٹنگ گیسٹ۔" اس نے پینٹنگ پر خاصا زور دیا تھا اور اتنا ہی زور سے اس نے قہقہہ لگایا۔

"ہاں تو جب پے آنے لگے گی' پے کر دوں گا.... فی الحال تو میں اسٹوڈنٹ ہوں .... کچھ رعایت ہونی چاہیے۔"

"بس پھر یہی رعایت ہے تمہارے لیے' باقی دس دن بھی ہوسٹل ہی میں کھایا کرو.... انڈر اسٹینڈ۔" وہ کہہ کر اٹھ جاتی اور وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر مریم سے فرمائشی ڈشز بنوا کر کھاتا تھا۔ اس وقت بھی ازمیر کے کہنے کی دیر تھی۔

"جندب بریک فاسٹ ہمارے ساتھ کرنا۔"

اس نے ایک لمبی لسٹ مریم کو سنانی شروع کر دی تھی۔ اور وہ جل جل گئی۔ لسٹ کے فل اسٹاپ پر گھوم کے بولی تھی۔

"اور اس سارے مینو میں 'میں آپ کی مدد نہیں کرنے والی۔"

"ارے.... تم کس مینو میں مدد کرتی ہو۔" مریم کی آواز کے ساتھ آنکھوں میں بھی استہزا تھا۔

"کرتی ہے.... میری بیٹی بالکل مدد کرتی ہے۔" اب وہ فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر آچکے تھے۔ ازمیر لاک کھولتے بہت ذو معنی لہجے میں بولے تھے۔

"تم نے میری بیٹی کو پھوہڑ سمجھ رکھا ہے کیا؟"

"پھوہڑ....!!!" لفظ کی سمجھ تو روائیبہ کو بھی نہیں آئی تھی البتہ حیرت سے دہرایا صرف مریم نے تھا۔

ازمیر نے تصحیح کر دی۔" ال مینرڈ۔"

"واٹ.... ڈیڈی آپ نے مجھے ال مینرڈ کہا۔"

اس سے پہلے کہ وہ برا مانتی جندب نے اسے مزید برا ماننے پر اکسایا تھا۔

"صرف کہا نہیں ہے مادام.... سند بخشی ہے۔"

ازمیر' مریم کی تائیدی مسکان پر وہ جھلا کر رہ گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

چھوٹے سے لاؤنج کے صوفے پر وہ پورے

استحقاق سے بیٹھا ازمیر سے باتوں میں مصروف تھا۔ ایل سی ڈی پر چلتا کوئی پروگرام ان کے زیر بحث تھا۔ مریم کچن میں جلدی جلدی ناشتے کے سازو سامان سے نبرد آزما ہو رہی تھیں جبکہ روائیبہ بہت دیر تو سلیب سے ٹیک لگائے سینے پر ہاتھ لپیٹے کھڑی انہیں دیکھتی رہی' اس کا مکمل ارادہ تھا کہ مریم اگر اسے ایک پلیٹ بھی اٹھانے کا کہیں گی تو وہ فوراً" یاد دہانی کروائے گی اس نے تو آج تک کبھی مدد کی ہی نہیں مگر مریم بھی اپنے نام کی ایک ہی تھیں اسے نظر انداز کیے مکمل مگن تھیں۔ بالآخر وہ بول ہی پڑی۔

"آملیٹ میں بنا دوں۔"

"میرا خیال ہے کسی نے کہا تھا وہ مینو میں مدد نہیں کرنے والی۔" وہ ہنسی دبا کر بولی تھیں روائیبہ نے شانے اچکائے۔

"میں کون سا' اس مسٹر کے لیے بنا رہی ہوں۔ ڈیڈی کے لیے بنانے لگی ہوں۔" اس نے فریج سے اولیوز جار نکالا اور باریک باریک چورا کر کے ایک باؤل میں ڈالا پھر انڈوں میں مختلف مسالے اور چیز ملا کر انہیں پھینٹنے لگی بے شک اس کی کوکنگ کبھی اچھی نہیں رہی تھی مگر جب بھی مریم کوئی ڈش بناتیں وہ ایسے ہی چھوٹے چھوٹے کاموں میں ان کے ساتھ لگ جاتی تھی جب تک آملیٹ تیار ہوا مریم نے سارا سامان ٹیبل پر لگا دیا تھا۔ اس نے نوٹ کیا تھا می جب بھی باہر ٹیبل پر کچھ رکھنے جاتیں کچھ دیر لگا کر آتی تھیں۔ جندب اور ازمیر کی جانب جھک کر کچھ آہستگی سے سرگوشی کرتیں تینوں کے تائیدی سر ہلتے اور پھر بات ختم۔ جب تک وہ آملیٹ کی پلیٹیں لے کر آئی ان کا موضوع ناشتا ہی تھا۔ تینوں ڈائننگ کی کرسیاں سنبھالے فرنچ سلائس اور رات مریم کے بنائے کیک کی تعریف کر رہے تھے۔

"واہ آنٹی زبردست' یہ ہوتا ہے کیک..." جندب نے ایک بڑا ٹکڑا اٹھا کر اپنے منہ میں بھرا۔

"نہیں بھئی نہیں... میری ڈول نے آملیٹ زیادہ لذیذ بنایا ہے۔" ازمیر نے اولیوز آملیٹ کی پلیٹ اپنی جانب کھسکائی وہ محسوس کر گئے تھے روائیبہ کا منہ مسلسل بنا ہوا ہے... کوئی اس کی تعریف نہیں کر رہا' کچھ اسپیشل نہیں کہہ رہا ناشتے کی ٹیبل پر اچھا خاصا اہتمام تھا مگر مریم بار بار ایسے ظاہر کر رہی تھیں کہ ایک معمول کا ناشتا ہے... حالانکہ وہ ایک معمول کا ناشتا نہیں تھا کم از کم اس کے لیے... وہ ازمیر کی پشت پر کھڑی تھی کہنیاں کرسی کی بیک پر ٹکی تھیں۔ اس نے کوئی تیسری بار پوچھا تھا۔

"ڈیڈی آملیٹ اچھا بنا ہے... نا۔"

"گڈ... زبردست۔" انہوں نے نوالہ چباتے ہی کہا جندب فوراً" بول پڑا۔

"بالکل بھی نہیں... چیز سارا میلٹ ہو گیا ہے' ٹیسٹ ہی نہیں آ رہا۔" اس کے بدمزا منہ بنانے پر' مریم نے حظ اٹھایا جب کہ ازمیر مسلسل سر دھنتے رہے۔

"تم لوگ جیلس ہو رہے ہو' میری بیٹی کی کوکنگ ہے... اتنا زبردست ٹیسٹ... سب کک فیل ہو گئے۔ مریم تم بھی فیل ہو گئی ہو... کوکنگ زیرو۔" انہوں نے باقاعدہ انگشت اور انگوٹھے سے دائرہ بنا کر کہا تھا اور وہ خوش ہونے کے بجائے نروٹھے پن سے بولی تھی۔

"اور آپ بھی فیل ہو گئے ہیں ڈیڈی۔"

"کیوں؟"

"کیوں کہ آپ کو آج کی ڈیٹ تک یاد نہیں۔"

"کیا مطلب ڈیٹ یاد نہیں۔" نپکن سے لب تھپتھپاتے سارا تحیر آنکھوں میں امڈ آیا اور جندب سے مخاطب ہوئے۔

"کیا ڈیٹ ہے بھئی آج... یار' کیا آج کچھ اسپیشل ہے۔" نپکن پلیٹ میں رکھا اور اسے مڑ کر دیکھا تھا اس کی گہری آنکھوں میں ہنوز نروٹھا پن تھا۔

"یار بوڑھا ہو گیا ہوں... کچھ یاد نہیں آ رہا۔"

"آپ کو یاد نہیں آ رہا یا آپ یاد کرنا نہیں چاہ رہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"ایک منٹ۔" جندب نے چائے کا سپ لے کر انہیں چپ کروایا۔ "میں بتاتا ہوں' اکچوئلی انکل

..... آج میڈم روائیہ کے بھائی ..... آئی مین کوالہ نے یوکلپٹس کے بجائے للی کو فوقیت دی ..... کیوں ڈیئر۔" اس کا جی چاہا ناشتے کی ساری ٹیبل جندب پر الٹ دے۔

"کوئی فائدہ نہیں ہے' کسی کو کچھ یاد دلانے کا ..... میری کوئی اہمیت ہی نہیں ہے' مجھے کوئی یاد رکھنا ہی نہیں چاہتا ..... تو جائیں مجھے بھی کسی کی پروا نہیں۔"

اس نے ٹیبل سے اپنا ناشتا اٹھایا اور صوفے پر پاؤں اوپر کیے ٹھس بیٹھ گئی چہرے پر شدید خفگی کے آثار تھے۔ وہ تینوں اس کی اس خفگی سے محظوظ ہوتے تھے اور اس وقت بھی محظوظ ہوتے نظروں کا تبادلہ کیا۔

"وہ حقیقتاً "ناراض ہو گئی ہے۔" مریم نے کہا تھا۔

"خیر سے ..... مان جائے گی۔" جندب کو یقین تھا البتہ ازمیر ایکٹنگ کی انتہا پر ہی رہے۔ بہت اطمینان سے اٹھے۔ اپنی چابیاں' موبائل والٹ اور چند دوسری چیزیں سمیٹ کر مریم سے مخاطب تھے۔

"آج لنچ' ڈنر پر میرا انتظار مت کرنا' مجھے دیر ہو جائے گی ..... سب ٹیچرز کی میٹنگ ہے اور پھر شام میں ایک دوست کی جانب پارٹی میں جانا ہے ..... اور ہاں .....'' وہ کف کے بٹن بند کرتے لمحے بھر کو رکے کن انکھیوں سے اسے دیکھا وہ بڑا سا نوالہ منہ میں رکھے غصے سے چبا رہی تھی اس کے ماتھے پر کٹے چھوٹے بالوں سے بھی خفگی کی تیوری واضح جھانک رہی تھی۔

"تم نے گروسری کرنی تھی ..... ایسا ہے روائیہ کو آج اسکول سے چھٹی کروالو ..... ساتھ لے جانا ..... کیوں ڈول۔" اس نے نتھنے پھلاتے انہیں تند نگاہ سے دیکھا' جھولی میں دھری پلیٹ صوفے پر پٹخی اور لڑنے کے انداز میں ان کے روبرو کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ یہ اتنی ایکٹنگ کس خوشی میں کر رہے ہیں۔"

"کیسی ایکٹنگ۔" جندب جو گھر سے جانے کو تیار کھڑا تھا اور خاصے فاصلے سے تھا بنا مخاطب ہوئے بھی کسی خاموش کردار کی طرح کندھے اچکاتے ایسے ظاہر کر رہا تھا جیسے اسے بھی کچھ معلوم نہیں۔

"آج میرا برتھ ڈے ہے۔"

"اوہ شیٹ ....." ازمیر نے زور سے انگلیاں ماتھے کو چھوئی تھیں "میں بالکل بھول گیا ..... مگر تمہیں یاد دلانا چاہیے تھا۔ بالکل ویسے جیسے بچپن میں کرواتی تھیں ....." وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے تھے۔

آج بھی یاد تھا جیسے ہی فروری کا مہینہ شروع ہوتا روائیہ صبح و شام کسی ورد کی طرح 28 فروری' 28 فروری دہراتی رہتی تھی ..... اسے یہی فکر رہتی تھی کہیں ممی ڈیڈی بھول نہ جائیں اور اس کا گفٹ مس ہو جائے حالانکہ یہ بھولنے والی تاریخ نہیں تھی۔ ان کی زندگی کی سب سے بڑی مراد جس کے پورا ہونے کا کم از کم ازمیر کو بالکل یقین نہیں تھا۔ شادی کے بعد گیارہ سال تک وہ خود کو اور مریم کو یہ باور کرواچکے تھے۔

"ہم یونہی رہیں گے ..... تنہا اکیلے ..... مت علاج کے لیے خوار ہوا کرو۔"

"کیوں ....."

مریم الجھنے لگتیں "اللہ نے علاج میں شفا رکھی ہے۔"

"ہاں' ان لوگوں کے لیے جو بیمار ہوں ..... یا کمی ہو ہم میں نہ تو کمی ہے' نہ بیماری ..... ہم صرف اپنے کیے کے حصار میں ہیں۔"

"ازمیر تم کیوں نہیں سمجھتے' ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔" مریم روہانسی ہو جاتیں۔

"لیکن ہماری وجہ سے کئی گناہ ضرور ہوئے ہیں۔" ان کا ڈوبتا لہجہ اس بات کا گواہ تھا انہوں نے مایوسی کو قسمت سمجھ لیا ہے ..... اور قسمت سے صرف سمجھوتہ ہی ہو سکتا تھا بین' بددعائیں' بدلحاظی نہیں چلتی ..... اور اسی سمجھوتے میں روائیہ کی آمد کا پتا ایسے تھا جیسے انہیں پھر سے جوان ہونے کی خبر مل گئی ہو ..... بار بار اپنے اور مریم کے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھتے' پیشانیوں کو پڑھتے اور پھر سر جوڑ کر رونے لگ جاتے۔

"مریم کیا ہم اس قابل ہیں' ہمیں اللہ نے معاف کر دیا ہے۔"

"تم کیوں نہیں سمجھتے ازمیر۔ ہم نے گناہ نہیں کیا۔"

"چلو جو گناہ ہماری وجہ سے ہوئے 'کیا وہ دھل گئے ہیں جو اللہ ہمیں نعمت سے نواز رہا ہے۔" پھر اگلا خیال یہی ابھرتا تھا "کہیں یہ کوئی نئے سرے سے آزمائش تو نہیں آرہی۔"

"نہیں... ہمارا رب بہت کھلے دل کا ہے' وہ ہمارا ضبط اور صبر دیکھ کر ہمیں نواز رہا ہے۔ اپنے انعام سے۔" انہی بے یقینی کے آنسوؤں میں 28 فروری کو روائیبہ کی آمد ہو گئی۔ ماں باپ کے بے انتہا لاڈ چونچلوں میں وہ جیسے جیسے بڑی ہوئی اسی بات پر شکر کرتی تھی ایک دن لیٹ نہیں ہو گئی ورنہ سالگرہ جس کا اسے شدت سے انتظار رہتا تھا تین سال بعد ہی آتی۔ اب وہ اتنی بھی بڑی نہیں ہو گئی تھی کہ ہر سال آنے والی یہ تاریخ ڈیڈی کو بھول جائے وہ ازمیر کو گھر کتے ہوئے بولی تھی۔

"ڈیڈی... میرا خیال ہے میں بچپن میں ہی ہوں ––"

"ارے... پھر فروری شروع ہوتے نعرے کیوں نہیں لگنے شروع ہوئے۔" جندب پیچھے سے جواب دے کر تیزی سے خارجی دروازے کی جانب بڑھا تھا اسے کالج سے دیر ہو رہی تھی۔ اس نے اشاروں کناروں میں ہی مریم کو خدا حافظ کہا تھا اور شاید کچھ اور بھی جو کم از کم روائیبہ نہیں سمجھ سکی۔

ازمیر کو بھی دیر ہو رہی تھی انہیں اسکول جلدی پہنچنا ہوتا تھا وہ پہلی کلاس لیتے تھے۔ وہ پیار سے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولے تھے۔

"ہمارے لیے تو تمہارا بچپن کبھی ختم نہیں ہو گا' میری جان... مگر تمہارے لیے اب وہ ختم ہو جانا چاہیے۔ سولہ سال کی ہو چکی ہے میری پرنسز۔" انہوں نے اس کے نرم بالوں پر بوسہ لیا وہ بھی زور سے لپٹی کھڑی تھی۔

"چھوڑو اب ڈیڈی کو... دیر ہو جائے گی۔" مریم نے کچن کاؤنٹر پر کھڑے ان دونوں کی والہانہ محبت دیکھی تو وہاں سے ہی بولی تھیں۔ وہ دونوں مسکراتے ہوئے الگ ہوئے تھے ازمیر اپنا کوٹ اتارتے دروازے کی جانب بڑھے تب مریم کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر تیزی سے ان کی جانب بڑھیں "اللہ حافظ" کہتے ازمیر کی جانب جھک کر کچھ سرگوشی کی تھی۔ جس کی صرف سنسناہٹ کچھ فاصلے پر کھڑی روائیبہ سن سکی اور ہضم نہ ہوئی۔

"مادام مریم چھوڑو اب میرے ڈیڈی کو... یقیناً انہیں دیر ہو جائے گی۔" اس کی جوابی یاد دہانی پر ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اسے... ہونٹوں پر ہنسی بکھر گئی۔

"میرا خیال ہے 'اب یہ ہماری ممی بن رہی ہے۔" مریم انہیں اللہ حافظ کہتے ذرا پیچھے ہٹ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

مریم کچن میں پھر سے کھٹر پٹر کرنے لگ گئی تھیں بہت سا سامان کاؤنٹر پر بکھرا تھا۔ روائیبہ نے ڈیڈی کے جاتے ہی بابلند آواز اعلان کر دیا تھا۔

"مجھے ڈیڈی آج چھٹی کا کہہ کر گئے ہیں۔ اس لیے مجھے کوئی اسکول کے لیے فورس مت کرے... ورنہ اسے شرمندگی ہو گی۔"

اس کا اعلان سننے کے لیے گھر میں اس وقت صرف مریم ہی تھیں اور یہ دونوں اپنے دلی پیغامات ایک دوسرے تک پہنچانے کے لیے ایسے اعلانات کرتی رہتی تھیں۔ وہ اس کی بات سنی ان سنی کر' اپنے کام میں مصروف رہیں۔ چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں تشکر کی جھلملاہٹ ہنوز تھی ایسے جیسے وہ بہت خوش ہوں اور اپنی خوشی کچن کی ہر چیز سے شیئر کر رہی ہوں۔ کچھ ہی دیر میں لاؤنج سے ایک اور اعلان گونجا تھا۔

"کسی کو میرا برتھ ڈے یاد ہو' یا نہ یاد ہو' مجھے کوئی وش کرے یا نہ کرے۔ مگر مجھے یاد ہے اور میں خود کو وش بھی کر چکی ہوں۔"

کاؤنٹر سے کوئی جواب نہیں آیا صرف خفیہ

مسکراہٹ۔ "اور میں اپنی فرینڈز کو گھر پر انوائٹ بھی کر چکی ہوں۔"

مریم کی بھنوئیں تحیر سے کچھ سمٹیں مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی "آج شام وہ میرے گھر پر ہوں گے... ٹی پارٹی پر... اور یہ میں کسی کو نہیں سنا رہی... خود کو یاد دلا رہی ہوں۔" اب مریم کا چپ رہنا مشکل تھا۔ وہ اسی انداز میں بولی تھیں۔

"اور میں یہ اپنے کچن کے سامان کو بتا رہی ہوں۔ مجھے دو گھنٹے بعد گروسری کے لیے نکلنا ہے... کچن کا سامان ختم ہو رہا ہے... وہاں سے آ کر مجھے مسز ویلسن سے ملنے جانا ہے' وہ بیمار ہیں' عیادت بنتی ہے۔"

انہوں نے کیک کا میٹر ایک باول میں ڈال کر اوون میں رکھا ٹمپریچر سیٹ کرتے ہوئے بھی اپنی بات جاری رکھی تھی۔ "تب تک شام ہو جائے گی اور میرے ہزبینڈ کے آنے کا ٹائم ہو گا... سو مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے' مجھے ان سے بہت سی باتیں کرنا ہوں گی پورے دن کی... اور ہاں... " وہ کچھ دیر رک کر پھر سے بولی تھیں "میری بیٹی میرے ساتھ گروسری کرنے جا رہی ہے۔ سامان زیادہ ہو گا' وہ اٹھانے کے لیے... میں اب بوڑھی ہوتی جا رہی ہوں۔" اس اعلان در اعلان اسے حقیقتاً غصہ آیا تھا۔ مانا پہلے یاد نہیں تھا اب بتانے پر بھی اس قدر ڈھٹائی اور وہ اس سب کا کیا کرے جو اپنے فرینڈز کو کل ہی چائے کی دعوت دے چکی تھی وہ سب تو گھر پر دھاوا بول دیں گے اور یہاں پھیلا ہو گا گروسری کا سامان۔

"واٹ... " وہ ساری اجنبیت بالائے طاق رکھ تن فن کرتی کچن میں آئی تھی۔

"کیا ہے یہ سب... میں کہیں نہیں جانے والی... آپ جانتی ہیں میرا برتھ ڈے ہے' اپنے فرینڈز کو انوائٹ کر چکی ہوں... مجھے کچھ اہتمام کرنا ہے۔"

مریم پیٹھ کیے اپنے کام میں ایسے مشغول تھیں جیسے وہ یہ سب انہیں نہیں بلکہ کچن کے ساز و سامان کو بتا رہی ہو۔

"ممی... میں اس وقت آپ سے مخاطب ہوں۔" مریم کے ہونٹ سختی سے بھنچے تھے ردائبہ کی نگاہ ماں کی پشت سے اس کام پر گئی جس میں وہ محو تھیں سارے کاؤنٹر پر بہت سا پھیلاوا تھا مختلف سبزیوں کے پیکٹس' لزانیہ کے ڈبے' کیک کا بچا کھچا سامان' چکن مسالا جات یہ پھیلاوا معمول کے لنچ یا ڈنر کا قطعاً "نہیں تھا اسے فوراً" سمجھ آ گئی۔

"ممی... " اس نے پیچھے سے جا کر انہیں اپنی جانب گھمایا تھا۔

ہلکے سنہرے بالوں والی سنہری سی مریم بے تحاشا ہنسی روکنے کے چکر میں گلابی پڑ رہی تھیں اس کی جانب مڑتے ہی ساری ہنسی ابل پڑی۔ اس طرح ہنستے ہوئے آج بھی وہ ستائیس سال پہلے والی مریم لگ رہی تھیں جو ایسے ہی بے تحاشا ہنستی تھیں۔ اگر اس وقت ازمیر گھر پر ہوتے تو یقیناً "ان کا جانا مشکل ہو جاتا۔ بھلے وہ دونوں پچاس کا ہندسہ پار کر چکے تھے مگر آج بھی ایک دوسرے کو دیکھ کر ایسا محسوس کرتے تھے شاید گرین ڈیم میں ہونے والی یہ پہلی ملاقات ہے۔

"ممی... مجھے تنگ کر کے آپ کو کیا مل رہا ہے۔" اس کی خفگی لہجے میں تھی۔

"مزا... " ان کا یک لفظی جواب اسے تپا گیا وہ پاؤں پٹخ پلٹی تھی۔

"اس گھر میں رہنے والے' سب بہت برے ہیں۔" لاؤنج میں کھڑے اس نے ایک اور اعلان کیا جس کا جواب مریم نے با آواز بلند دیا تھا۔

"انکشاف کا شکریہ... لیکن صرف تم اور تمہاری ماں... ازمیر اس برائی میں نہیں آتے۔"

"کیوں... " ناراضی میں ہی سوال ہوا۔

"کیوں کہ وہ بہت سے زیادہ برے ہیں۔" ان کی لا یعنی نوک جھوک کا سلسلہ تھمنے والا نہیں تھا جو بہت دیر تک چلتا رہا تھا۔ اسی دوران مریم نے کچن کے بہت سے کام نبٹا لیے تھے۔ اور وہ صوفے پر چڑھی غباروں پر غبارے پھلا رہی تھی۔ تیز میوزک پر جھولتی گردن اس بات کی غماز تھی وہ خوش ہے اس کی سالگرہ سیلیبریٹ کی جا رہی ہے۔ دن کا سورج پوری طرح سارے شہر کو چمکا چکا تھا۔ مریم کی کمرے' کچن کی پریڈ

کچھ کم ہوئی تو اسے غباروں سے الجھتے دیکھ کر ڈپٹا تھا۔
"تم تھکی نہیں... کب سے لگی ہو۔ اور اٹھو ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔"
"ابھی سے کیوں۔" اس نے دوسرے غبارے پر بینڈ چڑھا کر کارپٹ پر پھینکا ایک اور پیکٹ سے نکال لیا
"میں نے چار بجے کا ٹائم دیا ہے۔"
"اس ٹائم کو چھوڑو... ہم کہیں جا رہے ہیں۔"
"کہاں...؟"
"سرپرائز ہے۔"
"لیکن میں نے اپنے فرینڈز کو بلوا رکھا ہے' وہ کیا کہیں گے۔"
"وہ ڈور لاکڈ دیکھ کر چلے جائیں گے۔" مریم نے کہتے ہوئے تمام چیزیں سینٹر ٹیبل پر اکٹھی کرنی شروع کر دی تھیں۔ اور اس کی شکل پر پھر سے مایوسی چھا گئی۔ غصہ پھر عود کر آیا۔ یعنی کہ اس کے انویٹیشن کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے' اس کے فرینڈز آئیں بند دروازہ دیکھ کر اسے گالیاں دیں اور چلے جائیں اور پھر اسکول میں سب کے سامنے دہرے ہو ہو کر اس کا مذاق اڑائیں کہ ٹریٹ دیتے اس کی جان نکلتی ہے۔
میرڈین کی ہنسی تو پھر قابل برداشت تھی ایک تو وہ لڑکی تھی پھر بیسٹ فرینڈ مگر سیاہ فام اسمتھ جسے وہ غصے میں بلیک اسمتھ کہتی تھی گہرے سیاہ رنگ پر اس کے چمکتے سفید دانت تصور میں آتے ہی پہلے سے زیادہ برے لگے مگر مریم کسی صورت نہ مانیں۔ بس جانا ہے تو جانا ہے۔ دوستوں کا کیا ہے' کل معذرت کر لینا' کل معذرت سے بہتر تھا وہ آج فون پر جھوٹ بول دیتی۔
اس نے سب سے پہلی کال اسمتھ کو کی تھی۔ پہلی ٹون پر ہی اس نے ریسیو کر لی۔
"ہیلو!"
"اے... ہیلو... برتھ ڈے پروگرام کینسل ہو گیا ہے' میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے' ہاسپٹل جانا ہے۔" اس کی انگریزی میں کی گئی معذرت کو وہ انگریزی میں ہی لتاڑ رہا تھا۔
"تم جیسی ڈفر سے یہی توقع تھی' اب میں گفٹ خرید چکا ہوں' تو مہربانی کر کے کل کیک کے پیسے لے آنا گفٹ لے لینا۔" اس نے فون کھٹ سے کاٹ دیا۔
دوسری کال' میرڈین اور جندب کو کرنا تھی۔ وہاں سے بھی اسی قسم کی باتیں سننے سے بہتر تھا وہ آئیں اور غائبانہ گالیاں دے کر چلے جائیں۔ اس نے ان سے معذرت نہیں کی بلکہ نا چاہتے ہوئے بھی اپنے کمرے کی جانب تیار ہونے کے لیے بڑھی تھی۔ تب مریم نے کہا تھا۔
"میرے بیڈ پر کسی کے لیے کچھ رکھا ہے' پہلے وہ دیکھا جائے۔" افسردہ دل میں تجسس ابھرا اور رخ ان کے بیڈ روم کی جانب کیا۔ بیڈ کی پائنتی پر سرخ سگار ٹراؤزر فیروزی ٹاپ کے گلے پر سرخ بڑے بڑے اسٹونز سے ہار نما ڈیزائن بنا تھا' بمع ہلکی پھلکی سرخ جیولری اور سرخ اسٹریپ والی سینڈل... یعنی ریڈ ڈے روز۔
"زبردست..." اس کی بے داغ سنہری رنگت پر سرخ رنگ بہت کھل کھل جا رہا تھا۔ کندھوں تک آتے اس کے سیدھے بال کھلے تھے' ماتھے پر کٹے بال اس نے سائڈ پف میں بدل لیے ہلکے پھلکے تیار سرخ گلاب پر مریم کو بے طرح پیار آیا۔ وہ ساری چیزیں سمیٹ کر فلیٹ سے نکلے تھے۔ دروازے کے قریب لٹکا مریم کا رین کوٹ انھوں نے اتار کر بازو پر ڈال لیا تھا۔ دروازے کے ساتھ ایک طاقچے نما لکڑی کی سلیب تھی جس پر پھولوں کے گلدان کے ساتھ روائیبہ کی سرخ نیل پالش اور لپ اسٹک ہمہ وقت رکھی رہتی تھی۔ اس نے گزرتے ہوئے وہ اٹھائی اور ٹاپ کی پاکٹ میں رکھ لی۔ سرخ لپ اسٹک اس کا جنون تھا۔

☆ ☆ ☆

ان کا فلیٹ عمارت کی نویں منزل پر تھا۔ اسی لیے وہ برقی سیڑھی سے پارکنگ لاٹ تک آئی تھیں۔ اور انڈر گراؤنڈ بنے پارکنگ لاٹ سے اپنی گاڑی نکالی اور عمارت سے باہر آگئیں۔ چھوٹی سڑک عبور کر کے اب

گاڑی اوپر ہائی وے کی بڑی سڑک پر رواں تھی۔ سورج اپنے دن کا آدھا سفر مکمل کر چکا تھا۔ فٹ کے دونوں جانب اچھا خاصا رش تھے۔ آسٹریلیا میں سردی ابھی خاصی دور ہی تھی۔ لیکن پھر بھی موسم ان دنوں خاصا بے اعتبار سا تھا کچھ لوگ احتیاطاً "کوٹ پکڑ" لیتے تھے۔ اور کچھ کو جاتی گرمی اس قدر بے قرار کر رہی تھی کہ ابھی تک ہاف شرٹس اور شارٹ اسکرٹس میں چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ فروری کے اوائل میں وہاں کا موسم پاکستان کے موسم کی طرح کچھ خوشگوار تھا ان دنوں وہاں سیاح خوب گھومتے پھرتے دکھائی دیتے تھے اور پھر ایک دو ماہ بعد وہاں سردی کا دور شروع ہو جاتا تھا اور مئی جون میں تو باقاعدہ برف باری نے زندگی منجمد کر دینی تھی۔ آسٹریلیا دنیا کا ایک ایسا خطہ ہے جس کا موسموں پر پوری دنیا سے اختلاف ہی رہا۔ جب ہم سردیوں میں لحافوں میں جائے پناہ ڈھونڈتے ہیں وہاں کا ٹمپریچر 30 ڈگری سے اوپر چلا جاتا ہے۔ اور جب دنیا میں لو کا دور دورہ ہو تو وہاں نقطہ انجماد کرتے کرتے گر ہی جاتا ہے۔ بہر حال یہ موسم خوشگوار تھا۔ ان کی گاڑی گریٹ اوشن روڈ کی نیلی بل کھاتی ہوئی ساحلی پٹی پر دوڑ رہی تھی۔ اس صاف سڑک کو دیکھ کر لگتا جیسے نیلا بحرالکاہل دن میں کئی بار ابل کر سڑک کو دھو جاتا ہو۔ سڑک کنارے لگے درختوں کے بیچ جھانکتا ٹھنڈا پانی سفید لہریں اور دوسری جانب نیلے، سبز پہاڑ خاصا دلکش علاقہ تھا۔ یہ گیلونگ اور پورٹ لینڈ کو ملاتی کئی میل لمبی سڑک تھی اور اس کے پار نیلے سبز پہاڑوں پر گھنے جنگل تھے۔ جنگل اور ٹھاٹھیں مارتے سمندر کا شور' اک شاعر کا خواب' اک محبوب کا چور۔۔۔ اور پانی کے بیچ چھوٹی چھوٹی سبز پہاڑیاں کچھوؤں کی مانند سر نکالے کھڑیں ان بے قرار چوروں کو تاڑ لیتی تھیں۔ سمندری لہریں کچھوؤں کے سروں سے ٹکراتیں تو اچھلتے پانی کا شور فضا میں ارتعاش پیدا کر دیتا' پام کے درختوں کے بیچ ہوا سنسناتی سیٹیاں بجاتی۔ فضا جھوم جاتی۔ اسی جھومتی فضا میں ان کی گاڑی تیزی سے ٹرن لیتے ہوئے پورٹ فیری بیچ کی جانب بڑھ گئی۔ یہ وہاں کا سب سے خوب صورت تفریحی پورٹ تھا۔ جہاں سیاحوں کی رونق ہمہ وقت پائی جاتی تھی اور خاص کر چار ماہ کی گرمی گزار لینے کے بعد ان دنوں وہاں لوگوں کا رش لگ جاتا تھا۔ آج بھی خاصا رش تھا۔ مگر مریم کی ڈرائیونگ بہت فاسٹ اور بہترین تھی' بہت بھیڑ میں بھی گاڑی بہت تیزی سے نکال لیتی تھیں۔ ازمیر تو اکثر کہا کرتے تھے۔

"مجھے لگتا ہے مریم' میری موت تمہارے ساتھ سفر میں لکھی ہے۔"

"میرے ساتھ تک کی بات تو ٹھیک ہے ازمیر۔" انہوں نے اونچا قہقہہ لگا کر کہا تھا۔ "لیکن یہ سفر والی بات پر اختلاف ہے' یہ تو دیکھو تم مینوں استغفار نہیں پڑھتے' جو میرے ساتھ چند منٹ کے سفر میں ہزاروں بار پڑھ لیتے ہو۔"

"مائی ڈیئر وائف' میں گھر میں بیٹھ کر ایک لاکھ بار پڑھ لوں گا۔ پلیز رفتار کم کرو۔" اس قہقہے کے طویل ہونے کے ساتھ ریس پر پاؤں کا دباؤ بڑھ جاتا' ازمیر کی استغفار۔۔۔ ایک روائیہ تھی جسے ممی کی ڈرائیونگ بہت پسند تھی۔ سارے سفر میں "اور تیز۔۔۔ اور تیز" کی رٹ لگائے رکھتی۔ یہی وجہ تھی ازمیر نے روائیہ کی ڈرائیونگ پر بہت سختی سے پابندی لگا رکھی تھی۔ ایک تو اس کی عمر کم تھی اوپر سے جس کی بیٹی تھی تو ان کا خیال تھا کہ یہ گاڑی دوڑائے گی نہیں بلکہ اڑائے گی۔ کتنی بار تو مریم کے چالان ہوتے تھے۔ اپنے منتھلی بجٹ سے ایک مخصوص حصہ الگ رکھتے تھے صرف اس کے چالان بھرنے کے لیے۔ یہ تیز بھاگتی گاڑی پکنک پوائنٹ کے قریب آ کر ٹرن لیتے جھٹکے سے رکی تھی۔

روائیہ نے صرف یہی کہا تھا۔ "یو آر سو کلیور ممی۔۔۔"

دور نیلا آسمان سبز سمندر سے گلے ملنے آ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کئی برسوں بعد لوٹ کر آیا تھا۔ اتنے عرصے میں یہاں بہت کچھ بدل گیا تھا۔ جگہ جگہ کئی تبدیلیاں

نمایاں تھیں۔ کم سخن تو وہ بچپن سے ہی تھا مگر وہ پہلی خاموشی خاصی پرکشش تھی۔ اس کی خاموش موجودگی میں اتنی رونق تھی مقابل نظرانداز کیے بنا رہ نہیں سکتا تھا۔ مگر اب اس خاموشی میں ملال نے ڈیرے ڈال لیے تھے۔ اک حزن تھا جسے مکمل قابو میں رکھنے کے باوجود باغی پنا کہیں نہ کہیں سے جھلک جاتا۔ سنجیدہ چہرے کی لکیروں پر کرب کروٹیں بدلتا تھا۔ اک تحریر تھی 'اک ایسی تحریر جو کئی بار پڑھ کر بھی ادھوری تھی 'نامکمل تھی 'کبھی قاری کی سمجھ میں نہ آنے والی اور سونی سیاہ آنکھیں رتجگوں کا غماز بنتی چلی گئیں۔ وہ جس دن سے یہاں آیا تھا بے حد بے چین رہا تھا 'سو نہیں پایا تھا اور شاید عرصہ ہو گیا تھا وہ سکون سے سویا ہی نہیں۔ بس رات کی سیاہی میں پلکوں کا پردہ گرا لیا اور دماغ کو باور کروایا میں نیند میں ہوں۔

نیند جو سکون دیتی ہے 'اطمینان دیتی ہے اور اسے بے چینی بھر دیتی تھی 'ایسی بے چینی اور اپنے اندر کی شکست وریخت کو دوسروں سے چھپانے کے لیے سرد سپاٹ مطمئن نظر آنے کی کوشش میں ہوتا تھا۔ پچھلی رات بھی بے حد بے چینی تھی اپنے کمرے میں بنی دیوار گیر گلاس ونڈو کے سامنے کھڑا رہا باہر کی سرد ہواؤں سے شیشے پر نمی ابھرتی 'دھندلا جاتا۔ اس دھندلے شیشے پر انگلی کی پور سے کچھ لکھتا تھا پھر ہتھیلی سے مٹا دیتا اندر چنگاریاں سلگنے لگتی تھیں۔ سیاہ اندھیرے میں ماضی کے بہت سے مناظر بنتے 'ابھرتے 'مٹ جاتے۔ ماضی جو صرف اک عذاب بن کر رہ گیا تھا۔ اس وقت کھیتوں میں پھرتے ہوئے ماضی کی دھول بار بار چہرے پر گر رہی تھی۔ وہ چلتے چلتے ٹیوب ویل کے قریب پہنچ گیا۔ ٹیوب ویل سے گرتے پانی کا شور 'چھینٹے اور آواز کی کھنک۔۔۔ قریب ہی مزارع کی بیوی کسی بات پر ہنستے ہوئے اپنے شوہر پر پانی اچھال رہی تھی اسے دیکھ کر سنبھلی دوپٹا درست کیا۔ مزارعے نے اٹھ کر سلام کیا تھا۔ اس نے سر کے خم سے جواب دیا اور فوراً" وہاں سے ہٹ گیا بڑی تکلیف محسوس ہوئی تھی اس منظر میں۔

"میرا خیال ہے 'اب گھر چلنا چاہیے۔ دیر ہو رہی ہے۔" اس نے بہت آہستگی سے اسے کہا تھا اس نے تاسف بھری نگاہ سے ان کو دیکھا کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے تھے مگر گھر کی جانب ان کے اٹھتے تیز قدم اسے خاموش کروا گئے وہ گردن گرائے پیچھے ہو لیا۔

☆ ☆ ☆

چار ایکڑ پر پھیلی جدید وقدیم طرز کی حسین حویلی جس کے داخلی گیٹ کے دونوں جانب بڑے بڑے لان تھے۔ بیرونی دیوار کے ساتھ ساتھ کئی فٹ چوڑی کیاریاں بنی تھیں جن میں رنگارنگ پھول 'خاص کر گلاب کی مختلف اقسام اور موتیا قابل ذکر تھا اور اس کے بالکل دوسری جانب لوہے کی سلاخوں سے بنے بڑے بڑے پنجرے تھے۔ جن میں مختلف رنگ ونسل کے پرندے پال رکھے تھے۔ یہ پیٹ ہاؤس حنبل ذکا کا تھا جو اسے بے حد پیارا بھی تھا۔ ایک ایک پرندے کے بارے میں معلومات 'ان کی خوراک 'بڑھوتی ہر ہر بات سے باخبر رہتا تھا۔ ان پنجروں کے پاس سے گزرتا سیاہ و سفید ماربل کے ٹکڑیوں سے بنا ڈرائیو وے راہداری میں بدل کر لان کے بیچ سے گزرتا کوریڈور تک دو حصوں میں بٹ جاتا تھا۔ ایک حصہ داخلی دروازے کے اسٹیپ پر ختم ہو جاتا تھا اور دوسرا حویلی کے پچھواڑے بڑے سے صحن کی طرف چلا جاتا تھا۔ صحن کے ایک طرف سرخ ماربل سے بنا محرابوں والا چوڑا برآمدہ تھا۔ برآمدے میں بچھے رنگین چنیوٹی پلنگ پر آمنہ بیگم براجمان تھیں۔ ان کے قدموں میں نیم گرم پانی کا تسلا رکھا تھا۔ ہاتھ میں جھانواں پکڑے خالہ گلزاری آمنہ بیگم کے صاف ستھرے پاؤں مانجھ رہی تھی صحن کے بیچ و بیچ گندم کا ڈھیر لگا تھا اور اس سنہری ڈھیر پر بہت سی عورتیں چھاج اچھال اچھال کر گندم صاف کر رہی تھیں۔ آمنہ بیگم کی کڑی تیوریاں سب عورتوں پر تھیں تب ہی خالہ گلزاری سے پوچھا تھا۔

"کیا بنا زینب کے رشتے کا؟" ان کی نگاہ زرد چادر

میں لپٹی زینب پر رکی تھی۔ خالہ گلزاری نے بدمزا سا منہ بنایا۔

"کیا بننا ہے... بی بی جی... چار دفعہ آگیا میرا بھائی' ترلے (واسطے) ڈال رہا ہے پر نا جی اس کے پیو کی ضد لڑکے کا کار روزگار نہیں اور بیٹی..." بیٹی لفظ پر خالہ گلزاری نے کٹیلی نگاہ زینب پر ڈالی تھی جو اچھلتے چھاج پر پھونک مار مار گندم کا پھوس اڑا رہی تھی۔

"یہ تو جانے کون سی ہواؤں میں ہے۔ شادی کا نام لو کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے... مامے کا لڑکا اسے پسند نہیں سوکھا سڑا ہے' نائے کا بہت ہی موٹا اور پھوپھی کا تو پھوپھی کی طرح پاگل ہی لگتا ہے... میری بہن رجی کا بیٹا یقین مانو چاند کا ٹکڑا ہے' چاند میں بھی تو داغ ہے اگر اس کے ایک گال پر سیاہ دھبا بن گیا' وہ اس کا قصور تو نہ ہوا نا... چاند گرہن کا نشان ہے قیامت کے دن چمکے گا ... مگر اس کو تو اس سے گھن آتی ہے... خود کون سا پرستان سے اتری حور ہے... اپنا آپ نہیں دکھتا' کالی بندری کہیں کی۔" گلزاری خالہ کی زبان کے آگے خندق تھی ایک بار شروع ہو جائیں گہرائی میں ہی اتر جاتی تھیں اوپر سے خوب پاٹ دار آواز۔ اپنے تذکرے پر زینب نے کئی بار تلخ نگاہ سے ماں کو دیکھا پھر گردن جھٹک کر گندم صاف کرنے لگی۔

"تو تم اس سے پوچھتی کیوں ہو... جہاں کرنا ہے کر کرا کر جان چھڑاؤ۔" خالہ گلزاری نے چھانواں رکھ کر چلو سے آئمہ بیگم کے پاؤں پر پانی ڈالتے ہوئے لمبا ہوکا بھرا تھا۔

"ہک ہا...! اس کی نگاہ میں تین دن پرانا سارا منظر گھوم گیا تھا۔ گلزاری نے اپنے چھوٹے سے گھر کو خوب چمکا کر ہر چیز قرینے سلیقے سے سجائی بنائی تھی۔ بڑی بیٹی جو اسی گاؤں میں بیاہی تھی اسے بھی بلوا رکھا تھا۔ اس کی بہن رجی نے آنا تھا رشتہ لے کر ہر رشتے کو تو انکار کرتی آئی تھی مگر یہاں خالہ گلزاری اور اس کے میاں کا بھی دل تھا رشتہ طے ہو جائے۔ لڑکا اینٹوں کے بھٹے پر مستقل کام کرتا تھا دیکھنے میں بھی اچھا بھلا تھا۔ چھوٹا سا کچا ہی سہی مگر اپنا گھر تھا اور کیا چاہیے تھا پھر بہن پورے ارمانوں کے ساتھ مٹھائی چوڑیاں لے کر آئی تھی۔ مٹھائی کا ڈبا کھلتا دیکھ کر ہی اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ تن فن کرتی کمرے سے نکلی' چھوٹے سے صحن میں ان چارپائیوں کے پاس آکھڑی ہوئی جہاں اماں' ابا' خالہ خالو کے ساتھ خالہ کا شہزادہ بھی بیٹھا تھا اور وہ اس شہزادے سے ہی مخاطب تھی۔

"پورے پنڈ (گاؤں) میں تجھے میں ہی نظر آئی ہوں۔ کبھی شکل دیکھی ہے اپنی شیشے میں' منہ پر جو یہ مکھیوں کا چھتا لیے پھر رہا ہے نا... میں اس کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی... بڑا آیا مٹھائی چوڑیاں لانے والا۔"

اس نے ہاتھ مار کر صاف فرش کو رنگین مٹھائی سے بھر دیا۔ سب کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں گلزاری کا جی چاہا اسی وقت اس کا گلا گھونٹ دے۔ وہ غصے میں اٹھی بھی تھی مگر مزید بدمزگی سے بچنے کے لیے اسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"دماغ خراب ہے اس کا... بعد میں سمجھالوں گا۔"

"خالو رہنے دے۔" قمرالدین غصے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ "وہ خود کو سمجھتی کیا ہے... ہے کیا چیز سوکھی لکڑی ... برادری میں ایک سے ایک لڑکی ہے... میں تو اپنی ماں کے کہنے میں آگیا تھا... چل اٹھ اماں..." اس نے ہونق بنی ماں کو گردن سے اٹھنے کا اشارہ کیا باپ پہلے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ سب زینب کو گھور رہے تھے جو تماشا لگا کر بہت اطمینان سے کمرے میں بیٹھی تھی۔ ان کے جانے کے بعد گھر میں خوب تماشا ہوا تھا۔ اسلم نے چیزیں اٹھا اٹھا کر پٹخیں تھیں۔ ہر بار گلزاری کو الزام دے رہا تھا۔

"سب تیری تربیت کا اثر ہے۔ ایسی بے ہدایتی اولاد کا مرجانا ہی بہتر ہے۔" رقیہ الگ منہ پر کپڑا رکھے بہن کے سامنے رو رہی تھی۔

"اب ساری خبر میرے سسرال تک جائے گی۔ انہیں میں پہلے ہی نہیں بھائی اوپر سے تیرے کارنامے ... بے غیرتاں تو دکھائے' ذلیل ہم ہوں۔" زینب کی

جانے بلا... جو جتنی مرضی گالیاں کوسنے دے مگر وہ ٹلی بلا پر اطمینان سے بیٹھی رہی اور اس وقت بھی وہ اطمینان سے ہی بیٹھی تھی اگر اماں پھر سے قصہ نہ چھیڑ دیتیں۔ آئمہ نے اس کا ہوکا سن کر اسے گھرکی دی تھی۔

"کیا تیرا دماغ خراب ہے زینب' کیوں بوڑھے ماں باپ کی جان کو آئی ہے... ایسی ہوتی ہیں بیٹیاں۔" اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جھک کر گندم صاف کرتی رہی جواب تو اس نے گھر جاکر گلزاری کو دینے تھے جو اس وقت سب کی ہمدردیاں سمیٹ رہی تھی۔ آئمہ بیگم کا موڈ کچھ کرکرا ہوا تھا اوپر سے ازلان کو تیزی سے برآمدہ عبور کرکے باہر لان کی جانب جاتے دیکھ لیا مزید غصہ سوا ہو گیا۔

"یقیناً" وہ آوارہ گردی کرنے گیا ہے۔ مجال جو بڑا پن آئے۔ ایک ہی ایک بیٹا اور غیر ذمہ دار۔" سارا غصہ زینب اور باقی لڑکیوں کو ڈپٹ کر نکالا تھا۔

"اندھیوں کی طرح صاف نہ کرو... آدھے کنکر چھوڑ دیتی ہو... حرام خور۔" حنبل ذکا بھاری قدموں سے صحن عبور کرتا برآمدے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جہاں پلنگ پر گاؤ تکیہ کے سہارے آئمہ بیگم بیٹھی تھیں۔ اسے آتا دیکھ کر گلزاری نے تسلا اٹھایا اور چل دی۔

"السلام علیکم بھرجائی۔" گمبھیر لہجہ میں صرف ایک سلام اور اس کی سانس تک سمٹ گئی تھی۔ خواہ مخواہ چادر درست کرنے لگی۔

"بھائی جان کہاں ہیں... اندر نظر نہیں آئے..."

"اپنے کمرے میں ہیں... ابھی اٹھے ہی کہاں ہیں۔ ایک تو بندہ چند ماہ باہر رہ آئے سونے جاگنے کے آداب بھی بھول جاتا ہے۔" آئمہ بیگم کی خود کلامی پر اک دلفریب مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رینگ گئی۔

"آپ کس لیے ہیں' سکھائیں نہ انہیں آداب ... یا بندوبست کریں جو کوئی آداب سکھانے والی کا۔" کن انکھیوں سے تکتے اس کے شریر انداز پر آئمہ بیگم پوری مسکرا گئی تھیں۔

"جرات ہے تمہارے بھائی کی..."

"چیلنج مت کرنا..."

ہاتھ میں پکڑے کھاتے کارجسٹر ان کے پاس رکھی تپائی پر رکھتے ہوئے پلنگ پر ہی ٹک گیا تھا۔ اس کے پرسکون چہرے پر پھیلی مسکان آئمہ بیگم کو بہت ہی پسند تھی۔ سارا غصہ رفوچکر ہو گیا تھا۔ حنبل ذکا کی نگاہ دھوپ میں چمکتے سنہرے ڈھیر پر تھی۔

"کچھ سالوں سے ہماری فصل ریکارڈ اچھی ہوئی ہے' بھرجائی... ارد گرد گاؤں سے ہماری پیداوار بہترین رہی ہے۔" اس کی آواز کا طلسم تھا جو دلوں کی دھڑکن کو بے ہنگم کر دیتا تھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی چور نگاہ اس پر پڑتی ضرور تھی سانولا وجود دہک جاتا چھاج میں اچھلتے سمٹتے دانے پل بھر کو رک جاتے۔

"ظاہر ہے' میرا ہیرے جیسا دیور خون پسینہ شامل کرے گا... زمین تو سونا اگلے گی۔" آئمہ بیگم کے انداز کی تمام حلاوت لفظوں میں بہنے لگتی تھی۔

"بالکل جی... بالکل' کبھی اپنے لوہے جیسے بیٹے سے بھی کہہ دیا کریں ڈیرے کا چکر لگا لیا کرے..." اس نے اپنی کلف لگی آستین کو الٹ کر کہنیوں تک موڑنا شروع کیا۔ بھرے بھرے مضبوط بازوؤں پر سیاہ بال بہت بھلے لگ رہے تھے "میں میٹرک میں تھا' تب سے منشی چاچا کا سارا حساب دیکھ رہا ہوں اور وہ نواب مجال' جو ڈیرے تو کیا زمینوں کے پاس سے گزر جائے۔ سارا دن ادھر ادھر پھرتا رہتا ہے۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے پائنتی پر رکھے دوسرے گاؤ تکیے کو کھسکا کر کہنی ٹکائی اور نیم دراز ہو گیا تھا اور آنکھیں موند لیں۔

"میں کیا کروں' حنبل... تم دونوں بھائیوں کے لاڈ نے اس کا ستیاناس کر دیا ہے' پڑھائی تو ایک بہانہ ہے ... کھیل کود... چھیڑ چھاڑ سے ہی اسے فرصت نہیں۔" انہیں اس کا صبح والا رویہ یاد آ گیا تھا۔ جب خواہ مخواہ اعشال کو زچ کرتا انتہا کر دی تھی کہ وہ رونے کو ہو گئی۔

"کہیں سے لگتا ہے وہ چھیوں کا لڑکا... کمی کمین

لگتا ہے۔۔۔"

"اوہو۔۔۔!" وہ یک لخت سیدھا ہو بیٹھا "میں تو ویسے ہی بات کر رہا تھا۔ آپ تو اس کے خلاف بھری بیٹھی ہیں۔" اس کا قطعاً مقصد نہیں تھا اس کے لاڈلے اور اکلوتے بھتیجے کو غائبانہ گالیاں پڑیں۔ اس نے بات ہی بدل دی۔

"آپ بھا جان کو اٹھائیں۔۔۔ کھانا دکھانا ہے۔" نئی فارمنگ کے لیے جو رقم درکار تھی اس کا دل تھا دونوں بھائی بیٹھ کر پہلے غور و غوض کر لیں۔ میر زکا نے دونوں بیٹوں کو بزنس کے معاملے میں مکمل خود مختاری دے رکھی تھی دونوں بہت اچھا نظام سنبھال رہے تھے۔ میر زکا تو کچھ دیر کے لیے چکر لگاتے پھر وہی اپنی سیاست اور لوگوں سے ملنا ملانا چلتا رہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

بیس سال پہلے آئمہ بیگم اپنی پھوپھی کی حویلی میں بیاہ کر آئی تھیں۔ تب پھوپھی تو وفات پا چکی تھیں مگر ان کی ساس زندہ تھیں۔ اکلوتی بہو ہونے کے بنا پر پوری حویلی میں آئمہ بیگم کا راج چلتا تھا۔ تمام ملازمین ان کے رعب و دبدبے سے ڈر جاتے تھے۔ شروع سے ہی حویلی کے تمام امور میں ان کی رائے ایک خاص مقام رکھتی تھی۔ دادی ساس کی نرم خو، ملنسار طبیعت نے جلد ہی آئمہ کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ نو سالہ حنبل زکا جو اس وقت بہت چھوٹا تھا اس کے تمام کام بڑی بہن کی طرح اپنے ذمہ لے لیے تھے۔ آہستہ آہستہ ساری گھر گرہستی ان کے ہاتھوں میں جانے لگی۔ دادی ساس تو گرویدہ ہوئیں سو ہوئیں باقی سب کی زبان پر آئمہ کا نام رہنے لگا تھا۔ اپنی اکلوتی نند کی شادی اپنے ہی خاندان میں کراچی طے کر دی تھی اور بہت دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ زنیرہ زکا اپنے سسرال میں بہت خوش باش زندگی گزار رہی تھی۔

چھوٹے سے حنبل زکا کی زندگی میں ماں کی کمی ایسی پوری ہوئی آئمہ بھرجائی ہی ماں کے رتبے تک آ گئی تھیں۔ آئمہ کی شادی کے سال بعد ہی ازلان کی پیدائش اور سال بعد اعشال نے ان کی فیملی مکمل کر دی۔ اعشال کی طبیعت میں خاصا زمیندارانہ انداز تھا۔ وہ اپنی شخصیت میں رعب ماں باپ سے چرا کر پیدا ہوئی تھی۔ اس کے بات چیت، نشست و برخاست کے تمام انداز میں خاصا رکھ رکھاؤ تھا۔ اپنے سے بڑے تو بڑے ہم عمروں کے ساتھ محدود فاصلہ رکھتی تھی۔ اپنے کام سے کام بات سے بات۔ جب کہ ازلان شروع سے ہی لاپروا، ہنسوڑ، حد سے زیادہ شرارتی تھا۔ اور ان سب خصوصیات کے ساتھ بے حد صلح جو۔ انیس سالہ ازلان میں نہ صرف ماں باپ کی جان تھی بلکہ چچا، دادا کا انتہائی لاڈلا تھا اور اسی لاڈ پیار نے اس کی طبیعت میں خوب لاابالی پن بھر دیا تھا۔

حنبل زکا، خیام زکا سے بات طے کر لینے کے بعد ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر جما بیٹھا تھا اور تب ہی ازلان لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ اس نے ہاف آستین کی یلوٹی شرٹ پہن رکھی تھی جس پر بھورے رنگ سے شاہد آفریدی کی پورا منہ کھول کر ہنستے ہوئے تصویر بنی تھی۔ آدھی آستینوں سے اس کے پھولے مسلز واضح نظر آ رہے تھے۔ اپنی دھن میں مگن رومانٹک وسلنگ کرتا ایک ہاتھ میں بیٹ دائرے کی صورت گھماتا اندر بڑھ رہا تھا۔ حنبل زکا پر نگاہ پڑتے ہی سیٹی بجاتے ہونٹ گولائی میں سکڑے رہ گئے۔

"ازلان۔۔۔ کہاں سے آ رہے ہو۔۔۔" اس کی آنکھیں بھی گول پھٹ گئیں "کچھ احساس ہے کل تمہارا پیپر ہے۔"

"استغفراللہ چاچو۔۔۔ کل نہیں پرسوں ہے۔ یہ غلط خبر یقیناً "اعشال چمگادڑ نے پھیلائی ہو گی۔" وہ اس کی دوسری بات کو تحمل سے پیتے آرام سے بولا تھا۔

"چلو پرسوں سہی۔۔۔ لیکن تھے کہاں۔ تمہیں اس وقت اپنی کتابوں کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔"

"وہ۔۔۔ وہ چاچو میں دوستوں کی طرف تھا۔ یار کمبائن اسٹڈی۔" اس نے اپنا بیٹ والا ہاتھ آہستگی سے پیچھے کر لیا تھا۔ اور تیزی سے اس کے برابر صوفے پر بیٹھ گیا کہنی شانے پر ٹکالی۔

"یہ ذرا پیچھے کرو۔" اس نے انگشت سے اس کی کہنی کی جانب اشارہ کیا تھا "خواہ مخواہ فری ہو رہے ہو ... جھوٹ بولتے شرم نہیں آتی' بیٹ لے کر کمبائن اسٹڈی۔"

آج وہ اسے ڈانٹنے کے بھرپور موڈ میں تھا مگر اس کا چہرہ اس قدر معصوم تھا لہجہ چاہتے ہوئے بھی سخت نہ ہو سکا۔ اپنے نرم لہجے سے ہی شرم دلانے کی کوشش میں تھا شاید شرمندہ ہو ہی جائے۔

"شرم کرو۔ اعشال چھوٹی ہو کر سیکنڈ ایئر کے پیپرز دے گی اور تم ... یار کم از کم میٹرک ہی کر لو' بندہ کسی کو بتانے کے قابل تو ہو۔"

"یار چاچو' میرا آپ سے وعدہ ہے ..." وہ سینے پر ہاتھ پھیلاتے اتنی قطعیت سے کہہ رہا تھا جیسے اس سے زیادہ ایفائے عہد کسی نے نہ نبھائے ہوں "اس بار میں ٹاپ کروں گا۔"

"یار ہمیں تمہارے ٹاپنے پر ہی اعتراض ہے۔ تم بس خدا کے لیے کلیئر ہو جانا' تمہاری بڑی مہربانی۔" وہ ہاتھ جوڑ دینے کی حد تک رسان سے کہہ رہا تھا جب نگاہ اس کی شرٹ کے ڈیزائن پر ٹھہر گئی۔ آنکھوں میں ناگواریت اتر آئی تھی۔

"یار کوئی ڈھنگ کا لباس نہیں ہے' تمہارے پاس ... کوئی بہتر کپڑے پہنا کرو ... یا کیا جو اوٹ پٹانگ سامنے آیا' خرید لیا' چڑھا لیا۔"

"چاچو آپ کو کیا پتا شہر میں یہ شرٹ آج کل ان ہے ... پی ایس ایل چل رہا ہے ناں ....."

"اور ہم شہر میں نہیں رہتے۔" اس کی پنڈلیوں تک آتی سیاہ شارٹس کوفت میں مبتلا کر رہی تھی۔

"تبدیل کرو اسے' پورا لباس پہنو۔" اس نے اٹھتے ہوئے اپنی کلف شدہ قمیص کا دامن جھٹک کر درست کیا اب رخ اسٹڈی کی جانب تھا۔ قمیص شلوار شاید ہی کسی پر اتنا جچا ہو جتنا حنبل میرز کا پر جچتا تھا۔

☆ ☆ ☆

نئے ماڈل کی سفید کرولا فیصل آباد کی مصروف شاہراہ سے مضافاتی عام کالونی میں داخل ہو چکی تھی۔ مکانات اور سڑکوں کی چوڑائی سے لگتا تھا یہاں کی عمومی آبادی ایوریج کلاس کی ہے۔ سڑک سے ملحقہ تنگ گلی کی جانب ٹرن لیتے ہوئے اس نے ملتجی نگاہ سے شہروز کمال کو دیکھا تھا۔ اس کا دل تھا وہ اسے باہر چوڑی سڑک پر ہی اتار دے۔ وہ تین بار منمناتے ہوئے گزارش بھی کی لیکن اس پر ذرا برابر اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنی دھن میں گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ جب ایک بار طے کر لیتا تھا تو ڈنکے کی چوٹ پر کرتا تھا۔ اسے نہ دنیا کی پروا کبھی ہوئی تھی اور نہ ہی کبھی کرنا تھی۔ اس کے چوتھی بار یہ کہنے پر۔

"پلیز سر مجھے یہاں ہی اتار دیں ... پلیز یہ ایک مڈل کلاس علاقہ ہے' اگر کسی نے دیکھ لیا تو بہت باتیں بنیں گی۔"

"اوہ مائی ڈیئر ... اس دنیا سے ڈرنا ورنا چھوڑ دو ... وہ لوگ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتے جو اس دنیا کی فکر میں ڈوبے رہتے ہیں۔" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں قدرے چھوٹی کرتے ہوئے اس کی جانب گردن پھیری چہرے پر تمام خباثت کھنڈر گئی تھی "اور ویسے بھی محبت کرنے والے تو آگ سے نہیں ڈرتے' تم دنیا سے ڈرتی ہو ... ہوں۔" اس کی دو انگلیوں میں دبی سگار کا کش اس نے بھرپور انداز میں بھرا تھا اور ایک دھوئیں کا ناگوار مرغولہ منہ سے پھینکتے ہوئے سگار ڈیش بورڈ پر رکھے ایش ٹرے میں مسل کر بجھا دیا۔ اس کا گھر آچکا تھا گاڑی رکی ... وہ اترنے لگی تھی۔ تب اس نے اس کا ہاتھ بے باکی سے پکڑتے ہوئے کہا تھا۔

"اور یہ مجھے سر ورمت کہا کرو۔ میرا نام شہروز کمال ہے ... اور تمہارے منہ سے یہ نام بہت سج جاتا ہے ... ہوں۔" اس نے بمشکل اپنا سر اثبات میں ہلایا۔ وہ مسکرا دیا اور اپنے ہاتھ کی گرفت بھی ڈھیلی کر لی تھی۔

"ٹھہرو ... !"

چند نوٹ اپنے والٹ سے نکال کر اس کی جانب بڑھائے تھے۔ "یہ رکھ لو' تیاری کر لینا ... اور ہاں آفس میں دو تین دن پہلے لیو بھیج دینا ... میں نہیں چاہتا وہاں

کوئی امیج خراب ہو۔"
"سر میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔۔۔ آپ جانتے ہیں ابو کی طبیعت۔"
"تمہیں کتنی بار بتانا پڑے گا' میں ان کے لیے ہاسپٹل میں بندوبست کر چکا ہوں۔۔۔ اس ہاسپٹل کے سامنے سے گزرنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے' جہاں ان کا علاج ہو گا۔۔۔ ہماری واپسی تک وہ بہتر ہو چکے ہوں گے۔ رائٹ۔"

اس نے اٹل انداز میں بات کی۔ وہ دروازہ کھول کر نکلی اور وہ گاڑی آگے بڑھا گیا تھا۔ گاڑی سے نکلتے ہوئے اسے اڑوس پڑوس کے چند لوگوں نے دیکھا بھی تھا۔ اور ہلکی پھلکی چہ مگوئیاں بھی تھیں۔

"جب سے جاب کرنے لگی ہے۔۔۔ بڑی جرات آ گئی ہے۔"

وہ چند ماہ پہلے ہی شہروز کمال کے دفتر جاب کے لیے آئی تھی۔ ایک گھر میں غربت' دوسرے باپ کو دل کا عارضہ۔۔۔ ماں اسی تکلیف میں مر چکی تھی بھائی تھا نہیں' ایک بڑی بہن تھی جو دوسرے شہر میں مقیم تھی کبھی کبھار چکر لگا لیتی ان کے مسائل کیا سنتے تھے اپنے ساتھ ہی مسائل کا انبار لاتی تھی۔ اس کی کوشش یہی تھی جلد از جلد کہیں بھی جاب مل جائے۔ اخبار میں کمال سنز کا اشتہار دیکھ کر ادھر آئی تھی۔ کوئی قابل ذکر تعلیم نہیں تھی عام سے مضامین میں صرف بی اے البتہ اس کی سی وی کو رونق اس کے صبیح چہرے مناسب قامت نے چار چاند لگا دیے تھے اوپر سے نہایت کم عمر۔ شہروز کمال فطرتاً" دل پھینک مرد تھا۔ پھیلے ہوئی وسیع بزنس کے سبب دل کی خواہش پوری کرنا اس کے لیے کبھی مسئلہ نہیں رہا تھا اور پرسنل سیکرٹری کے لیے کم عمر خوب صورت لڑکی اس کی اولین ترجیح رہی تھی۔ اس کی سی وی کو پڑھنے سے زیادہ اس نے اس کے نقوش کو پڑھا تھا اور سی وی بند کر کے اس کے سامنے ڈال دی۔

"ہاں۔۔۔ یہ ٹھیک ہے' آپ کل سے آ سکتی ہیں۔"
اندر محسوس ہونے والی گھبراہٹ کو اس نے جاب ملنے کی خوشی میں ڈھانپ لیا تھا اور پھر گھبراہٹ کو مجبوریوں کے پردوں میں ڈھانپتی چلی گئی۔ نوبت یہاں تک آ گئی تھی وہ بزنس ٹور کے سلسلے میں دبئی جا رہا تھا اور اس کا پورا اصرار تھا وہ اس کے ساتھ جائے۔ تنخواہ کے علاوہ نہ صرف اضافی رقم دے گا بلکہ اس کے بیمار باپ کا علاج کسی اچھے اسپتال میں اپنے خرچے پر کروائے گا۔ وہ عجیب کشمکش و پیچ میں تھی۔ جاب چھوڑے تو گھر کے منہ کھولے مسائل' اگر جاب رکھے تو اپنی گرتی ذات کے تاحیات مسائل۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنا پرس صحن میں بچھی چارپائی پر گرا دیا تھا۔ ابو کے کمرے سے کھانسنے کی شدید آواز آ رہی تھی۔ اس نے ساری سوچیں جھٹک کر ان کی جانب قدم بڑھائے۔ بہت سا کھانس لینے کے بعد وہ نیم جان سے ہوئے تکیے پر ڈھے گئے تھے' سانس تیز چل رہی تھی۔ اس نے سلام کرتے ہی آگے بڑھ کر ان کی دوائیں دیکھیں۔ کچھ ختم ہو رہی تھیں' کچھ میں بچی کھچی کچھ دوا تھی اس نے وہ انہیں پلائی پھر کچن کی جانب رخ کیا تھا۔ چائے بنانے کے لیے پتی کا ڈبا کھولا صرف آدھا چمچہ پتی تھی' یہی حال باقی سامان کا تھا۔ اس نے دکھ سے سارے ڈبے بند کر دیے۔ اس وقت اس کے پاس رقم تھی چیزیں خریدنے کے لیے مگر ہمت نہیں تھی۔

"کیا مجھے شہروز کمال کے ساتھ دبئی چلے جانا چاہیے۔" خود کلامی کے دوران ایسے ہی بھٹکتی نگاہ چاولوں کے خالی کنستر پر گئی۔ خالی برتن سے ٹکرا کر نگاہ خالی ہی لوٹ آئی۔

"کیا مجبوریاں ہمیں گناہوں کی سمت پر ڈال دیتی ہیں۔" دل میں ٹیس اٹھ رہی تھیں۔

"نہیں۔۔۔" دماغ البتہ جاگ گیا تھا "ہماری کمزور قوت ارادی ہم سے یہ سب کرواتی ہے۔"

"ہونہہ۔۔۔ قوت کہاں سے آئے گی' جب قوت لگانے کے لیے قوت نہ ہو۔" وہ وحشت زدہ کچن سے باہر نکل آئی تھی۔ ابو پھر سے ہانپنا شروع ہو گئے تھے۔

✲ ✲ ✲

منقش لکڑی کے داخلی دروازے سے اندر آتے ہی وہ تیزی سے کوریڈور عبور کر زینے کی جانب بڑھا تھا اس نے یہ تک دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی اس کی بیوی کتنی دیر سے اس کا انتظار کر رہی ہے۔ زینے پر ابھرتی اس کے بوٹوں کی آہٹ پر وہ چونکی۔

"آپ آگئے!" وہ اٹھ کر اسی کی جانب بڑھی تھی۔ اس نے ذرا سی نگاہ موڑ کر پیچھے دیکھا۔ الجھے بال، ملگجے کپڑے، رویا دھویا چہرہ... شہوز کمال کی آنکھوں میں ناگواریت سی بھر گئی۔

"کیوں... کیا یقین نہیں تھا میں گھر آؤں گا۔" اس کا کوئی بھی جواب سنے بغیر وہ پھر سے بولا تھا "اور پلیز کھانے کی رٹ مت لگا دینا میں کھا کر آرہا ہوں۔" وہ پہلے اسٹرپ پر کھڑی تھی اور وہ کئی سیڑھیاں پھلانگ چکا تھا۔

"شہروز... پلیز میری بات تو سنیں۔" اس کی آواز پر دروازے کی ناب پر رکھا اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔ گردن پھیر کر پیچھے دیکھا۔

"حبہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اس کا بخار نہیں اتر رہا..."

"تو کیا میں ڈاکٹر ہوں، یا میڈیکل اسٹور اپنی جیب میں لے کر پھر رہا ہوں، گھر پر سارا دن تھیں، لے جاتیں کسی ڈاکٹر کے۔"

"کیسے لے جاتی... گھر کی گاڑی خراب کھڑی ہے، دوسری آپ کے پاس..."

"کیا شہر کی ساری ٹیکسیوں کو آگ لگ گئی تھی۔" وہ پھنکارتے ہوئے بولا تھا۔

"اب میری جان چھوڑ دو... لڑکیاں، پہاڑ سے بھی گر جائیں، تو فرق نہیں پڑتا... تم ایک بخار سے پریشان ہو رہی ہو۔" اس نے دھاڑ سے دروازہ بند کر لیا تھا یہ سوچے بنا کہ وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتی اوپر آرہی ہے۔ لیکن کمرے کے اندر سے اس کے چیخنے چلانے کی آوازیں تواتر آرہی تھیں۔

"گھر میں داخل ہونے کی دیر ہے، اپنی منحوس آواز سے میرا دماغ خراب کر دیتی ہے۔ اپنے چار نمونوں کے علاوہ مجھے دیا ہی کیا ہے، رعب ایسے دکھا رہی ہے جیسے میں غلام ہوں، شکر نہیں کرتی عزت سے گھر میں رکھا ہوا ہے، اور کوئی ہوتا ہاتھ پکڑ باہر کا رستہ دکھاتا..."

بند دروازے سے ٹکرا کر تیز دھار آواز اس کا وجود پارہ پارہ کر رہی تھی اہانت سے اس کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا اپنے قدموں پر کھڑے رہنا کم از کم اس لمحے اسے بے حد دشوار لگ رہا تھا۔ یہ وہی اس کا محبوب شوہر تھا۔ جو کبھی یونیورسٹی کے زمانے میں بہت محبت کے دعوے کرتا تھا۔ جس نے زندگی کا ہر لمحہ شیئر کرنے کی بیش بہا قسمیں کھائی تھیں۔

مبینہ کے والدین اس رشتے پر کچھ خاص خوش نہیں تھے ان... کہاں خاندان برادری سے باہر شادی کا تصور بھی نہیں تھا۔ کس مشکل سے اس نے اپنے ماں باپ کو راضی کیا تھا۔ وہ شہروز کمال کی محبت میں بالکل غرق ہو چکی تھی اور اس کی محبت کے عارضی دعوے شادی کے چند ماہ بعد ہی بودے ہونا شروع ہو گئے جب وہ گھر کے کاموں میں مصروف ہونے لگی تھی۔ مبینہ فطرتاً "ماڈرن" نہیں تھی شادی ہوئی بالکل عام خاتون خانہ کی طرح ڈھل گئی جیسے اپنی ماں کو دیکھا تھا بہنوں بھابھیوں کو دیکھا تھا۔ میاں کی ضرورتوں کا خیال، اس کی چیزوں، اس کی خوراک اس کے گھر کا خیال اور ان سب خیالوں میں اس کی اپنی ذات کا خیال آہستہ آہستہ دبنے لگا۔ وہ مصروف ہوتی گئی شہروز کمال بے زاری... وقت کچھ آگے بڑھا حبہ گود میں آگئی مصروفیت میں مزید مصروفیت اور وہ بھی بیٹی کی۔ اس کی پیدائش کے بعد شہوز کے رویے میں یک لخت بدلاؤ آیا تھا اس کی شدید خواہش تھی کم از کم پہلی اولاد بیٹا ہو۔ اس کے ناروا انداز پر سب نے تسلی دی۔

"جس خدا نے بیٹی دی ہے، بیٹا بھی ضرور دے گا۔" اسی آس میں اگلے سال عشا... اور پھر سال سال کے فرق سے سوہا اور دعا ماں کو مجرم ثابت کرنے کے لیے زندگی میں شامل ہو گئیں۔ ہر نئی بیٹی کی پیدائش پر اس کے اندر تلخی بڑھ جاتی۔

ایک عجیب سا خبط تھا اس میں کہ بیٹی کی پیدائش اس کے حلقہ احباب میں سر ہلکا کر دیتی ہے اور اسی احساس سے اس کا اپنا معیار ہلکا ہوتا چلا گیا اور سبرینہ کی حیثیت ایک مجرم سی بن کر رہ گئی تھی۔ بات بات پر چیخنا، چلانا یہاں تک کہ ہاتھ آئی چیز پٹخ دینے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ وہ اس سے کترانے لگی اور نادیدہ دوریاں مضبوطی سے اپنی جگہ بنا رہی تھیں۔ اس کا اپنا خوف 'میاں سے لیا دیا انداز' بیٹیوں میں سرایت کر گیا' کچھ وہ خود بھی دیکھ رہی تھیں بات بے بات چیخ' پکار جھگڑا... وہ خود بھی باپ سے دور ہوتی گئیں۔

✡ ✡ ✡

ایک پیدل مسافر کی طرح جنگلوں میں بھٹکتا چاند تھک کر اپنا سفر مکمل کر چکا تھا۔ اس کے پہلو سے سورج کسی جیب تراش کی مانند ابھرا۔ کچھ ہی اوپر ہوا اس کی کرنیں گلاس ونڈو سے ٹکرا کر کمرے کے صوفے پر گر رہی تھیں۔ کرنوں کی چبھن سے وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ ٹائم دیکھا آٹھ کے ہندسے کو سوئی چھو کر ذرا آگے بڑھنے والی تھی۔ رات اس کا موڈ خراب دیکھ کر وہ اپنے کمرے میں گئی ہی نہیں۔ بچیوں کے پاس واپس آ گئی تھی۔ حبہ کا ٹمپریچر چیک کیا' دوا دی' اسے سلاتے خود بھی وہاں ہی آڑھی ترچھی لیٹ گئی' جانے کس پہر آنکھ لگی۔ اس طرح بے ترتیب سونے سے گردن کے مسلز' اور کمرے میں اکڑاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ کندھوں کی پشت پر انگلیاں جماتے ہوئے گردن کو کچھ پیچھے کیا' پھر دائیں' بائیں گھما کر کچھ سکون پایا اور بکھرے بال ایک کیچر میں باندھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ حبہ کا بخار چیک کیا اس وقت ماتھا قدرے کم گرم تھا۔ اس پر کمبل برابر کر باہر نکل آئی اور کچن کی جانب رخ کیا تھا۔

ڈائننگ ٹیبل پر اخبار پھیلائے اس کی سطروں پر نظریں دوڑانے کے ساتھ ساتھ سبرینہ کی کچن سے ڈائننگ تک کی پریڈ بھی دیکھ رہا تھا۔ نہ اس کے رات والے حلیے میں فرق آیا تھا' نہ چہرے کے باسی پن' بے زاریت میں اس نے اخبار بند کر' ٹیبل کے ایک جانب ڈال دیا۔

"کیا بات ہے' چہرے پر بارہ کیوں بجے ہوئے ہیں۔" اس کے طنزیہ انداز پر اس نے صرف نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ جگ سے جوس گلاس میں انڈیل کر اس کے قریب کھسکا دیا۔ "رات کمرے میں نہیں آئیں ... ہوں۔" خفگی بھری نگاہ ایک بار پھر اٹھی اور گر گئی۔ وہ اب کچن میں چلی گئی تھی دم پر رکھی چائے لینے کے لیے۔

"میرا خیال ہے میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ پاگل نہیں ہوں جو دیواروں سے بولوں گا۔"

"اور میرا خیال ہے آپ کو سب پتا ہے۔"

اس نے گرم چائے کا تھرماس اس کے قریب رکھ دیا تھا ساتھ کپ بھی۔

"کیا پتا ہے۔ ایک بخار کو تم نے سر پر مسلط کر لیا ہے' بچے بیمار ہوتے رہتے ہیں۔ ٹھیک ہو جائے گی۔ کچھ نہیں ہوتا تمہاری بیٹی کو۔" لفظ "تمہاری بیٹی" سبرینہ کا دل چیر گیا تھا اس کا شدت سے جی چاہا تھا اپنی چاروں بیٹیاں لے کر وہ کوئی سلیمانی چادر اوڑھ لے اور اس بے حس شخص کو ڈھونڈنے پر بھی دکھائی نہ دے۔

شہروز کمال نے سلائس والی ڈش اٹھائی اور ایک پیس کے نوالے توڑنے لگا۔

"اور یہ سب ہیں کہاں... اسکول نہیں گئیں' کیا آج پھر ڈرائیور نے چھٹی کر لی۔" شہروز کو پہلے ہی غصہ تھا کہ ماسی نسیم دو دن سے چھٹی پر تھی اور اس کی باسی زدہ بیوی میں مزید ماسی پن بھی کھل گیا تھا اس پر نگاہ اٹھانے کو بھی جی نہیں چاہتا تھا اور اب ڈرائیور کی چھٹی... لیکن وہ بتا رہی تھی۔

"نہیں... اس نے چھٹی نہیں کی' میں نے خود نہیں جانے دیا... حبہ کو بخار..." اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی وہ چلا پڑا۔

"بخار' بخار' بخار... ایک رٹ لگا رکھی ہے' پیرا سیٹا مول دو ٹھیک ہو جائے گی... کبھی سنا ہے کسی کی لڑکی مر گئی... ایسے ہی خواہ مخواہ میں۔"

اس نے کرکراتے دانتوں کے ساتھ چند نوالے

کترے تھے "اور باقی فوج وہ کس لیے گھر پر ہے۔"

ہر چیز سے جتنا ہی بے خبر و بے زار سہی مگر شہروز اتنا ضرور جانتا تھا اس کے گھر میں اس وقت کون کون موجود ہے اور کون گھر سے باہر نکلا وہ جب اٹھا تقریباً" آٹھ بجنے والے تھے پہلی نگاہ ہی کھڑکی سے باہر کھڑی گاڑی پر گئی تھی جو ویسے ہی کھڑی تھی گیٹ بند تھا۔ ورنہ اس وقت عموماً" وہاں گاڑی نہیں ہوتی تھی نصیر بچیوں کو چھوڑنے اسکول گیا ہوتا تھا۔ "ماتا ایک کو بخار باقی سب اس پر فاتحہ پڑھنے کو بیٹھ گئیں۔" وہ مسلسل اسے گھور رہا تھا اور اس کی نشتر زنی نے اس کی زبان اتنی زخمی کر دی کہ اب اسے منہ میں رکھنا دشوار ہو گیا تھا۔

"کس مٹی کے بنے ہیں' آپ شہروز۔۔۔ وہ اولاد ہے آپ کی' خون ہے آپ کا۔۔۔ آپ کے دل میں ذرا برابر ان کے لیے جگہ نہیں۔۔۔ بچی بیمار ہے' ایسی باتیں کرتے آپ کا دل نہیں کانپا۔"

"مجھے درس دینے کی ضرورت نہیں ہے' اولاد ہے اسی لیے گھر میں رکھا ہوا ہے' ضرورتیں پوری کر رہا ہوں۔ اب اسے گود میں اٹھا کر' دنیا سے کٹ کر نہیں بیٹھ سکتا۔ سو کام ہوتے ہیں مجھے' تمہاری طرح فارغ نہیں ہوں۔۔۔ سمجھیں۔۔۔ اولاد ہے میری۔" اس نے آخری جملہ ایسے دانتوں میں رگڑا جیسے کڑوے بادام ان میں پھنس گئے ہوں۔

"اگر گود میں لے بھی لو گے' تو کوئی احسان نہیں کرو گے۔۔۔ انہیں دنیا میں لانے کا موجب آپ بھی بنے ہیں۔" دن بہ دن اس کے طنز و نشتر اس کی برداشت سے باہر ہوتے جا رہے تھے کبھی کبھی ترکی بہ ترکی اسے جواب دیتی اور پھر ہفتوں کی چپ لگ جاتی تھی۔

"میں نے کہا نا' مجھے درس دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیوں۔۔۔ برا لگ رہا ہے کیا۔" اس کی پتلی سی ناک کے نتھنے کچھ پھیلے۔ "اگر بیٹا پیدا نہیں ہو سکا' لڑکیاں مارنے کے لیے پیدا کی ہیں۔ یہ جو اتنی تمنا ہے ناں آپ کے دل میں بیٹے کی' یہ نا ہو اللہ بیٹا دے کر آپ کو کسی آزمائش میں ڈال دے' یہ دھن' دولت' کاروبار' اس تمہارے تاج کو چھیننے کے لیے تو بیٹا ہو سکتا ہے۔ مگر چارپائی پر پڑے بے جان وجود کو بیٹیوں کے بین ہی سجا میں گے۔"

"کیا بکواس کی۔۔۔" اس کے تنفر بھرے الفاظ پر اس کی آنکھوں میں رعونت اتر آئی اور ہاتھ مار کر سامنے کے برتن زمین پر پٹخ دیے۔ "کس کے بے جان وجود کی بات کر رہی ہو۔" وہ کرسی دھکیل کر اٹھا اور اس پر جھپٹنے کو بڑھا تھا۔

"میرے مرنے کی تمنا کرتی ہو تم۔۔۔ ہو کیا تم۔" اس نے اسے دونوں کندھوں سے پکڑا اور دھکا دے دیا۔ وہ گرتے گرتے سنبھلی تھی۔

"میں تمنا نہیں کر رہی' تمہیں حقیقت بتا رہی ہوں' شہروز کمال۔" صدمے سے سبرینہ کی آواز رندھ گئی تھی۔ "ہمیں اتنا مت ستاؤ کہ بے جان وجود پہ بھی رونے کے لیے آنکھوں میں آنسو سوکھ جائیں۔"

"اے۔۔۔" اس نے پوری قوت سے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا تھا اور یہ پہلی بار تھا جب اس نے تھپڑ مارنے کے لیے آج ہاتھ اٹھایا تھا ورنہ دھکے دینا' چیزیں پھینکنا' گالیاں بکنا' معمول تھا اور پہلی بار ہی ہاتھ فضا میں رک گیا تھا۔ حبہ جانے کب شور سے جاگی اور ڈرتی ڈراتی کیسے آگے آئی وہ بمشکل ماں کی ٹانگ تک آتی تھی مگر اس کی ٹانگوں کے ساتھ پشت جوڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ نقاہت زدہ چہرے پر ٹکی معصوم آنکھوں میں صرف پانی تھا۔ بند لبوں پر نہ کوئی فریاد' نہ التجا' نہ معافی مگر کچھ ایسا ضرور تھا شہروز کمال جیسا لمبا چوڑا مرد ایک قدم پیچھے ہو گیا۔ ہاتھ پہلو میں آگرا تھا۔ اس نے گردن جھٹکی۔ آفس کے لیے نکلنے لگا۔ سیڑھیوں پر عشنا کھڑی تھی۔ ایک قدم نچلے اسٹیپ پر ایک اوپر' ہی لکڑی کا جنگلا پکڑے معصوم ہاتھ میں معمولی سی لرزش تھی باپ سے نگاہ ملتے ہی اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں سختی سے بھینچ لیں' بالکل شکاری نظر آتے ہی کبوتری کی طرح۔ ابلتے خون کی حرارت مزید نیچے آگئی۔ وہ پلک

جھٹک میں باہر نکل گیا تھا۔

اس کا وہ سارا دن بہت بے کار گزر رہا تھا بار بار ذہن کو جھٹکنے کی کوشش کی کبھی کچھ کبھی کچھ کوئی منظر کوئی شکل ایسے بدمزا کرتی رہی اوپر سے آج اس نے چھٹی کرلی تھی کم ازکم وہ ہی آفس میں ہوتی اس سے باتیں کر کے 'اس کی حسین شکل کو دیکھ کر آنکھیں سیراب ہوتیں دھیان بٹ جاتا۔ اس نے تیسری کال پر فون اٹھایا تھا۔

"آفس کیوں نہیں آئیں.... میں نے تمہیں کہا تھا مجھے بتائے بنا چھٹی مت کرنا۔"

"سر' ابو کی طبیعت بہت خراب ہے.... مجھے ان کے ساتھ ہاسپٹل جانا ہے۔" وہ عجلت میں بولی تھی۔

"ساری دنیا کہ بیماروں نے میرے ہی متھے (منہ) لگنا ہے۔"

"جی سر....!" اسے اچنبھا ہوا۔ مانا اس کا باپ تو بیمار ہے اور کتنے سارے ہیں اس شخص کی زندگی میں بیمار۔

"کل چھٹی نہیں ہونی چاہیے سمجھیں۔ تمہیں تمہارے باپ کی خدمتوں کے لیے تنخواہ نہیں دیتا۔"

فون کھٹاک سے بند ہوگیا۔ اس نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کیں ساری رات خود سے گھن کھانے کے بعد اب نئے سرے سے اپنی کم مائیگی کا احساس پھیلنے لگا اسی احساس میں ابو کی کھانسی ہر چیز پر حاوی آگئی۔

✡ ✡ ✡

گہرے سمندر سے جھانکتی سبز کاہی پہاڑیاں لہراتے پام کے درخت اور مست ہوا ایک ہوش ربا منظر میں ڈھل رہے تھے۔ مریم نے سب سے پہلے گاڑی پارکنگ ایریا میں کھڑی کی۔ مریم نے اس سے کچھ پوچھا تھا شاید "سرپرائز اچھا لگا" مگر وہ دور لگے پام اور ناریل کے درختوں کی جھولتی لمبی شاخوں کو دیکھنے میں محو تھی۔ بحرالکاحل اور بحرہند کے بھرپور سنگم پر آباد جزیرہ نما آسٹریلیا میں یہ بڑا ہی پرفضا موسم تھا۔ ویسے تو آسٹریلیا کو دیکھ کر یہ سمجھنا مشکل ہے سمندر کہاں ہے' دریا کہاں.... بسا اوقات تو سڑک کنارے چلتے چلتے یہ وہم ہونے لگتا ہے دوسری سڑک پر چڑھتے تو شاید آگے سمندر ہی استقبال کرے اس لیے راستوں کا علم ہونا تو بے حد ضروری تھا۔ اور مریم سے زیادہ یہاں کے راستے کسے پتا تھے۔ وہ اس ملک کی باسی تھی ماں باپ دونوں آسٹریلین۔ ازمیر کو یہاں رہتے کتنے برس گزر چکے تھے شاید پھر بھی اتنے راستے نہیں پتا ہوں گے جتنے مریم کو ازبر تھے۔ گاڑی لاک کرکے ردائیبہ کا بازو کہنی پر سے تھاما اور رش میں سے ہوتی تیزی سے ٹکٹ گھر کی جانب بڑھ رہی تھی۔ رات ازمیر اور اس میں یہی طے پایا تھا کہ ٹکٹ ازمیر خرید لیں گے مگر انہیں حقیقتاً" اسکول میں ضروری کام پڑ گیا تھا اس میٹنگ کو اٹینڈ کرنا از حد ضروری تھا' کچھ دیر پہلے ہی ٹیکسٹ پر مریم کو بتایا تھا۔

"تم ٹکٹ لے لینا۔ مے بی میں لیٹ ہو جاؤں.... اور مے بی...."

"اور مے بی.... کچھ نہیں.... ٹکٹس میں لے لوں گی.... بے شک لیٹ مگر تم نے آنا ہر صورت ہے.... ایٹ لیسٹ یہ ہماری بیٹی کا دن ہے۔"

"یار میں پوری کوشش کروں گا۔"

"کوشش نہیں ازمیر.... عمل۔"

انہوں نے جواباً" ویلکم کی اسمائلی بھیجی مریم نے مسکرا کر دل پیش کردیا۔ اب وہ پورے دل کے ساتھ ٹکٹس لینے میں سرگرداں تھیں۔ کیوں کہ سنٹرل فیری اپنی وقت پر نکلتی تھی۔ ابھی کچھ وقت تھا اس کے چلنے میں۔

پارکنگ ایریا کے بائیں جانب درختوں کے جھنڈ میں بانسوں سے بنا جھونپڑی نما ایک بڑا سا ٹکٹ گھر تھا۔ جس کے مختلف طاقچے نما کھڑکیوں کے آگے لمبی قطاریں لگی تھیں۔ فیری کے ٹکٹ تو وہ باہر والے ٹکٹ گھر سے لے چکی تھیں ادھر سے انہوں نے کار کے لیے پاس خریدنا تھا۔ آخری طاقچے میں قدرے کم رش دیکھ کر وہ اسی جانب بڑھی تھیں۔ جہاں ایک بھاری بھرکم خاتون گاہکوں کو پاسز ایشو کر رہی

تھی۔ پورٹ فیری بیچ کی خاص بات یہ بھی تھی کہ وہاں جو بڑی بڑی فیریز چلتیں تھی ان کی بیسمنٹ میں گاڑیوں کے لیے پارکنگ لاٹ بنا ہوا تھا۔ کوئی سیاح اگر دوسرے کنارے تک اپنی ذاتی گاڑی لے جانا چاہے تو بہترین سہولت تھی۔ کیونکہ دوسرے کنارے پر بہت سے تفریحی مقام اور گھنے جنگل تھے بے شک وہاں پر مختلف کیبن بسیں چلتی تھیں مگر جو بات اپنی سواری کی ہے اس کی بات ہی الگ ہے اور ویسے بھی آسٹریلنز پبلک بس کے بجائے اپنی سواری کو پہلے ترجیح دیتے ہیں اگر ذاتی سواری 'موجود ہو تو۔ مریم نے آگے بڑھ کر اس خاتون سے پاس خریدا اور وہ دونوں واپس کار میں آ بیٹھیں۔ اب ان کی گاڑی پتھریلی سڑک کو ٹائروں کے نیچے روندتی یک لخت لکڑی کے چوڑے ریمپ پر چڑھی اور کچھ ہی فاصلہ طے کر کے ڈولتی فیری کی بیسمنٹ میں آ رکی۔

اسی وقت اس کا موبائل روشن ہوا مریم نے دیکھا تھوڑا سا موڈ بدمزا ہوا لیکن روائیبہ کے "لیس" پر دونوں ماں بیٹی نے زور سے نعرہ لگایا تھا "لیس" وہاں اور بھی بہت سی کاریں ' جیسے کھڑی تھیں پر نئی رکنے والی کار کے مسافروں کی ملتی جلتی سی خوشی ہوتی تھی۔ یہ ایک عجیب اور خاصا لطف اور تجربہ تھا سطح سمندر میں کھڑی فیری کے اندر آپ اپنی کار میں داخل ہوں فیری کی ہلکی سی لرزش دل میں لکڑی کے جھولتے پل کا گمان پیدا کرتی تھی گڈ اینڈ ونچر۔ مریم نے گاڑی لاک کی اور برقی سیڑھی سے گراؤنڈ فلور کے عرشے پر آ گئیں۔

کھلے سے عرشے کے دونوں جانب بینچز نما چیئرز کھچا کھچ سیاحوں سے بھری ہوئی تھیں۔ درمیان میں میزوں کی لمبی رو تھی جن میں لگے کڑے نما اسٹینڈز پر مختلف مشروبات رکھے تھے۔ فیری کے ٹکٹ کے ساتھ ان مشروبات کی ادائیگی ہو چکی تھی اس لیے کوئی بھی مسافر لینا چاہے کھلی آزادی تھی۔ اور ان کے بالکل اوپر بندھی ایک لمبی اسٹیل راڈ پر گلاس لٹک رہے تھے کوئی منچلا گزرتے گزرتے انگشت سے ایک گلاس کو چھوتا آہستہ آہستہ جھولتے گلاس ایک دوسرے سے ٹکرا کر دھن بکھیر دیتے۔

مریم ' روائیبہ کا بازو کسی چھوٹے بچے کی طرح پکڑے اسے کھینچتی آگے تک لا رہی تھیں۔ اپنے مطلوبہ بینچ تک آ رکیں جہاں کے ٹکٹس لے رکھے تھے ان کا ریزرو بینچ خاصا آگے تھا جس کے سامنے کچھ کھلی جگہ بھی تھی۔ فیری کی سفید گرل کے ساتھ ازمیر 'میرڈین اور اسمتھ ان کے منتظر کھڑے تھے۔ ازمیر پر مریم کی نگاہ پڑتے ہی تھوڑی سی خفگی ضرور ابھری تھی۔ اتنی محنت سے انہوں نے ٹکٹس خریدے تھے ادائیگی کی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی محترم کا ٹیکسٹ آ گیا تھا عرشے پر ملو میں ٹکٹس لے چکا ہوں۔ غصہ تو مریم کو بہت آیا تھا کوئی سخت سا جواب سینڈ کرتیں مگر انہیں فوراً "یاد آ گیا۔

"نہیں آج غصہ نہیں' آج ہماری بیٹی کا دن ہے ...." بہرحال اضافی ادائیگی کے لیے ازمیر سے بعد میں نبٹ لیں گی۔ اور اب ان کی معمولی سی خفگی وہ سمجھ چکے تھے مسکرا دیے۔

"یار فری ہو گیا تھا۔" بالکل اسی انداز میں۔ روائیبہ انہیں دیکھ کر تیزی سے بھاگی تھی۔

"ڈیڈی مجھے پتا تھا آپ آج مصروف ہو ہی نہیں سکتے۔" ڈیڈی کی کھلی بانہوں میں وہ رکی کھڑی تھی۔ تب ہی میرڈین اور اسمتھ نے اسے وش کیا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

"تھینکس۔"

جندب ایک سائڈ پر کھڑا سمندری ساریں سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا سب سے لاسٹ میں وہ آگے بڑھا اور اپنے چھپائے ہوئے ہاتھ آگے کیے۔ ان میں ایک سرخ گلابوں کا بڑا سا بوکے تھا جس کی ٹہنیوں کو ہارٹ شیپ کی کیسی غباروں کے دھاگوں سے لپٹا ہوا تھا۔ اس نے تھوڑا سا جھجکتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا اور بوکے پیش کیا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ڈیئر فرینڈ.... اینڈ کبھی میری بھی ایسے سلیبریٹ کرنا۔"

"تھینک یو۔" اس نے بو کے تھاما اور دوسری بات کے لیے پرامس نہیں کرتی۔" اس نے کہتے ہوئے پھولوں کو گہری سانس سے سونگھا تھا۔ اور پھر ہاتھ اوپر کرتے ہوئے بو کے اڑتے سارس کی جانب چھوڑ دیا۔ غباروں میں مقید ہوا پھولوں کو اڑا لے گئی۔ پھولوں کے چھونے سے سارس تیزی سے پھڑپھڑائے تھے۔ نمکین ہوا معطر پھولوں کو گہرے پانی کی جانب اڑا لے جا رہی تھی۔ جندب نے اپنے تحفے کے ساتھ اس سلوک کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

"ویری اسٹوپڈ۔۔۔ تم اس قابل نہیں ہو، تمہیں وش کیا جائے۔۔۔ میرا گفٹ واپس کرو۔"

"اچھا۔۔۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔ "تمہارا ارادہ تھا، میں بھی ان غباروں کے ساتھ اڑ جاتی۔۔۔ تم اڑ کر جاؤ، واپس لے آؤ۔" وہ کندھے اچکا کر اترائی۔

"سوسیڈ روائیہ۔" میرڈین نے اس کے شانے پر گھونسا مارا تھا "تمہیں صرف غبارے چھوڑنے چاہیے تھے، پھول نہیں" اسمتھ نے بھی گھر کا۔ جندب کے گفٹ کی بے قدری پر انہیں دکھ ہوا تھا۔ البتہ ازمیر اور مریم نے کچھ نہیں دیکھا تھا وہ موقع پاتے ہی اپنی ادائیگی کا حساب چکتا کر رہے تھے۔

"میں تم سے ناراض ہوں، تم میرے تحفوں کا ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتیں۔" جندب نروٹھے پن سے منہ پھیر گیا۔

"تمہیں یہ شکر کرنا چاہیے، تحفوں والا سلوک تمہارے ساتھ نہیں کرتی۔"

"تو کرلو۔۔۔ مجھے اب فرق نہیں پڑتا۔"

"کیا واقعی فرق نہیں پڑتا۔" وہ اس کے سامنے ہوئی اس نے جیبوں میں ہاتھ اڑستے کندھے اچکائے۔

"ہاں میں ناراض ہوں۔"

"اوہ، سوری۔۔۔ پلیز سوری جندب۔۔۔ میں نے مذاق کیا تھا۔" اسے سنجیدہ ہوتے دیکھ کر اپنی غلطی کا کسی قدر احساس ضرور ہوا تھا اسے بازوؤں سے پکڑ کر اپنی جانب پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھی "سچ میں، میں چاہ رہی تھی تمہارا اتنا پریٹی سا گفٹ سمندری سارس تمام میرین لائف (آبی مخلوق) کو دکھائیں، جسے چھوئے وہ سب کو بتائے، یقین کرو، مجھے تمہارا گفٹ بہت اچھا لگا اور میں اس گفٹ کے لیے سمندر، سارس اور ہوا کو گواہ بنانا چاہ رہی تھی، جہاں تک انہیں ہوا لے جائے گی، اتنی ہی گواہ اکٹھے ہو جائیں گے۔۔۔ پلیز معاف کردو۔" ازمیر، مریم اپنی بحث سے ابھی فارغ ہوئے تھے اور اس کی اتنی لمبی تمہید سن کر حیرت سے اک دوجے کو دیکھا ان کی بیٹی کو باتیں بنانے میں کمال کب حاصل ہوا۔ پھر ان کو مخاطب کیا تھا۔

"کیا ہوا بھئی، کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں انکل۔"

جندب نے ایک نگاہ اسے گھور کر لہجہ نرم کرتے بتایا تھا "آپ کی یہ خبطی بیٹی کہہ رہی ہے، آج اسے سمندری سارس بن کر اڑنا ہے، غباروں کے ساتھ اڑنا چاہ رہی تھی، بڑی مشکل سے اسے قابو کر کے غبارے چھوڑے ہیں۔۔۔ اسٹوپڈ۔"

"ہا۔۔۔ آ۔۔۔" ڈانٹ بھی دیا، سوری بھی منگوالی۔۔۔ وہ منہ کھولے کھڑے تھی۔

"بند کرو اسے، کوئی سارس زبان کھینچ لے گا۔" کچھ سنا کر آخر اس نے بدلا تو لینا ہی تھا اور آج تو ویسے ہی چڑانے کا مزا الگ تھا۔ یہ سارا پروگرام ازمیر، مریم نے جندب سے مل کر طے کیا تھا۔ یہاں تک کہ میرڈین اور اسمتھ جنہیں اس نے گھر پر انوائٹ کر رکھا تھا انہیں خاموشی سے پروگرام بتایا تھا۔ روائیہ ان کی جانب سے خوامخواہ ہی شرمندہ ہوئے جا رہی تھی۔ کہ منع کرنے پر اسکول میں اس پر کنجوس یا جھوٹی کا لیبل لگائیں گے، جندب سے دو، دو ہاتھ کر کے ان کی طرف پلٹی تھی۔ "بہت آیا کیک کے پیسے مانگنے والا۔" وہ دانت جما کر بولی۔

"میرے ڈیڈی کیک لائے ہیں، میرا گفٹ کہاں ہے؟"

"گفٹ۔۔۔!" اسمتھ پورا جبڑا دکھاتے ہوئے ہنسا۔

"تمہارے گھر کے بجائے ہمیں یہاں۔۔۔ اتنی دور آنا پڑا، ہمارا کرایہ کہاں ہے۔"

"پہلے گفٹ۔"

"پہلے کرایہ...." ان کی فرینڈلی نوک جھوک پر مریم اور ازمیر دونوں محظوظ ہو رہے تھے۔ مریم نے پرس سے اس کا گفٹ نکال کر وش کیا اور ساتھ تنبیہہ بھی کی تھی۔

"وش کرنے کا مطلب خوش کرنا ہوتا ہے.... خون خشک کرنا نہیں.... جیسے تم نے لاسٹ ٹائم ہمارے ساتھ کیا تھا.... یاد ہے نا۔" سال پرانی حرکت پر آج پھر وہ ویسے ہی شرمندگی محسوس کر رہی تھی جیسے اس دن محسوس کی تھی۔ اور مصنوعی خفگی سے ڈیڈی کے پیچھے کھڑے جندب کو گھورا جو دانت نکوس رہا تھا۔

"سوری ڈیڈی.... میں کبھی ایسا نہ کرتی وہ سارا اس کنگرو کا مشورہ تھا...." اس نے جندب کی جانب انگلی اٹھائی۔ اس نے اپنا سر خم میں کرتے دل پر پورا ہاتھ کھول کر رکھا تسلیم کیا اور ادب سے بولا۔

"مائی ڈیئر کوالہ' یہ فیری پورٹ کا مشورہ بھی اسی کنگرو کا ہے.... لطف اٹھایئے۔" فیری کے چلنے کا بگل بج چکا تھا سب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے چند لوگ ہی ہوں گے جو ان کی باتوں پر دھیان دے رہے ہوں گے ورنہ وہاں سب کے لطف اندوز ہونے کا بہت سا سامان اور نظارے تھے۔

ازمیر کے پہلو میں مریم ایک بینچ پر ٹک گئی تھیں۔ اور ینگ پارٹی کا عرشے کی گرل سے ہٹنے کا قطعاً ارادہ نہیں تھا۔ جندب زبردست وائلن بجا لیتا تھا اس نے وکٹورین میلوڈک اسکول سے باقاعدہ سیکھا تھا اور جب بھی کوئی خاص موقع ہوتا وہ اپنا وائلن لے جانا کبھی نہیں بھولتا تھا۔ آج روائیبہ کی سالگرہ ہے' وہ کیسے بھول سکتا تھا۔ اور ویسے بھی مریم نے بطور خاص اسے رات کو یاد دلایا تھا۔ اس نے اپنا وائلن فیری کی دیوار کے ساتھ لگا رکھا تھا۔ اٹھایا اور بجانا شروع کر دیا۔ اس کی سالگرہ کے لیے تیار کی خاص دھن اس کے وائلن سے نکلنے لگی۔ میڈین اور اسمتھ گرل پر لگی رسی کو مضبوطی سے پکڑے کھڑے تھے۔ رسی چھوڑی اور جھومنا شروع ہو گئے۔ وہ بینچوں کے قریب ہی لکڑی کے فرش پر پھسکڑا مارے بیٹھی تھی۔ اپنا سر مریم کے گھٹنوں پر ٹکا لیا جندب اس کے سامنے کھڑا وائلن بجا رہا تھا۔ پوری محویت' پورے سکون کے ساتھ' تانبے کی تار کا تار کے ساتھ ٹکرانے پر ساز بکھرنے لگے۔ ایسے لگ رہا تھا سبز سمندر کے تمام سارس' لہریں اور ہوا بھی دم سادھے اس کی دھن سننے آ رہی ہو۔

میوزک روائیبہ کی کمزوری تھا اوپر سے جندب کا وائلن جو سارے فرینڈز میں بے حد مقبول تھا وہ آج بطور خاص اس کے لیے بج رہا تھا وہ بہت خوش تھی پوری محویت سے اس کی بند آنکھوں پر نگاہیں جمائے۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولیں ارد گرد سے گھوم کر اس کی چمکتی آنکھوں میں جم گئیں۔ تاروں کے ٹکراؤ میں کوئی جادو تھا جو ان دونوں پر چڑھتا جا رہا تھا۔ فیری سمندری ہواؤں کو چیرتی تیزی سے اپنی منزل کی جانب رواں تھی تیز ہوا سے اس کے بال پھڑپھڑائے۔ مریم نے پرس سے بینڈ نکال کر پونی میں جکڑ دیے۔ ہوا اور پانی کی تیز غراہٹ میں وائلن کی آواز اگرچہ دبنے لگی تھی مگر پھر بھی چند جاپانی لڑکوں کا گروہ اٹھ کر جھومنے لگا۔ آسٹریلیا میں جاپانی اور کورین بہت تعداد میں ملتے ہیں بلکہ بہت سی جگہوں اور دکانوں پر تو سائن بورڈ پر انگلش کی ساتھ جاپانی زبان بھی درج ہوتی ہے اس فیری میں بھی کئی جگہ جاپانی زبان کے جملے لکھے تھے۔ جو کسی کو سمجھ آئیں نہ آئیں جاپانیوں کو البتہ خوب سمجھ آ رہے تھے اور وائلن کی دھن پر وہ اپنے کسی فوک گانے کو گنگناتے جندب کو تھپکیاں لگا کر داد دے رہے تھے۔ کچھ تو باقاعدہ گلے ملے تھے۔ لیکن وہ جس کی داد کا منتظر تھا وہ ہنوز خاموش تھی۔ چھپی مسکراہٹ ہونٹوں میں دبی تھی۔ پھر جانے ایسا کیا ہوا۔ یک لخت ہی اس نے وائلن اسٹک کو پکڑ لیا ساز تھم گیا۔ وجد ٹوٹ گیا۔ دھن پر مست ہوئی ہوا' لہریں اور سارس سب سمندر میں واپس چلے گئے۔

"پلیز بند کرو۔ مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" سب کو اس پر حیرت ہوئی تھی اور جاپانیوں نے تو باقاعدہ اپنی زبان میں اسے بدذوق کہا تھا۔ وہ اٹھ کر گرل کے پاس جا

کھڑی ہوئی۔ نگاہ کا مرکز سبز سمندر' شوریدہ لہریں اور ہوا کے ٹھنڈے جھونکے تھے۔ جو اس کے سنہرے چہرے کو بے چین کر رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

فیری بیچ پر پہنچ چکی تھی۔ ایک ایک کرتے مسافر باہر نکلنے لگے۔ میرڈین' اسمتھ اپنی گاڑی میں اور وہ چاروں اپنی گاڑی میں وہاں سے نیشنل گرین رین فورسٹ کے لیے نکلے تھے آج کی ساری پکنک روائینہ کے نام تھی اور وہ تمام جگہیں جو اسے پسند تھیں کم از کم ایک دو پر تو لازمی جانا ہی تھا۔ اور گرین فورسٹ اس کا موسٹ فیورٹ۔ سبزے سے لدے اونچے پہاڑ ایسے تھے جیسے پاکستانی بھوربن کے پہاڑی میدان ان میں گالف کلب کی دبیز چادر۔۔۔ سبز پہاڑوں کی اونچائی سے بہتے دودھیا جھرنے گہرائی میں پانی گراتے تو دودھیا رنگ پگھلی ہوئی چاندی میں بدل جاتا۔ اس خاموش جنگل میں پانی کے گرنے کی آہٹ اور جڑی بوٹیوں کی خوشبو نے ادھر سحر نگری بنا رکھی تھی۔ بالکل ویسی نگری جیسی الف لیلوی کہانیوں میں تصوراتی ہوتی ہیں۔ اسی وقت وہ اس سحر نگری کا حصہ بنے ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔

مریم نے باسکٹ سے چادر نکال کر بچھائی۔ ینگ پارٹی نے ایک ایک کرکے تمام پکنک کا لایا گیا سامان گاڑی سے ادھر تک پہنچا دیا تھا۔ صبح بنایا گیا اسٹابری ڈرائی کیک اتنا زبردست بنا تھا کئی گھنٹوں کے بعد ابھی تک فریش ہی تھا۔ اس کیک کی تعریف حقیقتاً" بنتی تھی جو ازمیر نے تو دل کھول کر کی تھی۔ دستر خوان ابھی پھیلا ہی تھا کہ بادل کی ایک گرج کے ساتھ ہی تیز بارش شروع ہوگئی تھی اور اس جنگل کا یہی سب سے بڑا رومانس تھا کہ بہت اچانک اور چند منٹوں کی مگر موسلا دھار ٹھنڈی بارش تڑتڑ کرکے اترتی تھی۔

بارش کی دھار اتنی تیز اور موٹی سامنے دھند لکے کی چادر بن گئی تھی صرف زمین سے آسمان تک بارش ہی بارش۔۔۔ پھڑپھڑاتے خوف زدہ پرندے بارش سے بچنے کی کوشش میں تیز تیز پر مار کر پانی جھاڑتے مگر جتنا پانی

جھڑتا اس سے کہیں زیادہ برس رہا تھا۔ انہوں نے درختوں کی کھوہوں' پتوں سے لدی شاخوں میں آغوش ڈھونڈی' کچھ سیاحوں نے رین کوٹ چڑھائے اور جنگل کی بارش سے لطف اندوز ہونے لگے۔ انہوں نے بھی جلدی جلدی سامان ڈھانپا اور سب آسٹریلینز کی طرح اپنے ساتھ لائے گئے رین کوٹ اب تک چڑھا چکے تھے۔ سوائے روائینہ کے۔ مریم نے نکلتے ہوئے اپنا کوٹ دروازے کے ساتھ لگے ہک سے اتار کر لیا تھا ان کا خیال تھا روائینہ اپنا اتار لے گئی جیسے اکثر اتار لیتی تھی مگر وہ لپ اسٹک' نیل پالش اٹھا ان کے ساتھ باہر نکل آئی۔ اسے رین فورسٹ آنے کا آئیڈیا نہیں تھا ورنہ وہ بھی ضرور رکھتی۔ اس کے نچڑتے بالوں کا پانی کندھے پر سے ہوتا لباس بھگونے لگا۔

"تمہیں اس کا کوٹ لانا یاد نہیں رہا۔" اسے بھیگتے دیکھ کر ازمیر نے اپنا اتار دیا تھا جبکہ جندب نے انہیں منع کیا اور اپنا اتار دیا اس کی جانب اچھالنے لگا مگر اس نے فوراً" ڈیڈی کا لے لیا۔

"میں یہ لوں گی۔" اس نے ایک پل اسے دیکھا تھا اور کوٹ انکل کو پکڑا دیا۔

"آپ یہ پہن لیں۔ میں ایسے ٹھیک ہوں۔"

سر سے سر جوڑے درختوں کی ہلتی شاخوں سے بھی پانی چھاجوں برس رہا تھا۔ بارش کو تھمنے میں کچھ وقت لگا تھا پھر وہی جادو نگری میں جیسے کسی نے چھڑی گھمائی شام کے آخری سورج کی کرنیں مسکرا کر اپنے ڈوبنے کا پتا دینے آئی تھیں اسی ڈوبتی شام میں ازمیر کے سیل کی بپ ہوئی۔ رین کوٹ اب اتر کر ایک بیگ میں ڈال کر باسکٹ میں رکھے جاچکے تھے۔ انہوں نے اپنا سیل نکالا لمحے بھر کے لیے گھنی بھنوؤں کا درمیانی فاصلہ سمٹ گیا تھا۔ آنکھوں کی متحیر لکیریں واضح ہوگئی تھیں۔ مسلسل ٹون ہونے پر مریم کو اچنبھا ہوا۔

"ریسیو کیوں نہیں کر رہے؟"

"ہیں۔۔۔ ہاں۔" ایسے بولے جیسے سوتے شخص کو جگا دیا گیا ہو۔ اب ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ زندگی میں پہلی

بار کال کر رہا تھا اگر ہفتوں نہیں تو مہینوں بعد ہی سہی مگر وہ کبھی کبھار خیریت پوچھ لیتا لیکن انہوں نے خود سے فون کبھی نہیں کیا تھا۔ ہزار بار چاہنے کے باوجود بھی نظر انداز کر دیتے۔ جہاں اتنا وقت گزر گیا وہاں باقی بھی سہی' اسکرین مسلسل روشن ہو رہی تھی۔ انہوں نے سبز دائرہ دبا کر سیل کان سے لگا لیا اور آہستہ آہستہ چلتے سائڈ پر ہو گئے۔

"ایوری تھنگ از او کے۔" فون سننے کے بعد سے وہ خاصے چپ تھے' آنکھیں بجھی ہوئیں' چہرہ الجھا الجھا۔ چاروں بچے مختلف زاویوں سے فوٹو سیشن کر رہے تھے کتنی بار مریم کو کھینچ کر لے گئے۔ ازمیر کو بھی اشارے کیے مگر وہ مسکرا کر ٹالتے رہے۔

"آپ لوگ انجوائے کرو.... یار۔" مریم کو کچھ تشویش ہوئی تھی وہ ان کے پاس ہی ایک پتھر پر بیٹھ گئیں۔ دوبارہ پوچھا تھا۔

"ٹھیک تو ہے نا.... بتا کیوں نہیں رہے.... کچھ خاص بات ہے۔"

"نہیں بس ایسے ہی...."

"فون کس کا تھا....؟" انہوں نے ایک گہری نگاہ سے انہیں دیکھا اور آہستگی سے بولے تھے۔

"حنبل کا...." ان چاروں میں جانے کیا طے پا چکا تھا فٹافٹ سامان لپیٹا باسکٹ اٹھا چیئر لفٹ کی جانب بڑھ رہے تھے' جندب نے ان دونوں کو بھی ہاتھ سے اٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ ساحل سے لے کر جنگل کی گہرائی تک چیئر لفٹ لگی تھی اکثر لوگ تو اسی پر بیٹھ کر سارا جنگل گھوم لیتے تھے مگر یہ پہلے ٹریک پر ہی اتر گئے تھے مزید اونچائی پر جانے کے بجائے واپس ساحل کی جانب جانے کا پروگرام بنایا تھا جہاں گاڑیاں بھی کھڑی تھیں۔ بھلا کہیں آسٹریلنز اکٹھے ہوں اور کرکٹ کا ذکر نہ ہو.... یہ ہو ہی نہیں سکتا اور پھر فلڈ لائٹ میچ.... یہ کیڑا جندب کے دماغ میں کلبلایا تھا اسی وقت دو ٹیمیں بنیں ایک گرلز کی' دوسری بوائز کی۔ فٹافٹ سامان سمیت نیچے ساحل پر جانے کے پر تولے۔ وہ دونوں بھی ان کے پیچھے ہو لیے تھے۔ اوپر جنگل میں بارش' بادل اور شام نے خاصا اندھیرا کر دیا تھا مگر ساحل پر لگیں بڑی بڑی پول لائٹس میں ڈوبتا سورج اور پانی کی ٹھاٹھیں.... واؤ کرکٹ میچ کا مزا ہی الگ تھا۔

کسی نے صحیح کہا ہے اگر کرکٹ میں ڈوبے ہوؤں کو دیکھنا ہے تو آسٹریلنز کو کرکٹ کھیلتے ہوئے دیکھ لو۔ اردگرد کو بھلائے صرف وہ اور ان کا بیٹ بال۔ جب انہوں نے ٹیم بنا کر میچ شروع کیا تو کئی اور سیاح بھی شامل ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ کچھ تو پوری پوری کرکٹ کیٹ ساتھ لیے گھوم رہے تھے۔ بہت سے لوگوں کا ایک مکمل میچ بن گیا تھا۔ ازمیر کو انہوں نے ایمپائر کے لیے آفر دی وہ سر درد کا بہانہ کر کے سائڈ پر بیٹھ گئے۔ ازمیر چپ ہوں مریم کا دل بھلا کیسے لگ سکتا تھا اپنے گرد شال لپیٹے وہ انہی کے ساتھ تماشائیوں والے پتھروں پر ہی بیٹھ گئی۔ ازمیر کو بار بار کریدنا انہیں اچھا نہیں لگا۔ اتنا تو وہ جانتی تھیں پاکستان سے جب جب فون آتا ہے وہ بہت دیر گم صم ہی رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے حنبل نے کچھ کہا ہو۔ جب مناسب سمجھیں گے خود ہی بتا دیں گے۔" انہوں نے ہاتھوں کو جوڑ کر مٹھی کی صورت گھٹنوں پر رکھ لیا اور پوری محویت سے ان کا میچ دیکھ رہی تھیں۔ بچوں نے ایک ذرا بڑی عمر کے انکل کو ڈھونڈ کر اپنے لیے ایمپائر کا کام چلا لیا تھا۔ اور خوب چھکے چوکے' ان کے ہنگامے سے درخت' پتھر' سمندر سب ہی محظوظ ہونے لگے۔

اس وقت بیٹنگ روائیبہ کر رہی تھی اور بھرپور شارٹس لگا کر کتنی ہی بالز ڈولفنز کو کھیلنے کے لیے تحفہ کر چکی تھی۔ اسمتھ بال پکڑ کر دور سے بھاگتا آیا تھا اس کے پریشر کو دیکھ کر ہی اس نے گھٹنا مین پر ٹیک کر اونچی شارٹ لگائی تھی بال پھر سمندر کی جانب گئی۔

"اوہ شیٹ...." سب کے منہ سے یک لخت نکلا۔ اور نئی بال کی تلاش کے لیے کھسر پھسر شروع ہو گئی کئی نے اپنی باسکٹ دیکھیں۔ کچھ نے اپنی کٹ۔ اسمتھ اور میرڈین کو لڑنے کا موقع مل گیا تھا کہ یہ آؤٹ نہیں ہو رہی اور تمہاری باری بالکل نہیں آئے گی۔"

اسمتھ نے پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کی جو میرڈین

فوراً" سمجھ گئی۔

"تم لوگوں میں دم نہیں ہے... بال سیدھی دے رہے ہو... یہ ٹارگٹ اچیو کرلے گی۔" ایمپائر انکل بھی تھک گئے تھے دم سادھنے کو ایک جانب بیٹھ گئے اور کچھ وقت کی نوعیت دیکھ کر واپسی کے لیے اپنی سواریوں کی جانب بڑھے ان سب سے الگ جندب جو فیلڈنگ پوائنٹ پر لہروں کے کنارے پر کھڑا تھا۔ لمحے لمحے سے لہر آتی بمشکل اس کے ٹخنے کو چھوتی وہ پانی کی سطح پر تیر کے آگے بڑھی بال کی جانب بڑھا تھا۔ پھر بڑھتا گیا' بڑھتا گیا اور بڑھتا چلا گیا۔

اس کی نگاہوں کے سامنے جانے روائیبہ تھی یا بال مگر وہ بڑھتا جا رہا تھا۔ پانی اس کی پنڈلی سے اوپر تک آگیا تھا تب روائیبہ کی نگاہ اس پر گئی۔ وہ بیٹ پھینک کر چلاتی ہوئی اس کی جانب بڑھی تھی۔

"جندب... اسٹاپ آگے گہرائی ہے۔" آواز پر ازمیر' مریم بھی چونکے تھے پتھر سے اٹھ کھڑے ہوئے ان کی جانب بڑھے چونکہ وہ فاصلے پر تھے دیر سے پہنچتے' میرڈین اسمتھ کی لڑائی ابھی بھی جاری تھی۔ لوگوں' لہروں اور ان کی اپنی نا ختم ہونے والی بحث میں انہوں نے کچھ نہیں سنا تھا اور اگر سن لیتے تو اسمتھ بھاگ کر جاتا' بیٹ لے کر اور اس کے سر پر کم از کم دو بیٹ ضرور لگاتا۔

"کمینے سے فیلڈنگ تو ڈھنگ کی ہوئی نہیں' چوکے چھکے کھا کر رن بڑھا دیے' اب شرمندگی میں ڈوب کر مر رہا ہے۔" اور اسمتھ سے کوئی بعید نہیں تھا۔ وہ اس ڈوبتے کو مزید دھکا دے کر ڈبو دیتا کیونکہ وہ بڑھتے رن ریٹ پر آگ بگولا تھا۔ کتنی بار دانت کچکچا کر روائیبہ کو گھورا کہ آؤٹ نہیں ہو رہی تو اس کا سر ہی توڑ دوں۔"

جس نے دیکھا تھا وہ پاگلوں کی طرح بھاگی تھی اور اس کی بازو کو پیچھے سے اچھل کر پکڑ لیا تھا۔ "آر یو کریزی؟" وہ ایسے چونک کر مڑا جیسے نیند سے بیدار ہوا ہو' منہ کھل گیا تھا اور آنکھیں ایسے جیسے اردگرد کو سمجھنے کی کوشش میں ہلکان ہوں۔

"تمہیں دکھائی نہیں دے رہا' آگے گہرائی بڑھ رہی ہے... کس کے پیچھے جا رہے ہو۔"

"میں تمہیں لہروں کی نظر ہونے نہیں دوں گا... پانی ڈبو دیتا ہے... میں تمہیں ڈوبتا نہیں دیکھ سکتا... روائیبہ۔" اس کے کھوئے کھوئے لب و لہجے پر' اس کے سارے چہرے پر حیرانگی سمٹ آئی تھی وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں جمائے قطعی پن سے دیکھ رہا تھا روائیبہ کو اس کے جمے انداز سے وحشت محسوس ہوئی اک لفظ بھی مزید نہیں نکلا اس کی چوڑی کلائی پر نازک انگلیوں کی گرفت ڈھیلی پڑتے پڑتے چھوٹ گئی۔

"یہ کیا کہہ رہا ہے' کیوں کہہ رہا ہے... لہر پر میں تو نہیں تیر رہی... بال ہے... یہ بال کے پیچھے جا رہا ہے۔" ایک ایک قدم پیچھے کی جانب اٹھاتے اسے اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا۔

نیشنل گرین فورسٹ کے بارے میں خاصا مشہور ہے کہ وہ جادو نگری ہے۔ وہاں کی فضا منتر پھونکتی ہے' موسم سحر انگیزی برساتا ہے' پل بھر کو اسے یقین ہوا اس پر جادو چڑھ گیا ہے ہریالی کا' جھرنوں کا' سمندر کی غراہٹ کا یا پھر گھنیرے جنگل کی سیاہی کا... ہاں جنگل کی تاریک سیاہی کا... کالا جادو... کالے جادو کا توڑ بہت مشکل ہوتا ہے... جندب کے چہرے کی ہونقی بتا رہی تھی اس کا فسوں ٹوٹنے والا نہیں۔ پیچھے ہٹتے ہٹتے پانی گھٹنوں سے پنڈلی اور پھر پاؤں کے نیچے تک رہ گیا... وہ بھی آہستہ آہستہ پانی سے باہر آ رہا تھا کسی مقناطیسیت کے تحت۔ ان کا لباس نمکین پانی سے بھیگ کر جسم کے ساتھ چپک گئے تھے روائیبہ کے سرخ پائنچوں سے پانی ٹپک ٹپک کر اس کے مومیا پاؤں پر بہنے لگا۔ بدحواسی سے بھاگنے پر ساحل کی کنکریں اس کے تلووں میں چبھ گئی تھیں۔ "نیم زخمی ننگے تلوے۔"

جس وقت کرکٹ میچ کا پلان ترتیب دیا تھا۔ چیئر لفٹ سے اترتے ہی اس نے ساحل پر اپنے سینڈلز کے اسٹریپس کھولے اور مریم کے پاس رکھ دیے۔ ہیل کے جوتے سے بے شک وہ خاصا تیز چل اور بھاگ بھی لیتی تھی۔ خاصی پریکٹس تھی اسے پہاڑ پر چڑھتے محسوس بھی نہ ہوا۔ مگر کرکٹ... وہ بھی شرط لگا

کر' بہت مشکل تھا۔ رنز چیز کرنا۔ اس نے ننگے پاؤں کھیلنے کو ترجیح دی تھی۔ مریم نے بھی ہیل پہن رکھی تھی۔ ورنہ ان سے تبدیل کرلیتی۔ اس کے ننگے پاؤں دیکھ کر جندب نے اپنے جوگرز اتار دیے تھے۔

"یہ پہن لو... ورنہ پاؤں زخمی ہو جائیں گے۔"

پہلے تو اس نے صاف انکار کیا۔ پھر پہن کر تسمے باندھ کر دیکھے۔ کہاں اس کا نرم ونازک دبلا پتلا پاؤں اور کہاں جندب کے مردانہ بھاری پاؤں کا جوتا' ٹھپ ٹھپ قدم اٹھاتے ہی باہر نکل آئے۔

"ان سے میں کیسے بھاگوں گی؟" اس نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ایسا کرتے ہیں اس پر کوئی چیز لپیٹ دیتے ہیں... بینڈ شینڈ۔" اسمتھ نے استہزائیہ کہتے ہوئے ادھر ادھر کسی رسی کی تلاش میں نگاہ دوڑائی۔

"یار تم اتار دو اپنے... شاید تمہارا پورا آجائے۔" جندب نے اسمتھ سے کہا تھا جو ڈیل ڈول میں سوکھا لمبا سا تھا۔ اس نے بے مروتی سے صاف انکار کیا تھا۔

"اس کے لیے پاؤں کی قربانی تم دو... میرا دماغ خراب ہے... ہاں اگر..." کچھ توقف کے بعد میرڈین کو مست نگاہ سے دیکھتے لفظ دبا کر کہا "میرڈین کو دینے ہوتے تو اپنا دل بھی اس کے پاؤں پر باندھ دیتا... کیوں میرڈین۔"

اس کی تائیدی اچکتی بھنوؤں پر میرڈین نے خونخوار نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔

"دلیں لیں... پھر میں اپنے پاؤں پر بندھے تمہارے دل کو خوب چل کر سمندری بھینسے کو کھلا دیتی۔"

"ہی ہی ہی..." اسمتھ دانت نکوسنے لگا۔ سیاہ رنگت پر ہوتی سفید دانتوں کی نمائش نے دونوں لڑکیوں کو غصہ چڑھا دیا۔ اس نے بوٹ نکال کر اسمتھ کے پیروں پر دے مارا۔

"بلڈی' باسٹرڈ... تم چاہتے ہو' میں اس ٹھپ پٹ میں الجھ کر ہار جاؤں... اتنی بے وقوف نہیں ہوں... ایسے ہی کھیل لوں گی۔" اور وہ ننگے پاؤں ہی مہارت سے کھیلنے لگی تھی۔ وہ جگہ قدرے ہموار بھی تھی اور جیت کے جوش میں چبھتی زمین محسوس بھی نہ ہوئی۔ لیکن اب چبھن سے زیادہ ٹیس محسوس ہو رہی تھی۔ مشرقی علاقوں میں سمندر ریت کے پہلو سے نکلتا ہے' نرم گرم سنہری ریت پر لوٹنیاں کھاتا نمکین پانی' جب کہ مغرب کے بیشتر ملکوں میں اونچے پہاڑوں اور جنگلات کے نیچے سمندر ٹھاٹھیں مار کر قدرت کے رنگوں کو داد دیتا محسوس ہوتا ہے۔ آسٹریلیا میں جہاں آپ کو سڑکوں کا ہمنوا سمندری کنارہ ملے گا' اسی طرح جنگلوں' پہاڑوں کے نیچے سمندر کی چھلیں (چھلانگیں) اسی سمندر کی ٹھل تک جاتے اور بچ کر نکلتے اس کے گلابی پاؤں کے تلوے نشان زدہ ہو گئے تھے۔ وہ خاموش تھی' سہمی ہوئی' وحشت زدہ تب ہی ازمیر اور مریم ان تک پہنچے تھے۔

"کیا بات ہے... کیا ہوا؟" دونوں نے بیک زبان پوچھا تھا۔ جندب نے اپنی ہونقی اور روائیبہ نے کپکپاہٹ پر قابو پالیا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا تھا البتہ وہ بول پڑی۔

"لگتا ہے آج کے دن کا تھیم ہیری پورٹر کے کنجوریشنز (منتر) ہیں... پہلے میرا دل سمندری سارس کے ساتھ اڑنے کو کر رہا تھا اور اب اس کا۔" اس کی اچٹتی نگاہ جندب پر گئی "دل کر رہا ہے بال کی طرح سمندر کی تہ پر تیرے۔" وہ کہہ کر رکی نہیں آہستہ آہستہ چلتی پتھر تک آئی سینڈل پہنے سامان اٹھایا اور گاڑی کی جانب چل دی۔ مریم اور ازمیر کو اس کی بات بالکل سمجھ میں نہیں آئی تھی انہوں نے پہلے اک دوجے کو پھر جندب کی جانب استفسار میں اشارہ کیا۔ اس نے انکار میں کندھے اچکاتے بازو فضا میں کھولے اور پہلو میں گرا دیے۔

☆ ☆ ☆

سیاہی مائل کاہی رنگ کی لینڈ کروزر ڈیرے کی چوڑی سڑک سے ٹرن لے کر کھیتوں کی جانب کچی سڑک پر مڑی تھی تا حد نگاہ پھیلے سبزے سے بھرے کھیت میں اس وقت فصل بہت چھوٹی اور سبز

تھی۔ گندم کی فصل زمین سے ایک فٹ اونچی ہو چکی تھی ان پر ابھی سٹے نہیں لگے تھے۔ گندم کے کھیت سے اگلے کھیت میں دور سے ہی رش دکھائی دیتا تھا گرد بار نے کچھ دھند لکا بھی بنا رکھا تھا۔ پر سوچ نگاہیں ادھر ہی جمی تھیں نہ تو گندم کی کٹائی کا موسم تھا اور نہ ہی آج کل چاولوں کی چھٹائی کا کوئی تذکرہ سنا تھا۔ لیکن میر ذکا اپنے الیکشن کی وجہ سے بہت سے وہ کام جنہیں وہ ضروری سمجھتے تھے کروائے جاتے تھے۔ حنبل ذکا اسلام آباد میں ہونے والی فوڈ پروسیسرز سے ایک ہفتے کی میٹنگ کے بعد رات دیر سے حویلی پہنچا تھا صبح کچھ دیر سے اٹھا اسی لیے ناشتے پر میر ذکا سے ملاقات نہ ہو سکی۔ پھر ڈیرے پر آگیا تھا۔ وہ اور خیام ذکا ادھر ہی تھے لیکن اپنے مخصوص سیاسی احباب میں۔ ان سے سرسری معمول کی ملاقات کے بعد کچھ اپنے کام بھگتائے۔

خیام ذکا کے کہنے پر کھاتے کے وہ رجسٹر جو صرف میر ذکا کے اندر چل رہے تھے ان پر ہلکی پھلکی بات چیت کر کے وہ شہر جانے کے لیے وہاں سے نکلا کھیتوں میں گرد بار دیکھ کر اسی جانب گاڑی ڈال دی۔ جیسے جیسے گاڑی آگے آ رہی تھی منظر واضح ہو رہا تھا اور تھریشر کام والوں کا شور بڑھ رہا تھا۔ کیوں کہ میر ذکا کا خاص منشی ہدایت اللہ گاڑی کا رخ ادھر دیکھ کر پھرتیاں مچاتا خواہ مخواہ کمیوں کو ڈانٹنے لگا۔ ابھی گاڑی رکی نہیں تھی جب اس کی نگاہ موچی نذیر کے لڑکے پر گئی تھی۔ سر پر بڑا سا تسلا اٹھائے تھریشر کے قریب جاتا راستے میں اس لڑکی کی کبھی کمر پر کہنی مارتا کبھی بازو پر چٹکی بھرتا۔ چادر میں لپٹی لڑکی کلبلا کر سمٹ جاتی۔ اب وہ لڑکی بوریوں کی جانب اپنا تسلا لے کر بڑھی اس نے ٹانگوں میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کی۔ وہ گرتے ہوئے سنبھلی، نذیر نے اپنا سوکھا لمبوترا منہ پھاڑ کر ہنسنا شروع کر دیا۔ کچھ ہفتے پہلے سنی بات پوری جزئیات کے ساتھ کانوں میں گونجنے لگی۔ وہ سٹنگ روم میں بیٹھا کوئی میگزین دیکھ رہا تھا۔ لاؤنج میں آئمہ بیگم کے کندھے دباتی خالہ گلزاری نذیر کے لڑکے اصغر کا ذکر کرنے لگی۔

"سچ کہہ رہی ہوں بی بی جی۔ بڑا بے غیرت ہو گیا ہے اصغر' آتی جاتی کڑیوں کو دیکھ کر چھیڑتا ہے' وٹے مارتا ہے۔ کتنی بار تو دوپٹے کھینچتے میں نے خود دیکھا۔ لعنتیں بھی ڈالیں لیکن ایک نمبر کا بے غیرت ہے۔"

"بس رہنے دے خالہ۔ کڑیاں بھی میں نے دیکھ رکھی ہیں۔ ایسی ہی ہیں۔ تبھی تو وہ کھل گیا۔"

"نا۔ نا۔ نا۔" مسکینیت سے اس کا سر نفی میں ہلا تھا "اپنی عزت کو چپ رہتی ہیں۔ باپ بھائی کے فساد سے ڈرتی ہیں۔ آپ ذرا بڑے صاحب سے کہہ کے اس کمینے کو جھاڑ پڑوا دو۔ کڑیاں سکھ کا سانس لے کر دعائیں دیں گی۔"

"نہ بڑے صاحب اب اسی کام کو رہ گئے ہیں۔" آئمہ بیگم منہ میں بڑبڑائی تھیں تب ہی حنبل ذکا میگزین ایک جانب رکھ کر اٹھا ادھر ہی آگیا۔

"کیا بات ہے خالہ۔ کیا کہتا ہے۔"

اس نے براہ راست گلزاری سے پوچھا تھا اور اس نے بھی نئے سرے سے بتانے کے لیے "اوں اوں" ہونٹ کھولے ہی تھے کہ آئمہ بیگم نے تند نگاہوں سے اسے چپ رہنے کی تنبیہی کی تھی۔ وہ دوپٹا سمیٹتی "وہ۔ وہ" کرتی کھسیا گئی۔ وہ بھرجائی کی کھلی آنکھیں دیکھ چکا تھا۔ پشت پر ہاتھ باندھے تب تک کھڑا رہا جب تک خالہ گلزاری وہاں سے چلی نہیں گئی۔

"خالہ کیا کہہ رہی تھی بھرجائی۔ کیا کیا ہے اصغر نے۔"

"کچھ نہیں۔ ایسے ہی بس۔"

"پھر بھی پتا تو چلے۔"

"دیکھ حنبل ذکا۔" آئمہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں اور روبرو ہو گئیں "میری پہلوٹھی کی اولاد بھلے ازلان ہے' مگر پالا پہلے تجھے ہے۔ میں نہیں چاہتی ان موچی' دھوبی' لوہاروں کے منہ لگ کر تو اپنے لیے بیر پالے۔ یہ کمی قبر تک بیر پالتے ہیں۔ ان کمیوں کی لڑکیوں کے یہی کام ہوتے ہیں' آئے دن تو بھاگ جاتی ہیں۔ پہلے دعوتیں دیتی پھریں گی' کوئی چھیڑ دے تو آگ لگ جاتی ہے۔" آئمہ بیگم حنبل ذکا کی عادت سے بخوبی واقف تھیں ایسے معاملات میں وہ خیام ذکا'

میرزکا سے بھی زیادہ آگ بگولا ہو جاتا تھا۔ ایسے ہی غصے میں کسی کا کچھ کردے "ان کمیوں کا کیا جائے گا نقصان تو ان کا ہو گا۔ بڑے تحمل سے لہجہ بدل کر بولی تھیں۔

"جب کبھی حویلی کسی کام سے آئے گا... میں خود ڈانٹ دوں گی اصغر کو... تو رہنے دے سن لی بس اتنا ہی ٹھیک ہے۔"

"کیسی بات کر رہی ہیں بھرجائی... اس کی ہمت ہے مجھ سے پیر پالنے کی... مسل کے رکھ دوں گا۔"

"اچھا اچھا بس ٹھیک ہے۔" آمنہ بیگم نے سر سے اتارنے کے انداز میں کہا تھا اور گلزاری پر شدید غصہ آیا۔ گھر میں مرد دیکھے بغیر اپنے رونے شروع کر دیتی ہے' اس کی طبیعت تو بعد میں درست کرنی تھی فی الحال ادھر ادھر کی باتیں کر کے حنبل کا دھیان بٹانے کی کوشش کرتی رہیں... تب تو بات آئی گئی ہو گئی تھی ایک دو بار اصغر کی شکل دیکھ کر خالہ گلزاری کی باتیں ذہن میں گونجیں اسے کڑی نظروں سے دیکھا مگر وہ کچھ الٹی سیدھی حرکتیں کرتا دکھائی نہیں دیا تھا سو جانے دیا... لیکن اس وقت اس کی رگوں کا سارا لہو سمٹ کر چہرے پر اتر آیا وہ دروازہ کھول کر دھاڑ سے مارتا ہوا آگے بڑھا۔ دھول مٹی میں اٹے اصغر کو سامنے سے دبوچ لیا۔ اس کے سر پر رکھا منجھی سے بھرا ٹوکرا قدموں میں گرا' دانے اڑ کر ادھر ادھر بکھر گئے۔ سب لوگ خوف زدہ ہو کر ادھر ادھر سمٹ گئے تھے۔ کچھ نے اشاروں کناروں میں چہ میگوئیاں کیں' حنبل زکا ہر بات سے لاتعلق بنا اسے گریبان سے پکڑ کر درخت کے ساتھ لگا دیا تھا اسے قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے چبا کر بولا تھا۔

"آئندہ کسی لڑکی کو چھونے کی بھی کوشش کی' تو جان نکال دوں گا۔" سبز چادر میں لپٹی لڑکی کن انکھیوں سے تو دیکھ رہی تھی جب اس کا جملہ سنا تو چادر کا پلو ہاتھ سے چھوٹ گیا بڑی بڑی آنکھیں پھیلیں' منہ کھل گیا... حنبل زکا اس کے لیے کسی کو مار رہا ہے۔ زینب کا دل بہت تیز دھڑکا تھا۔ اس نے اس کا گریبان جھٹکتے ہوئے چھوڑا۔ تب ہی زینب سے نظر ملی وہ گھبرا کر نگاہ بدل گئی۔ البتہ حنبل زکا کی سانس تیز چل رہی تھیں۔ وہاں پر موجود سب لوگوں نے ہی اصغر۔ کو ملامتی نگاہیں بخشنی شروع کر دیں تھیں۔ ہدایت اللہ بھی اسے لعنتیں دیتا بھاگ کر گیا۔ ایک گلاس میں پانی لے کر حنبل زکا کے پاس آیا تھا۔

"اس بے غیرت کو تو میں دیکھ لوں گا... آپ یہ پییں۔" حنبل زکا نے اس کے ہاتھوں سے گلاس پکڑتے ہوئے ایک بار پھر کٹیلی نگاہ اصغر پر اٹھائی تھی۔ گھونٹ بھرا گلاس نیچے کرتے ہوئے زینب کو اشارہ کیا تھا۔

"تم گھر جاؤ..." وہ تسلا پھینک کر تقریباً" بھاگتے ہوئے پگڈنڈی پر چڑھی تھی۔ سامنے سے خیام زکا' میر زکا ادھر ہی آرہے تھے ان کے آنے پر سہا مجمع آہستہ آہستہ حرکت میں آیا۔ تھریشر رک کر چل پڑا تھا۔ لڑکے بوریوں سے منجھی بھر بھر تھریشر کی چھلنی پٹ پر الٹتے اس کے سامنے نال پھوس اڑاتی چاول بوری میں بھر رہی تھی۔ میر زکا نے اس کے قریب ہوتے ہی پوچھا تھا۔

"کیا بات ہے... چہرہ کیوں تپ رہا ہے۔" وہ اپنے غصے کو کنٹرول کیے کچھ پل انہیں دیکھتا رہا... جب اردگرد کے مزارعے بالکل اپنے کام میں لگتے فاصلے پر ہو گئے تو وہ آواز دبا کر مگر سختی سے بولا تھا۔

"یہ کیا مجمع لگا رکھا ہے آپ نے... ایسی کیا جلدی پڑی ہے کہ حویلی کی لڑکیوں کو بھی کام پر لگا رکھا ہے۔"

اسے منجھی کی چھٹائی دیکھ کر ویسے ہی غصہ آگیا تھا۔ میر زکا نے یہ سوچ کر کہ ابھی گندم کے پکنے اور پھر چھٹائی ہونے میں دو تین ماہ ہیں۔ اور گوداموں میں رکھی منجھی (چاولوں کے وہ دانے جن پر سے چھلکا نہیں اترا ہوتا) کی چھٹائی کروالی جائے۔ کیوں کہ تھریشر فارغ ہی ہے... اپریل کے بعد ضلع ناظم کے الیکشن کی کمپین باقاعدہ شروع ہو جانی تھی تو بہتر ہے جو کام پہلے ہو جائے چاول بوریوں میں بندھوا کر پالش کے لیے کارخانے دیے جائیں۔ اسی لیے انہوں نے آج زمینوں تھریشر چلانے کو کہا تھا۔ مگر ایسا بھی کیا ہو گیا کہ وہ

بگولا بن گیا۔

"کیوں..... کیا ہو گیا؟ کام ہی ہے' حویلی کریں یا یہاں کریں۔" میرزکا کو اچنبھا ہوا نذیر نے بھنوؤں کے اشارے سے اصغر کو وہاں سے آگے پیچھے کر دیا تھا مبادا پھر سے پٹائی شروع ہو۔

"حویلی اور کھیتوں کے کام میں فرق ہوتا ہے' بابا جان..... اور آئندہ حویلی کی لڑکیاں یہاں کام پر نہیں آئیں گی' نہ کٹائی پر اور نہ ہی کسی قسم کی چھٹائی پر..... جہاں مرضی سے آپ لڑکے لائیں۔ بھلے زمین سے اگالیں۔" وہ تلخی سے کہہ کر مڑا اور دھمک دار قدموں سے گاڑی کی جانب بڑھا تھا۔ پشت پر ہاتھ باندھے میر زکا' خیام زکا اسے دیکھ رہے تھے۔

"بہت گرمی نہیں کھانے لگا ہے یہ۔"

"اس کی گرمی کا علاج کریں ناں آپ....." خیام زکا کے لہجے میں شوخی چھلک گئی تھی "اگر آپ کو یاد ہو' میں بمشکل انیس کا تھا جب شادی ہوئی..... محترم اٹھائیس کے ہونے والے ہیں' گرمی تو چڑھنی ہے اسے۔"

میرزکا کا آہستہ آہستہ اثبات میں سر کتا سر' پر سوچ نگاہوں نے اسے گاڑی میں بیٹھ کر تیزی سے بھگا لے جاتے دور تک دیکھا تھا۔ پھر ہدایت اللہ کی بازپرس ہونا تھی۔

وہ اچھے بھلے موڈ میں ڈیرے سے نکلا تھا کہ شہر جاکر پروسیسنگ یونٹ کا چکر لگالے مگر اصغر کی حرکت نے سارے موڈ کا ستیاناس کر دیا تھا۔ اب بالکل ارادہ نہیں تھا کہ اس موڈ کے ساتھ وہ فیکٹری جائے اور اپنے ورکرز کو بلاوجہ ڈانٹ ڈپٹ کرے اس نے گاڑی کا رخ دوبارہ حویلی کی جانب موڑ دیا۔ اس کی گاڑی جب گیٹ سے اندر داخل ہوئی تب ہی زینب بھی حویلی میں داخل ہو رہی تھی۔ گاڑی دیکھ کر کھلے گیٹ کے ساتھ جا لگی۔ چادر اچھی طرح لپیٹ رکھی تھی اور آنکھیں اس کی وجاہت پر جمی تھیں۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا جما کر قدم رکھتا اندر کے داخلی دروازے کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ اس کے قدموں کی دھمک اور زینب کے دل کی دھک دھک میں فیصلہ کرنا مشکل تھا بھاری آواز کس کی ہے۔ لاؤنج میں قدرے خاموشی تھی۔ ایک دو ملازمہ چلتی پھرتی نظر آئیں۔ لاؤنج اور سٹنگ روم کا محراب نما درمیانی دروازہ جو ہمہ وقت کھلا رہتا تھا اس وقت بھی کھلا تھا۔ سٹنگ روم میں بیٹھے سامنے والے افراد نہ صرف سنائی دیتے تھے بلکہ دکھائی بھی دے جاتے تھے جبکہ لاؤنج کی بناوٹ کچھ ترچھی ہونے کی وجہ سے لاؤنج میں بیٹھا' کھڑا شخص با آسانی نظر نہیں آتا تھا۔

اعشال سٹنگ روم میں کوئی کتاب پڑھتی دکھائی دے رہی تھی جب کہ کچھ فاصلے پر بڑے انہماک سے ہاتھوں پر جھکا۔ ٹانگیں لمبی کیے ٹیبل پر پسارے ازلان آئی پیڈ پر یقیناً "کوئی گیم کھیل رہا تھا یا پرانا کرکٹ میچ۔ حنبل نے ایک نظر ان پر ڈالی پھر دروازے کے پہلو میں رکھے سنگل صوفے پر کچھ ایسے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھا تھا' اس کی کہنی صوفے پر ٹکی تھی اور چوڑی ہتھیلی کی ادھ کھلی مٹھی پر ٹھوڑی ٹکائی۔ دوسرا بازو صوفے کی بیک پر پھیلا تھا۔ دیوار پر چلتی ایل سی ڈی پر کوئی میوزیکل چینل کی آزادانہ نمائش لگی تھی۔ سائڈ میز پر رکھا ریموٹ اس نے اٹھا کر چینل تبدیل کر لیا اور بزنس اپ ڈیٹ پوری توجہ سے سننے لگا تھا۔

"تمہارے پیپر کی تیاری ہو گئی..... کل لاسٹ ہے نا میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔" اعشال نے یقیناً "اندر بیٹھے ازلان سے پوچھا تھا جس نے کوئی تیسری بار پوچھنے پر تلملا کر جواب دیا۔

"مجھ سے زیادہ تمہیں فکر ہے' میرے پیپروں کی ..... جاکر دے آؤ اگر اتنی ہی بے چینی ہے..... بڑی آئی پڑھاکو۔"

"میرے ساتھ نا' ذرا تمیز سے بات کیا کرو سمجھے جو پوچھا ہے اتنا جواب دو۔"

"کیوں' تم یو این او کی جنرل سیکرٹری لگی ہو..... یا ایف بی آئی والوں نے کال کی ہے۔"

"ازلان..... !" اس سے پہلے کہ اعشال کوئی جواب دیتی۔ حنبل زکا نے والیم کم کرتے صرف اس کا نام سرزنش کے طور پر پکارا تھا۔ تنبیہی وہ خود سمجھتا تھا۔

گھر بھر میں وہ جتنا حنبل ذکا کے قریب تھا ہر طرح سے ہنسی مذاق اتنا ہی اگر کسی سے ڈرتا تھا یا بات مانتا تھا' وہ صرف حنبل ذکا ہی تھا۔ وہ فوراً "سپٹا" گیا۔

"جی... چاچو... میں پڑھ ہی رہا تھا۔" اعشال اسے جتاتی نظروں سے دیکھ کر مسکرائی اور اٹھ کر حنبل کے پاس دوسرے صوفے پر آبیٹھی۔

"تم بھی باہر آؤ۔" وہ بہت اچھی طرح سمجھتا تھا باہر آؤ کا کیا مطلب ہے۔ یہاں سے اپنے کمرے میں جاؤ اور کتابوں کے ساتھ مغزماری کرو' وہ ترش زدہ منہ لیے باہر نکلا گردن جھکی تھی' ترچھی سخت نگاہیں اعشال پر تھیں۔ جو مطمئن بیٹھی ٹانگ پر ٹانگ جھلا رہی تھی۔

"کل لاسٹ پیپر ہے؟" کمرے کی جانب اٹھتے ازلان کے قدم رک کے مڑا

"جی اور میری پوری تیاری ہے... میرے ہمیشہ پیپرز اچھے ہوتے ہیں' بورڈ والوں کو مجھ سے کوئی بیر ہے جان کے فیل کرتے ہیں... انہیں پتا ہے نا زمین دار ہوں' فیسوں کے چکر میں..." موقع پاتے ہی وہ سامنے بیٹھ کر اطمینان سے اپنی رائے دے رہا تھا۔ اس کے بے بس انداز پر حنبل ذکا نے بمشکل ہنسی دبائی۔ چہرہ البتہ خوشگوار ہو گیا تھا۔

"اچھا..." اس کی رائے پر تعجب بھرا اچھا نکلا

"مجھے کیا یتیم خانے کا سمجھتے تھے' بورڈ والے' ہر کلاس میں اسکالرشپ' میڈلز دیتے رہے۔"

"طنز اچھا کر لیتے ہیں... آپ۔" وہ بڑبڑایا۔

"اللہ کرے تمہیں طنز سمجھ آنے لگ جائیں۔"

چچا بھتیجے کی بازپرس چل رہی تھی جب آئمہ بیگم سلویٰ کے ساتھ۔ آہستہ آہستہ باتیں کرتیں اپنے کمرے سے نکلی تھیں کہیں جانے کی تیاری میں لگ رہی تھیں۔ آئمہ بیگم حنبل کو سامنے پا کر قدرے حیران ہوئی تھیں۔ وہ گھر سے جاتے ہوئے اپنے شہر جانے کا کہہ کر گیا تھا اور واپسی رات میں ہونا تھی لیکن اب یہاں۔

"تم... آگئے... خیریت؟" اسی وقت داخلی دروازے سے زینب اندر داخل ہوئی تھی۔ یقیناً "پہلے

وہ صحن کے کام بھگتا کر اندر آئی تھی۔ آئمہ بیگم کی بات سن کر غیر ارادی طور پر کان حنبل ذکا کے جواب کے منتظر بن گئے۔ اس کی نگاہ بھی زینب پر پڑ چکی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے اصغر کی حرکت خون کی حرارت کو بڑھا گئی۔ پھر گردن جھٹک کر معمول کے انداز میں کندھے اچکائے تھے۔

"ہاں ویسے ہی.... ذرا ٹھہر کر جاؤں گا۔" سلویٰ پر نظر پڑتے ہی وہ سلام کرتے ہوئے مسکرایا تھا' ہاتھ سے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کب آنے کا استفسار کیا تھا۔ وہ سلام کا جواب دیتی مقابل بیٹھ گئی۔

"کچھ دیر پہلے ہی آئی تھی آپ سنائیں ٹھیک ہیں۔"

"ہوں' زبردست...." آئمہ بیگم بھی ساتھ بیٹھی تھیں۔ ان کے چہرے پہ آسودگی کی چمک تھی۔ لہجے میں محبت۔

"تم نے بہت اچھا کیا گھر آ گئے' میرا کام تم ہی کرو گے۔"

"کیا....؟"

"سلویٰ میرے ساتھ شہر جانے کے لیے آئی تھی' اب تم جا ہی رہے ہو تو' ساتھ لیتے جاؤ اسے مال میں اتار دینا.... تین چار گھنٹے تو اسے بھی لگ جاتے ہیں' واپسی پر لیتے آنا۔"

"سلویٰ اکیلی کیا کریں گی' آپ بھی ساتھ چلیں.... بلکہ اعشال تم بھی چلو' یار مل کر شاپنگ کر لینا.... یا ایسا ہے...." وہ سوچتے ہوئے قدرے سیدھا ہو کر بیٹھا ٹانگ سے ٹانگ اتاری۔ "آپ لوگ ازلان کے ساتھ چلی جائیں فارغ ہوتے ہی گھر لے آئے گا.... ہو سکتا ہے مجھے دیر لگ جائے۔" ازلان کے ساتھ دماغ کھپانے سے کہیں بہتر تھا وہ ہدایت اللہ یا اسلم چاچا کو کال کر کے بلا لیتیں اعشال کا دوسری آپشن پر منہ ہی بن گیا اور ازلان اندر تک کھل گیا تھا۔

"چلو بہانے سے کتابوں سے جان چھوٹی۔" سامنے بھی اعشال تھی اس کے اندر تک کا حال جان لینے والی۔ "فورا" سے کہا تھا۔

"چاچو اس کا پیپر ہے کل' جو تھوڑی بہت تیاری کرنی ہے اس سے بھی جائے گا۔" ازلان کو اس وقت اعشال دنیا کی سب سے بڑی ڈریکولا لگی تھی۔ نتھنے پھولا کر گھورا تھا۔

"یہ بیل کی نقلیں مت اتارو.... جا کر پڑھو' لیڈیز شاپنگ کی بات ہو رہی ہے' تمہاری موجودگی ضروری نہیں۔"

"یار بس کر جاؤ۔ کیوں اس کے سب پیچھے ہی پڑ جاتے ہو۔" حنبل نے اب اعشال کو دیکھا تھا جو مسلسل ازلان کو گھور رہی تھی۔ اور ازلان "فورا" سے پھیل گیا اس کے جان سے عزیز چاچو کی حمایت حاصل تھی۔ لیکن حنبل نے اس کے پھیلاؤ کو کافور کر دیا۔

"اتنی عزت افزائی پر بھی تم.... بہت ڈھیٹ ہو یار' جا کر پڑھو اپنا.... اور آپ لوگ تیار ہو جائیں میں لے چلتا ہوں۔" وہ کہہ کر باہر کی جانب بڑھا۔ سلویٰ' آئمہ' اعشال نے تیار ہونے میں چند منٹ ہی لگائے تھے۔

☆ ☆ ☆

اس نے ضروری ضروری کام بھگتائے۔ اور اس دوران کم از کم چار بار پیون سے کافی منگوا کر پی چکا تھا۔ دل تھا کسی چیز میں نہیں لگ رہا تھا گیلی گیلی معصوم سیاہ آنکھیں۔ وہ مسلسل رحم طلبی سے اسے دیکھتی ہوئیں اور دوسرے دیکھتے ہی سختی سے بھینچی ہوئیں۔ اس نے سامنے کھلی پڑی فائل کو ہاتھ مار کر بند کر دیا۔ ٹیبل کے ڈراز لاک کیے۔ چابیاں' گلاسز اور موبائل اٹھا کر آفس سے باہر نکلا گاڑی گھر کے رستے پر ڈال دی تھی۔

اس کی گاڑی اپنے گیٹ کے سامنے آ کر رکی۔ ساتھ ہی ایک یلو کیب کھڑی تھی۔ گیٹ میں سے سبرینہ اور حبہ باہر نکلیں۔ اسے دیکھ کر حیرت ہوئی دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ وہ خود بھی اس کی آمد پر چونک گئی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو....؟"

"میرا خیال ہے میں صبح بتا چکی تھی۔" اس نے حبہ کا ہاتھ پکڑا ٹیکسی میں بیٹھنے لگی مگر شہروز کمال نے اسے

روک دیا تھا۔

"میں اسی کے لیے آیا ہوں۔ چلو ادھر آؤ۔" وہ اپنے ازلی کھردرے لہجے میں بولا تھا۔ حبہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھی۔ البتہ سبرینہ نے ٹیکسی والے سے معذرت کی اور شہروز کی گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھنے لگی مگر اس نے ٹوک دیا۔

"تم اندر جاؤ... دوسری فوج کو فرشتے سنبھالیں گے، میں خود اسے چیک کروالاؤں گا۔" اس نے آگے بڑھ کر حبہ کا ہاتھ پکڑنا چاہا تھا مگر وہ سسکی لے کر ماں کی ٹانگوں سے بے طرح چمٹ گئی تھی۔ نفی میں سر ہلاتے منہ تک چھپا لیا تھا۔ شہروز نے کھا جانے والی نگاہوں سے سبرینہ کو ایسے گھورا تھا جیسے کہہ رہا ہو "یہ تربیت کی ہے اولاد کی، میری اتنی نفرت بھردی کہ سگے باپ سے بچی خوف کھا رہی ہے۔" اس نے اگلے دانت کچکچاتے بمشکل برداشت کیا تھا۔ اگر اس وقت سڑک نہ ہوتی تو پھر سناتا سبرینہ کو ایسے جملے کہ وہ قبر تک یاد رکھتی۔ دوسری جانب سبرینہ بھی بیٹی کے ردعمل پر گنگ ہوئی شہروز کو ملامتی انداز سے تک رہی تھی۔

"کیسے باپ ہو شہروز تم، کبھی بیٹیوں کو دیکھا ہے اپنے سگے باپ سے خوف کھاتے، ان کے ساتھ اکیلے باہر جانے سے گھبراتے، ان کی شفقت کے سائے سے انکار کرتے... دیکھو تمہاری بیٹی، خوف کھا رہی ہے، گھبرا رہی ہے، انکار کر رہی ہے... سوچو ذرا کیوں۔" وہ تلخ سانس ناک سے کھینچتے دو بھاری قدموں آگے بڑھا۔ سبرینہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بہت آہستگی اور جبڑے جما کر تنفر سے کہا تھا۔

"بہت خوب، سبرینہ بیگم..." پھر تیزی سے پلٹ کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا تھا اپنا دروازہ پوری قوت سے بند کر کے برابر نشست کا دروازہ کھول دیا۔ سبرینہ تھکے ماندے قدموں کو گھسیٹتے آگے بڑھی۔ سیٹ پر بیٹھ کر حبہ کو گود میں بٹھا لیا تھا۔ شہروز کمال نے ایک نگاہ بھی سبرینہ پہ ڈالنا گوارہ نہیں کیا تھا۔ چابی گھما کر گیئر بدلا گاڑی چلانے سے پہلے سپاٹ انداز میں صرف اتنا پوچھا تھا۔

"نسیم آئی ہے یا نہیں۔"

"آ گئی تھی..." اس نے بھی اتنا ہی جواب دیا۔

"میری بیٹیوں کو کبھی گھر پر اکیلا مت چھوڑنا۔" اور گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس کے منہ سے "میری بیٹیوں" کا لفظ سبرینہ کو بہت غیر مانوس لگا تھا۔ چلو غصے سے ہی سہی، تنفر بھرے انداز سے ہی سہی مگر اس نے تسلیم تو کیا، یہ بیٹیاں اس کی بھی ہیں۔ ایک سانس میں سبرینہ نے ہزار شکرانے کیے تھے۔

☆ ☆ ☆

سیاہی مائل کاہی رنگ کی لینڈ کروز گاؤں کی سڑکوں کو پیچھے چھوڑتی شہر کے مضافاتی علاقوں سے ہو کر مین سڑکوں پر بھاگ رہی تھی۔ تینوں خواتین آپس میں فیصلہ کر چکی تھیں انہیں کس کس مال میں اور کتنا ٹائم لگنا ہے۔ سلویٰ کو اپنے تمام بہن بھائیوں میں اپنی بڑی

آپا ہی پسند تھیں جب کبھی بھی کوئی پروگرام بناتی تو آپا اس میں برابر کی شریک ہوتیں۔ یہاں تک کہ موسمی شاپنگ کے لیے بھی اسے آئمہ آپا کے مشورے درکار ہوتے تھے۔ موسم تبدیل ہونے والا تھا اس لیے وہ بازار کا پروگرام بنا کر ان کی طرف آئی تھی۔ یہاں شہر پہنچ کر ہی آئمہ کو یاد آیا تھا۔ انہوں نے تو اپنے معمول کے چیک اپ کے لیے ڈاکٹر سے انہی تاریخوں کا ٹائم لے رکھا تھا۔ آئمہ بیگم کو کوئی خاص مرض نہیں تھا۔ صرف ایک وہم سا ہو گیا تھا۔ کندھوں اور گردن میں تھکاوٹ کے درد سے خوف زدہ تھیں کہیں یہ اعصابی بیماری لگ کر' ہڈیوں کے مرض میں نہ ڈھل جائے۔ کیونکہ کئی برس پہلے ماں جان کو بھی گردن کی پشت کے اکڑاؤ سے درد شروع ہوا تھا وہ پھیلتا پھیلتا سارے اعصابی نظام پر قابض ہو گیا اور اب تو یہ حالت تھی انہیں اکیلا چھوڑتے ہوئے بھی بار بار دھیان انہی کی جانب پلٹتا تھا۔ جب آئمہ بیگم نے حنبل ذکا کو اپنے ڈاکٹر سے ملنے کی بات کی اس نے تائیدی سر ہلاتے ہوئے پہلے سے کئی بار پوچھی نصیحتوں میں سے پھر دوبارہ پوچھی۔

"آپ نے زینب سے کہہ دیا تھا نا' ماں جان کے پاس سے نہ اٹھے۔"

"ہاں ہاں۔" آئمہ بیگم نے اپنی سیاہ شال کا پلو درست کرتے بے فکری سے کہا تھا "صرف کہا ہی نہیں تھا اسپیشل بٹھا کر آئی تھی' جب بھی وہ سو رہی تھیں۔"

"اور دواؤں کا....."

"دوائیں صبح کی میں نے خود دی تھیں۔ دوپہر کی ساری ترتیب کے ساتھ ٹیبل پر رکھ کے سمجھا آئی تھی' ویسے بھی زینب بے وقوف نہیں ہے۔ یاد رکھتی ہے بات کو۔" اسی دوران حنبل نے گھر فون ملایا۔ لینڈ لائن پر خالہ گلزاری نے اٹھایا تھا۔ وہ ان سے ماں جان کے متعلق ہی پوچھ رہا تھا۔ گھر سے نکلتے وقت وہ ان کے کمرے میں گیا تھا۔ مگر وہ سو رہی تھیں۔ حنبل ذکا نے انہیں جگا کر سلام کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ صبح نماز کے بعد جب ان کے کمرے میں جھانکا وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے اونگھ میں تھیں۔ خالہ گلزاری نے بتایا تھا۔ ساری رات جاگتی رہیں۔ ابھی غنودگی ہوئی ہے۔ وہ بہت دیر ان کے پاس کھڑا رہا۔ کچھ دیر کے لیے انہوں نے پلکیں کھولیں۔ اس پر نظر پڑتے ہی مسکرا دیں اپنے پاس بیٹھنے کو جگہ دینے کی کوشش بھی کی۔ وہ بیٹھا بھی تھا مگر ماں جان دواؤں کے زیر اثر تھیں اس کا حال احوال پوچھتے پوچھتے پھر سے سو گئی تھیں۔ وہ ان کا تکیہ برابر کر کے انہیں سیدھا لٹا کر باہر آ گیا تھا۔ اب جب شہر آنے لگے۔ دوبارہ ان کے کمرے میں گیا کہ پوچھ لے کچھ انہوں نے کچھ منگوانا تو نہیں مگر وہ خراٹے لے رہی تھیں۔ اب فون پر گلزاری خالہ سے پتا چلا کہ ابھی اٹھی ہیں۔ اس نے ناشتے' ان کی دواؤں اور خاص کر انہیں لان میں لے جا کر بٹھانے کی ضروری ہدایات دی تھیں۔

ان کی گاڑی کسی مال کے بجائے ہاسپٹل کے سامنے رکی تھی۔ حنبل نے ہی کہا تھا کہ اب وہ ساتھ ہے تو ذرا خود چیک اپ کروا دے گا' تعلقات ہونے کی بنا پر انتظار کی لائن میں لگنا نہیں پڑے گا بعد میں ان سب کو مال میں چھوڑ کر خود فیکٹری کا چکر لگا آئے گا۔ بس ایک دو کام ہی تھے۔ جلد ہی فارغ ہو جانا تھا۔ یہ لوگ ہاسپٹل کے کوریڈور میں داخل ہو رہے تھے تب سلوی کی نگاہ اوپر سے نیچے کی جانب آتے ریمپ پر گئی۔ وہ بچی کو گود میں اٹھائے بمشکل اتر رہی تھی۔ اسٹیل کی گرل سہارے کے ساتھ اور اس کا ہم راہی اس کے ساتھ تھا ہمیشہ کے کروفر سے بھرا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی سلوی اندر تک زہر آلود ہو گئی تھی۔ جی میں آیا آگے بڑھے اور جھنجوڑ دے اسے۔ انہوں نے ابھی انہیں نہیں دیکھا تھا۔ اور سلوی دانت کچکچاتے غصے کو دبا کر کنٹرول کرتے آئمہ بیگم کے کان میں سرگوشی کے ذریعے ان کی موجودگی کا بتا رہی تھی۔

(باقی آئندہ)

✲ ✲

قرۃ العین سکندر

میں گوجرانوالہ سے متصل ایک نواحی قصبہ کا مقیم ہوں۔ ملازمت پیشہ آدمی ہوں اس سلسلے میں میری پوسٹنگ مختلف شہروں میں ہوتی رہتی ہے۔ اس مرتبہ میرا تبادلہ جس شہر میں ہوا وہ میرے ننھیالی رشتے داروں کا آبائی شہر تھا۔ والدہ اور خالہ کلثوم کے پرزور اصرار پر مجھے بطور مہمان اتنا عرصہ اپنے قیام کو خالہ کی طرف ہی بنانا پڑا۔ خالہ کلثوم اتنے پرتپاک انداز میں ملیں سر پر ہاتھ پھیر کر نم دیدہ خاص دعاؤں کے حصار میں مجھے رکھا۔ کسی نوزائیدہ بچے کی مانند میری ہر ضرورت کا بنا کہے بلاتوقف اسے پورا کیا جا رہا تھا۔ اتنی محبتوں کا اب میں عادی نہ رہا تھا۔ اجنبی جگہوں پر رہنے کی بدولت میں ان سختیوں کا عادی ہو چکا تھا جو گھر سے دوری کے سبب ملنے لگی تھیں۔ محبتوں کے یہ انوکھے رنگ مجھے بھلے لگ رہے تھے۔

نیا ماحول اجنبی جگہ مجھے رات بہت دیر سے نیند آئی اور اسی لیے مجھے صبح دیر سے جاگنا ہوا۔ میں کمرے سے باہر راہ داری تک آیا۔ بالکل سکوت طاری تھا۔ محراب کی اوٹ سے جھلکتا ہوا کوئی دلکش مسکراتا چہرہ ہویدا ہوا اور دوسرے ہی پل شرماتا ہوا روپوش ہو گیا۔ نیند کی کمی کی بدولت یہ حسین چہرہ بھی مجھے میرے کسی تشنہ خواب کا حصہ معلوم ہوا۔ دھوپ پردوں کے کناروں سے چھلک کر اب کمرے کو بھی اپنے حصار میں لے چکی تھی اور میں دیر تلک سوتا رہا۔ میں نے ندامت محسوس کی۔ نجانے اہل خانہ کیا سوچتے ہوں گے۔ کتنا سویا ہوں میں۔ اس لیے جلدی سے غسل خانے سے تازہ دم ہو کر نکلا تو مجھے میرا کمرا طریقے سلیقے سے سمٹا ہوا ملا۔ بستر جو بکھرا پڑا تھا اور رات گئے جو کتابیں نیند لانے کی غرض سے میں ساتھ رکھتا تھا۔ بکھری پڑی ہوئی نہ تھیں بلکہ ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ میں آئینے کے سامنے بال سنوارتے ہوئے اس لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا جو مجھے دیکھ کر شرما کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ میں نے اپنے ذہن سے پراگندہ خیالات کو جھٹکا اور باہر آنگن میں آ گیا۔ تخت پوشی پر خالہ کلثوم نجانے کس سے سخت لہجے میں مخاطب تھیں۔

"سارا دن تیرے ہاتھ سستی سے چلتے ہیں۔ کھاتی تو بہت جڑ کر ہے اور کام کرتے ہی تمہارے ہاتھوں میں سستی آ جاتی ہے۔" میں نے دیکھا ایک دھان پان سی گندمی رنگت والی لڑکی فرش پر پوچھا لگا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ چابک دستی سے صفائی میں جتے تھے۔ نجانے پھر خالہ کو اس پر کس بات کا غصہ آ رہا تھا۔ وہ لڑکی بے حد گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔

"ارے میرا بیٹا اٹھ گیا ماشاء اللہ۔ جلدی سے جا اور ناشتا تیار کر کے لا۔" کلثوم بیگم کا محبت نچھاور کرتا لہجہ فقط میرے لیے تھا۔ اس لڑکی کو مخاطب کرتے ہی ان کے لہجے میں کرختگی در آئی تھی میں نے ہمدردی سے اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ اس لڑکی نے بھی پلٹ کر مجھے دیکھا تھا۔ غزالی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری ہوئی تھیں۔ نجانے کیا تھا ان آنکھوں میں کہ میں نے محسوس کیا کہ میرا دل میرے اختیار میں نہیں رہا۔ پل بھر کی بات تھی اور وہ لڑکی پلٹ کر چلی گئی تھی۔ ناشتا لانے والی وہ لڑکی نہ تھی بلکہ دوسری لڑکی تھی۔

"ارے میری شہزادی بیٹی ناشتا لائی ہے۔ یہ مہ جبیں ہے۔ میری بڑی بیٹی۔ تمہارا تو آنا جانا ہوتا نہیں کہ تم کو رشتوں کی اپنی یادداشت رہی ہو۔" میں نے ان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو یہ وہی مہ جبیں تھی جو مجھے محراب کی اوٹ سے دیکھ کر شرمائی تھی۔ سفید رنگت اور شہابی چہرہ۔ میں نے خاموشی سے ناشتا شروع کر دیا۔

"اب کیا کر رہی ہے وہ۔" خالہ یقیناً مہ جبیں سے اس غزالی آنکھوں والی لڑکی کی بابت سوال کر رہی تھیں۔

"ثریا کچن میں۔ ہے برتن دھو رہی ہے۔" مہ جبیں نے جواب تو ماں کو دیا مگر ہنوز اسی کی نظروں کا محور میں تھا۔ مجھے الجھن سی ہونے لگی تھی اس کی بے باک نظروں سے اور مسکراتے لبوں سے۔ میں نے جیسے تیسے ناشتا مکمل کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

جلد ہی میری ڈیوٹی اسٹارٹ ہو گئی۔ میرا گھر میں اب

رات گئے آنا ہوتا تھا۔ میں جب بھی آتا' رات کے وقت بھی وہ لڑکی ثریا کسی نہ کسی کام میں لگی رہتی تھی۔ میں اگر کھانا نہ کھا کر آیا ہوتا تو وہ میرے لیے گرم کھانا' چائے لے کر آتی تھی۔ جس خاموشی سے وہ کھانے کی ٹرے رکھتی تھی اسی خاموشی کے ساتھ برتن واپس اٹھالیتی اور چلی جاتی تھی۔

اتوار کے دن میں صبح دیر سے جاگا۔ جب مجھے باہر شور کی آواز سنائی دی۔ میں پریشان سا باہر کی جانب نکلا تو سامنے کا منظر بے حد دل شکن تھا۔

"منحوس لڑکی۔ سارا دن اکارت کردیا۔ مفت کی روٹیاں توڑنا آسان ہوتا ہے اور یہ مفت کا مال سمجھ کر نیا چائے کا سیٹ توڑ ڈالا۔ ارے غارت کرے اللہ تجھے۔ اب اٹھا' میرا منہ کیا دیکھ رہی ہے۔" خالہ کے چہرے پر نفرت کے گہرے سائے منڈلا رہے تھے۔ ثریا نے نم آلود چہرہ لیے کانچ کے ٹکڑے سمیٹنا شروع کردیے تھے۔

"نامراد تیری ماں تو فوت ہوگئی منہ کالا کرکے اب ہم پر بوجھ بن کر لادی گئی ہے تو۔" ثریا اف کیے بنا کام میں مصروف عمل تھی۔ میں ابھی تک خالہ کلثوم کو نظر نہ آیا تھا۔ تب ہی آج ان کا اصل چہرہ زیادہ کھل کر سامنے آرہا تھا۔

"اری نیک بخت کیوں بچی کو ڈانٹتی رہتی ہے آج تو حد کردی ہاتھ بھی اٹھا ڈالا۔" خالو عباس نے تاسف سے کہا۔

"اجی تم تو چپ ہی رہو۔ میرا منہ نہ کھلواؤ۔ یہ تک نہیں سوچا کہ اپنی بھی دو بیٹیاں ہیں لاکر اس کلموہی کو سینے پر مونگ دلنے کو بٹھا دیا۔ اب ہم ان دونوں کے رشتے کرتے پھریں گے یا اس کے ناز نخرے اٹھائیں گے۔" خالہ کلثوم نے غصیلے لہجے میں کہا تو خالو پہلو بدل کر رہ گئے۔ یہ بھی ایک تلخ سچائی تھی کہ خالو' خالہ کی زیادہ سنتے تھے اور حقائق سے نظریں چرا لیتے تھے۔ اب بھی لب بستہ بیٹھے تھے۔

"اور یہ تم کون سا اس کی ماں کے سگے بھائی تھے' جو سگے تھے وہ تو لاتعلق بنے بیٹھے ہیں اور تم کو چڑھا ہمدردی کا بخار۔ لگے رشتہ داری نبھانے۔" خالہ کلثوم کا موڈ آف تھا۔

"اللہ سے ڈرو۔ اب اگر میں اس کو یہاں بھی نہ لاتا تو کہاں جاتی بے چاری۔ ددھیال والے تو منہ موڑ ہی چکے تھے۔ ننھیال میں اس کو کوئی قبول کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ ننگے سر اور ننگے پاؤں اس کو سڑک پر پھینک رہے تھے۔ مجھ میں ابھی خوف خدا باقی ہے۔ اس لیے میں اس بچی کو اس برے حالات میں تنہا آنکھیں بند کرکے چھوڑ کر نہیں آیا بلکہ اس خیال سے کہ شاید میری اس نیکی کے بدلے میری عاقبت سنور جائے اس کے سر پر سچے دل سے ہاتھ رکھا ہے۔ نجانے سچائی کیا ہے' مگر فائزہ نیک عورت تھی۔ نجانے اس نے یہ سب کیسے اور کیونکر کیا؟" عباس خالو کے وضاحتی اور ملامتی انداز پر وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی تھیں۔ تب ہی خالو کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی تھی۔

"آؤ بیٹا وہاں کیا کھڑے ہو؟" خالو نے بشاشت بھرے لہجے میں مجھے مخاطب کیا تو خالہ نے چونک کر مجھے دیکھا تھا۔ میرے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی خالہ کے چہرے کے سخت تاثرات نرمی میں تبدیل ہونے لگے تھے۔ ثریا نے بھی دل گرفتگی سے مجھے دیکھا تھا۔ نجانے کیوں اس کے آنکھ کے گرتے آنسو میرے دل کی زمین کو نم کرگئے تھے۔ میں اس کے ان کہے جذبات کو نجانے کس طرح سمجھنے لگا تھا۔ اس وقت میرے سامنے اس کا ذکر اس کو بالکل بھی اچھا نہ لگا تھا۔ وہ ندامت سے کانچ کے ٹکڑے سمیٹ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

خالہ کلثوم اور خالو عباس کی دو ہی بیٹیاں تھیں مہ جبیں اور مہ رخ دونوں ہی فارغ تھیں۔ تعلیم کا مہ رخ کو تو شوق ہی نہ تھا۔ ایف اے کے بعد فارغ گھر میں رہتی تھی جب کہ مہ جبیں نے بی اے کیا تھا اور اب گھر گرہستی کے بجائے میک اپ کورسز سیکھنے میں مصروف عمل رہتی تھی۔ نت نئے کپڑوں کے ڈیزائنز اور فیشن اس کے شوق تھے۔ ثریا کو ان لوگوں نے مجبوری کے تحت اپنایا تھا' مگر ثریا کا وجود بے حد فائدہ

مند ثابت ہوا تھا۔ ایک معقول رقم اس کے ددھیال سے اس کے باپ کی طرف سے آتی تھی کیونکہ وہ اپنی دوسری بیگم کی بدولت ثریا کو اپنے گھر میں نہ رکھ سکتا تھا جب کہ ثریا کا گھر کے کاموں کو تندہی سے کرنا اور سلیقہ شعاری یہ سب اس کے عمدہ اوصاف تھے۔ جن کی بدولت اب کلثوم بیگم کو بھی اس کی ضرورت اور عادت ہو چکی تھی۔

ہر بات پر اب ثریا کے نام کی پکار پڑنے لگی تھی اور ثریا اس پکار پر لبیک کہتی اپنی خدمات انجام دیتی۔

☆ ☆ ☆

مہ جبیں نہ جانے کیوں مجھے دیکھتے ہی کہاں سے نازل ہو جاتی تھی۔ نت نئے ملبوسات پہن کر میک اپ کی گھری تہیں لیے میرے سامنے مسکراتی ہوئی لجاتی ہوئی آجاتی تھی۔ میں اس کے تیور دیکھ کر گھبراہٹ میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ دل میں ثریا کی ہمدردی بھی تھی اور مہ جبیں اور مہ رخ کا ناروا سلوک بھی بارہا ملاحظہ کر چکا تھا۔ اس لیے بطور کزنز بھی میرے دل میں ان دونوں کے لیے کوئی جذبہ بے دار نہ ہو سکا تھا۔

"بچیاں اداس سی ہو رہی ہیں آج ذرا ان کو گھما پھرا لاؤ۔ تم بھی تو جب سے آئے ہو کام کاج میں ایسے لگے ہو کہ دوسری کسی شے کا دھیان ہی نہیں رہتا۔" خالہ کلثوم نے چھٹی والے دن مجھے گھیر لیا تھا۔ میں اب کیسے انکار کرتا اس شش و پنج میں تھا۔

"بس خالہ کام تو زندگی کا حصہ ہے اور پھر ضروری بھی ہے۔" میں نے بات کو ٹالا۔

"وہ سب تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو، مگر جب سے آئے ہو کسی جگہ تفریح کے لیے بھی نہیں گئے۔ اب آج تو فراغت ہی ہے تم لوگ گھوم آؤ۔" کلثوم خالہ نے حتمی انداز میں کہا تو مجھے چاروناچار ہاں کرتے ہی بنی۔

"خالہ آپ ثریا کو بھی کہہ دیں۔ سارا دن بے چاری کام میں لگی رہتی ہے۔ تازہ ہوا میں تازہ دم ہو لے گی۔" میرے ذہن میں اچھوتا خیال آیا تھا، مگر میری بات سنتے ہی خالہ کو تو جیسے پتنگے لگ گئے تھے۔

"ارے رہنے دو تازہ دم ہوتے ہوتے ماں کی طرح کوئی تازہ گل کھلا دے گی۔" خالہ کا چہرہ بگڑ سا گیا تھا۔ نفرت کی شدت کی بدولت۔ میں دل مسوس کر رہ گیا۔ یعنی اب مجھے مہ جبیں اور مہ رخ کو برداشت کرنا پڑے گا، مگر میری خلاصی شاید نصیب میں رقم تھی کہ اس وقت میری امی آگئیں اور میں خوشی سے نہال ہو گیا۔ ایک تو اتنے عرصے کے بعد امی کو دیکھا تھا۔ دوسرا ایک ایسا کام جس پر میرا دل آمادہ نہ تھا میں کرنے سے بچ گیا تھا۔ امی مجھے دیکھ کر پہلے تو خفا ہوئیں کہ جب سے آیا ہوں دوبارہ گھر کا چکر بھی نہیں لگایا۔ پھر مجھے دیکھ کر آبدیدہ ہو گئیں۔ گلے لگا کر خوب دعا اور پیار دیا۔ پھر دونوں بہنیں گلے مل کر گلے شکوے کرنے لگیں۔ مہ جبیں اور مہ رخ بجی سنوریں خالہ کو متاثر کرنے آچکی تھیں۔ امی نے ان دونوں کے ماتھے پر پیار کیا اور ان دونوں کو دعا کے ساتھ ساتھ رقم بھی دی جس پر اگرچہ خالہ کلثوم نے بہتیرا انکار کرنا چاہا، مگر امی ٹس سے مس نہ ہوئیں اور یہی کہا کہ یہ تو ایک دعا ہے اور محبت ہے۔ اس سے انکار کرنا کسی طور مناسب نہیں ہے۔ اس لیے خاموشی سے ان لوگوں کو رکھنا ہی پڑا۔

کافی وقت باتوں میں گزر گیا تھا۔ مہ جبیں، مہ رخ اور خالہ امی سب محفل سجائے باتوں میں محو تھے جب ثریا نے آکر کھانا لگ جانے کی اطلاع دی تھی۔ امی نے بہت غور سے اس کو دیکھا اور مسکرا دی تھیں۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" امی نے دلچسپی سے پوچھا تو یہ دلچسپی خالہ کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی پھر خالہ جو اس کی اسٹوری سنانے لگی تھیں۔ کہ خدا کی پناہ۔

امی تاسف اور ہمدردی سے کھانا چنتے ہوئے ثریا کو دیکھتی رہی تھیں۔ بے شک یہ لڑکی تعریف اور توصیف کے قابل تھی چابک دستی سے ایک کے بعد ایک کام نبٹاتی مجھے بھاتی تھی۔ وہاں میری امی کے دل کو بھی قائل کر گئی تھی۔ پھر آناً "فاناً" یہ رشتہ طے ہو گیا تھا۔ امی کو میں نے ہی بطور خاص اطلاع دے کر بلوایا تھا کہ آپ آجائیں مجھے جس لڑکی کا اتنے سالوں سے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

انتظار تھا وہ لڑکی مجھے مل گئی ہے۔ آپ آکر میری بات طے کردیں۔ میری بات پر سب نے بہت ناراضی ظاہر کی تھی۔
خالہ نے تو اپنی بیٹی مہ جبیں کے لیے خواب دیکھ رکھے تھے، مگر میری چاہت تو ثریا تھی۔ جسے دیکھتے ہی میرے دل کی کلی کھل جاتی تھی۔

☆ ☆ ☆

بہ ظاہر ہماری زندگی میں کوئی ولن نہ تھا۔ ثریا میری بیوی بن کر آگئی تھی، مگر اس کی جامد چپ مجھے بے چین رکھتی تھی اور ہر بات پر اجازت طلب کرنا۔ خواہ بات چھوٹی سی ہو یا بڑی سی۔ میں اب اکتانے لگا تھا۔ نہ جانے کیوں جیسا تاثر میرے دل میں ثریا کا بیٹھا تھا وہ اس پر پورا نہ اتر پائی تھی شادی کے اولین دنوں میں تو مجھے ثریا کو پاکر یوں لگا جیسے مجھے میرے خواب کی تعبیر مل گئی ہو، مگر ثریا کا ہر بات پر سنجیدہ سا رویہ مجھے اچھا نہیں لگتا تھا۔ میں چاہتا تھا میری بیوی بھی عام انسانوں کی طرح ملے، کھلکھلائے اور ہر بات میں اس کی بھی اپنی ایک سوچ اپنی ایک رائے ہو جس میں وہ آزاد تھی۔ میں نے کسی پر بھی اپنی سوچ لاگو نہیں کی تھی اور نہ ہی میں ایسے زور زبردستی کا قائل تھا، مگر نہ جانے کیوں ثریا کو عادت تھی ہر بات میں، جی کیا کروں؟ جی بولیں؟ جی کیا حکم؟ کہنے کی عادت سے میں اکتا چکا تھا۔ اس کے اس سرد رویے پر۔ ان ہی دنوں میری بہن زرتاشہ کی شادی کا غلغلہ اٹھا تو میری خالہ اور مہ جبیں اور مہ رخ بھی آئیں۔ ان دونوں کی نگاہوں سے ہمارے میاں بیوی کے سرد تعلقات پوشیدہ نہ رہ سکے تھے۔ یوں بھی خالہ ایک جہاں دیدہ خاتون تھیں۔ مجھ سے ایک شام ہمدردی جتانے لگیں۔ زرتاشہ تو بیاہ کر جاچکی تھی، مگر فی الوقت خالہ اور میری کزنز کی واپسی کے کوئی آثار نہ نظر آرہے تھے۔ مجھے بھی کوئی مسئلہ نہ تھا۔ کیونکہ اتنے عرصے خالہ کے یہاں میں بھی قیام کرچکا تھا۔ بلکہ خالہ کا یہاں رہنا ان کا قیام مجھے اچھا لگ رہا تھا۔

مہ جبیں میرے آفس سے آتے ہی نجانے کیوں سج سنور کر بیٹھ جاتی اور ثریا جسے شادی کے بعد بجنے سنورنے کی مہلت ہی نہ ملتی تھی۔ اس کے نزدیک میری ضروریات کھانے دینے تک محدود تھیں۔ میری دلی آرزو اور خواہش کوئی بھی نہ تھی۔ اب مہ جبیں کا سجنا مجھے اچھا لگنے لگا تھا۔ ثریا شاکی نظروں سے مجھے دیکھتی اور میں اسے یکسر نظر انداز کر دیتا۔ شاید میں اس سے اپنے سارے بدلے لے رہا تھا یا شاید میں ایک ایسا مرد تھا جو اصل میں راہ بھٹک کر ہی دم لیتا ہے۔ پھر مہ جبیں نے بھی تو کوئی راستہ نہ چھوڑا تھا۔ سارے راستے محدود کر دیے تھے۔ ہر راستہ بند گلی بن کر اس تک ہی چلا جاتا تھا۔

ایک شام مجھے مہ جبیں نے بازار لے جانے کو کہا۔ میں نے دیکھا گلابی آتشی لباس میں ملبوس وہ بے حد نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔ میک اپ کی کھری تہیں بھی آج مجھے اس پر جچ رہی تھیں۔ جیسے ہی ثریا کچن سے چائے لائی میں نے اچانک ہی مہ جبیں کو مسکرا کر کہا۔

''آؤ ناں۔ تمہیں دیکھ کر میری ساری تھکان اتر جاتی ہے اور میں تمہیں دیکھ کر کھل سا جاتا ہوں۔''
میری بات پر ثریا کے آنسو مجھ سے پوشیدہ نہ رہے تھے جو اس کی پلکوں کی باڑ توڑ کر باہر نکل آئے تھے۔ اس کا کپ اس کے ہاتھ میں ہی رہ گیا اور میں بائیک پر مہ جبیں کو بٹھا کر لے گیا۔ جاتے ہوئے مہ جبیں نے ثریا پر ایک فاتحانہ نگاہ ڈالی تھی اور میں بازار آکر بھی بے چین سا رہا۔ یوں ہی ایک جگہ سبز رنگ کی چوڑیاں دیکھ کر نجانے کیوں انہیں خریدنے کا دل مچل گیا۔ میں نے انہیں پیک کروالیا تھا اور وہ چوڑیاں لے کر میں گھر آگیا۔ مہ جبیں نے کئی بار مجھ سے کریدا تھا کہ اس بند ڈبے میں کیا ہے، مگر میں نے کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا تھا۔

میں رات کو گھر لوٹا تو ثریا ناراض سی لگی، مگر میں نے اس کی خفگی کو نظر انداز کر دیا اور سوتا بن گیا۔ اگلے دن صبح آفس روانہ ہو گیا۔ واپسی پر وہی حسب معمول مہ جبیں اور مہ رخ کے مسکراتے چہرے، مگر آج کچھ ایسا ضرور تھا جو بالکل انوکھا سا تھا۔ کچن سے چائے کا کپ لانے کے بجائے سجی سنوری ثریا کمرے سے نکلی تھی۔

''آگئے آپ، چلیں آج کھانا باہر کھائیں گے۔''
ثریا نے حتمی اور بھرپور لہجے میں کہا۔ میں تو بوکھلایا ہی تھا سب ہی چونک گئے تھے۔

''لو بھلا شوہر باہر سے آیا اور تم چلتی بنی، کھانا کون بنائے گا ہم سب کے لیے۔'' خالہ بھڑکیں۔

''آپ کہیں ناں مہ جبیں سے اب ویسے بھی اس کی شادی کی عمر نکلتی جا رہی ہے اب بھی کھانا بنانا نہ سیکھے گی تو کب سیکھے گی۔'' ثریا کا تو انداز ہی بدلا ہوا تھا۔

''اب کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہیں سارا موڈ خراب ہو رہا ہے۔'' ثریا سب کے سامنے بدلے لہجے میں بولی تو میں خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بائیک پر بیٹھتے ہوئے ثریا نے ایک فاتحانہ نگاہ خالہ اور مہ جبیں کی جانب اچھالی تھی۔ میں نے پرسکون سانس لی۔

اگر میں اپنے تیور نہ بدلتا تو آج بھی ثریا ویسی ہی دبکی ہوئی ملتی، مگر حصار محبت میں آنے کے لیے اسے اپنے آپ کو بدلنا لازمی تھا۔ ورنہ ساری عمر وہ میری محبت کو بھی ہمدردی سمجھ کر وصول کرتی۔ محبت تو احسان نہیں ہوا کرتی میرے نظر انداز کرنے کے منصوبے نے اس کو بدل ڈالا تھا۔ میں نے پارک لا کر اسے وہی چوڑیاں پہنائیں جو اس کے لیے ہی خریدی تھیں۔ وہ شرما سی گئی تھی۔ میری ثریا حصار محبت میں گرفتار۔

☼ ☼

ناولٹ
طیبہ عنصر مغل
دائرہ زیست

"بانو آپا چھت پر سے کپڑے اتار لا۔ اماں واپس آگئی تو گالیوں کا طوفان ساتھ ہی لائے گی۔" نازو نے گلا پھاڑ کر کچن سے دہائی دی۔

"اللہ توبہ! کیسی ہو تم! ابھی تو سکندر نے عمایہ کا ہاتھ ہی پکڑا تھا کہ تو اپنا بھونپو بجانے لگی۔ اماں اب دو گھنٹے سے پہلے نہیں آنے کی' دیکھ لیجیو۔" میں نے رسالہ پٹخا گویا عمایہ اور سکندر کو پٹخا اور بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکل کر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ لیکن درمیان میں سیڑھیوں کی دیوار سے لٹک کر بشریٰ خالہ کے گھر میں جھانکنا ضروری جانا۔ اماں ان کے گھر جانے کا کہہ کر نکلی تھی۔ مگر اب وہاں نہ اماں تھیں نہ بشریٰ خالہ۔ یعنی دونوں کسی اور گھر کے دورے پہ روانہ ہو چکی تھیں۔ آنگن بالکل خالی تھا مطلب "پارو" بھی نہ تھی۔ پاور پہ نفرین بھیج کر میں دھپ دھپ کر کے سیڑھیاں پھلانگتی اوپر آگئی۔ اور جلدی جلدی رسیوں پہ ڈلے کپڑے اتارنے لگی۔ اتنے میں ٹھاہ کر کے ایک پتھر میری پشت پر لگا۔ تو میرا دماغ گھوم گیا۔

یہ حرکت **فیضو** کمبخت کے علاوہ کون کر سکتا تھا بھلا؟ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو لال قمیص کے ساتھ کالی چوڑی دار پاجامے جیسی پینٹ لٹکائے بتیسی نکالے وہی کھڑا تھا۔

"کیوں بے تجھے تیری اماں باندھ کے نہیں رکھتی ہے۔ دس دفعہ تو تیری ماں کو بتا چکی ہوں تیری حرکتیں۔ آج کرتی ہوں میں خالو سے تیری بات' چھترول کے بعد جب تیری عقل ٹھکانے لگی گی نا تو اپنی یہ منحوس شکل لے کر میرے تو سامنے کبھی مت آنا اور......!"

"او بڑی آئی کرینہ کپور! میں نے تجھے پتھر نہیں مارا تھا کبوتر کو مارا تھا۔ اور یہ دھمکیاں اپنے پاس رکھو' اتنی ہی پردہ نشین ہے تو چھت پہ ہی کیوں آتی ہے۔ ہاں بول اب!" وہ خبیث ہنسی ہنس کر بولا۔

فیضو نے گویا مجھے جلتے تنور پہ بٹھا دیا تھا۔ لیکن یہ وقت اس سے بحث کے لیے مناسب نہ تھا۔ ابا کے گھر آنے کا وقت تھا اور ابا نے مجھے چھت پہ دیکھ لیا تو انہیں میرے ہاتھ میں دھلے کپڑوں کی گٹھڑی بھی نظر نہیں آئی تھی۔ بس میں چھت پہ کیوں ہوں یہی نظر آنا تھا۔ اور پھر پڑوسی بھی وہ نشریات سنتے جو کیا ہی کوئی نیوز چینل سے کم دلچسپ ہوتا تھی۔

"ارے! ارے اللہ میرے دماغ کی ساری چولیں ہل گئی ہیں۔ پارو تجھ پہ اللہ کی مار' یہ کیا ہر وقت اونچی آواز میں شیلا کی جوانی تو کبھی منی کو بدنام کرنے کے گولے داغتی رہتی ہے۔ ارے کمبخت! اس کو آہستہ کر دے۔ اپنی ماں کا نہیں تو آس پڑوس کا ہی خیال کر لے۔"

اماں کی آواز گویا اپنے ہی گلے میں گھٹ رہی تھی۔ اب ڈیک فل والیوم میں کھلا ہو گا تو اماں کے کوسنے دیوار کے اس پار رہنے والی پارو بی بی تک کیونکر پہنچیں گے۔ نازو نے بھی کھی کر کے مجھے کہنی ماری۔

"ہاں ہاں تیرے بہت دانت نکلے ہیں نگوڑی! سب سے پہلے تو ان کو توڑوں گی تو ٹھاکی لوٹھا ہو گئی ہیں عقل نہ آنے کی تھی ایک کو بھی نہ آئی۔" ہاتھ میں اٹھا کر دستی پنکھا اماں نے تاک کر نازو کو ٹھوک دیا۔

"کیا ہے اماں؟ اتنا تو کام کرتی ہوں میں۔" نازو منمنائی۔

"ہاں بہت! تیرے باوا کے تو کھیت ہیں نا تو ان میں ہل چلا دے ہے مسٹنڈی۔" اماں کی بات پر اس بار میں قل قل کر کے ہنسی تو نازو نے مجھ پر قہر برساتی نظر ڈالی۔

اماں کا گلہ بے جا بھی نہ تھا تو کوئی جائز بھی نہ تھا۔ ہم جیسے علاقوں میں رہنے والے لوگ ایسے گھروں میں رہتے ہیں۔ جو کسی زمانے میں تو شاید عالی شان گھر ہوتے ہوں گے۔ اب آبادی زیادہ اور وسائل کم تھے یا کلیم میں ملے ہوئے گھروں کا معاملہ تھا کہ پہلے کے ایک ایک گھر کو چار چار گھروں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ حالات یہ تھے کہ ہم اپنے گھر میں سرگوشی کریں تو ساتھ والے گھر میں گویا گفتگو کر ڈالی۔ اور یہاں تو سرگوشی کا رواج کہاں؟ یہاں تو ہم سب کو بھونپو بجانے کی عادت تھی۔ ایک دوسرے کے گھر کے ملے جلے شور نے ہمیں اونچا بولنے کی عادت ڈال دی تھی۔ سب ہی گھروں کا ایک جیسا حال تھا۔

سب سے تکلیف دہ بات تو یہ تھی کہ سب گھروں کے ٹوائلٹ چھت پہ بنے ہوئے تھے۔ وہ بھی پیٹھ سے پیٹھ جوڑے۔ بندہ نیچرل کال ملے تو سیڑھیاں چڑھ کے چھت کی پچھلی طرف بنے ان اعلا درجہ کے واش روم تک جائے اور اندر جاتے ہی دوسرے چھت والوں کے بیت الخلاء کی آوازیں ہمیں پہلے سے محتاط کردیں۔ "مشتری خبردار ہوشیار باش" اپنا کام پوری رازداری سے انجام دیں کیونکہ دوسری طرف والوں کی ہر کارروائی آپ کی سماعت کو بخوبی سنائی دے رہی ہے تو آپ بھی دوسرے کی سماعت کا خصوصی دھیان رکھیں۔ ایسے میں جب میرے جیسی ادبی شخصیت اکثر اماں سے فرمائش کرتی نظر آتی۔

"اماں او اماں! ایک باتھ روم ہی نیچے بنوا دو نا۔ کتنا برا لگتا ہے نا یوں اوپر کے ٹوائلٹ میں بیٹھنا۔" میں روہانسی ہو گئی۔

"ہاں کمبخت تیرے ابا نے خزانہ دیا ہوا ہے نا مجھے اور دو ہزار گز کا بنگلا ہے نا تیرا جو میں باتھ روم بنوا دوں۔ جو ہے چپ کر کے گزارا کرو۔ یہ چھت تو موئے باتھ روم پہ تم لوگوں کی وجہ سے ہی ڈلوائی ہے۔ جب میں بیاہ کے آئی تھی تو اس وقت چھت بھی نہ ہووے تھی اس پہ۔ اور پھر ادھر چھت نہ لیٹرین بنے ہونے کا فائدہ ہے نوج کہ سیدھا پائپ پچھلی گلی میں نالی کے اندر سیدھا ڈل جاتا ہے۔"

"اللہ معافی! اماں تم بھی نہ ساری دریافت و ایجاد کی باتیں کرو۔ دوسرا چاہے گھن سے مرجائے۔ بس کرو اب یہ دریافت نامہ۔" میں نے منہ بنایا۔

"چل اٹھ! باتوں سے فرصت ملے تو ہاتھ بھی ہلا لیا کرو بانو۔ نازو تو تجھ سے زیادہ کام کرتی ہے، تجھے تو کالج سے آکے نخرے ہی سوجھتے ہیں۔ جا کے برتن دھو۔ باتیں کروالوان سے.....!"

"مجھے نہیں برتن دھونے ڈھیر لگا دیتے ہیں تمہاری یہ فوج۔ پھر نازو میسنی کو تو عادت ہے سارے اچھے کام خود کر کے اچھی بن جاتی ہے اور گندے کام میں کروں۔" میں غصے سے تنکی۔

"اللہ سے ڈر بانو آپا۔ اتنی گرمی میں روٹیاں پکاتی ہوں اسکول سے آکر اور وہ بھی اتنی ڈھیروں ڈھیر اسی فوج کے لیے جس کی سپہ سالار تو بھی شامل ہے ان میں۔" نازو نے مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"ہاں ہاں کھا جاؤ! لگاؤ نظر میری اولاد کو۔ یہ تم لوگوں کے بھی بہن بھائی ہیں۔" اماں کو تاؤ آیا تو جو تخت پہ آرام فرما رہی تھیں اٹھ کے بیٹھ گئیں۔

"تو اماں کچھ تو سوچنا تھا دو چھوٹے چھوٹے کمروں کا گھر جس کے آگے دو فرلانگ برآمدہ اور یوں منا سا صحن اور چھوٹا سا بیرونی دروازہ اتنے سے گھر میں نو بچوں کی ٹیم کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔" میں نے بڑی بزرگوں کے جیسی تیوری چڑھائی۔

"ہاں جی اب تجھ سے پوچھ کے ہی تو سارے کام کرنے تھے نا ہم نے۔ تیرے باپ نے سن لیا تو چٹیا سے پکڑ کر گھسیٹ دے گا تجھے بے شرم نگوڑی۔ چار حرف کیا پڑھ ڈالے عالم آن لائن بن گئی ہیں بی بی۔"

بانو پیر پٹختی ہوئی کچن کی طرف چل دی جہاں برتنوں کے ڈھیر پہ مکھیوں کی یلغار تھی۔ نازو تو فوراً غڑاپ سے کمرے میں گھسی اور ٹی۔ وی آن کر کے ہمسایہ ملک کے ڈراموں سے مستفید ہونے لگی۔

☆ ☆ ☆

"کیا بنایا ہے آج کھانے میں الفت بیگم؟" ابا دن کو کھانا کھانے آیا کرتے تھے۔

"آلو بنائے ہیں شوربے والے۔" اماں کی بے نیازی عروج پہ تھی۔

"ایک تو تجھ جیسی عورت کو عقل نہ آئی نہ آئے گی زندگی بھر۔" ابا نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

"جب تجھے پتا ہے کہ میں آلو نہیں کھاتا تو پھر کیوں بنا لیتی ہے روزانہ وہ بھی شوربے والے۔ بندہ کبھی کوئی ڈھنگ کی چیز بھی بنا لیتا ہے۔"

"اے لو! اب آلو کے پیسوں میں تو آلو ہی بنیں گے نا میاں جی! نہاری پائے تو بننے سے رہے۔" اماں بھی اپنے میزائل داغنے لگیں۔

"الفت بیگم! میں بھی تو کما کر تجھے ہی دیتا ہوں نا میرا کون اور بیٹھا ہے جس کو دوں گا۔ اللہ بخشے اماں تو گوشت کے علاوہ کچھ نہ کھلائے تھی مجھے۔ اخاہ! کیا ذائقہ تھا۔۔۔۔!"

"اماں کے لاڈلے اکلوتے تھے تم۔ یہاں جتنی فوج کا سربراہ بنادیا ہے نا تم نے مجھے؟ جس دن گوشت بنالوں تو جو گوشت پہ لڑائی ہووے ہے نا اس گھر میں کیا ہی پانی پت کی لڑائی ہوئی ہوگی۔"

اماں ابا کی نوک جھونک اب زور پکڑ رہی تھی اور بیچ بیچ میں بانو "ابا پانی پی لو" کا ریکارڈ وقفے وقفے سے بجا رہی تھی۔

اتنے میں مرگھلو خالو (بانو کا رکھا نام تھا) دروازے سے نمودار ہوئے۔ ان کو دیکھ کے نازو۔ بانو نے اپنی ہنسی روکنے کو منہ پہ ہاتھ رکھ لیے۔

مرگھلو خالو جن کا اصل نام شرف الدین تھا۔ وہ بھی بڑی خاصے کی چیز تھے۔ لوگوں کے گھروں میں کوئی ماموں، خالہ اور نانی جیسی ہستیاں تو رہتی ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ ہی عجیب تھا۔ خالہ تو کہیں بانو کی یادداشت سے پہلے دوسری دنیا کو نکل لی تھیں۔ تب سے مرگھلو خالو ہماری اماں کے در پہ تھے۔ اور مزے کی بات کہ اماں کی ان سے ذرا بھی نہ بنتی تھی۔ اور ابا کی ان سے خوب جمتی تھی۔ اور وہ کیوں جمتی تھی یہ بھی ایک الگ ہی قصہ تھا۔

مرگھلو خالو کی چندیا پہ چند بال جن کو وہ پہلے راد ھے۔ (سلمان خان) کی زلفیں سمجھتے تھے۔ اب جب سے وہ باؤلی سی فلم "باجی راؤ مستانی" دیکھ بیٹھے تھے تو ان چار پانچ زلفوں کو دراز کر کے ان کی پتلی چٹیا بنائے سر کی پچھلی طرف ڈالے مستانی ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ آنکھیں تو پہلے ہی اس فلم کے ہیرو کی طرح چنی منی تھیں۔ مگر سرمہ لگا کر ان کو مزید بھیانک وہ خود ہی بنالیتے تھے۔

"او چل بھئی مرگھلو!" ابا نے جیب سے پیسے نکالتے ہوئے خالو کو دیکھتے ہی نعرہ لگایا۔ جا بھاگ کے بازار سے چھ کباب تو پکڑ لائیو۔

"ائے ہے! جیب میں پیسے لیے پھرتے ہو اور مجھ سے گلہ کہ آلو کیوں پکاؤں ہوں۔" اماں نے ابا کے ہاتھ سے پیسے جھپٹنے کی کوشش کی۔ لیکن ابا سے زیادہ مستعد خالو تھے بروقت پیسوں کو اچک لیا۔

"دفع ہو۔ کیسے چیل کے جیسا جھپٹا پیسوں پہ۔ تیلی لگادوں شرف الدین تجھے میں کسی دن۔" اماں کوسے جارہی تھیں۔ "پر خالو پہ ان باتوں کا نہ پہلے اثر بھی ہوا تھا نہ آج ہونا تھا۔

"درجن نہ لے آؤ بھائی جی؟ میں بھی چکھ لوں گا۔"

ابا نے برا سا منہ تو بنایا مگر ہمیشہ کی طرح خالو کو اجازت بھی دے دی۔

"ابا یہ زیادتی ہے ہم تو شوربے میں ڈبو کے روٹی کھائیں اور آپ دونوں کبابوں پہ موج کرو۔" نازو نے دہائی دی۔

"ہاں تو اپنی ماں سے پوچھو۔ جو میری دیے ہوئے خرچے میں ڈھنگ کا کھانا بنانے کے بجائے کمیٹیاں ڈالے ہے۔ ناشکری عورت۔" ابا نے ہمیشہ کا خطاب دہرایا۔

خالو جنگ کا نظارہ کرنے کے بجائے پیسے جیب میں ڈال نکل لیے تھے۔ اور اماں دوپٹا منہ پہ ڈال کر رونے لگیں۔

"تو یہ کمیٹیاں کس کے لیے ڈالتی ہوں۔ تیرے ان بچوں کے لیے ہی نا۔ یہ جو لوٹھا کی لوٹھا ہوتی جارہی ہیں۔ ان کو بھی ٹھکانے لگانا ہے کہ نہیں۔" اور یہ وہ جواز تھا جہاں پہ ابا بھی ٹھنڈے پڑجاتے تھے۔ انہوں نے تیز نظروں سے بانو اور نازو کو گھورا اور اگلے ہی لمحے پارٹی بدل لی۔

"نہیں دیکھ رہا ہوں تم لوگوں کے بہت پر نکل رہے ہیں۔ کچھ گھر گرہستی سیکھو۔ کوئی کام کاج میں لگو۔ دیکھو ماں، تم لوگوں کے لیے ہلکان ہو رہی ہے۔ اور بانو تیری زبان بہت لمبی ہوگئی ہے۔ عقل سے پیدل ہوتے جارہے ہو تم سب۔ ناول کم پڑھا کر۔۔۔۔!"

"تو ابا نازو بھی تو ہر وقت ٹی وی میں منہ دیے رہتی ہے اس کو تو کوئی کچھ نہیں کہتا میں تو۔۔۔۔!"

"اچھا بس بس دماغ مت کھاؤ۔ دو گھڑی چین سے تم لوگوں نے ہم میاں بیوی کو بیٹھنے ہی نہ دینا ہے۔"
اماں رونے کے شغل میں مصروف تھیں۔ اور ابا اب اماں کو نثار ہونے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور اماں یوں شرمارہی تھیں گویا چوتھی کی دلہن ہوں۔
نازو تو پہلے ہی اندر چلی گئی تھی۔ بانو بھی کھسکنے لگی۔ مگر جاتے جاتے بھی اماں کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔
"اے سنو! علیم احمد میں یہ کہہ رہی تھی کہ ایک کباب مجھے بھی دینا۔ بڑے دن ہوئے کوئی اچھی چیز کھائے۔" (صبح کا ڈٹ کے ناشتا اور پھر صغریٰ خالہ (پڑوسن) کے گھر سے آئی بریانی کی پلیٹ چٹ کر کے بیٹھی اماں کی بات پہ بانو کو خوب تاؤ آیا مگر چپکی رہی
"ارے نہیں بھئی اب ایسا بھی کچھ نہیں ہو رہا کہ کباب ہی دے ڈالوں۔" ابا فوراً "ہی اجنبی ہوئے۔
"نہیں ہیں ہائیں۔ ابھی بلاتی ہوں تیرے لاڈلوں کو خود ہی لے لیں گے اور تم دیکھنا شوربہ اور روٹیاں بھی نہ ملنے کی۔" اماں چلائیں۔
"اچھا اچھا چل! ایک لے لینا میری ملکہ؟" ابا نے شہنشاہ اکبر کے جیسے احسان کیا۔
"نہ نہ میں تو دو لوں گی۔" اماں بھی پھیلیں۔
"لوے لینا ندیدی عورت۔" ابا بڑبڑائے۔

☆ ☆ ☆

کتنے دنوں سے اسکول آتے جاتے افضل چاچا کا عارف عرف عرفی نازو کا پیچھا کیے جارہا تھا لیکن آج تو حد ہی ہو گئی۔ لپک کر نازو کا راستہ روک لیا۔
"کیا ہے 'راستہ چھوڑو رنہ......!" نازو کا جملہ ابھی ادھورا ہی تھا کہ عرفی نے عاشقانہ انداز سے سینے پہ ہاتھ رکھ لیا۔
"ہائے صدقے کترینہ جیسی تو تو ہے ہی۔ نخرے بھی اس کے جیسے۔ ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔" وہ بھدی آواز میں گانے لگا۔
"دیکھ میرے منہ مت لگ عاطف اسلم کے کچھ لگتے۔ بہت دیکھے ہیں تیرے جیسے آگے پیچھے پھرتے لفنگے۔ طبیعت درست کردوں گی تیری۔" نازو نے اپنے سر پہ چادر ٹھیک کی اور غرا کر اس پہ جھپٹا مارا۔
"جنگلی بلی ہے تو قسم سے۔ لیکن مجھے بھی بلیاں پالنے کا شوق ہے۔" وہ اپنا ہاتھ جس پہ نازو نے پنجہ مارا تھا سہلاتا ہوا نازو کے پیچھے چلنے لگا۔ نازو کا گھر اب سامنے تھا۔ لیکن اس کے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے عرفی نے ایک رقعہ دروازے کے سامنے ڈالا اور بھاگ گیا۔ نازو رقعے کو وہیں چھوڑ دینا چاہتی تھی۔ لیکن پھر سوچ میں پڑ گئی جانے کیا لکھا ہوگا اس میں۔ اگر ابا یا بھائیوں میں سے کسی کے ہاتھ لگ گیا تو.... وہ جھکی اور رقعہ اٹھا کر بیگ میں ڈالا اور گھر میں داخل ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

بڑی سی گاڑی آکر رکی تھی شاید پیراڈو تھی اس میں سے خوب صورت سی سفید میکسی والی لڑکی کی جھلک نظر آرہی تھی۔ دربان دوڑ کر گاڑی کا دروازہ کھولتے ہیں تو لڑکی بڑی نزاکت سے میکسی سنبھالتی ہوئی گاڑی سے برآمد ہوتی ہے۔ مرد ہاتھوں میں گلدستہ لیے اس کی طرف بڑھتا ہے۔ مرد کی وجاہت اور ڈریسنگ بھی بے مثال ہوتی ہے۔ اس سے پہلے کہ لڑکی قدم آگے بڑھائے مرد اس کی جانب اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ لڑکی اس کا ہاتھ تھام سکے۔ لڑکی اس کا ہاتھ تھامنے کے لیے اپنی نازک ہتھیلی آگے بڑھاتی ہے۔ اور ہتھیلی آگے بڑھاتے ہی اس کا ہاتھ ایک دم کسی چیز سے بھیگ جاتا ہے۔ اوہ بارش؟
"بانو! اٹھ بھی جا دیکھ چھوٹو نے ادھر ہی اپنا کام کر دیا ہے۔ نیستی کی ماری اٹھ۔" بانو جو ابھی تک خواب کے اثر میں تھی اماں کے دو ہتھڑ نے اس کو ہوش کی دنیا میں لا پٹخا۔
"کتنا ڈھیٹ ہے نا تو چھوٹے! تھوڑی دیر کو صبر نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے جگا لیتا الو! سو رہی تھی مری نہ تھی۔ لے جاتی تجھے عوامی لیٹرین۔" وہ غصے اور

کراہیت سے بے حال ہو رہی تھی۔

"دفع دور! جانے کتنی دیر سے اٹھا رہا تھا تجھے۔ تیرا تو سونا مرنا ایک برابر ہوتا ہے بی بنو۔" اماں نے لتاڑا۔

"اللہ کتنا پیارا سپنا تھا ابھی تو شہزادہ میرا ہاتھ پکڑنے ہی والا تھا کہ۔۔۔ اخ تھو۔" اس سے آگے وہ کیا سوچتی۔ چھوٹو کو گردن سے پکڑ کر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ چھت پر گئی تو نازو چھت پر موجود تھی۔

"یہ جو تو بار بار چھت کے چکر لگاتی ہے نا' اس میں کیا چکر ہے؟ یہ تو مجھے بتائے گی یا خود بتاؤں۔" بانو نے نازو کے پیچھے چھت پہ چھاپہ مارا۔

"چل چل آپا تجھے بھی نہ ہر چیز میں کچھ خاص ہی لگنے لگتا ہے۔ ابا ٹھیک کہتے ہیں کہ تو نا عقل سے بالکل پیدل ہوتی جا رہی ہے۔ اب پیٹ خراب ہے تو کیا چھت پہ نہ جاؤں تو کہاں آؤں بھلا۔" نازو بلبلائی۔

"اب پیٹ خراب ہے یا نیت اس کا تو پتا ہی چل ہی جانا ہے' جس دن ابا نے تجھے اس عرفی کے بچے۔۔۔۔!" بانو دانت کچکچاتی رہ گئی اور نازو نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"اچھا آپا چپ کرتاتی ہوں۔"

"نیچے آجاؤ۔ یہ چھپکلی گھنٹے بھر سے دیوار پہ لٹکی ہے اور تم لوگ ہو کہ اوپر دھرنا دے کر بیٹھی ہو۔" اماں کی پاٹ دار آواز پہ دونوں نیچے لپکیں۔ چھوٹو کب کا نیچے جاچکا تھا۔

وہ کون سی چھپکلی تھی جس کو مارنے کو اماں بضد تھیں ان کی تو بلا سے گھر میں چوہے دندناتے پھریں۔ وہ دونوں سیڑھیوں کی طرف بھاگیں تو پیاری پارو کو دیوار سے لٹکا دیکھ کر پیٹ پہ ہاتھ رکھ کے ہنسی روکنے لگیں۔ پارو کے ہاتھ میں کھیر کا پیالا تھا اور اماں کا شاہی خطاب "چھپکلی" پارو کی شان میں تھا۔

بانو اٹھارہ سالہ حسین لڑکی تھی۔ اور نازو سولہ سال کی۔ ان کے بعد سال سال کے وقفے سے بھائی تھے اور بھائیوں کے بعد ایک بہن بھی اماں کی گود چڑھی تھی۔ بانو مزاجا" نازک طبع تھی۔ خوابوں میں رہنے والی رومانٹک ناول کی ہر ہیروئن میں اس کو اپنا عکس نظر آتا تھا۔ اپنے طبقے سے نالاں تھی۔ اور نازو من موجی اور میسنی طبیعت کی تھی۔ دونوں نے بچپن سے جس ماحول کو دیکھا تھا اس میں پلتے بڑھتے وہ منہ پھٹ تھیں۔ اور ہاتھ چھٹ بھی۔

یوں تو علیم احمد ایک معقول آمدنی رکھتے تھے لیکن اس طبقے کی اپنی ہی حسرتیں تھیں جن میں الفت بیگم کو جو خرچ ملتا اس کو تو وہ ٹھکانے لگاتی تھیں ساتھ میں میاں کی جیب پہ بھی ہاتھ صاف کر ڈالتی تھیں۔ یہاں سب میں ایک نفسا نفسی اور خود غرضی کا ماحول بن گیا تھا۔ بانو نے حال ہی میں کالج میں داخلہ لیا تھا اور تب سے اس کے خوابوں کی اڑان بہت بلند تھی۔ نازو فی الحال میٹرک کی طالبہ تھی اور غنیمت تھا کہ اگر وہ میٹرک بھی کر لیتیں۔ یہ دونوں ہی عمر کے اس دور سے گزر رہی تھیں جہاں مناسب رہنمائی نہ ملے تو بگڑنے کے امکان قوی تر ہو جاتے ہیں۔

ان کے ماحول نے ان کو بہت سی ایسی باتوں کی آگاہی بچپن میں دے دی تھی۔ جو ادھوری ہو تو اس کو تجسس کے پر لگ جاتے ہیں اور وہ بہت خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہے۔

بانو کی نظر میں اماں جو زندگی گزار رہی تھیں وہ ایک بے رنگ اور فرسودہ زندگی تھی۔ جبکہ نازو کو اماں کی حکمرانی' مرضی سے سونا اور جاگنا۔ تخت پر بیٹھ کر حکم چلانا۔ یہ سب بہت اچھا لگتا تھا۔ مطلب شادی ہوئی تو کام سے چھٹی۔ جب دل چاہا سویا جاگا۔ اولاد پہ حکم چلایا اور سب سے بڑھ کر ٹی وی کا ریموٹ جب اماں کے ہاتھ میں جاتا تو پھر وہ جو مرضی دیکھتی رہتی تھیں' یہ تھی نازو کی فینٹسی جس کی تان بس شادی ہو جانے پہ ٹوٹتی تھی۔

ابا اور مرگھلو خالو کا سنگم تو وہ بھی کچھ یوں ہی سا تھا کہ خالو نے ابا کی تمام کمزوریاں اپنی نظروں میں ہی نہیں بلکہ اپنے ہاتھوں میں بھی لے رکھی تھیں۔ وہ اماں سے کتنے پیسے کب' کہاں چھپاتے ہیں۔ اور کہاں لگاتے ہیں۔ ابا کی کاسمیٹکس کی خوب چلتی دکان تھی جس پہ اصلی۔ نقلی ہر طرح کی چیزیں بکتی تھیں۔ اور زیادہ تر

گاہک عورتیں ہوتی تھیں۔ کب، کون، ادھار اور کون تحفے لیتی تھی اس سب کا حساب کتاب ابا سے زیادہ خالو کو تھا۔ اور خالو اب اس کا خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔ خالو کی صرف آنکھیں ہی نہیں دماغ بھی الو کا تھا گھر میں کم رہتے ادھر ادھر زیادہ پھرتے یہ شرف الدین عرف خالو مرگھلو اور پھر برآمدے میں آکر لڑھک جاتے مطلب سو جاتے۔

☆ ☆ ☆

بانو نے کالج میں آتے ہی خوب پر پرزے نکالے اور چن چن کر امیر کبیر اور انتہائی ماڈرن لڑکیوں سے دوستی کی کیونکہ اس کو اونچی اڑان اڑنے کے لیے ایسے ہی لوگوں کی ضرورت تھی۔ اسی فیصد ناول وہی اس کے پسندیدہ تھے جو سنڈریلا کی طرح غریب لڑکی کو محل میں پہنچا دیتے۔ ان خوابوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اس کا ایسی امیر لڑکیوں کے درمیان رہنا ضروری تھا اور ایسی دوستیاں بنائے رکھنے کے لیے اس کو ہزارہا جتن کرنے پڑتے تھے۔

"واہ!" بینش (بانو کا اصلی نام تھا۔) کتنا مہنگا اور خوب صورت گفٹ لائی ہو۔" ایشال نے خوب صورت سے بریسلیٹ کو کلائی میں گھمایا۔

"ارے یہ تو کچھ بھی نہیں میں تو تمہیں اور بھی زبردست سرپرائز دینا چاہتی تھی۔ بس وقت کم تھا جلدی میں اس کا انتخاب کیا؟" وقت کم ہی تو تھا اس کے پاس کچھ اور بندوبست نہ کر سکنے پر اس نے اماں کی الماری کا صفایا کیا تھا۔

"اچھا چلو اب تم سب کو میری طرف سے ٹریٹ مگر وہ یہاں نہیں بلکہ میرے گھر یا کسی ہوٹل میں ہو گی۔" ایشال نے ادا سے اپنے سنہری بالوں کو جھٹکا۔

"تمہارے گھر میں یار ایشال۔" بانو جھٹ سے بولی۔ "یہ موقع وہ کیسے جانے دیتی۔ اسی دن کے لیے تو وہ محنت کر رہی تھی۔ پہلے سیڑھی پہ قدم یہیں سے تو رکھنا تھا۔ محل جیسے گھر کو چھو کے محسوس کرنے کا موقع مل رہا تھا۔

"تو چلو بھئی ڈن ہو گیا۔ پارٹی میرے گھر پہ ہو گی اور وہ بھی تم سب کی سہولت کے حساب سے کالج ٹائم کے دوران۔" ایشال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں تو نہیں آپاؤں گی۔" بانو کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ اب وہ اس بات کا کیا حل نکالتی کہ وہ اپنے محلے سے پھٹ پھٹ کرتے رکشے پہ ایشال کے گھر کیسے جائے۔

"کیوں کیا پرابلم ہے؟" ایشال نے حیرانگی سے کہا۔

"وہ دراصل آج کل گھر میں مجھے ڈراپ کرنے کے لیے کوئی موجود نہیں۔ پاپا ملک سے باہر ہیں اور ڈرائیور بھی چھٹی پر ہے۔"

"کوئی بات نہیں بینش تم کالج آجانا ہم تمہیں یہاں سے پک کر لیں گے۔"

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے یہ اپنی نازو آج کل اسکول سے دیر سے آرہی ہے۔" علیم احمد نے الفت بیگم سے پوچھا۔

"مجھے کیا معلوم میاں! وہ کہہ رہی تھی کوئی فالتو کے پیریڈ ہو رہے ہیں۔ اب بچوں کو دیکھوں گھر دیکھوں یا اسکولوں سے لاؤں۔ لے جاؤں۔ یہ تو مردوں کے کام ہوتے ہیں اور تم تو ٹھہرے آرام پسند کاہے کو کرو گے کچھ کام۔"

"او بس کر دے۔ کچھ کرتا ہوں۔ مرگھلو کی ڈیوٹی لگاتا ہوں اسکول سے لایا کرے گا نازو کو۔" ابا اماں کی گفتگو کو بغور سنتی نازو نے اپنی ادھ کھلی آنکھیں پٹ سے بند کر لیں۔ اور سوچنے لگی۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ عرفی کو جلد بتانا ہو گا کہ وہ اپنے گھر والوں کو رشتے کے لیے بھیجے۔" یہ سوچتے سوچتے وہ گہری نیند سو گئی۔

☆ ☆ ☆

ایک بار، دو بار لیکن تیسری دفعہ یہ الفت بیگم کا ماتھا ٹھنکا جب ایک نہ دو اکٹھے دس ہزار الفت بیگم کی الماری سے غائب ہوئے تو گھوم پھر کر ان کا شک علیم احمد پہ گیا۔ مرگھلو پہ اس لیے نہیں کہ وہ رات گئے آتا

تھا گھر میں اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہی تھا۔ علیم احمد سے پوچھنے کی اوقات کہاں سے لاتیں کہ ان کے دیے خرچے میں سے ہی اڑاتی تھیں اور ان کی جیب کا صفایا بھی موقع ملتے کر لیتی تھیں۔ اور کسی جانب ان کا دھیان بھی نہ پھٹک رہا تھا۔ آخر ایک دن سب بچوں کو باجماعت بلا کر پوچھ ہی ڈالا۔

بانو نے تو کان لپیٹ لیے جیسے سنا ہی نہ ہو۔ البتہ نازو کو پیٹ بھر کے غصہ آیا۔

"اف اماں ہم کیا چور ہیں جو تم یوں عدالت لگا بیٹھی ہو۔ اور ہمیں کیا آج پتا چلا کہ تم ابا کے پیسوں میں سے ہیر پھیر کر کے کمیٹی ڈالتی ہو۔ یہ تو خود ابا کو بھی معلوم ہے۔"

نا ہنجار اولاد! "جو کرتی ہوں تم لوگوں کے لیے ہی کرتی ہوں۔ لو جی اب اس کی کسر تھی اب اسی اولاد سے کوسنے بھی سنو۔" اماں رونے لگیں۔

☆ ☆ ☆

ایشال کے گھر میں جب وہ پہلی بار داخل ہوئی تھی تو بانو بیگم کو گھر دیکھنے کا اشتیاق اپنی جگہ لیکن ایک اور واردات اس کے دل پہ گزر چکی تھی۔ پارٹی والے دن وہ اماں کو یہ تو بتا کر آئی تھی کہ اس کی ایک سہیلی پارٹی دے رہی ہے اور دیر سے آئے گی لیکن یہ پارٹی کہاں ہو گی یہ بتانا اس نے ضروری نہ سمجھا۔ کیا فرق پڑتا ہے اماں بھی تو ابا سے بہت سی باتیں چھپاتی ہیں۔ اس ایک تاویل نے اس سے کتنی بے ایمانیاں کروا ڈالی تھیں۔ کاش الفت بیگم جان پاتیں۔

کالج سے وہ اور ایشال باہر آئیں تو آج ایشال کی گاڑی سے ٹیک لگائے ایک خوبرو نوجوان کھڑا تھا۔ بالکل خوابوں میں بسنے والے شہزادے کے جیسا اور اوپر سے سلیقے سے جیل لگے بالوں کو سیٹ کر کے سینے پہ ہاتھ باندھے گاڑی سے ٹیک لگائے منتظر کھڑا تھا۔ بانو کو دیکھ کر سر کو ہلکا سا خم دے کر بڑے انداز سے مسکرایا اور گاڑی کا دروازہ وا کر دیا۔ بانو تو گویا اپنے خواب میں گم ہو کر ارد گرد کی ساری دنیا کو بھلا چکی تھی۔ ایشال اس کو بتا رہی تھی کہ آج میرے بھائی ارحم بالخصوص ہمیں پک کرنے آئے ہیں۔

ایشال کا گھر تو اس کے خوابوں سے بھی بڑھ کر خوب صورت تھا۔ اسے لگا وہ کسی جادو نگری میں آ گئی ہے۔ اس کا وہ لباس جو اس نے اپنی جانب سے بہت مہنگا خریدا تھا۔ اب لگ رہا تھا کہ وہاں موجود سب لڑکیوں سے کمتر ہے۔ ایک سے ایک طرح دار لڑکی تھی پارٹی میں۔ اور پارٹی کیا تھی ایک جشن کا سماں تھا۔ اتنا بڑا بنگلا اتنی خوب صورتی سے سجا ہوا تھا کہ بانو کو ہر چیز اپنی پہنچ سے دور لگ رہی تھی۔ ایشال جب اپنی باقی سہیلیوں میں مگن ہوئی تو بانو ایک کونے میں صوفہ پر تکلف سے ٹک گئی۔ وہ ڈرائنگ روم کے طول و عرض کو ناپ رہی تھی کہ یہ تو اس کے پورے گھر سے دوگنا بڑا ہے وہ اپنی سوچوں میں گم تھی کہ کوئی اس کے قریب کھنکارا۔ وہ چونک کر پلٹی تو ارحم سے ٹکرا گئی۔

"آپ یہاں تنہا کیوں بیٹھی ہیں۔ لگتا ہے ایشال اچھی دوست نہیں ہے جو آپ کو لا کر بھول گئی۔ حالانکہ آپ کو کوئی کیسے بھول سکتا ہے۔" اس نے ذو معنی لہجے میں بول کر ایشال پر ایک والہانہ نظر ڈالی۔ بانو کی خواہشوں کی اڑان جتنی بھی اونچی سہی مگر اس نظر نے اس کے چہرے کو گلال کر دیا تھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں مجھے خود بھی زیادہ گھلنے ملنے کی عادت نہیں ہے۔" بانو نے اپنے آپ کو بمشکل سنبھالا اور دھیمے لہجے میں بولی۔

"خوب میں بھی کچھ ایسا ہی ہوں۔ دیکھیں میرے بھی فرینڈز ہیں آج پارٹی میں مگر میں بھی اس وقت ان میں آپ کی طرح گھل مل کر ہلا گلا نہیں کر رہا۔" وہ ابھی بات کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں ایشال ان کی طرف آئی اور بانو کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"یار چلو تمہیں اپنی مما سے ملواتی ہوں۔" اس کو لے کر وہ ڈرائنگ روم کے دوسرے حصے کی طرف چل دی۔

ایشال کی مما سے مل کر اسے لگا کہ ایشال اور ارحم تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ وہ تو بہت ہی شاندار شخصیت کی

مالک تھیں اور اتنی خوب صورت اور جوان کہ وہ ایشال اور ارحم کی ماں ہرگز نہیں لگتی تھیں۔ واپسی پر ارحم اور ایشال کے اصرار کے باوجود ان کے ساتھ نہیں آئی اور بہانہ بنادیا کہ واپسی پہ اس کی ماما اس کو پک کریں گی۔

اور محل سے نکل کر وہ پھٹ پھٹ کرتے رکشے میں بیٹھی تو ارحم بہت سے آس کے جگنو جو اس کے پلو سے باندھ چکا تھا وہ ان کی روشنی سے چکا چوند ہو رہی تھی۔ اور خواب در خواب پروئے ہوئے موتیوں کی مالا کو سنبھال کر خود کو سجا رہی تھی۔

اس دن وہ تو گھر لوٹ آئی تھی۔ مگر اپنا دل ہار بیٹھی تھی وہیں کہیں محل میں۔ اس کے خوابوں میں بڑا گھر تو تھا مگر محبت کہیں نہیں تھی۔ مگر اب وہ محل اہم تھا مگر محبت دل کے آسن پر اس طرح براجمان ہوگئی تھی کہ اب محل ارحم سے منسوب ہوگیا تھا۔ اب خواب میں ہاتھ تھامنے والے کے ساتھ وہ اکثر گھومنے لگی تھی۔

گھر والے بے خبر تھے۔ ایشال باخبر تھی۔ اور وہ جو اکثر کالج سے ارحم کے ساتھ باہر ملنے لگی تھی تو اس کو یقین ہوگیا تھا کہ ارحم اور اس کے درمیان اب کوئی اونچ نیچ نہیں آنے والی اور یہ یقین اس کو کیوں نہ ہو تا جب وہ ارحم کو اپنی گھر کے حالات بتا چکی تھی من وعن۔ اور ارحم کو اس پہ کوئی اعتراض نہ تھا اور محبت ہمیشہ سے خوش گمان ہوتی ہے۔ اور بانو کیسے نہ خوش گمان ہوتی کہ ارحم کی آنکھوں میں اس نے جذبوں کو لودیتی جوت اس نے خود دیکھی تھی اور بار بار دیکھی تھی۔

☆ ☆ ☆

"نازو میں بہت مجبور ہوں۔ بار بار گھر والوں کو راضی کرنے کے باوجود وہ تمہارے گھر رشتہ لے جانے پہ راضی نہیں ہوتے۔ ابا کہتا ہے کہ مجھے ہر صورت اپنی پھوپھی کی بیٹی سے شادی کرنا ہوگی۔" عرفی کے دبے ہوئے فون پہ وہ رات کی تاریکی میں چھت پر بیٹھی عرفی سے سرگوشی میں باتیں کر رہی تھی۔ عرفی کی بات سن کر وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کر رونے لگی۔ اس کی سسکیوں کی آواز سن کر عرفی بولا۔ "نازو تو رو مت ہم دونوں یہاں سے بہت دور چلے جائیں گے۔ میں شادی تجھ ہی سے کروں گا۔ تو فکر نہ کر۔"

"لیکن کیسے عرفی؟ ابا کو مجھ پہ شک ہوگیا ہے۔ خالو اب مجھے لینے آتا ہے۔ محلے میں اماں اب ہمیں کہیں آنے جانے نہیں دیتی۔ اللہ اب میں کیا کروں۔" وہ روہانسی ہوئی۔

"میری جان تم کل اسکول سے کسی طرح مرگھلو خالو کو چکما دے کر میری بتائی ہوئی جگہ آجاؤ اس کے بعد ہم یہ شہر چھوڑ دیں گے اور شادی کرکے اپنا گھر بسالیں گے۔ تم سے دور اب میں بھی نہیں رہ سکتا نازو۔" عرفی نے اس کو جگہ پتا وغیرہ سمجھایا۔ اور اسے دوسرے دن کے پروگرام کے متعلق سمجھانے لگا۔ نازو اس کی باتیں غور سے سننے لگی۔ آنے والی کل کیا پیام لاتی ہے اس سے ناآشنا نازو کی کچی عمر رنگین سپنوں کی ہم سفر عرفی کی محبت بھری باتوں پہ مسکرانے لگی۔ ڈھلتی رات میں ادھورا چاند تاریکی کو مکمل پھیلنے سے روکنے کی کوشش میں تھا اور تاریکی چاندنی کو نگلنے کو بے تاب تھی۔

☆ ☆ ☆

"علیم احمد شام ہونے کو آرہی ہے اور نازو کا کچھ پتا نہیں میرا تو دل ہول رہا ہے۔ اور تم بت بنے بیٹھے ہو۔" آج پہلی بار الفت بیگم سرگوشی میں بات کر رہی تھیں۔

"وہ تمہارا مرگھلو موا" کہاں ہے وہ؟ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ وہ اپنا رنگ ضرور دکھائے گا۔ مگر جانے کیوں تم اس کو گھر میں ڈال کر بھول گئے کہ اس کا ہم سے کوئی خون کا رشتہ تھوڑی ہے 'مردود میری بہن کو چند سالوں میں کھا گیا میں کہے دیتی ہوں وہ نگوڑا لے گیا کہیں میری بچی کو۔"

"بس کرو اب رونا دھونا جس وقت نظر رکھنے کا وقت تھا تو' تو بھی ٹی وی میں گم رہی گھنٹوں تیرے میرے گھروں میں گھومتی تھی اور اب کسی کو الزام کیوں دیتی ہو بے وقوف عورت۔" علیم احمد نے

بولتے بولتے اپنا سر پکڑ لیا۔
بانو کو بھی اس بار علم نہ تھا کہ نازو کیا کرنے جا رہی ہے۔ لیکن جو علم میں تھا اب وہ بھی سب کو بتانا اس کو اپنی شامت اعمال لانے کے مترادف لگ رہا تھا۔ عبید تو گھر پہ نہ تھا اس نے باقی بہن بھائیوں کو دو دو تھپڑ لگا کر ٹی وی کے آگے بٹھا دیا تھا۔ شام گہری ہوتی جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسکول سے چھٹی ہوتے ہی آج اس نے مرغلو کو تلاش کیا نہ ہی اس کا انتظار کیا۔ فوراً" سے اسکول کے گیٹ کے پاس کھڑے رکشے میں بیٹھ کر چل پڑی۔ وہ جلد از جلد عرفی کے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچ جانا چاہتی تھی۔ رکشا بالآخر اس کے بتائے ہوئے ایڈریس پر رک گیا۔ یہ سارا علاقہ ہی ویران سا تھا۔ جس بلڈنگ کا پتا عرفی نے دیا تھا وہ بھی آباد نہیں لگتی تھی۔ اس نے سر جھٹک کر وہ فلیٹ نمبر ڈھونڈا جس کا پتا عرفی نے دیا تھا۔ اس کے قدم لرز رہے تھے۔ اتنا بڑا قدم اٹھا تو لیا تھا لیکن دل کچھ غلط ہونے کا احساس بھی دلا رہا تھا۔ اس لیے وہ مطلوبہ فلیٹ کے دروازے پہ دستک دینے سے پہلے لحظہ بھر کو رک گئی۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ بمشکل دستک کے لیے اٹھا ہاتھ اندر سے آتی آواز پہ ہوا میں ہی رک گیا۔ اندر سے باتوں کی آواز آرہی تھی اسے حیرانگی نے گھیر لیا۔ عرفی نے تو کہا تھا کہ وہ تنہا ہوگا تو پھر وہ کس سے باتیں کر رہا تھا اس نے باتوں پہ کان لگا دیے۔

"ہاں یار ایک ماسٹر پیس ہے۔ قسم لے لو ابھی تو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ محبت وحبت جیسے واہیات چکروں میں عرفی نہیں پڑتا۔ ہاں ہاں کیوں نہیں آج ہاتھ آئی ہے تو بہتی گنگا میں تو بھی ہاتھ دھو لے ایک دم نگینہ ہے لڑکی۔ جب تک اپنا دل چاہا رکھیں گے پھر دام کھرے کرلیں گے۔" وہ فون پہ بات کرتے ہوئے مکروہ ہنسی ہنسا۔

الفاظ نہیں تیر تھے جو سنسناتے ہوئے نازو کی سماعتوں کے آر پار ہو رہے تھے تھوڑی دیر کے لیے وہ سن ہو گئی لیکن سب غلط ہونے کے احساس نے اس کے قدموں میں جان ڈال دی۔ وہ الٹے قدموں تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی لیکن اس کی دھندلاتی آنکھیں اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ سیڑھیوں کے سرے پر پہنچ کر اس کا پاؤں ڈگمگایا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ اور کئی سیڑھیوں سے لڑھکتی چلی گئی۔ آنکھوں پہ چھاتے اندھیرے میں اس نے دونوں جانب سے قدموں کی آواز سنی۔ سیڑھیوں کے اوپر سے بھی اور سیڑھیوں کے نیچے سے بھی۔

☼ ☼ ☼

یہ محبت کا احساس بھی کتنا خود غرض ہوتا ہے۔ کہ نازو کے لیے پریشان ہونے کے باوجود بانو اپنی خوب صورت سوچوں' ارحم کے خیالوں سے رہائی نہیں پا رہی تھی۔

ایشال کو تو وہ اپنے بیک گراؤنڈ کے بارے میں کچھ نہیں بتا پائی تھی لیکن ارحم کو تو وہ سب بتا چکی تھی۔

کل بھی جب وہ کالج کے بجائے ارحم کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تو ارحم تو اس کو گھر لے جانا چاہتا تھا اس کا خیال تھا کہ ہم آج آرام سے گھر میں وقت گزار سکتے ہیں۔ گھر میں نوکروں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ بانو کا ندیدہ دل ایک بار تو مچلا کہ ہاں بول دے لیکن وہ ارحم کو زیادہ نرمی نہیں دکھانا چاہتی تھی۔ اور آج اس نے کھل کر ارحم سے اپنے اور اس کے تعلق کو شادی میں بدلنے کی بات کرنی تھی۔ اور اس کے لیے وہ محل جیسا گھر مناسب نہ تھا' وہ وہاں جا کر سب بھول جاتی تھی۔ اس نے ارحم کو جب اپنے بارے میں سب کھل کر بتایا تھا تو ارحم نے کسی حیرانگی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

"ارحم کیا تم یہ سب پہلے سے جانتے ہو؟" بانو کے لہجے میں جہان بھر کی حیرانی تھی۔

"ہاں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کس علاقے کے کس گھر میں رہتی ہو۔" جانے کیوں بانو کو اس کے لہجے میں طنز کی آمیزش محسوس ہوئی۔ پل بھر کو

بانو کا سر جھک گیا۔ لیکن وہ بھی بانو تھی فوراً" اپنے اوپر قابو پالیا۔

"تو یہ سب جاننے کے باوجود تم نے مجھ سے ذکر بھی نہیں کیا کہیں تم میرے ساتھ وقت گزاری تو نہیں کررہے۔" وہ نروٹھے لہجے میں بولی۔

"ہرگز نہیں میری جان! تم نے یہ سوچا بھی کیسے؟؟" ارحم نے اپنے لہجے میں محبت کا جہان آباد کرلیا۔

"اگر ایسا ہے تو کیسے ممکن ہوگا کہ تمہاری ماما میری اماں اور ابا سے میرا رشتہ مانگیں۔" اب کے بانو کا لہجہ شکست خوردہ ہو رہا تھا۔

"میری ماما ایک پڑھی لکھی اور براڈ مائنڈڈ خاتون ہیں۔ وہ کسی اونچ نیچ کو نہیں مانتی ہیں۔" ارحم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کا نازک سا ہاتھ تھام لیا۔ بانو جو اس کے لمس سے عجیب سے احساسات کا شکار ہو رہی تھی۔ کسی انجانی سی طاقت سے ہوش میں آئی اور جلدی سے اپنا ہاتھ چھڑا کر وقت گزرنے کا احساس ہوا تو ارحم کو اللہ حافظ کہہ کر گاڑی سے نکل پڑی۔

"ایک تو یہ نازو کمبخت نجانے کون سا تماشا لگا بیٹھی ہے۔ کل تو میں ارحم کے ساتھ اس کے گھر جانے والی تھی۔ اس کی ماما مجھ سے مل کر سارے معاملات طے کرتی تو میں اماں سے بات کرلیتی۔ اف! اب تو مشکل ہے کہ کوئی کالج بھی جانے دے۔ گھنی میسنی خود تو مزے کررہی ہوگی اور میرے لیے یہاں مشکلات بڑھا گئی ہے۔"

وہ ابھی شاید تھوڑی دیر اور کوسنے جاری رکھنے کا شغل کرتی کہ باہر کا دروازہ دھڑام سے کھول کے مرگھلو خالو اندر آئے ان کو دیکھ کر بانو کی تیوری پہ مزید بل آگئے۔ لیکن آج پہلی بار ایسا ہوا کہ گھر کا ہر فرد مرگھلو خالو کی طرف بے تابی سے بڑھا وجہ ہی کچھ ایسی تھی۔

✡ ✡ ✡

مرگھلو خالو جب اسکول کے گیٹ پہ پہنچے تو انہیں ایسا لگا انہوں نے نازو کو دیکھا ہے۔ مگر وہ گیٹ سے نکل کر غڑاپ سے ایک رکشے میں بیٹھ کر چل دی۔ خالو نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ایک رکشا پکڑ کے نازو کے رکشے کے پیچھے چلنے کو کہہ دیا۔ خالو کو دال میں کچھ کالا تو لگ ہی رہا تھا ایک تو نازو نے صبح انہیں چھٹی کا ٹائم غلط بتایا اور دیر سے آنے کا کہا اور اب یوں اس کا رکشہ میں بیٹھ کر چل دینا پوری دال ہی کالی ہونے کا بتا رہی تھی۔

وہ تو اللہ بھلا کرے خالو کی تاڑنے والی عادت کا کہ کچھ لڑکیاں تاڑنے اور اوپر سے جتنی دیر میں نازو باہر آتی تھی تو اتنی سی دیر میں باہر کھڑے ٹھیلے والوں سے گپ شپ میں ہی خالو ان سے اتنی دوستی بڑھا چکے تھے ان سے گپ لگاتے میں خالو ہر من پسند چیز چکھ لیتے۔ بس اسی چکر میں خالو نے نازو کے بتائے ہوئے ٹائم کے بجائے جلدی آنے کو ترجیح دی۔

اور اب اس کا ایک فائدہ اور انہیں ہونے جارہا تھا کہ نازو کا بھی کوئی راز ان کے ہتھے چڑھنے جارہا تھا۔ رکشا ایک ویران بلڈنگ کے سامنے رکا تو خالو نے بھی اپنے رکشا کو تھوڑی دور کھڑا کروا دیا۔ نازو رکشے سے اتری تو تھوڑی دیر تو مرگھلو خالہ رکشے میں بیٹھے رہے پھر اس بلڈنگ کی طرف بڑھ گئے جس بلڈنگ میں نازو گھسی تھی۔ لیکن جب وہ بلڈنگ میں داخل ہوئے تو نازو کی چیخوں نے ان کا دل دہلا دیا۔ وہ جلدی سے سیڑھیاں چڑھنے لگے تو پہلے ہی موڑ پہ نازو خون میں لت پت ان کے سامنے پڑی تھی۔ وہ معاملہ سمجھنے کی کوشش میں تھے کہ اوپر والی سیڑھیوں سے کوئی ہیولا تیزی سے غائب ہوا۔ خالو نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اپنے مغنی سے ہاتھوں پہ نازو کا بے ہوش وجود اٹھایا اور رکشے کی طرف چل دیے۔

اس وقت سے لے کر شام تک وہ نازو کے ساتھ اسپتال میں تھے۔ نازو کے سر میں چوٹ آئی تھی۔ اور خالو جب تک نازو ہوش میں نہ آجاتی گھر والوں کو خبر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ہزار طرح کی سوچیں ان کو ایسا کرنے سے روک رہی تھیں۔ الفت آپا تو سیدھے سیدھے ان پہ اغوا کا کیس کردیتیں۔

خدا خدا کرکے نازو کو ہوش آیا اور اپنے سامنے

کھڑے مرگھلو خالو کو دیکھ کر اس نے ہولے سے ان کو پکارا۔
"شرف خالو۔" خالو کو لگا کہ وہ آج ہی پیدا ہوئے ہوں۔

✡ ✡ ✡

اماں نازو کو ہلدی والا دودھ پلاتے ہوئے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ خالو کا والہانہ استقبال اسی لیے تو ہوا تھا کہ نازو ان کے ساتھ تھی۔
نازو نے تو ساری حقیقت خالو کو بتائی تھی مگر خالو نے گھر والوں کو جو حقیقت بتائی وہ کچھ یوں تھی کہ تیزی سے کالج سے نکل کر سڑک پار کرتے ہوئے نازو کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور خالو اس کو لے کر اسپتال چلے گئے تھے۔ تب سے اب تک وہ نازو کے ساتھ اسپتال میں تھے۔ اماں نے خالو کو بے بھاؤ کی سنائی تھیں کہ کم از کم گھر والوں کو اطلاع تو دیتے۔ خود ہی ہیرو بننے کی کوشش کرتے رہے۔ ارے میاں میں بھرپائی تم سے اپنا ٹھکانا کہیں اور کر ڈالو۔ میں نہیں کرنے کی برداشت اب تمہیں۔ لبانے بھی آج خالو کو خوب ہی لتاڑا اور نازو جو بار بار سچ بتانے کو منہ کھولتی، لیکن خالو اپنی چنی منی آنکھوں سے اس کو چپ رہنے کا اشارہ کر دیتے۔
بانو سب کو کھانا کھلا کر باورچی خانہ سمیٹ رہی تھی تو مرگھلو خالو چپکے سے اس کے پیچھے آن کھڑے ہوئے۔ بانو نے مڑ کر اچنبھے سے خالو کو دیکھا۔
"کیا ہے خالو کچھ چاہیے ہو تو ادھر سے ہی آواز دے دیا کرو۔ کچن میں آنے کی ضرورت نہیں۔" بانو نے بے رخی سے جواب دیا اور چولہا صاف کرنے لگی۔ مرگھلو خالو منہ سے کچھ نہ بولے بس بغل سے کچھ نکال کر سلیب پر رکھ دیا اور جیسے خاموشی سے آئے تھے ویسے ہی لوٹ بھی گئے۔ بانو نے دوپٹے سے ہاتھ پونچھ کر اس کو اٹھایا تو وہ شام کا اخبار تھا۔ واہ! یہ مرگھلو کب سے اخبارات کا مطالعہ کرنے لگا۔ وہ دبی دبی ہنسی ہنسی، لیکن اس کی ہنسی کو اس وقت بریک لگ گئے جب اس کی نظر اخبار کے ایک خاص حصے پر پڑی

جہاں غالباً" خالو نے نشان لگایا ہوا تھا۔
مرگھلو خالو جب نازو کے ساتھ اسپتال میں تھے۔ کتنی دیر ہو گئی تھی نازو کو ہوش نہیں آیا تھا اتنے میں ڈاکٹر نے ان کو دوائیوں کی پرچی پکڑوائی جو میڈیکل اسٹور سے لانا تھیں۔ خالو نے جیب کو ٹٹولا اتنے پیسے موجود تھے کہ دوا آجاتی اور ویسے بھی علیم احمد سے دوگنے وصول تو ہو ہی جانا تھے۔ میڈیکل اسٹور پر دوائیوں کی پرچی پکڑا کر وہ انتظار کرنے لگے۔ کاؤنٹر پہ ان کی نظر پڑی تو پلٹنا بھول گئی۔ ان کی وہ بے ضرر آنکھیں جن میں بانو دھول جھونکنے سے چوک گئی تھی اور وہ بار ہا بانو کو کالج سے نکلتا اور بڑی بڑی گاڑیوں میں بیٹھ کر بھی چپ رہے تھے تو اس کی کئی وجوہات تھیں۔ پہلی یہ کہ اگر وہ الفت آپا کو یہ سب بتاتے تو انہوں نے ماننے کے بجائے مرگھلو کو ہی لتاڑنا تھا اور بانو تو ویسے بھی ان سے خار کھائے رہتی تھی۔ دوسرے ان کی کمینی فطرت کہ علیم احمد سے بڑا مرغا ارحم کی صورت میں ان کو میسر آجاتا تو وارے نیارے ہو جاتے سو علیم احمد کو بھی شرف الدین نے کچھ نہ بتایا۔ "چاچا یہ لو دوائیاں ہو گئی ہیں تمہاری۔" خالو نے پیسے ادا کر کے وہ اخبار بھی کاؤنٹر سے اچک لیا تھا۔
بانو کو لگ رہا تھا زمین اس کے قدموں کے نیچے سے سرک رہی ہے۔ اخبار اس کے ہاتھ میں تھاما اخبار نہیں جلتے انگارے تھے اور اس کا وجود جلتا جہنم۔ اخبار کا وہ حصہ جس پہ خالو نے نشان لگایا تھا۔ وہاں ایشال ارحم اور ان کی ماما کی تصویریں تھیں اور بہت سے لوگوں کی تصویریں تھیں، مگر بانو کو تو ان تصویروں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا جن کے نیچے ان کے اصلی نام پنکی، طلحہ اور میڈم یاقوت لکھے تھے اور خبر پہ لگی شہ سرخی نے اس کے اوسان خطا کر دیے۔
"بھولی بھالی لڑکیوں کو مختلف طریقوں سے اغوا کرنے اور ان کی فروخت میں ملوث گروہ گرفتار۔"
اس گروہ کی مختلف سرگرمیوں میں یہ بھی شامل تھا کہ اس گروہ کی سرغنہ میڈم یاقوت بیگم دراصل ایک مخصوص علاقے کی رہنے والی تھی اور حکومت نے

جب اس علاقے کو ختم کیا تو یہ بدنام زمانہ عورتیں بڑے بڑے علاقوں میں رہائش پذیر ہو کر شرفا کے درمیان اپنا دھندہ مختلف انداز سے انجام دے رہی ہیں۔ جن میں سے ایک ان کی ٹرینڈ لڑکیوں کا مختلف اداروں میں شریف گھرانوں کی لڑکیوں کے درمیان بظاہر تعلیم حاصل کرنا اور لڑکیوں کو مختلف بہانوں سے گھروں سے بھگانا اور اغوا کرنا شامل تھا۔

بانو نے جلدی جلدی چولہا جلایا اور اخبار کو چولہے پر رکھ کر جلانے لگی۔ تھوڑی دیر میں اخبار جل کر راکھ ہو گیا اور اس راکھ پہ اس نے اپنے خود ساختہ خوابوں کی راکھ بھی شامل کی اور ڈسٹ بن میں ڈل دی۔

☆ ☆ ☆

علیم احمد کے لیے یہ جھٹکا کافی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا بے عزتی اور ذلت سے۔ اگرچہ وہ نازو کے معاملے کی حقیقی سنگینی سے تو ناواقف تھے مگر وہ چند گھنٹے جو انہوں نے اس وہم کے ساتھ گزارے تھے کہ اگر نازو سچ میں غلط قدم اٹھالیتی.... اس سے آگے وہ سوچنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ اب دکان پہ آنے والی ہر عورت میں ان کو نازو کی جھلک نظر آتی اور وہ نظریں جھکا لیتے۔ کچھ حادثے ایسے ہوتے ہیں جو تکلیف تو دیتے ہیں، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی اصلاح کے لیے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

"واہ اماں کیا انقلاب آیا ہمارے گھر میں کہ ہر دوسرے دن گوشت نظر آنے لگا دستر خوان پہ اور وہ بھی کبھی کبھی تو صرف بھنا ہوا۔ شوربے کے بغیر۔" عبید نے کھانا کھاتے ہوئے اماں کو چھیڑا۔

"چپ چاپ کھانا کھا۔ تجھے بھی باتیں بنانا آگئی ہیں۔ تیرے ابا کی کچ کچ سے تنگ آگئی تھی میں تو۔ اب تم لوگ اس کے بھی بچے ہو۔ کمائے بھی اور بچائے اور خرچ بھی خود ہی کرے۔" اماں نے فلسفہ جھاڑا۔

"اوہ! تو یوں کہو نا اماں کہ ابا کے پیسوں پہ ہاتھ صاف کر کے چھپانا چھوڑ ڈالا۔" عبید نے چٹخارا لیتے ہوئے

کہا۔

"ارے دفع! اب کیا میں کنگنی ہوئی کہ تمہارے باپ کا خزانہ چراتی پھروں اور تم کل کے بلونگڑے مجھے باتوں میں گھسیٹتے پھرو۔" اماں نے کس کے ایک جھانپڑ عبید کو رسید کیا اور منہ پھیر کے مسکرا بھی دیں۔

☼ ☼ ☼

نازو اور بانو دونوں کی شادیاں ایک ہی گھر میں طے ہو گئی تھیں بہت امیر لوگ تو نہ تھے، لیکن سفید پوش گھرانہ تھا لڑکے والوں کی اپنی کپڑے کی دکانیں تھیں۔ لڑکے پڑھے لکھے تھے اور یہ رشتہ بھی مرگھلو خالو یعنی شرف الدین نے طے کروایا تھا۔ ان کے ایک جاننے والے کے توسط سے آیا تھا اور ان کو اپنے دونوں لڑکوں کے لیے بانو اور نازو دونوں ہی پسند آ گئی تھیں اللہ تعالیٰ نے اتنے اچھے لوگ نصیب میں لکھے تھے کہ انہوں نے جہیز کے لیے بھی منع کر دیا تھا یوں چٹ منگنی اور پٹ بیاہ طے ہو گیا۔

"بانو، نازو! میں تو یوں ہی کمیٹیاں ڈال ڈال کے بے حال ہوتی رہی۔ میرے اللہ تیرا شکر! یہ لوگ تو میرا دھیلا بھی خرچ نہ کروائے ہیں۔" اماں نے پیار برساتی نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

"خوشی کی بات ہے ایک نہ دو پورے دس مرلے کا گھر ہے تمہاری سسرال کا اور ہر کمرے کے ساتھ وہ موئی لیٹرین بھی ہے۔"

"لیٹرین نہیں اماں۔ باتھ روم اٹیچڈ باتھ روم۔" نازو اترائی۔

"ارے وہی وہی... کام تو ایک ہی کرے ہے نا۔" نازو اپنا ماتھا پیٹ کے رہ گئی اور بانو نے جو کھانا کھا رہی تھی آخ تھو کر کے پلیٹ پرے کھسکا دی۔

مرگھلو خالو اب نہ تو مرگھلو خالو کہلاتے تھے نہ الفت بیگم ان کو مرگھلو کہہ کر لتاڑتی تھیں۔ اب تو وہ باقاعدہ شرف الدین ہیں اور جو چار بال ان کے سر کی زینت تھے وہ بھی گر چکے ہیں۔ کینسر جیسا موذی مرض جہاں گھن کی طرح کھاتا ہے وہاں اس کا علاج سر کے بال بھی گرا دیتا ہے۔ شرف الدین کے مرگھلو سے شرف الدین بننے تک ان کا دل بدلنے کا اصل راز بھی یہی تو ہے کہ وہ کینسر جیسے موذی مرض کا شکار ہو چکے تھے اور بعض انسانوں کو موت کا خوف سر سے پاؤں تک بدل دیتا ہے۔ شر کو خیر میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اسی خوف نے ان کو نازو اور بانو کی زندگیوں، علیم احمد کی عزت اور الفت آپا کے دل کو جیتنے میں مدد دی۔ علیم احمد دن رات ان کے علاج کے لیے کوشاں ہیں اور الفت آپا بھی اپنی کمیٹیوں کے پیسے شرف الدین کے لیے خرچ کرتے ہچکچاتی نہیں ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہو تو کسی مرگھلو کو شرف الدین تک کا سفر کرنے میں دقت نہیں ہوتی، لیکن یہ سفر اگر بروقت ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

☼ ☼ ☼

بانو نے تھک کر تھوڑا سرک کر گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندلیں۔ کیا کیا نہ گزرا تھا ان کی زندگی میں ان چند مہینوں میں اور یہ سوچ کر اس کو جھرجھری آ گئی کہ اگر خالو اس دن وہ اخبار نہ اٹھا لاتے یا بانو کا پیچھا کرتے انہوں نے ارحم یعنی طلحہ کو دیکھ نہ رکھا ہوتا تو آج وہ اس طرح عزت کے ساتھ کسی کی زندگی میں شامل ہو کر حجلہ عروسی میں ہونے کے بجائے نہ جانے کہاں ہوتی۔ اس کے خوابوں کا سفر کس قدر تکلیف دہ تھا۔ کچھ ایسا ہی تسلسل نازو کے خیالات کا بھی تھا۔ وہ بھی شرمسار تھی کہ جب ایک دن شادی ہونا مقدر ہوتا ہے تو ہم لڑکیاں اپنی زندگی میں یہ چور راستے اور اندھی محبتوں کی کھڑکیاں کیوں کھول لیتی ہیں۔ ایک سوچ دو مختلف کمروں میں بیٹھی دونوں بہنوں کی مشترک تھی جس دن دونوں کی مایوں کی تقریب کا اختتام ہوا تو دونوں بہنیں مہمانوں سے بھرے ہوئے گھر سے گھبرا کر چھت پہ آ گئی تھیں۔ انہیں چھت پہ آئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔ دونوں کے نین کٹورے آنسوؤں سے بھرے تھے۔

"نازو اب ہم اس گھر میں ایک ہی دن ہیں کل سے

یہ گھر ہمارا نہیں ہوگا۔" بانو کا گلا رندھ گیا۔
"ہاں آپا کتنا یاد آئے گا نا یہ گھر ہمیں۔ کتنا عجیب ہے نا کل تک جو گھر ہمیں جنجال پورہ لگتا تھا نا آج اس گھر اور گھر والوں سے بچھڑتے کلیجہ منہ کو آرہا ہے۔ پر آپا ہم تو اسی شہر میں ہوں گے جب دل چاہا آجایا کریں گے۔"

"کہہ تو تو ٹھیک رہی ہے نازو، مگر شادی کے بعد ہم چاہیں بھی تو اس طرح نہیں رہ سکیں گے جس طرح اب تک ہم یہاں رہتے رہے ہیں۔" بانو نے پیار سے نازو کو اپنے گلے لگایا۔

"پر آپا اس کے علاوہ یہ بھی تو ہے جس کو تم بہت یاد کروگی۔" نازو نے شرارت سے ایک طرف اشارہ کیا۔ نازو کی انگلی کا رخ لیٹرین کی طرف تھا یہ دیکھ کر بانو نے برا سا منہ بنایا اور پھر دونوں کھلکھلا کے ہنس پڑیں۔ وہ اپنی ہنسی میں مگن تھیں اور سیڑھیوں کے اوپری سرے پر کھڑے خالو محبت اور دعا بھری نظروں سے دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"تم کیا جانو بچیوں! کہ میں نے تم لوگوں کے راز تمہارے ماں باپ سے کیوں چھپائے۔ کہ اگر تم اپنے ماں باپ کے اعتبار کو ایک بار کھو دو گی تو تم لوگ اپنے والدین کی نظروں میں وہ مقام کبھی نہ پاسکو گی۔ اب جو تم اپنے ماں باپ کے دل میں باعزت مقام لے کر ان کے فخر اور مان کے ساتھ اس گھر سے رخصت ہو رہی ہو۔ اگر تمہارے راز ماں باپ جان جاتے تو ایک بوجھ کی صورت تم یہاں سے رخصت ہوتیں اور تمہارے ماں باپ بھی خود سے نظریں نہ ملا پاتے۔ بے عزتی یا ذلت صرف وہ نہیں ہوتی جو غیروں کی زبان پہ آجائے۔ وہ ذلت زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے جو اپنوں کی نظروں میں حقارت لے آتی ہے۔" اور یہ بات خالو مرگھلو کی عمر بھر کی ریاضت کا نچوڑ تھی۔

"لو علیم احمد تمہارے نمک کا قرض مقدور بھر ہم اتار چلے۔" خالو مرگھلو نے اپنے آپ سے کہا اور دبے قدموں لوٹ گئے۔

☆ ☆ ☆

یہ ضروری نہیں کہ ہر ناول میں لکھا سب جھوٹ ہو، لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ پورا سچ ہو۔ پرکھنے کا معیار بس الگ الگ ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک چھوٹے سے آنگن کی لڑکی کسی محل کی رانی بن جائے ایسا بھی ممکن ہے کہ بن جائے، لیکن ان باتوں کو قسمت پہ چھوڑ دینا بہتر ہے۔ بعض اوقات اونچے بنگلوں کے خوابوں کے دائروں کا سفر آپ اپنی کاوش سے طے کرنا چاہیں تو یہ نہ ہو کہ یہ دائرے آپ پہ تنگ ہو کر پھندہ بن جائیں۔ ناول پڑھیں۔ ان کا لطف لیں، لیکن اس کے کردار میں خود کو تلاش مت کریں ہو سکے تو اپنے کردار کو ناول میں تلاش کریں اپنے ہی دائرہ وسعت میں رہ کر۔

☆ ☆

تنزیلہ ریاض

راپنزل

مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کر رہی ہے' اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے' جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراضی کی وجہ سے اپنے خرچے مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔ نینا کی سلیم سے بہت دوستی ہے۔ سلیم کی محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ ایک ایکسیڈنٹ کی وجہ سے وہ ایک ٹانگ سے معذور ہو جاتا ہے۔ سلیم نے پرائیویٹ انٹر کیا ہے اور اس کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہوتی ہے۔

سمیع اور شہرین نے ضد کرکے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جاکر شادی کی ہے' لیکن شہرین اپنے والدین کی ناراضی کی وجہ سے ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے۔ سمیع اور شہرین دونوں اپنی بیٹی ایمن کی طرف سے بہت لاپروا ہیں اور انہوں نے گھر کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلالیا ہے۔

صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھر سے تھا' صوفیہ کی شادی کاشف نثار سے ہوتی ہے' جو وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ شادی کے بعد صوفیہ کو' کاشف کا غیر عورتوں سے بے تکلفی سے ملنا پسند نہیں آتا اور وہ شک کا اظہار کرتی ہے' لیکن کاشف کاروبار کا تقاضا ہے کہہ کر اس کو مطمئن کر دیتا ہے۔ صوفیہ کو کاشف کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی ہے کیونکہ

وہ کاشف سے بہت بے تکلف ہے۔ صوفیہ کی ایک بیٹی پیدا ہوتی ہے۔ زرمین۔
حبیبہ کے شوہر مجید کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو جاتا ہے وہ اپنا سارا پیسا کاشف کے کاروبار میں انویسٹ کردیتی ہے۔ حبیبہ کاشف پر شادی کے لیے دباؤ ڈالتی ہے کاشف کے انکار پر ان کا جھگڑا ہو جاتا ہے اور وہ دبئی چلی جاتی ہے۔
کاشف کے تعلقات ایک ناکام اداکارہ رخشی سے بڑھنے لگتے ہیں اور وہ کاشف کو فلم بنانے کے لیے آمادہ کرلیتی ہے اور اس چکر میں کاشف اپنا سارا پیسا لٹا دیتا ہے۔ صوفیہ ایک مردہ بچے کو جنم دیتی ہے۔ کاشف کی ماں بی بی جان کا انتقال ہو جاتا ہے۔
سلیم کی بہن رخشی کا انتقال ہو جاتا ہے اور نینا اس کی بیٹی مہر کے لیے پریشان ہوتی ہے۔ نینا کی اسٹوڈنٹ رانیہ اسے بتاتی ہے کہ ایک لڑکا اسے فیس بک اور واٹس ایپ پر تنگ کر رہا ہے۔ ''آئی لو یو راپنزل'' لکھ کر۔
شہران کو برین ٹیومر ہو جاتا ہے اور سمیع اس کا آپریشن کرواتا ہے اور اس کی ماں کو منا کر اسپتال لے آتا ہے۔
زری بس لڑکے سے بات کرتی تھی وہ شادی کے لیے کہتا ہے' زری نینا سے ذکر کرتی ہے۔ نینا اس کی تصویر دیکھ کر چونک جاتی ہے' بعد میں اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی لڑکا ہے جو رانیہ کو میسج کرتا تھا وہ زری کو منع کرتی ہے اور سلیم کے کہنے پر زری کو سمجھانے کے لیے رات کو سلیم کو گھر بلاتی ہے۔ زری اس پر سلیم سے محبت کرنے کا الزام لگاتی ہے۔ شور ہونے پر ابا جاگ جاتے ہیں اور سلیم کو تھپڑ مارتے ہیں۔ سلیم صدمے اور شرمندگی کی وجہ سے خودکشی کرلیتا ہے۔

بیسویں قسط

''سب کچھ بدل گیا..... میں..... میری زندگی' میرا لہجہ' میری فطرت..... میری بول چال' رنگ روپ..... لیکن نہیں بدلی تو میری قسمت.....'' اس نے امی کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔ وہ سادہ سے انداز میں چھبتا ہوا فقرہ ادا کر کے' اس کا دل چیر کر اطمینان سے اب سامنے بیٹھ گئی تھیں۔ نینا کو اب ان کا رویہ بھی برا نا لگتا تھا' حالانکہ وہ محسوس کرتی تھی کہ وہ زری کے میکے آنے پر تو بے حد خوش ہوتی تھیں لیکن اس کو دیکھ کر انہوں نے کبھی خوشی کا ایسا اظہار نا کیا تھا۔
''امی کڑھی بنائیں مزے کی..... اور ساتھ بنائیں سفید چاول..... میں اس پر بہت سارے کھیرے اور اچار ڈال کر کھاؤں گی..... بہت دل چاہ رہا ہے۔'' زری نے انہیں بیٹھا دیکھ کر فرمائش کر ڈالی تھی۔ امی مسکرائیں۔
''کڑھی کے ساتھ اچار کون کھاتا ہے؟'' وہ حیران ہوئی تھیں۔
''بس امی کچھ نا پوچھیں..... آج کل ہر چیز کے ساتھ اچار کھانے کا دل چاہتا ہے..... کل میں نے فرائز کے اوپر اچار ڈال کر کھایا..... اتنا مزا آیا..... اظفر خوب ہنس رہا تھا۔'' وہ خوش ہو کر بتا رہی تھی۔ امی مزید مسکرائیں۔
''اللہ خیر کرے' کچھ بچے پیدائش سے پہلے ہی ماؤں کے دماغ خراب کر دیتے ہیں..... کچھ بھی الٹا سیدھا کھانے کو دل مچلنے لگتا ہے..... تمہاری دفعہ تو میں نے کچھ نہیں کھایا تھا..... بس وہی گھر کا کھانا اچھا لگتا تھا..... اللہ بخشے تمہاری دادی بہت خیال رکھتی تھیں میرا لیکن یہ نینا کی دفعہ تو بس میرا دل عجیب سا ہوا رہتا تھا..... میں نے اتنے میٹھے کھائے ہوں گے اس کی باری کہ شاید ہی زندگی میں کبھی کھائے ہوں..... اسی لیے تو اس کا نام نین رکھا تھا..... تمہاری خالہ کہتی تھیں کو نین کڑوی ہوتی ہے مگر بڑی اچھی چیز ہوتی ہے..... لیکن خیر ہمارے معاملے میں تو ہر اصول الٹا ہی ثابت ہوتا ہے.....'' وہ دونوں آپس میں بات کر رہی تھیں جیسے وہ وہاں موجود ہی نا ہو۔ نینا اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔
''میں ذرا ایمن کو دیکھ لوں۔'' وہ وہاں سے ہٹنا چاہتی تھی۔
''اوہو۔ دیکھنا کیا ہے..... پانچ منٹ پہلے تو کمرے میں گئی ہے وہ..... اتنی سی دیر میں بدل گئی ہو گی کیا..... ویسی ہی

ہے جیسی تم اپنے گھر سے لائی تھیں۔۔۔ بیٹھو یہاں ہمارے پاس" زری نے چڑ کر کہا تھا۔ نینا دوبارہ بیٹھ گئی۔
"اظفر کیسا ہے۔۔۔؟" امی نے اس سے پوچھا تھا۔ نینا کو کم ہی مخاطب کرتی تھیں۔
"وہ فٹ ہے امی۔۔۔ ایک دم ٹھیک ٹھاک" اظفر کے ذکر پر زری کا چہرہ کھل سا گیا تھا۔
"تمہارا خیال تو رکھتا ہے نا۔۔۔" امی نے ٹوہ لینے والے انداز میں پوچھا تھا۔ زری کھل کر ہنسی۔
"بالکل رکھتا ہے امی۔۔۔ آپ کا کیا خیال ہے نہیں رکھتا ہوگا۔۔۔ اس کا بس نہیں چلتا ورنہ وہ تو مجھے بستر پر بٹھا کر بس ہر وقت مجھے کچھ نا کچھ کھلاتا ہی رہے۔۔۔ کہیں سن لیا کہ دودھ میں شہد ڈال کر پینے سے ماں اور بچے کی صحت اچھی رہتی ہے۔۔۔ تب سے مجھے کہہ رہا ہے کہ خالص شہد لائے گا کسی گاؤں سے۔۔۔ میں نے منع کر دیا۔ کہ امی کی طرف جاؤں گی تو لے آؤں گی۔۔۔ آپ نے منگوایا تھا خالص شہد۔" وہ فرمائش اور مطالبے کیسے فر فر کرتی تھی۔ پہلے ایسی باتوں پر نینا اسے بے نقط سنایا کرتی تھی لیکن اب جیسے حق نا رہا تھا کچھ کہنے کا۔۔۔ وہ منہ سی کر بیٹھی تھی ان دونوں کے سامنے۔
"ہاں رکھا ہوا ہے۔۔۔ لے جانا۔۔۔ یہاں کون استعمال کرتا ہے۔۔۔" امی نے بھی فوراً سے پیشتر ہامی بھری تھی۔ یہ عجیب بات تھی کہ امی زری کو ہر بار سسرال واپس جاتے ہوئے خوب تھیلا بھر کر بھیجتی تھیں۔ وہ بھی اتنی حریص ہوگئی تھی کہ فریزر میں کباب بنا کر رکھے ہوتے یا مسالا لگا کر مچھلی رکھی ہوتی تو اس کو بھی دیکھ کر اس کی رال ٹپکنے لگتی تھی۔
"اظفر بہت دن سے فرائیڈ فش کی فرمائش کر رہا تھا' اظفر کو چکنار گوشت بڑا پسند ہے' اظفر تو چکن کڑاہی دیکھ کر خوش ہو جائے گا' اظفر آپ کے ہاتھ کی بریانی کھانے کی فرمائش کر رہا تھا۔" وہ امی کے سامنے بس ایسے ہی راگ الاپ کر ان سے کھانے پکواتی رہتی تھیں اور پھر ڈبے بھر بھر کر واپسی پر ساتھ بھی لے جاتی تھی۔ اظفر کو امی کے ہاتھ کے کھانے پسند بھی تھے۔ وہ خود بھی فون کر کے امی سے کچھ نا کچھ بنوا تا رہتا تھا۔ شوہر کے دل کا راستہ اگر واقعی معدے سے گزرتا تھا تو محسوس یہ ہوتا تھا کہ زری نے وہ راستہ امی کی انگلی پکڑ کر بخوبی طے کر لیا تھا۔ نینا کو اس بات پر اعتراض نہیں تھا لیکن اس کا دل چاہتا تھا کہ کبھی امی سمیع کے لیے بھی کچھ اسی طرح کا پارسل بنا کر دے دیا کریں تو کتنا اچھا ہو۔ لیکن امی کو ایسا کوئی خیال نا آتا تھا اور سمیع کو بھی کون سا اس کی امی کے ہاتھ کے کھانے پسند تھے۔ وہ بھی واپسی پر ایک دو دفعہ بریانی لے گئی تھی جسے سمیع نے چکھا تک نا تھا۔
"چلو تم تب تک یہ سیب کھاؤ۔۔۔ میں کڑھی بناتی ہوں۔۔۔ نینا تم بتاؤ۔۔۔ تم کیا کھاؤ گی۔۔۔ ایک ہی دفعہ نکالوں سب سامان۔۔۔" انہوں نے سیب سے بھری ٹوکری کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اسے اس کے خیالوں سے باہر نکالنے کی کوشش کی تھی۔
"ہاں مجھے تو بہت بھوک لگ رہی ہے۔۔۔" زری نے کہا اور ساتھ ہی ٹوکری میں سے سیب اٹھا لیا تھا۔ وہ کتنی ندیدی سی ہوگئی تھی۔ پہلے تو نا ہوا کرتی تھی۔ نینا نے پھر سوچا تھا۔
"کچھ بھی بنالیں امی۔۔۔ سب کھالیتی ہوں میں۔" اس کا انداز ابھی سادہ سا تھا۔ اس کا دل یک دم ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ اپنے گھر ہوتی تھی وہ وہاں بھی بے زار ہونے لگتی تھی اور اب یہاں آئی تھی تو یہاں بھی بے زاری حواسوں پر سوار ہونے لگی تھی۔ زندگی اس کے لیے ایک ناپسندیدہ چیز بن کر رہ گئی تھی۔ وہ یک دم اپنی جگہ سے اٹھی اور اپنے کمرے کی جانب چل دی' جہاں ایمن گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"تم نے کیا سوچا ہے۔۔۔ شادی وادی کرو گے یا نہیں؟" اماں نے اس کے آگے چائے کا کپ رکھا تھا۔ ان کے انداز میں اکتاہٹ تھی۔ نبیحہ کی شادی کے بعد سے سارا گھر ان کی ذمہ داری بن کر رہ گیا تھا اور انہیں اتنا کام کرنے کی عادت نہ رہی تھی۔ وہ تھک جاتی تھیں۔ اسی لیے ان کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ خاور اب شادی کرلے۔

"میں نے کیا سوچنا ہے امی۔۔۔ ایسی باتیں تو گھر کے بڑے سوچا کرتے ہیں۔" اس نے چائے میں رسک بھگویا تھا۔ وہ مہر کو اسکول چھوڑ کر آیا تھا اور اب ناشتا کر کے اسے خود بھی آفس نکل جانا تھا۔ مہر میں تو جیسے اس کی جان اٹکی رہتی تھی۔ اپنی سگی اولاد کی طرح پال رہا تھا اسے۔۔۔ اسکول کی میٹنگز سے لے کر کھلونوں کی دکانوں تک وہ ہر جگہ اس کا مان ایک باپ کی طرح بڑھاتا تھا۔ اس کے سب اخراجات اٹھا رہا تھا۔ اس کا سگا باپ تو جو بھی رقم بھجواتا تھا وہ اماں اپنے تصرف میں رکھتی تھیں اور خاور کو اس کی پروا بھی نہیں تھی۔ مہر نے ایک بار کہا تھا کہ اسکول میٹنگ میں میری ٹیچر کے سامنے یہ ظاہر مت کرنا کہ آپ میرے پاپا نہیں ہیں اور اس روز سے وہ سمجھ گیا کہ مہر بھی اسے چاچو کی بجائے پاپا کہنے لگی تھی۔

"اوہ بس بھی کر پپو۔۔۔ تو نے بڑوں کی سنی یا مانی ہوتی تو آج خیر سے پراٹھا انڈا کھا رہا ہوتا۔۔۔ یہ پاپے نا چبانے پڑ رہے ہوتے۔۔۔ اچھی بھلی لڑکی تھی عمارہ۔۔۔ ہم سب کی زندگیوں میں سکون ہو جاتا لیکن تیری ضد کی وجہ سے یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں ہمیں۔۔۔ اب تو عمارہ کی شادی کو بھی سال گزرنے والا ہے۔۔۔ اور مجھے یقین ہے تیری ہی بددعاؤں کی وجہ سے عمارہ کا رشتہ ہوا ہے۔۔۔ ورنہ تو کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا اسے۔۔۔ لوگ آتے تھے دیکھ کر چلے جاتے تھے لیکن جس دن میں نے تجھ سے اس کے رشتے کی بات کی۔۔۔ اس دن سے اس کی قسمت کھل گئی۔۔۔ کیسے چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو گیا۔" وہ جھنجلاہٹ بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ خاور ہنسا۔

"خدا کا نام لیں امی۔۔۔ یہ دو مہینے پہلے تو اللہ اللہ کر کے شادی ہوئی ہے اس کی۔۔۔ اور اس کے متعلق بات تو آپ نے مجھ سے کتنا عرصہ پہلے کی تھی۔۔۔ اور اچھا ہوا کہ اس کی شادی ہو گئی۔۔۔ کتنے پریشان رہتے تھے ماموں مامی۔۔۔"

"ارے تو میں کیا کم پریشان ہوں۔۔۔ جوڑ جوڑ ہل گیا ہے میرا گھر کی صفائیاں کر کر کے اور کھانے بنا بنا کر۔۔۔ نبیحہ کی شادی کو دوسرا سال ہونے والا ہے۔۔۔ اور تو ابھی تک فارغ پھر رہا ہے۔۔۔ دیکھ بھئی صاف بات ہے اب نہیں ہوتا مجھ سے یہ سب۔۔۔ ہاتھ جوڑتی ہوں میں۔۔۔ کرلے تو نے جس سے بھی شادی کرنی ہے۔۔۔ میں راضی ہوں تیری پسند پر۔۔۔ مجھے تو دو وقت کی روٹی سے غرض ہے۔۔۔ بس کوئی ایسی لے کر آنا جسے پکا کر کھلانا آتا ہو۔۔۔ تیری ماں نہیں پکا کر کھلا سکتی اب کسی کو۔" وہ چڑ کر کہہ رہی تھیں۔ خاور نے ساری چائے رسک کھانے میں ہی ختم کردی تھی۔ اس نے کپ میں موجود چائے کے آخری ایک دو گھونٹ حلق میں اتارے اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اماں۔۔۔ مجھے نہیں کرنی اپنی مرضی سے شادی۔۔۔ جہاں آپ کی خوشی ہو میں وہیں راضی ہوں۔۔۔ یعنی آپ کو جس کے ہاتھ کے آلو کے پراٹھے اور شلجم گوشت پسند ہیں۔۔۔ لے آئیے اسے۔۔۔ کوئی تو خوش ہو ہماری ذات سے۔۔۔ ہم نا سہی ہماری اماں ہی سہی۔" وہ واش بیسن پر ہاتھ دھو کر اطمینان سے کلی کرتے ہوئے بولا تھا۔ ایک دفعہ بھی منہ اٹھا کر سامنے لگے آئینے میں نا دیکھا گیا تھا۔ اپنی ہی آنکھیں ویران سی لگنے لگی تھیں۔ کچھ ٹوٹے ہوئے خواب تھے جن کی کرچیاں تکلیف دینے لگتی تھیں۔

وہ بڑا صابر شاکر قسم کا انسان تھا' اپنے آپ میں مگن' مومن جی سی زندگی گزارنے والا۔۔۔ سچ کو سچ کہنے والا اور جھوٹ کو جھوٹ سمجھنے والا۔۔۔ منافقت سے کوسوں دور بھاگنے والا۔۔۔ اندر باہر سے ایک جیسا صاف گو اور اجلا لیکن بس زندگی کا یہی ایک ڈیڑھ گزشتہ سال تھا جس نے اسے ایسا بنا ڈالا تھا۔ اب وہ اپنے آپ سے بھی کتراتا تھا کہ دنیا کے سامنے لاپروا اور مطمئن ہونے کی اداکاری کرتے کرتے کہیں جو اپنے آپ سے ملاقات ہو جاتی تو دل کی بہت ملامت سہنی پڑ جاتی تھی۔ وہ ہر بار خود کو مطمئن کرتا تھا کہ اگر نیناں نے کسی اور سے شادی کرلی تھی تو کوئی بات نہیں' یہ اس کا حق تھا اور اسے اپنے ٹھکرائے جانے کا کوئی دکھ نہیں تھا۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا نیناں کا کسی سے بھی شادی کرلینے سے' لیکن وہ ایک فون کال کرلیتی تھی تو خاور کی ساری شخصیت میں دراڑیں پڑ جاتی تھیں۔

اسے اس بات کا غم تھا کہ نیناں نے اس کے بجائے سمیع نام کے ایک شادی شدہ مرد سے شادی کرلی تھی لیکن اس بات کا غم اس سے بھی کہیں زیادہ تھا کہ خوش وہ بھی نا تھی۔ جب بھی فون کرتی تھی تو بے چین ہی لگتی تھی اور اس کی یہ بے چینی خاور کو کئی کئی دن خوار رکھتی تھی۔

"اے محبت تیرے انجام پہ رونا آیا۔۔۔ اے محبت تیرے انجام پہ رونا آیا۔" اماں نے ٹی وی لگالیا تھا۔

"شاباش ہے بھئی۔۔۔ اب یہ چند ہزار کا چوکور ڈبا بھی ہمارا مذاق اڑایا کرے گا۔" اس نے ناگواری سے منہ بنایا اور پھر اپنے موٹر سائیکل کی چابی دروازے کے اوپر لگے ہک پر سے اتار کر باہر نکل گیا۔ اماں اب جا کر رام ہوئی تھیں' جب پانی کو سر سے اونچے ہوئے بھی عرصہ گزر چکا تھا' گزرے ماہ و سال اس کے ذہن میں پھر سے اپنا آپ دہرانے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

"یہ خالہ نے بھجوائی ہے آپ کے لیے۔۔۔" اس نے شاپر اور مٹھائی کا ڈبا اماں کے سامنے رکھ دیا تھا جو نیناں کی امی نے مہر کے ساتھ بھجوایا تھا۔ یہ وہ سوغاتیں تھیں جو شادی بیاہ کے بعد عام طور سے رشتہ داروں کے گھر والوں میں تقسیم کی جاتی تھیں۔ نیناں کی امی نے ان سب کو بھی شادی میں مدعو کیا تھا لیکن اماں نے جانے سے انکار کردیا تھا سو وہ بھی صرف مہر کو ہی چھوڑ کر آیا تھا۔ شادی کے بعد جا کر وہ خود ہی اسے واپس بھی لے آیا تھا تب ہی مٹھائی اور کچھ خشک میوہ جات وغیرہ بھی انہوں نے دے دیے تھے۔

"ارے بھیا منہ پر مار کر آتے ان کے۔۔۔ ہمیں نہیں چاہیے یہ سب۔۔۔ شادی میں تو جھوٹے منہ نہیں پوچھا ہمیں۔۔۔ بس اپنی نواسی کو دیکھ کر خوش ہوگئے۔۔۔ اب جب سب کچھ نبٹ گیا تو ہماری یاد آگئی۔۔۔ جاؤ واپس کرکے آؤ یہ سب۔" اماں نے حقارت بھرے انداز میں تخت پر پڑے اس شاپر کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ خاور کو ان سے اس رویے کی ہی توقع تھی۔

"اماں ایسے تو مت کہیں۔۔۔ خالہ نے بلایا تھا آپ کو۔۔۔ اب آپ خود ہی نہیں گئیں تو اعتراض تو مت کریں نا۔۔۔ جو کچھ انہوں نے خوشی سے دیا ہے رکھ لیں۔" اس نے رسانیت سے انہیں سمجھانا چاہا تھا۔

"ایک تو میں تیری اس مفت کی حمایت والی پہیلی کو نہیں سمجھ پا رہی۔۔۔ آخر چکر کیا ہے۔۔۔ تجھے بڑا خالہ' خالہ کا بخار چڑھ رہا ہے۔۔۔ پہلے ضد کرکے بچی کو چھوڑ آیا۔۔۔ اب یہ نیا فرمان کہ بچی کچھی مٹھائی جو احسان کرکے دے دی ہے انہوں نے تو اس پر بھی میں واری صدقے جاؤں۔۔۔ مجھ سے نہیں ہوتا یہ سب۔" اماں کے لہجے میں ضد کے ساتھ اب غصہ بھی تھا۔

"حمایت نہیں کر رہا اماں۔ ایک عام سی بات کی ہے۔۔۔ آپ پہلے کہتیں تو میں ٹالے کر آتا یہ سب ان کے گھر

سے۔۔۔ مجھے تو پتا نہیں تھا ناکہ آپ کے دل میں کیا چل رہا ہے۔۔۔ میں تو مہر کو لینے گیا تھا تو انہوں نے تھما دیا یہ سب۔" وہ اپنی ہنسی دبا کر اماں کو راضی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اماں کی نظریں اس پر ہی گڑی تھیں جس کی وجہ سے وہ زیادہ خائف ہوا جا رہا تھا۔

"میرے دل کی چھوڑ پھپو۔ اپنے دل کی بات بتا ہی دے آج مجھے۔۔۔ آخر کیا چاہتا ہے تو۔۔۔" وہ مسلسل گھور رہی تھیں۔ خاور نے کھسیانی سی ہنسی ہنس کر نظریں چرائیں۔

"اماں۔۔۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔ آپ تو بالکل ہی تھانیدارنی بن گئی ہیں۔۔۔ میرا تو بس اتنا سا قصور ہے کہ میں یہ مٹھائی لے کر آ گیا۔۔۔ وہ تو آپ کا بھی پوچھ رہی تھیں کہ آپ شادی پر کیوں نہیں آئیں۔۔۔" اماں نے تنک کر اس کی بات کاٹی۔

"ہاں تو کہہ دینا تھا کہ طریقے سے بلاتے تو ضرور آتی کشور۔۔۔ سلامی بھی دیتی اور بچی کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں بھی۔۔۔ ان بے ہدایتوں کو تو کسی سے ملنے ملانے کے طور طریقے ہی نہیں آتے۔۔۔ کل کے بچے کے ہاتھ کارڈ پکڑا دیا۔۔۔ ارے خود چل کر آتیں نا میرے گھر۔۔۔ اونہہ۔" اماں غرا کر بولی تھیں۔ خاور مزید کھسیانا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا۔ یہ بات حقیقت تھی کہ نینا کی امی نے کارڈ اس کے ہاتھ بھجوایا تھا وہ بھی تب جب وہ مہر کو شادی سے ایک دن پہلے ان کے گھر چھوڑنے گیا تھا۔

"اچھا چلیں چھوڑیں امی۔۔۔ ہمیں کیا کسی کے طور طریقوں سے۔۔۔ انہوں نے مٹھائی بھجوادی۔۔۔ آپ بھی فون کر کے دے دیجیے گا مبارک۔" وہ دل میں اس اونٹ کے کسی کروٹ بیٹھ جانے کا بڑا ہی متمنی تھا جو کہ اسے خود بھی ناممکن نظر آ رہا تھا۔

"ارے ارے۔۔۔ فون کرتی ہے میری جوتی۔۔۔ اتنی گری پڑی نہیں ہے کشور۔۔۔" اماں نے اسی مٹھائی والے شاپر کو ہاتھ مار کر کہا تھا۔

"چلیں آپ کی مرضی ہے۔۔۔ میں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ وہ نا سہی لیکن آپ تو وضع دار اور سلیقہ مند خاتون ہیں نا۔۔۔ ثابت کریں ان پر کہ آپ کے طور طریقے ان کے جیسے نہیں ہیں۔۔۔ میں تو کہتا ہوں ایک کال کر لیں۔۔۔ ملاؤں نمبر۔۔۔؟" وہ انہیں اکسا رہا تھا کہ وہ خالہ کو مبارک دینے کے لیے فون کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اسے ہر حال میں دونوں گھروں کے کشیدہ تعلقات بحال کرنے تھے۔ اس کی بات پر امی صرف ایک ثانیہ چپ رہیں پھر انہوں نے گردن اس کی جانب موڑی تھی۔

"پھپو۔۔۔ میرے صبر کا امتحان مت لے۔۔۔ بس اب مجھے بتا دے کہ چاہتا کیا ہے تو۔۔۔ ان کے گھر کی اچھی چیز تو رخصت ہو کر چلی گئی ہے۔۔۔ خیر نا بھی گئی ہوتی تب بھی ہمیں وارے نا کھاتا تھا۔۔۔ اور وہ جو رہ گئی ہے اسے تو میں کبھی اس گھر میں نا لاؤں گی۔۔۔ توبہ توبہ۔۔۔ وہ لڑکی ہے یا قینچی۔۔۔ ایسے کتر کتر کر بولتی ہے وہ۔۔۔ بڑے چھوٹے کی تمیز نہیں ہے اسے۔۔۔" اماں کھا جانے والے انداز میں بولی تھیں۔ خاور نے ان سے ساری زندگی بحث کر کے ہی اپنی بات منوائی تھی لیکن یہ معاملہ ذرا مختلف تھا۔ اس معاملے کو وہ ذرا تحمل سے نبٹانا چاہتا تھا۔

"اماں۔۔۔ ایسے تو مت کہیں۔۔۔ لڑکی تو وہ بھی اچھی ہے۔۔۔ یونیورسٹی تک پڑھی ہے۔۔۔ میرا فائدہ ہی فائدہ ہے۔۔۔ آرام سے نوکری کرے گی۔۔۔ اپنا خرچا خود اٹھائے گی۔۔۔ اور پھر آدھا پونا دن گھر سے باہر رہا کرے گی۔۔۔ آپ کو بھی روایتی ساس، بہو والی کچ کچ میں مغز ماری نہیں کرنی پڑے گی۔" اس نے مذاق ہی مذاق میں کہا تھا۔ اماں کی پیشانی پر تیوریوں کی تعداد بڑھنے لگی۔

"بس۔۔۔ میں نے صاف کہہ دیا ہے کہ ایسا کبھی نا ہوگا۔۔۔ میں اس گھر میں مر کر بھی دوسرا رشتہ نا کروں گی۔۔۔ تو اگر واقعی ایسا سوچ رہا ہے تو میری بات لکھ کر رکھ لے۔۔۔ میرا مرا منہ دیکھے گا اگر ایسا کیا تو۔۔۔ دودھ نہیں بخشوں گی تجھے۔" توقع کے عین مطابق اماں بھڑک اٹھی تھیں۔

"اوہو۔۔۔ ناراض کیوں ہو رہی ہیں۔۔۔ مذاق کر رہا ہوں میں۔۔۔ لیکن آپ ذرا تحمل سے غور کریں اماں۔۔۔ دولت بڑی ہے اس کے باپ کے پاس۔۔۔" وہ دل ہی دل میں تڑپ اٹھا تھا لیکن اماں کے سامنے اعتراف کرنے سے بھی کترا تا تھا۔ اسی لیے ٹالنے کی غرض سے کہہ ڈالا۔

"ارے ایسی دولت کو آگ لگے۔۔۔ ہمیں نہیں چاہیے۔۔۔ اس کا باپ ہی تو اصل فساد کی جڑ ہے۔۔۔ آوارہ دو نمبر آدمی۔۔۔ اسی لیے تو بیٹیوں کی تربیت اچھی نہیں کر سکا۔۔۔ اور کس دولت کا لالچ دے رہا ہے مجھے۔۔۔ اب تو دولت رہی نہیں اس کے پاس۔۔۔ اس کا باپ یہ اتنی بڑی جاگیر چھوڑ کر مرا تھا۔۔۔ روپیہ پیسا نوکر چاکر۔۔۔ مگر اس نے اڑا دیا سارا۔۔۔ عورتوں پر، دوستوں پر۔۔۔ شرابی بھی تھا۔۔۔ اور آوارہ بھی۔۔۔" اماں نے یک دم آواز دھیمی کر کے اسے نیہا کے باپ کے دو تین کارنامے بتانے شروع کیے تھے جن میں سرفہرست اس شخص کے فلموں میں اداکاری کرنے اور پھر کسی رقاصہ کے ہاتھوں لٹنے کا ذکر نمایاں تھا۔ اماں تو بولتے بولتے ہانپنے لگی تھیں۔ خاور نے ان کا چہرہ دیکھا اس بات سے تو لاعلم تھا وہ۔

"کس کے بارے میں کہہ رہی ہیں۔۔۔ اور آپ کو کیسے پتا یہ سب۔" وہ حیران ہوا تھا۔ اماں بھی کچھ چپ سی ہوئیں۔ جوان اولاد کے سامنے کتنی ہی باتیں غصے میں منہ سے نکل گئی تھیں۔

"چھوڑ دے اس بات کو۔۔۔ کیسے بھی پتا چلا۔۔۔ ایک ذات برادری ہے۔۔۔ کب تک بات چھپی رہ سکتی ہے۔۔۔ سب پتا ہے مجھے۔۔۔ اب ملنا ملانا نہیں رہا تو اور بات ہے ورنہ تو ان سب کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں میں۔۔۔ یہ سوچ کہ کیسے گھر میں رشتہ کرنا چاہتا ہے تو۔۔۔ ایک آوارہ انسان کی بیٹی سے کیا امید ہے تجھے۔۔۔ وہ تو باپ سے بھی دو ہاتھ آگے ہوگی۔۔۔" اماں کے اپنے ہی محاورے تھے۔ خاور تڑپ سا گیا تھا۔

"اماں بس بھی کریں۔۔۔ مذاق مذاق میں بات کہاں سے کہاں لے گئی ہیں آپ۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ سوچ رہی ہیں۔۔۔ ختم کریں بات۔۔۔ اچھا نہیں لگتا کسی کے گھر کی بیٹیوں پر بہتان لگانا۔۔۔" اب کی بار اماں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ارے بہتان کب لگا رہی ہوں۔۔۔ میں بھی بیٹیوں والی ہوں۔۔۔ اللہ سے مجھے بھی ڈر لگتا ہے۔۔۔ میں تو صاف بات کہہ رہی ہوں۔۔۔ کانے باپ کی بیٹی کانی ہی ہوتی ہے۔۔۔ اولاد ماں باپ کے نقش قدم پر ہی چلتی ہے بھیا۔" اماں جتا کر بولی تھیں۔ خاور مزید کچھ نہیں بولا تھا لیکن نیہا کی عزت اس کے دل میں مزید بڑھ گئی تھی۔ اماں کا خود ساختہ ہر محاورہ اس لڑکی کے معاملے میں غلط تھا۔ وہ اپنے باپ کے جیسی نہیں تھی۔ اس دن کے بعد اس کے دل میں نیہا کی عزت مزید بڑھ گئی تھی اور اسے اپنانے کا خیال مزید مستحکم ہوا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان کے تعلقات مزید دوستانہ ہوتے چلے گئے۔ وہ اکثر اسے فون کر لیتا۔ وہ بھی بے تکلفی سے بات کرنے لگی تھی۔ اپنی چھوٹی چھوٹی باتیں اس سے ڈسکس کرتی رہتی، اپنی زندگی کے پلانز اسے بتاتی رہتی۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ خاور کے دل میں اس کی جگہ مزید وسیع ہوتی جا رہی تھی۔ حالانکہ اس نے بہت ابتدا میں یہ بات واضح کر دی تھی۔

"میں محبت کرنے والا مٹیریل نہیں ہوں۔۔۔ مجھے محبت پر یقین ہی نہیں ہے۔۔۔ میں نے خود کو جج کر لیا ہے۔۔۔ میں محبت کرنے کے قابل نہیں ہوں۔۔۔ دوبارہ کبھی مجھ سے اس موضوع پر بات نہ کرنا۔"

"محبت یہ نہیں ہوتی جو ناولوں میں پڑھتے ہیں یا فلموں ٹی وی ڈراموں میں دکھاتے ہیں۔۔۔ پہلی ملاقات میں ہی

لڑکا لڑکی کو دیکھ کر دل ہار بیٹھتا ہے یا لڑکی نظر پڑتے ہی لڑکے کی اسیر ہو جاتی ہے۔۔۔ محبت تو وہی ہوتی ہے جو دھیرے دھیرے پروان چڑھتی ہے' ہر گزرتے لمحے کے ساتھ نیا روپ لیتی ہے' ایک دوسرے کی پسند ناپسند کو سمجھتی اور ایک دوسرے کو ہنسی خوشی برداشت کرنے کا حوصلہ بخشتی ہے۔۔۔ میں تمہیں دل و جان سے سدا زندگی برداشت کرنے کو تیار ہوں۔۔۔ تم کہہ کر دیکھو میں کل ہی اماں کو تمہارے گھر بھیج دیتا ہوں لیکن۔۔۔ میں چاہتا ہوں تم تسلی سے آرام سے فیصلہ کرو۔۔۔ خود کو وقت دو پھر کسی نتیجے پر پہنچو۔۔۔ اتنا برا بھی نہیں ہوں میں کہ یک دم ہی میرے پروپوزل کو انکار کر دیا جائے۔"

خاور نے تسلی سے اسے سمجھایا تھا۔ وہ چپ ہو گئی تھی' کچھ نہیں بولی تھی اور خاور کو یقین تھا کہ فیصلہ اسی کے حق میں ہوگا۔ اس کے لیے تو ہر چیز درست سمت میں ہی جا رہی تھی لیکن پھر جانے کیا ہوا کہ نینا نے کسی اور سے شادی کر لی۔ آفس کی طرف جاتے ہوئے یہ سب یاد کر کے خاور کے دل میں جیسے ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں اور یہ اس لیے نہیں ہوا تھا کہ اماں نے صبح ہی صبح اس کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا تھا بلکہ یہ اس لیے ہوا تھا کہ اس نے رات پھر اس کی آواز میں خشک آنسوؤں کی نمی کو محسوس کیا تھا۔ اس کے نازک دل کو کسی اور کی محبت کے لیے کراہتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ خاور کو سب سے زیادہ اس بات سے تکلیف پہنچی تھی۔۔۔ وہ کب تک انتظار کرتا اس کا۔۔۔ وہ پہلے بھی "اس کی" "نہیں تھی"۔۔۔ اور اب تو "وہ" کسی "اور" کی ہو جانے کی مشقت میں مبتلا نظر آتی تھی ایک ذرا سی فون کال سے ہی خاور نے اس کی چیختی انا کی اذیت کو محسوس کر لیا تھا۔

خاور کے لیے وہ واقعی راپنزل تھی جو قلعے سے کسی شہزادے کے لیے باہر نکل آئی تھی اور اب وہی شہزادہ اندھا ہو چکا تھا۔ المیہ یہ تھا کہ وہ اندھا کسی اور کی خاطر ہوا تھا۔ اب نا اندھے شہزادے کی بینائی واپس آئی تھی نا وہ دیکھ پا رہا تھا کہ کوئی کیسے اس کی خاطر سب چھوڑ چھاڑ غم و الم کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔ اور خاور۔۔۔؟ اس سارے قصے میں وہ کہاں تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ اس قصے میں کہیں بھی نہیں تھا۔

اور یہی امر تو سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا کہ وہ کہانی کا کردار نہیں تھا۔ وہ کہانی کے کرداروں کے لیے رونے والا وہ چھوٹا بچہ تھا جو کہانی پڑھ کر تکیے میں منہ دے کر روتا رہتا ہے۔

☼ ☼ ☼

"مہر سے ملنے کب جائیں گے؟" ناشتا کرتے ہوئے ایمن نے سوال پوچھا تھا۔ زری رات کو ہی واپس چلی گئی تھی جبکہ وہ تو رہنے ہی کی نیت سے آئی تھی۔ ایمن اس کے ساتھ اتنی مانوس ہو چکی تھی کہ آرام سے امی کے یہاں بھی رہ لیتی تھی۔ اسی لیے نینا اکثر ویک اینڈ پر یہاں لے آیا کرتی تھی جبکہ سمیع نے تو کبھی فون کر کے بھی نہیں پوچھا تھا کہ میری بچی خیریت سے تو ہے۔ وہ اپنی ہی اولاد کے معاملے میں اتنا لاپروا تھا۔

"آپ پہلے ناشتا کر لیں۔۔۔ پھر ہم گھر کے کچھ کام کریں گے۔۔۔ اس کے بعد اطمینان سے مہر سے ملنے جائیں گے۔" نینا نے رسانیت سے اسے سمجھایا تھا۔ امی نے کڑھی کے ساتھ پراٹھے بنا دیے تھے ان دونوں کو اور اب ان کے سامنے بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔

"مہر سے بھی ملوانے لے جاتی ہو اسے۔۔۔؟" امی نے ایمن کے سوال کے بعد کچھ حیران ہو کر پوچھا تھا۔ نینا نے سر ہلایا۔

"جی۔۔۔ اچھی سہیلیاں بن گئی ہیں دونوں۔۔۔ ایمن کو اچھا لگتا ہے اس سے مل کر۔" وہ سادہ سے انداز میں بولی۔

"اس کا مطلب تم اس کی دادی کے گھر آتی جاتی رہتی ہو؟" امی کا انداز تو ہ لینے والا تھا۔ اس نے ایمن کی جانب

سے نگاہ ہٹا کر انہیں دیکھا۔ وہ کیا پوچھنا چاہ رہی تھیں۔

"نہیں۔۔۔" اس نے یک لفظی جواب دیا تھا۔ زیادہ الفاظ کسی نئی بحث کی جانب مڑ سکتے تھے۔

"مہر سے کیسے ملتی ہو پھر۔۔۔؟" یہ تھا وہ سوال جس کا جواب دینا نینا کو قدرے مشکل لگا تھا۔

"خاور لے آتا ہے اسے کے ایف سی وغیرہ میں۔۔۔ یا کبھی کسی پارک میں۔۔۔ کھیلتی رہتی ہیں وہاں دونوں۔۔۔"

اس نے ان کی جانب دیکھے بنا جواب دیا تھا۔ امی لمحہ بھر کے لیے تو چپ ہی رہ گئی تھیں۔

"اب بھی ملتی ہو اس سے۔۔۔؟" وہ ناگواری بھرے انداز میں پوچھ رہی تھیں جیسے یہ کوئی بہت ہی بری بات ہو۔ خاور نے کبھی باضابطہ پروپوزل نہیں بھجوایا تھا لیکن امی نے بھی دھوپ میں بال سفید نہیں کیے تھے۔ انہیں بہت شروع میں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ان کی بیٹی کی طرف مائل ہے پھر جب نینا نے شادی کرلی تو وہ حیران ہوئی تھیں مگر پھر وہ اس ذکر کو بھول گئی تھیں لیکن نینا کے انداز اب انہیں مشکوک کرنے لگے تھے۔ زری کی باتوں نے بھی انہیں جیسے نیند سے بے دار کر دیا تھا۔ نینا واقعی ویک اینڈ پہ یہاں آجایا کرتی تھی یا ایمن کو لے کر یہاں وہاں پھرتی رہتی تھی۔ اپنے شوہر کو اس طرح نظر انداز کیوں کر رہی تھی وہ۔۔۔ اسی لیے اب انہیں نینا کا اس سے ملنا ناگوار گزرا تھا۔

"اس سے نہیں ملتی۔۔۔ مہر سے ملتی ہوں۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔ امی نے اس کے انداز کو بغور دیکھا پھر ٹوہ لینے والے انداز میں بولیں۔

"تمہارے شوہر کو خبر ہے اس بات کی۔۔۔؟"

"امی۔۔۔ بھروسا ہے انہیں مجھ پر۔۔۔ ان کی بیٹی ساتھ ہوتی ہے میرے۔۔۔ سب خبریں رکھتے ہیں وہ میرے بارے میں۔۔۔" اسے امی کا انداز اچھا نا لگ رہا تھا۔

"تمہارا شوہر نہیں ٹوکتا تمہیں پرائے مردوں سے ملنے پر۔۔۔؟" وہ مزید ناک چڑھا کر بولی تھیں جیسے یہ کوئی بہت ہی بری بات ہو۔ نینا نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ وہ اس پر طنز کے تیر چلانا چھوڑ کیوں نہیں دیتی تھیں۔ اس نے چاہا تھا وہ خاموش رہے، کچھ نا بولے لیکن اس سے ہوا نہیں تھا۔

"آپ نے ٹوکا تھا کبھی اپنے شوہر کو جب وہ پرائی عورتوں سے ملتے تھے۔" اس نے اتنے تحمل سے کہا تھا کہ امی چپ ہی رہ گئیں۔ نینا کو کہہ دینے کے بعد تاسف محسوس ہوا لیکن وہ اس ایک موضوع پر خود ہمیشہ لاچار رہی تھی۔ "ابا" ان دونوں کی زندگی کی کتاب کا وہ باب تھے جسے خوش ہو کر پڑھا ہی نا جاسکتا تھا۔ امی چند لمحے تو بالکل ہی خاموش رہیں پھر انہوں نے لمبی گہری سانس بھری تھی۔

"عورت کے روکنے ٹوکنے کی پروا کسے ہوتی ہے۔۔۔ عورت کا روکنا ٹوکنا مرد کے لیے بوسیدہ سے اقوال زریں کی طرح ہوتا ہے جسے کتاب میں پڑھ کر انسان سر جھٹک کر آگے بڑھ جاتا ہے۔۔۔ مرد اس روک ٹوک کی اہمیت کو سمجھ بھی لے تب بھی اس پر کبھی عمل نہیں کرتا۔۔۔ جبکہ عورت ایسے نہیں کرسکتی۔۔۔ مرد کا ٹوکنا تو حرف آخر ہوتا ہے۔۔۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے روک ٹوک کا اختتام تین حرفوں پر ہو سکتا ہے۔۔۔ وہ تین حرف، جو اس رشتے کو ختم شد بھی کرسکتے ہیں۔۔۔ امید ہے کہ میری بات تمہاری سمجھ میں آرہی ہوگی۔" امی نے نصیحت کی تھی یا طعنہ دیا تھا نینا سمجھ نا پائی تھی مگر ماحول یک دم کشیدہ سا ہو گیا تھا۔ وہ بوجھل دل لیے وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

"وہی تو ٹوکتا نہیں ہے امی۔۔۔ کبھی ٹوکے تو سہی کسی بات پر۔۔۔ مجھے اس کی روک ٹوک میں بھی محبت محسوس ہو گی کیونکہ اپنائیت کا پہلا مرحلہ شروع ہی روک ٹوک سے ہوتا ہے۔۔۔ مگر کوئی "اپنا" سمجھے تو سہی مجھے۔۔۔" اس نے ایمن کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ایمن کو مہر سے بہت لگاؤ ہو گیا ہے...... اس نے اصرار کیا تو میں نے سوچا چلو اس بہانے میں بھی مہر سے مل لوں گی۔" وہ خوش دلی سے بولی تھی۔ خاور چپ رہا۔ اس سے ایک جملہ بھی نا ادا کیا گیا تھا۔ وہ کب تک مروت نبھاتا رہتا۔ نینا کے چہرے پر صاف لکھا تھا۔

"میں تھک گئی ہوں...... مجھے لگتا ہے یہ سب میری برداشت سے بہت زیادہ ہے۔" لیکن وہ ظاہرا ایسے کر رہی تھی جیسے روئے زمین پر اس سے زیادہ خوش کوئی تھا ہی نہیں۔ خاور کا دل چاہا اسے گھور کر دیکھے اور چلا کر کہے......

"اب سکون آگیا تمہیں' احساس ہو گیا کہ یہ تمہاری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی...... اور جب میں کہتا تھا کہ اس اندھی کھائی میں چھلانگ مت لگاؤ' منہ کے بل گرو گی...... تب تم نے میری بات نہیں مانی...... بھگتو اب......" وہ یہ سب سوچ کر بھی شرمندہ ہوا تھا۔ ایسا کب ہوتا ہے...... جن سے محبت کی جاتی ہیں' انہیں طعنہ کب دیا جاتا ہے...... اور وہ تو پہلے ہی یہ سب سن سن کر ادھ موئی ہوئی نظر آتی تھی اس کی آنکھوں میں شکست چمکنے لگی تھی جس کو چھپانے کے لیے کتنی محنت کر رہی تھی وہ...... خاور کو یہ بھی اچھا نا لگا۔ وہ کمزور پڑ رہی تھی۔ کیسی تلوار جیسی طرار اور تیکھی مرچ جیسی تلخ ہوا کرتی تھی یہ لڑکی...... اور اب کیسی ہو گئی تھی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے آیا وقت انسان کو بدل دیتا ہے یا انسان ہی انسان کو بدل ڈالتا ہے۔

"ہاں...... مہر کو بھی ایمن اچھی لگتی ہے...... اس سے مل کر جاتی ہے تو اسی کی باتیں کرتی رہتی ہے۔" وہ بھی لہجے میں مصنوعی خوش دلی بھر کر بولا تھا۔ محبت میں ادھار کب چلتے ہیں...... محبوب ہنس دے تو آپ کو بھی ہنسنا پڑتا ہے۔

"یہی حال ایمن کا ہے...... اٹھتے بیٹھتے مہر کا ذکر...... ابھی بھی ناشتا کرتے ہی ضد لگا لی کہ مہر سے ملنے چلیں...... بہت مشکل سے شام تک کا انتظار کیا ہے اس نے۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی جانب دیکھنے کے بجائے دونوں بچیوں کی جانب دیکھ رہے تھے جو الیکٹرک رائیڈز پر بیٹھی تھیں۔ خاور نے اس کی بات سن کر پھر سر ہلایا۔

یہ وہی ریسٹورنٹ تھا جہاں خاور نے نینا کو پہلی بار پرپوز کیا تھا۔ میز بھی تقریباً" وہی تھی جہاں وہ اس روز بیٹھے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس روز ایمن ان کے درمیان نہیں تھی اور خاور اس روز پر امید تھا کہ وہ نینا کی محبت کو ضرور ہی پالے گا جبکہ آج وہ دونوں ہی بے دم اور نا امید نظر آتے تھے۔ چند لمحے ان کے درمیان یہی بے نام سی خاموشی چھائی رہی پھر خاور نے سر جھٹکا۔

"اور کوئی اچھی بات...... کوئی واقعہ کوئی خبر...... جسے سن کر خوشی ہو...... یعنی حقیقی خوشی...... کوئی ایسی بات جس کا خوش ہونے کی اداکاری کرنے سے دور دور تک کوئی تعلق نا ہو......" وہ اب کی بار اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا تھا۔ اس نے نظریں چرائیں۔

"سب ہی باتیں اچھی ہیں...... ایمن بڑی ہو رہی ہے...... اسکول میں اس کے رزلٹس اچھے آرہے ہیں...... اب تو کافی سوشل ہو گئی ہے......" وہ سابقہ انداز میں بولی تھی۔ خاور چند لمحے اس کی جانب دیکھتا رہا پھر جیسے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تھا۔

"تمہیں پتا ہے میں کہاں سے آرہا ہوں......؟" وہ استفہامیہ انداز میں اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ جواب میں فقط اس کی جانب دیکھتی رہی۔

"آج ہفتہ ہے...... میری چھٹی نہیں تھی آج...... وہاں چیرنگ کراس کے پاس آفس ہے میرا...... واپسی کے وقت اتنا ٹریفک ہوتا ہے کہ بائیک پر بیٹھے بیٹھے حشر ہو جاتا ہے...... پھر وہاں گلشن راوی سے چوبرجی ہوتے ہوئے یہاں آنا...... موٹر بائیک پر...... میرے پاس گاڑی نہیں ہے...... میں سمیع صاحب کی طرح جدی پشتی امیر آدمی نہیں

ہوں... اسی بات کا خیال کر لو بی بی۔" وہ طنز نہیں کر رہا تھا' صرف جتا رہا تھا۔ نینا اس کے انداز پر مسکرائی۔

"تم ہنس رہی ہو اور مجھے اپنے آپ پر غصہ آرہا ہے کہ میں کیوں تمہاری بات مان کر آجاتا ہوں... اچھا بھلا دوستوں کے ساتھ کھانا کھانے کا پلان تھا لیکن میں نے سوچا..." وہ جان بوجھ کر چپ ہو گیا۔

"کیا سوچا... بات تو پوری کر لو..." اب کی بار اس کے چہرے پر واقعی حقیقی مسکراہٹ تھی۔

"یہی کہ مہر کو ایمن سے ملوانے لے جاؤں... پھر وہاں یہ سن سن کر خوش ہوتا رہوں کہ مہر بڑی ہو گئی ہے... ایمن سوشل ہو گئی ہے... ایمن اور مہر اچھی سہیلیاں بن گئی ہیں... تھکتی نہیں ہو تم یہ ملمع کاری کرتے کرتے... کہہ کیوں نہیں دیتی جو تمہارے دل میں ہے...؟" وہ چڑ سا گیا تھا۔ نینا اس کی بات بغور سن رہی تھی لیکن جملہ مکمل ہوتے ہوتے وہ اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے سے بے بسی جھلکنے لگی تھی۔ خاور کو اس بے بسی سے بھی الجھن ہوتی تھی۔

"تم ایسی تو نہیں تھیں... اور تم ایسی اچھی بھی نہیں لگتیں... تم تو بس لڑتی جھگڑتی اچھی لگتی ہو... مت ظلم کرو خود پر اتنا... جیسی نہیں ہو' ویسی بننے کی کوشش مت کرو... جو چیز تمہاری برداشت سے باہر ہے' اسے کیوں برداشت کرنے کی کوشش کرتی ہو..." وہ اکتا کر بولا تھا۔ نینا کی آنکھیں پانی سے بھر گئی تھیں۔ بہت ہی کم لوگ تھے جن کے سامنے وہ زندگی میں کبھی روئی تھی۔ یہ دوسری بار تھا کہ خاور کے سامنے اس کی آنکھیں چھلکی تھیں۔ اس کے گال بھیگنے لگے تھے لیکن اس نے خود پر مزید جبر نہیں کیا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اب رونا چاہتی تھی۔

"میں نہیں جانتا کہ تمہاری زندگی میں کیا چل رہا ہے... وہ کون سے حالات ہیں جو تمہیں توڑ رہے ہیں... میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ تم نے ہمیشہ ہر صورت حال کا بہادری سے مقابلہ کیا ہے... تم کسی مقام پر ہاری نہیں ہو۔ تو پھر اب کیوں... اگر یہ سب کچھ تمہارے لیے مشکل ہے تو چھوڑ دو سب کچھ... لیکن اگر چھوڑنا نہیں چاہتی تو پھر ہمت سے مقابلہ کرو... ویسے جیسے آج تک کرتی آئی ہو۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

"مجھ سے نہیں ہوتا اب میں تھک گئی ہوں... اتنا تھک گئی ہوں کہ سوچتی ہوں کچھ کھا کر مر جاؤں۔" وہ تڑپ کر روتے ہوئے بولی تھی۔ خاور کو اس پر ترس آیا۔

"نینا... چھوڑ دو سب کچھ... ختم کر دو ہر وہ چیز جو تکلیف دے رہی ہے... لیکن خود کو ایسے ختم مت کرو... گھل گھل کر پہلے ہی کچھ نہیں بچا تمہارا۔" وہ زچ ہو کر بولا تھا۔

"نہیں ہوتا مجھ سے... میں بالکل بے دم ہو چکی ہوں اب... کسی کو میری ضرورت ہی نہیں ہے... جس سے میں نے شادی کی ہے... میں اس کی زندگی میں بھی کہیں ہوں ہی نہیں' میں کسی کی بھی زندگی میں کہیں نہیں ہوں۔ میرے ماں باپ کو بھی کبھی مجھ سے محبت نہیں تھی... اللہ کو چاہیے تھا۔ اب ترس کھا کر مجھے آسانی عطا کر دیتا لیکن اللہ کو بھی مجھ پر ترس نہیں آتا... میں نے زندگی بھر اذیتیں ہی سہی ہیں... اللہ کو چاہیے تھا کہ اب مجھے اذیت میں مبتلا نہ کرتا لیکن ایسا نہیں ہوا... میں ذہنی طور پر اتنی شکستہ ہو چکی ہوں کہ بعض اوقات دل چاہتا ہے کسی گاڑی کے نیچے آجاؤں یا چھت سے چھلانگ لگا دوں... میں ہمیشہ ہی زندگی سے بے زار رہی ہوں لیکن اب تو جیسے ہر چیز میرے اختیار سے باہر ہو چکی ہے..."

وہ روتے روتے بات مکمل کر رہی تھی۔ دونوں بچیاں رائیڈز میں مشغول نہ ہوتیں تو اب تک پاس آکر کھڑی ہو چکی ہوتیں۔ خاور کو سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کیسے تسلی دے۔ اسی صورت حال سے تو بچانا چاہتا تھا وہ اسے۔ اسی لیے تو اس نے اسے سمجھانا چاہا تھا کہ وہ ایک شادی شدہ مرد سے شادی مت کرے... مگر اس نے سنی ہی کب تھی اس کی۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں۔ اب اچانک ایسا کیا ہو گیا ہے؟" وہ بے بس سا ہو کر پوچھ رہا تھا۔

"اب محبت ہو گئی ہے مجھے اس سے... بس ایک یہی ہونا باقی تھا میری زندگی میں... یہ بھی ہو گیا... میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں اس شخص سے کبھی محبت بھی کروں گی..." وہ بھبک کر بولی تھی۔ آنسو ابھی بھی پلکوں سے تواتر گالوں پر بہہ رہے تھے۔ خاور کا دل جیسے ڈوب گیا۔

"بس ایک یہی ہونا باقی تھا میری زندگی میں... یہ بھی ہو گیا" اس نے نینا کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔ وہ مسلسل رونے میں مگن تھی۔ خاور کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی تو نہیں بچا تھا حالانکہ وہ یہ سب جانتا ہی تھا۔ اس کے پاس تو ماتم کرنے کا وقت بھی ختم ہو چکا تھا... اس نے اپنے دکھی دل کی کرچیاں خود ہی سمیٹنی تھیں اور یہ بہت ہمت کا کام تھا۔

☼ ☼ ☼

نینا نے بہت آہستگی سے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے کھولا تھا۔ اس کو پتا تھا کہ وہ جتنی بھی کوشش کر لے' دروازہ کھولنے کی ایک مخصوص چرچراہٹ پھر بھی کمرے کے سکوت میں ارتعاش پیدا کر کے رہے گی اور یہی اس کی منشا تھی۔ وہ چاہتی تھی یہ ارتعاش پیدا ہو۔ وہ چاہتی تھی اس کمرے میں موجود شخص کی ذات میں تلاطم ہو۔ وہ اس کی آمد سے باخبر ہو۔ وہ اس شخص کو اپنی ذات کا احساس دلانا چاہتی تھی۔ وہ ریسٹورنٹ سے مہر کو ملنے کے بعد واپس امی کے گھر جانے کے بجائے سیدھی اپنے گھر واپس آ گئی تھی تب تک سمیع آفس سے واپس نہیں آیا تھا۔ اس نے ایمن کے کپڑے تبدیل کروائے' اسے کھانا کھلا کر سلا دیا تھا پھر اس نے خود کپڑے تبدیل کیے تھے' ہلکا میک اپ کیا تھا' خود پر پرفیوم اسپرے کیا تھا۔ اسے زندگی میں کبھی اس طرح سے آئینہ دیکھنے کی عادت نا رہی تھی۔ کہیں جانا ہوتا تو زری کے سامنے بیٹھ جاتی تھی اور تیار ہو کر بھی زری سے ہی پوچھ لیتی کہ کیسی لگ رہی ہوں۔ سب کچھ تو ٹھیک تھا زندگی میں... کتنے ہی جھمیلوں سے بچی ہوئی تھی۔ یہ تو اب کچھ عرصہ پہلے ہی ہونا شروع ہوا تھا کہ اس کا دل چاہنے لگا تھا... وہ سجے سنورے' اچھی طرح سے تیار ہو اور پھر سمیع کے آس پاس منڈلاتی رہے... جبکہ وہ تو کبھی اس کی جانب دیکھتا بھی نا تھا۔

کانٹا چبھ جائے تو کیسی اذیت ہوتی ہے... بس کراہ سی نکلتی ہے منہ سے اور انسان اسے بھی برداشت کرنے کی سعی کرتا ہے کہ بھلا ذرا سا کانٹا چبھ جانے پر واویلا کیا مچانا... لیکن سچ یہ ہے کہ اذیت تو کانٹا چبھ جانے کی بھی ہوتی ہے... بس ایسی ہی اذیت تھی جو اسے اس لمحے محسوس ہوتی تھی جب سمیع اس کی اتنی تیاری کے باوجود نظر بھر کر بھی نا دیکھتا تھا۔ وہ اتنی گئی گزری بھی نا تھی کہ اس کی طرف دیکھا بھی نا جاتا...

پیا من بھائی عورت کم صورت ہو کر بھی خوب صورت ہو جاتی ہے... اور خوب صورت عورت اگر پیا من بھائی نا ہو تو پھر ایسی صورت کا فائدہ...

دکھ تو بہت سے تھے جو نینا کے وجود میں لاوا بن کر ابلنے لگے تھے لیکن ان سب میں سب سے بڑا دکھ یہی تھا کہ وہ اسے دیکھ ہی لے اپنائیت سے... اسے اپنا تو مانے... محبت کا مطالبہ تو کہیں بعد میں جاگتا پہلے انسیت تو ہوتی اسے اس عورت سے جو اس کی شریک حیات تو تھی مگر شریک ذات نا تھی اور یہ بات اسے خاور نے سمجھائی تھی۔

"یہ آسان کام نہیں ہے دوست" خاور نے اس سے کہا تھا۔

"شریک حیات کا شریک ذات ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی... شریک حیات تو نکاح کے دو بول بنا دیتے ہیں مرد عورت کو... لیکن شریک ذات بننے کے لیے مشقت کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لیے اپنا من مارنا پڑتا ہے... اپنے آپ کو بھول کر محبوب کے مقام تک پہنچنا پڑتا ہے۔ تم اگر واقعی اس سے محبت کرنے لگی ہو تو پھر اپنے آپ کو بھول کر اس کی دوست بن جاؤ... اس کے دکھ کو سنو... اس کے درد کو سمجھو' اپنے غم و الم کی داستانیں مت سناؤ

اسے۔۔۔ اسے تمہارے غم والم سے کوئی غرض نہیں ہے نینا۔۔۔ جو خود ٹوٹ رہا ہو' اسے دوسروں کے بدن کی دراڑیں نظر نہیں آیا کرتیں۔۔۔ اس لیے اس کے سامنے اپنی بات مت کرو۔۔۔
تم یہ چاہتی ہو' تمہیں اس چیز کی خواہش ہے۔۔۔ یہ سب مت بتاؤ اسے۔۔۔ یہ باتیں محبوب کو بتانے کی کب ہوتی ہیں۔۔۔ اسے بتاؤ کہ تم اس کی ذات کے ہر گوشے کی اذیت برداشت کرنے کو تیار ہو۔۔۔ یہ احساس کہ تم اس کے دکھ درد کو سمجھ سکتی ہو' اسے تمہارا بنا دے گا نینا۔۔۔ وہ خود بہت مصیبت میں گھرا ہے۔۔۔ اسے آسانی چاہیے۔۔۔ تمہارا رونا دھونا اسے ایک نئے احساس ندامت میں مبتلا رکھتا ہوگا۔۔۔ نادم لوگ محبت نہیں کیا کرتے دوست۔۔۔ آزاد کر دو اسے اس احساس ندامت سے۔۔۔ اسے اپنا بنانا ہے تو پہلے اس کی بننا ہوگا۔۔۔ اپنی میں مارنی پڑے گی اور پھر کہیں جا کر تم شریک حیات سے شریک ذات بنوگی۔"
وہ بے حد خاموشی سے کمرے کے اندر داخل ہوگئی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ ایسی ہی خاموشی سے وہ اس کی ذات تک بھی رسائی رکھ پاتی جو کہ فی الوقت اس کے لیے سب سے بڑا ہدف تھا۔ وہ کمرے میں کہیں نہیں تھا لیکن اس کے پرفیوم کی ایک مخصوص سی مہک تھی جو کمرے میں محسوس کی جا سکتی تھی۔ نینا دھیمے قدموں سے چلتی ہوئی بیڈ تک آئی تھی۔ وہاں سے باتھ روم کے دروازے تک نظر پڑتی تھی۔ باتھ روم کے دروازے سے روشنی کی ایک لکیر کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ یقیناً "باتھ روم میں تھا۔ نینا چند لمحے وہیں کھڑی رہی پھر کچھ سوچ کر وہ آگے بڑھی تھی۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آوازیں باہر تک آرہی تھیں جو قریب ہونے پر مزید واضح ہوئیں۔ باتھ روم کا دروازہ ادھ کھلا تھا جہاں سے اندر کی طرف نگاہ پڑتی تھی۔ نینا ایک نظر ڈال کر واپس مڑنے لگی تھی جب غیر ارادی طور پر اس نے دوبارہ اندر کی طرف دیکھا پھر اس کا دل جیسے ڈوب سا گیا تھا۔ وہ ذرا سا مزید آگے بڑھی تھی۔
پانی کی شڑپ شڑپ آوازیں بھی باہر تک سنی جا سکتی تھیں۔ یہ شاور یا نلکے کی آواز نا تھی۔ یہ پانی کے چھینٹوں کی آواز تھی جیسے کوئی پانی سے کھیل رہا ہو۔ وہ ذرا سا مزید آگے ہوئی۔ سمیع کی پشت دروازے کی جانب تھی۔ اس نے ابھی تک آفس والے فارمل کپڑے ہی پہن رکھے تھے اور وہ اطمینان سے وہاں کھڑا بھیگ رہا تھا۔ نینا کا دل دھک سے رہ گیا۔ سمیع کو ذرا بھی پروا نہیں تھی کہ اس کے کپڑے اس بری طرح بھیگ چکے ہیں۔ وہ بس پانی' اس کے اڑتے چھینٹوں میں مگن تھا۔ نینا مزید ذرا سا آگے ہوئی پھر دوبارہ جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔
یہ اس کا بیڈ روم تھا۔ یہ اس کا اور اس کے شوہر کا بیڈ روم تھا۔۔۔ لیکن ان دونوں کے درمیان ہمیشہ سے کوئی اور موجود رہا تھا۔۔۔ نینا چاہ کر بھی اس امر کو برداشت کرنے میں ناکام رہتی تھی۔ اس کا شوہر ہی مکمل اس کا نہیں تھا تو بیڈ روم کیسے مکمل اس کا ہو جاتا۔
ان دونوں کے درمیان کوئی اور بھی تو تھی جو ہمیشہ سے وہاں موجود تھی اور نینا کا اس پر اختیار ہی کیا تھا وہ جب چاہے نا صرف اس کے کمرے میں بلکہ اس کے شوہر کی بانہوں میں بھی آ سکتی تھی۔ اسے تو اللہ نے یہ حق دیا تھا' نینا کی کیا مجال تھی کہ وہ اسے روک پاتی۔
کیسا عجیب رشتہ تھا اس کا اپنے ہی مجازی خدا کے ساتھ۔۔۔ وہ کبھی "مکمل" اس کا نہیں ہو سکتا تھا۔
وہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔ اسے سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے پھر اس نے سر جھٹکا۔
"شریک حیات۔۔۔ شریک ذات۔۔۔ سارا فلسفہ بس کتابوں میں اچھا لگتا ہے۔۔۔ ہمارے زندگی میں تو بس یہ پانی کے چھینٹے ہی آئیں گے" اس نے جل کر سوچا تھا اور باتھ روم کے اندر داخل ہوئی۔
"نہیں آپ۔۔۔" اس نے سمیع سے کہا تھا۔ ✿ ✿ ✿
"آپ کا نام کیا ہے؟" اس نے اپنے سامنے بیٹھی اس ننھی بچی کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ وہ اس کے

نام سے واقف تھی لیکن وہ بچی اتنی کم گو محسوس ہوتی تھی کہ اس کو مخاطب کرنے کے لیے نینا کو یہ پوچھنا ہی پڑا۔
زری کی شادی دھوم دھام سے ہو گئی تھی۔ نینا نے تین دن کے بعد دوبارہ سے اپنی ٹیوشنز شروع کر دی تھیں۔ وہ ایک دو جگہ اور بھی بچوں کو پڑھانے جاتی تھیں لیکن یہ بچی اس کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج تھی۔ اس پر سخت محنت کی ضرورت تھی اور عجیب بات یہ تھی کہ اس کی ماں یہ بات ماننے کو تیار نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ اس بات پر اصرار کرتی کہ اس نے بچی پر کافی محنت کی ہوئی ہے۔ نینا کو اس کے نام سے واقفیت تھی لیکن وہ اسے زیادہ سے زیادہ بولنے پر اکسانے کے لیے اکثر ایسے سوال پوچھتی رہتی تھی۔
''ایمن...'' اس نے اپنا نام بتایا تھا نینا نے اسے گھورا۔ وہ اسے ہمیشہ اپنا پورا نام لینے پر اکساتی تھی۔
''ایمن سمیع'' وہ نینا کی آنکھوں سے خائف ہو کر بولی۔ نینا ذرا سا مسکرائی۔ وہ بچی بہت چھوٹی موٹی سی تھی۔ اس کی آنکھوں کے تاثرات ہمیشہ سپاٹ رہتے تھے۔ مسکراتی بھی کم ہی تھی۔ نینا کو اس کی ذات میں عجیب سا اسرار محسوس ہوتا تھا۔
''اپنے پاپا کے بارے میں پانچ باتیں بتائیں'' وہ اسے اسکول کے انٹرویو کے لیے تیار کروا رہی تھی اس لیے ایسے کئی چھوٹے چھوٹے سوالات وہ اسے یاد کروائی رہتی تھی۔
''میرے پاپا کا نام سمیع ہے۔ وہ ایک بزنس مین ہیں۔ وہ کھانے میں آئس کریم کھانا پسند کرتے ہیں۔ ان کا پسندیدہ رنگ پنک ہے۔'' وہ چار جملے بول کر خاموش ہو گئی۔ نینا نے ایک بار پھر اسے گھورا کہ وہ پانچواں جملہ بھی ادا کرے۔
''ایک جملہ باقی ہے ابھی...'' اس نے کہا تھا تا کہ ایمن وہ بھی کہہ ڈالے لیکن ایمن اس کی شکل دیکھتی رہی۔ وہ شاید پانچواں جملہ بھول چکی تھی۔
''مجھے اپنے پاپا سے بہت محبت ہے'' نینا نے اسے دوبارہ یاد کروانے کی خاطر ذرا سی اونچی آواز میں کہا تھا۔ وہ پھر بھی چپ چاپ اس کی شکل دیکھتی رہی۔
''ایمن... بولیں نا... مجھے اپنے پاپا سے بہت محبت ہے۔'' وہ اسے اکسا رہی تھی اور آواز میں سختی بھی بڑھ گئی تھی' ایمن نے خشمگیں نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔
''لیکن مجھے اماں رضیہ سے محبت ہے۔'' وہ منمنا کر بولی۔ نینا نے ذرا سا حیران ہو کر اس کا چہرہ دیکھا پھر وہ مسکرائی تھی۔
''ایمن یہ کمپوزیشن پاپا کے بارے میں ہے۔ باقی کے چار جملے بھی تو پاپا کے لیے ہیں نا'' اس نے اسے سمجھانا چاہا۔
''ہاں... لیکن وہ تو سب آپ نے بتائے تھے۔'' وہ ضدی سے انداز میں بولی۔
''لیکن ایسا کیوں ایمن... پاپا کے لیے نو... اور اماں رضیہ کے لیے یس؟'' وہ ٹوہ لینے والے انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔
''ہاں نا... کیونکہ میں اماں رضیہ سے محبت کرتی ہوں'' وہ سابقہ انداز میں بولی۔ نینا نے سر ہلایا۔
''اور اپنے پاپا سے... ان سے محبت نہیں ہے آپ کو...؟'' وہ ابھی بھی مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ ایمن نے ترنت نفی میں گردن ہلائی۔
''نہیں... ان سے محبت نہیں ہے مجھے۔'' اس کا انداز دو ٹوک تھا۔ اتنی سی بچی کی پسند ناپسند کا اتنا واضح ہونا کتنا عجیب لگتا تھا لیکن نینا کو اس میں کسی اور کی جھلک محسوس ہوئی۔ نینا کو خود بھی اپنے ''پاپا'' سے محبت نہیں تھی۔
یہ تھی وہ پہلی بات جس نے کونین کاشف نثار کے دل میں سمیع رندھاوا کے متعلق تجسس کو ابھارا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اب تک جاگ رہی ہیں آپ..." وہ پانی پینے کی غرض سے اٹھی تو امی کو لاؤنج میں دیوان پر بیٹھے پایا۔ ان کی آنکھیں نیند سے بھری ہوئی تھیں مگر وہ سو بھی نہیں رہی تھیں۔ زری کے جانے کے بعد سے ان کی ٹی وی دیکھنے کی روٹین کافی ڈسٹرب ہو گئی تھی۔ پہلے تو وہ دونوں اکٹھے ٹی وی دیکھتی رہتی تھیں لیکن زری کی شادی کے بعد شاید ان کا ٹی وی دیکھنے کو بھی دل نہیں کرتا تھا۔ نینا نے سوچا کہ وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ جائے سو اسی لیے انہیں جاگتا پا کر وہ ان کے پاس دیوان پر آ بیٹھی۔

"تمہارے ابا کا انتظار کر رہی ہوں... ابھی تک نہیں آئے" وہ سوئے جاگے لہجے میں بولی تھیں۔ نینا نے وال کلاک کی جانب دیکھا۔ بارہ بجنے والے تھے۔ اس وقت تو ابا آجایا کرتے تھے۔

"آجائیں گے... آپ سو جائیں... میں جاگ رہی ہوں۔ دروازہ کھول دوں گی" اس نے ان کی نیند سے بوجھل آنکھیں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں نہیں... میں جاگ رہی ہوں... وہ آئیں گے تو تازہ روٹی بنا کر دوں گی... انہوں نے کھانا بھی نہیں کھایا نا..." وہ اسی سوئے جاگے انداز میں بولی تھیں۔

"انہوں نے نہیں کھایا تو اس کا مطلب یہ کہ آپ نے بھی نہیں کھایا ہوگا۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولی تھی۔ امی نے کچھ جواب نہیں دیا۔

"ابا... کیا آج کل روز ہی اتنا لیٹ آتے ہیں؟" یہ سرسری سا سوال تھا۔ نینا نے ابا کی ذات میں دلچسپی لینی کب کی چھوڑ دی تھی۔

"ہاں... بہت کام بڑھا لیا ہے انہوں نے... زری کی شادی پر خرچا بھی تو کافی ہو گیا ہے نا... کہتے ہیں جتنا خرچا زری کی شادی پر کیا... اس سے زیادہ نینا کی شادی پر ہوگا۔ سو محنت تو کرنی پڑے گی نا" انہوں نے کروٹ لینے کی کوشش کی۔ نینا ان کے پاس ہی دیوان پر بیٹھی تھی۔ انہیں کروٹ لیتا دیکھ کر اس نے ان کے لیے جگہ بنائی تھی' ان کا پاؤں اس کے پاؤں سے مس ہوا۔ اسے ان کا پاؤں بے حد ٹھنڈا سا محسوس ہوا۔

"آپ کھانا کھا کر سو جائیں... ابا آئیں گے تو میں روٹی بنا دوں گی۔" اس نے جانے کس دل سے پیشکش کی تھی۔ امی نے نفی میں گردن ہلائی۔

"نہیں... انہیں کب عادت ہے کسی اور کے ہاتھ کی روٹی کھانے کی... میں بنا دوں گی... میں سو تو نہیں رہی... بس ابھی "میرا سلطان" شروع ہونے والا ہے... ساری نیند بھاگ جائے گی میری۔" وہ اسی انداز میں بولیں۔

"آپ فون کر لیتیں ابا کو...؟" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے مشورہ دیا تھا کیونکہ امی کی نیند سے بھری آنکھیں دیکھ کر بھی اسے ان پر ترس آرہا تھا۔

"کیا تھا... مگر اٹھا ہی نہیں رہے۔ مصروف ہوں گے نا۔" انہوں نے خود ہی جواز بھی دے دیا تھا۔ نینا نے ان کی بات سن کر سر ہلایا پھر اس نے ان کا سیل فون اٹھا کر ابا کا نمبر ملانا چاہا تھا۔ چند لمحوں بعد ہی کال جانے لگی تھی... ایک دو تین... کالز جا رہی تھیں لیکن وہ فون اٹھا نہیں رہے تھے۔ نینا اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی پھر اس نے اپنے سیل فون سے درزن آنٹی کا نمبر ملایا تھا۔ چند لمحے بعد انہوں نے فون اٹھا لیا تھا۔

"سیٹھ صاحب آپ کی طرف ہیں... ذرا ان سے بات کروا دیں۔" اس نے ذرا سا لہجہ بدل کر کہا تھا۔ دوسری جانب چند لمحے خاموشی چھائی رہی جیسے کوئی آپس میں مشورہ کر رہا ہو۔ نینا کے دماغ میں گھنٹیاں سی بجنے لگی تھیں۔ اس نے تو غیر ارادی طور پر یہ حرکت کی تھی جس کا مقصد اپنے تجسس کی تسکین تھا۔

"کیا پتا۔۔۔ ابا واقعی دکان پر ہوں۔" اس نے سوچا تھا۔ چند لمحے کی کھسر پھسر کے بعد درزن آنٹی کی آواز سنائی دی تھی۔
"کس نمبر پر فون کیا جی آپ نے۔۔۔ سوری رانگ نمبر۔۔۔" یہ عجلت کہہ کر فون بند کر دیا گیا تھا۔ نینا نے گہری سانس بھری اور ابھی وہ اپنے کمرے میں ہی تھی کہ باہر امی کا فون بجنے لگا تھا۔ وہ فوراً اٹھ کر باہر گئی۔ امی دیوان پر اب سیدھی لیٹی ہوئی تھیں۔ نے فون اٹھا کر کال ریسیو کی تھی اور پھر کچھ کہے بنا فون امی کی جانب بڑھا دیا۔
"ہاں جی۔۔۔ اچھا جی۔۔۔ نہیں ٹھیک۔۔۔ صحیح۔۔۔ چلیں ٹھیک ہے۔" امی مسلسل کچھ سننے بولنے میں مصروف رہیں پھر انہوں نے فون بند کر دیا۔
"دل کو دل سے واقعی راہ ہوتی ہے۔۔۔ میں پریشان ہو رہی تھی کہ اب تک نہیں آئے اور وہاں دکان پر بیٹھے انہیں بھی سکون نہیں۔۔۔ کہہ رہے تھے۔۔۔ پریشان مت ہو۔۔۔ میں آرہا ہوں" وہ مسکراتے ہوئے اسے بتا رہی تھیں۔ آنکھوں میں غنودگی اتنی تھی کہ آنکھیں کھل بھی نا پا رہی تھیں نینا کو یکدم احساس ہوا کہ یہ غنودگی کہیں لو شوگر کی وجہ سے تو نہیں۔ وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھی۔ فریج میں ایسی صورت حال سے بچنے کے لیے ہمیشہ ہی کچھ نہ کچھ رکھا رہتا تھا۔ اس نے ایک چاکلیٹ اٹھا کر اس کا ریپر پھاڑا تھا۔
"امی یہ کھائیں ذرا۔۔۔ طبیعت ٹھیک ہے آپ کی۔۔۔" اس نے اپنے ہاتھوں سے چاکلیٹ ان کے منہ میں ڈالی تھی۔
"میں ٹھیک ہوں نینا۔۔۔ مجھے کیا ہوا ہے" وہ ماننے سے بھی انکاری تھیں۔ ابا کے انتظار میں کھانا بھی نا کھایا تھا انہوں نے تو شوگر ہی لو ہونی تھی لیکن وہ اعتراف نہیں کر رہی تھیں اس بات کا۔ چاکلیٹ کا ایک بائٹ ختم ہوا تو نینا نے انہیں ایک اور ٹکڑا توڑ کر تھمایا پھر سیب کاٹ کر لے آئی۔ وہ ظاہر نہیں کر رہی تھی لیکن اتنی سی دیر میں اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔
"اپنے ابا کو نا بتانا میری طبیعت کا۔۔۔ خواہ مخواہ پریشان ہوں گے۔ ابھی بھی غصہ کر رہے تھے کہ کھانا کیوں نہیں کھایا اب تک۔" وہ وضاحت کر رہی تھیں۔ نینا کو ان پر ترس آیا لیکن وہ خاموش رہی تھی۔ وہ انہیں بتانا چاہتی تھی کہ ابا یکدم پریشان نہیں ہوئے۔ انہوں نے درزن آنٹی کے فون پر نینا کا نمبر دیکھ لیا تھا۔ اسی لیے امی کے نمبر پر کال کی تھی ورنہ اس سے پہلے بھی تو وہ فون کر رہی تھیں لیکن ابا نے اٹھایا تک نا تھا۔
"چل ہٹ نینا میں روٹی بنا لوں۔" امی کو بس ابا کے کھانے کی فکر تھی حالانکہ ان کی اپنی حالت بالکل بگڑی پڑی تھی۔
"کوئی ضرورت نہیں ہے اٹھنے کی۔۔۔ میں بنا دیتی ہوں۔۔۔ کبھی کبھی ٹیڑھی روٹی کھانے کی عادت بھی ڈالیں ابا کو۔۔۔ گول روٹیاں تو کچھ نہیں سنوار سکیں ان کا۔۔۔ شاید ٹیڑھی روٹیوں سے کوئی مثبت فرق پڑ جائے۔" وہ جل کر بولی تھی۔
"اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔۔۔ ابا کیا کرنے جا رہے ہیں اس بار۔۔۔" اس نے روٹی بناتے ہوئے سوچا تھا۔ زری کی شادی کے دنوں میں کچھ سکون ہوا تھا اور اب پھر ابا کی حرکات و سکنات مشکوک ہو گئی تھیں۔ اسے امی کی اتنی اطاعت گزاری پر بھی غصہ آیا تھا۔
"آپ کیسے محبت کر سکتی ہیں ابا جیسے آدمی کے ساتھ" وہ تاسف سے ان کی حالت دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"میں جاب کرنا چاہتی ہوں" اس نے خاور سے کہا تھا۔ اس کے ساتھ اکثر بات کر لیتی تھی وہ۔۔۔ اور عجیب بات

یہ تھی کہ اسے برا نا لگتا تھا۔ وہ دونوں بے تکلفی کے اس مقام تک آ گئے تھے کہ جہاں آپ جناب کا تکلف بھی نا رہا تھا۔ خاور نے اسے اپنی اور سلیم کی دوستی کے بارے میں بتایا تھا اور یہ بھی کہ وہ سلیم کی وجہ سے ہی اس کے بارے میں اتنا کچھ جانتا تھا۔ نینا کو اس سے باتیں کرنا اچھا لگتا تھا لیکن وہ اس سے محبت نا کرتی تھی۔ یہ بات اس نے اسے ابتدا میں ہی واضح کر دی تھی۔

''اگر تمہیں کبھی لگتا ہے کہ میں کسی بھی شخص سے محبت کر سکوں گی تو تم اس غلط فہمی کو دل سے نکال دو۔۔۔ میں محبت کرنے والا مٹیریل نہیں ہوں۔۔۔ مجھے محبت پر یقین ہی نہیں ہے۔۔۔ میں نے خود کو جج کر لیا ہے۔۔۔ میں محبت کرنے کے قابل نہیں ہوں۔۔۔ دوبارہ کبھی مجھ سے اس موضوع پر بات نا کرنا۔'' وہ ہنس کر اس کی باتیں سنتا رہتا تھا۔ اسے سمجھاتا بھی تھا۔ نینا کو اس سے مشورہ کرنا اچھا لگتا تھا۔ اسے کبھی کبھی وہ سلیم کی طرح کا پر خلوص لگتا تھا۔ اسی لیے ایم بی اے مکمل ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے اسے اپنے مستقبل کی پلاننگ بتائی تھی۔

''اچھی بات ہے اگر تم جاب کرنا چاہتی ہو۔۔۔ چولہا چوکی تو تم سے ہوگا بھی نہیں۔۔۔ اس کے لیے ذرا مہارت اور تحمل چاہیے ہوتا ہے اور ان دونوں چیزوں کی تم میں سخت کمی ہے۔'' وہ بالکل سلیم کے انداز میں اسے چڑاتا رہتا تھا۔

''ایک کلرک کے منہ سے یہ باتیں اچھی تو نہیں لگ رہیں۔۔۔ لیکن پھر بھی میرا حوصلہ ہے کہ میں سن رہی ہوں'' وہ حساب چکتا کرنے میں ماہر تھی۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنستا تھا۔

''میں نے اپنا سی وی بنا لیا ہے۔ اب ہر جگہ اس کی کاپی ڈراپ کروں گی۔ کہیں نا کہیں تو میرا نصیب بھی کھل جائے گا نا'' وہ اسے بتانے لگی تھی۔ خاور کی اچھی بات یہ تھی کہ وہ نا صرف بہترین سامع تھا بلکہ وہ ہمیشہ اچھے مشورے بھی دیتا تھا۔

''ان شاء اللہ۔۔۔ نصیب تو تمہارا بہت بہترین جگہ پر کھلے گا۔۔۔ دیکھنا تو سہی۔'' وہ اپنے مطلب کی بات ضرور کر دیتا تھا۔ نینا نے ناک چڑھائی تھی۔

''دعائیں دینے کی ضرورت نہیں ہے بابا جی۔۔۔ ہمیں دعائیں راس نہیں آتیں۔۔۔ ہمارے کام ہمیشہ محنت کے بل بوتے پر ہوئے ہیں۔۔۔ اس لیے دعائیں نا دو۔۔۔ مشورہ دو۔'' وہ اس کے لہجے میں چھپے جذب کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بولی تھی۔

''یہ آئیڈیا اتنا فیزیبل نہیں ہوگا۔۔۔ میرا مطلب ہے اگر جاب کرنی ہی ہے تو کسی ویل ریپوٹڈ (اچھی شہرت والے) ادارے میں کرو۔۔۔ جگہ جگہ سی وی ڈراپ کر کے خوار ہونے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ میرا مشورہ ہے۔۔۔ اچھے اداروں کے ای میل ایڈریس ان کے ویب سائٹس پر دیے ہوتے ہیں۔۔۔ انہیں ای میلز کرو۔۔۔ جان پہچان کے لوگوں کو دو۔۔۔ مجھے ای میل کرنا میں بھی دیکھوں گا کہیں۔۔۔ اور وہ لوگ جن کے بچوں کو پانچ پانچ سو روپے لے کر تم پڑھا لکھا بنا رہی ہو۔ وہ کب کام آئیں گے۔ ان کو سی وی دو۔۔۔ ان کو بتاؤ کہ تم جاب کی تلاش میں ہو۔۔۔ کارپوریٹ ورلڈ میں تعلقات قابلیت سے زیادہ اہم ثابت ہوتے ہیں۔۔۔ شاید کوئی بندہ خدا تم پر ترس کھا کر اپنے آفس کے دروازے تمہارے لیے کھول دے'' وہ خلوص دل سے مشورہ دے رہا تھا۔

''ہمم'' اس نے ہنکارا بھرا تھا۔

''چلو شکر ہے۔۔۔ تم تو کسی کام آئے میرے۔۔۔ ورنہ میں یہی سوچتی رہتی تھی کہ یہ بندہ کیوں پیدا کیا خدا نے۔۔۔ اس کا فائدہ کیا ہے دنیا کو۔۔۔'' وہ چڑا رہی تھی۔

''تم مجھے موقع تو دو۔۔۔ میں زندگی بھر تمہارے کام آنے کو تیار ہوں۔'' وہ پھر ذو معنی انداز میں بولا تھا۔ نینا کو ہنسی آئی۔ اسے جانے کیوں اس شخص کی باتیں بری نا لگتی تھیں۔

"چلو۔۔۔ اتر گئے ہونا پٹڑی سے چھچھورے آدمی۔۔۔ کسی روز تمہاری اماں نے سن لیں نا تمہاری یہ باتیں۔۔۔ قسم سے اگلا دن تمہارا اسپتال میں گزرے گا۔۔۔ لکھ کر رکھ لو میرے الفاظ کسی کاغذ پر۔" وہ ہنسی دبا کر ڈپٹ کر بولی تھی۔ وہ پھر ہنسا۔

"کاغذ پر لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ مرا دل ہے نا کورا کاغذ۔۔۔ کیا خوب کہا ہے کسی دل والے شاعر نے۔۔۔ عرض کیا ہے۔۔۔ کورا کاغذ تھا دل یہ میرا۔۔۔ نام اس پر لکھ لیا تیرا۔۔۔" وہ گنگنانے لگا تھا۔ موبائل کان سے لگائے نیناں کو بڑے زور کی ہنسی آئی اور اس بار وہ اپنے قہقہے کو روک نا پائی تھی۔

"اب چھچھورے لوگوں سے کون بحث کرے۔۔۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ امی اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"نیناں۔۔۔" انہوں نے آواز دی۔

"اچھا بھئی شکریہ تمہارے مشورے کا۔۔۔ اور ایک مشورے کی خاطر اتنی مزید بے کار باتیں سننے پر میرا بھی شکریہ۔۔۔ اللہ حافظ۔" اس نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔

"زری تھی۔۔۔؟" امی نے پوچھا۔ وہ تھکی ہوئی لگتی تھیں۔

"نہیں تو۔۔۔ خاور تھا۔۔۔ مہر کا چاچو۔۔۔" وہ ہنستے ہوئے بولی تھی پھر جانے کیوں اس نے وضاحت دی تھی۔

"جاب کا کہہ رہی تھی اسے۔۔۔ کہ کہیں ویکنسی ہو تو بتائے۔" امی نے سر ہلایا۔

"آپ کا زری سے بات کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔ کال ملاؤں اسے۔" ان کی اتری اتری صورت دیکھ کر اس نے یہی فرض کیا کہ وہ زری کے لیے اداس ہیں لیکن انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا تھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" اس نے پوچھا تھا۔ انہوں نے اثبات میں گردن ہلائی پھر اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی تھیں۔

"نیناں۔۔۔ تم تو اندر باہر آتی جاتی ہو۔۔۔ تمہیں کچھ خبر ہے کہ۔۔۔ تمہارے ابا۔۔۔ آج کل کیا کرتے پھر رہے ہیں؟" وہ رک رک کر بول رہی تھیں۔ نیناں نے چونک کر ان کا چہرہ دیکھا۔ ابا کے متعلق امی نے کبھی اس سے ایسے بات نہیں کی تھی۔ یہ موضوع ایسا تھا کہ وہ دونوں ماں بیٹی اس پر چپ رہنا ہی پسند کرتی تھیں۔ اس نے غیر ارادی نگاہ وال کلاک کی جانب ڈالی۔ گیارہ بج رہے تھے۔ ابا شاید آج بھی دکان سے ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔

"کیا ہوا۔۔۔ ایسے کیوں پوچھ رہی ہیں۔۔۔؟" اس نے اپنے تاثرات چھپا کر ان سے پوچھا تھا۔ زری کے چلے جانے کے بعد ان کے تعلقات کچھ بہتر ہونے لگے تھے۔ نیناں کوشش کرتی تھی کہ انہیں وقت دیا کرے۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر کبھی کبھی ٹی وی بھی دیکھنے لگی تھی۔ ایک دوسرے کو جلی کٹی سنائے بغیر ناشتا کھانا بھی ہونے لگا تھا۔

"آج طاہر کی ماں آئی تھی۔۔۔ وہ کہہ رہی تھی کہ سیٹھ صاحب تو آٹھ بجے ہی دکان بند کر دیتے ہیں" انہوں نے دوکان کے ایک ملازم کا نام لیا تھا جس کی والدہ کبھی کبھی ان سے ملنے آجاتی تھیں۔

"تمہارے ابا تو روز رات کو بارہ ساڑھے بارہ سے پہلے نہیں آتے۔۔۔ کہہ رہے تھے دکان پر بہت کام ہے۔" وہ بے چاری کھل کر اپنے خدشے کا اظہار بھی نہیں کر پا رہی تھیں کیونکہ نیناں کے دل میں باپ کے مقام سے آگاہ تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ معاملات مزید خراب ہوں مگر گھر میں اس کے سوا اب تھا بھی کون جس سے وہ یہ بات کر پاتیں' نیناں چپ کی چپ رہ گئی۔ اس نے ہمیشہ یہ خواہش کی تھی کہ کبھی امی اس سے ابا کے متعلق بات کریں تو وہ تڑاخ سے انہیں کہہ سکے کہ۔

"چھوڑ دیں اس آدمی کو۔۔۔ یہ آپ کے لائق نہیں ہے۔" لیکن اب جب وہ خود ہی یہ موضوع شروع کر چکی

تھیں تو نینا کو احساس ہوا تھا کہ کچھ چیزیں بہت حساس ہوتی ہیں۔۔۔ آپ چاہ کر بھی ان کے متعلق ویسے بات نہیں کرپاتے جیسے کرنا چاہتے ہیں یا پھر شاید اتنی جلدی نہیں کرپاتے۔ امی اس قدر جذباتی ہو رہی تھیں کہ وہ ان کو تسلی دینے کے علاوہ کچھ کر بھی نا سکتی تھیں۔

''آپ پریشان مت ہوں۔۔۔ بیٹھ جاتے ہوں گے کسی دوست وغیرہ کے پاس سیاسی باتیں کرنے۔۔۔ آپ کو تو پتا ہی ہے ایسی باتوں میں خوب دل لگتا ہے ان کا۔'' وہ انہیں تسلی دے رہی تھی۔

''ہاں کہہ تو صحیح رہی ہو۔۔۔ اور مجھے کہہ دیتے ہوں گے کہ دکان پر کام بہت ہوتا ہے۔ ان کو پتا ہے نا اس نے غصہ کرنا ہے اس بات پر۔'' وہ مطمئن ہوئی تھیں یا صرف اداکاری کر رہی تھیں نینا سمجھ ناپائی تھی لیکن اس کا دل ضرور بے چین ہو گیا تھا۔ اب کیسے بتاتی اپنی ماں کو کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔ وہ چپ ہی رہ گئی تھی۔

آپ کتنے بھی بڑے ہو جائیں۔ کچھ باتیں کرتے ہوئے آپ کو اپنی ماں سے بھی لاج آتی ہے۔

✡ ✡ ✡

''آپ کے پاس دو ڈولز ہیں۔۔۔ اور اگر آپ کے پاپا دو اور ڈول لے آئیں تو ٹوٹل کتنی ڈولز ہو جائیں گی۔۔۔؟'' اس نے ایمن کے سامنے بلاکس رکھے ہوئے تھے اور اسے جمع کرنا سکھا رہی تھی۔ ایمن نے مسکراتے ہوئے ایک بلاک اٹھا لیا۔

''میرے پاس ایک ہی ڈول ہے۔ دو نہیں ہیں۔'' وہ کم گو تھی لیکن کبھی کبھی بلاوجہ کی کوئی بات کر دیتی تھی۔ نینا نے ناک چڑھائی۔

''اچھا چلو۔۔۔ ایک ڈول۔۔۔ اور اگر پاپا دو ڈولز اور لے آئیں تو۔۔۔؟'' اس نے اپنا سوال تبدیل کر کے دہرایا تھا۔

''پاپا ڈولز نہیں لاتے۔۔۔ وہ کیوں لائیں گے؟'' ایمن چڑ کر بولی تھی۔ نینا نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ اسے باتیں کرنے پر اکساتی رہتی تھی لیکن اب اس طرح اس کے بلا ضرورت بولے جانے پر بھی اسے غصہ آ رہا تھا۔

''ایمن۔۔۔ جو میں نے پوچھا ہے۔ بس وہ بتائیں۔'' وہ چڑ کر بولی تھی۔ ایمن نے ہونٹ بھینچ کر منہ لٹکا لیا۔

''پاپا ڈولز لائے ہی نہیں کبھی تو مجھے کیسے پتا چلے گا کتنی ڈولز ہو گئیں'' اس کے لہجے میں بے چارگی تھی۔ نینا کو ہنسی بھی آ گئی۔

''آپ کے پاپا ڈولز نہیں لاتے۔۔۔ لیکن کچھ اور تو لاتے ہوں گے نا آپ کے لیے'' وہ اسے سمجھا رہی تھی۔

''نہیں۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔ آپ اماں رضیہ کا نام کیوں نہیں لیتیں۔۔۔ وہ ہی لاتی ہیں سب کچھ میرے لیے۔'' وہ ناراض سے لہجے میں بولی تھی۔ نینا لمحہ بھر کے لیے چپ سی ہو گئی۔ نینا کی آنکھیں اس لمحے اسے اپنی آنکھوں جیسی لگیں۔۔۔ بے چین، مضطرب اور شکوہ کناں۔۔۔

''اچھا چلو آپ کی مرضی۔۔۔ اب آپ بتاؤ اگر آپ کے پاس دو ڈول ہوں اور اماں رضیہ دو ڈولز لے کر آ جائیں تو کتنی ڈولز ہو جائیں گی۔'' اس نے سوال کو اس چھوٹی بچی کی منشا کے مطابق توڑ مروڑ دیا تھا۔ وہ چپ چاپ سامنے پڑے بلاکس کو ملا کر رکھتے ہوئے گننے لگی تھی۔ اسی دوران اماں رضیہ اس کے لیے چائے لے کر آ گئیں۔ وہ روزانہ ہی اس کے لیے چائے لے کر آتی تھیں۔ ان کا کسی نے تعارف تو نہیں کروایا تھا لیکن صبح کے وقت انہیں اس طرح مصروف دیکھ کر وہ پہلے انہیں ایمن کی دادی سمجھی تھی پھر جب روز وہی اس کے لیے چائے لانے لگیں تو وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ شاید گھر کی کل وقتی ملازمہ ہیں۔

''بہت اچھی چائے بناتی ہیں آپ۔۔۔ حالانکہ میں گھر سے چائے پی کر آتی ہوں لیکن پھر بھی یہاں آ کر آپ کے ہاتھ کی چائے کی منتظر رہتی ہوں۔۔۔ آپ یقیناً کھانا بھی بہت اچھا بناتی ہوں گی۔''

وہ خوش دلی سے بولی تھی جو کہ اس کی عادت کے بالکل برخلاف تھا۔ اماں رضیہ کو اس کی بات سن کر بہت اچھا لگا۔

"بس بیٹا۔۔۔ ان ہاتھوں نے آج تک یہی کیا ہے۔۔۔ اب تو عمر گزر گئی ہانڈیاں پکاتے۔۔۔ بہت شکریہ آپ کو چائے پسند آئی۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ نینا نے سرہلایا۔

"ایمن بھی بہت باتیں کرتی ہے آپ کی۔۔۔ بہت محبت ہے اسے آپ سے۔" بات کو آگے بڑھانے کے لیے یہ حوالہ دینا بہت ضروری تھا۔

"ایمن تو بس میری گڑیا ہے۔ میرے ہاتھوں میں پیدا ہوئی تھی۔ پہلے دن سے اس کا ہر فیڈر میں ہی کر رہی ہوں۔۔۔ میری اپنی اولاد کی طرح ہے۔" وہ سادہ لوح خاتون تھیں۔۔۔ اپنے حساب سے ہی بات کرتی تھیں۔ نینا نے ان کی بات سن کر سرہلایا۔

"اسی لیے تو اپنے ماما پاپا سے بھی زیادہ یہ آپ سے محبت کرتی ہے۔" نینا نے وہ بات کہی جو اس کے دل میں تھی۔ اماں رضیہ متانت سے مسکرائیں۔

"بس بیٹا۔۔۔ یہ تو وضع دار لوگوں کی تربیت ہوتی ہے۔ اس کے ماں باوا نے اسے ہمیشہ بڑوں کی عزت کرنا سکھایا ہے۔ وہ خود بھی بہت محبت کرنے والے لوگ ہیں مجھے تو اپنی ماں سے بھی زیادہ عزت کا مستحق سمجھتے ہیں۔۔۔ اپنی ماؤں کی بھی ایسی عزت نا کرتے ہوں گے جیسی اس گھر میں میری ہوتی ہے۔" وہ نینا کو بتا رہی تھیں۔ نینا اتنی لمبی تقریر سن کر بس سرہلاتی رہی۔ وہ تو بس وقتی تجسس کی خاطر پوچھ بیٹھی تھی لیکن اب انہیں مسلسل گھر کے مالکوں کی تعریفیں کرتا سن کر اکتا سی گئی۔

"ایمن آپ نے اپنا کام ختم کر لیا؟" اس نے ان کی جانب سے نگاہ ہٹا کر ایمن کو دیکھا۔

"چلو۔۔۔ بیٹا تم پڑھاؤ بچی کو۔۔۔" اماں رضیہ شاید خود بھی اس وقت مصروف ہوتی تھیں تب ہی بات مکمل کر کے باہر چل دی تھیں۔ نینا ان کے جانے کے بعد اپنا چائے والا کپ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ بیٹھے بیٹھے تو اس کی کمر تھک جاتی تھی۔ اس لیے وہ بعض اوقات ایمن کو پڑھاتے پڑھاتے کمرے میں ہی دو تین دفعہ اٹھ کر چلنے لگی تھی۔ ابھی بھی ایمن کو کام کرتا دیکھ کر وہ اٹھی اور چلتے چلتے یونہی کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ یہ کھڑکی باہر گھر کے پورچ میں کھلتی تھی۔ نینا غیر ارادی طور پر باہر دیکھنے لگی۔ اسی لمحے گھر کے اندر سے کوئی پورچ میں آیا تھا اور پھر چلتے چلتے وہ کھڑی گاڑی تک آگیا تھا۔ وہ ایمن کے پاپا تھے۔ نینا ابھی دیکھ ہی رہی تھی کہ ایمن کی ماما بھی اپنا فربہ وجود لیے پیچھے چلی آئیں۔ نینا ذرا سا پیچھے ہٹ گئی تھی۔ وہ دونوں چند لمحے کھڑے جانے کیا باتیں کرتے رہے۔ دونوں کے چہروں پر شوخی اور شرارت تھی ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ نینا پیچھے ہٹ جاتی لیکن جانے کون سا تجسس تھا جو اسے وہاں کھڑے رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اسی لمحے گھر کے مالک نے جھک کر گھر کی مالکن کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔ نینا کو یہ امید نہیں تھی۔ وہ جھجک کر پیچھے ہٹی تھی۔

"حد ہوگئی نینا کی بچی۔۔۔ اگر وہ دیکھ لیتے تو کیا سوچتے" اسے اپنی ہی بدتمیزی پر غصہ آیا تھا لیکن اس منظر میں کچھ ایسا تھا جو اس کے ذہن پر نقش ہوا تھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس نے ایک دفعہ پھر ذرا سا آگے ہو کر اسی جانب دیکھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

✲ ✲

امبر فاطمہ

"اب کیا ہوگا۔" ثنا کے چہرے سے پریشانی عیاں تھی۔

"جو ہوگا منظورِ خدا ہوگا۔" سفیان کے لہجے میں اتنی ہی بے فکری تھی۔

"تم کچھ کرتے کیوں نہیں سفیان۔" اس نے پھر سے وہی مشورہ دیا تھا' جو وہ ہر روز اسے دیا کرتی تھی۔

"اب کرنے کو کچھ بچا ہی نہیں ہے۔ تم جانتی ہو کہ ورنہ میں ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" اس نے بھی فخریہ کالر جھاڑ کر اپنا روز کا جواب دہرایا تھا۔

"سفیان پلیز سیریس' یہ ہمارا لاسٹ سمسٹر ہے۔ اس کے بعد ہمارا ملنا مشکل ہی نہیں' ناممکن بھی ہوسکتا ہے اور تم جانتے ہو کہ میں تمہارے بغیر بالکل بھی نہیں رہ سکتی ہوں۔" وہ اب رودینے کو تھی۔

"ثنا میں سب کچھ دیکھ سکتا ہوں' تمہارے ابو کی ہار اپنے ابو کی جیت' پر تمہاری آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔" سفیان نے چہرے پر معصومیت سجاتے ہوئے کہا۔ ثنا اسے غصے سے گھورتے ہوئے بولی۔

"کیا ضرورت تھی تمہیں وہاں جانے کی' میں جتنا تمہیں ان فضول کاموں سے دور رہنے کا کہتی ہوں' تم اتنا ہی زیادہ یہ کام کرتے ہو۔ کل بڑے ہی فخر سے تمہارے ابو اس ملک کی عوام کو انصاف دلانے کی باتیں کررہے تھے۔ پہلے وہ اپنے گھر سے شروع کیوں نہیں کرتے یہ کام۔"

"یار تمہارے ابو بھی ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔" سفیان نے ذرا سا سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"خاموش رہو' کم از کم میرے ابو اپنے گھر میں موجود کسی فرد کو تو نہیں گھسیٹتے ہیں' ایسے کاموں میں اور مجھے تو لگتا ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب تمہارے ابو اس سیاست کے لیے تمہیں بھی بیچ دیں گے' نا تم سے کچھ ہوتا ہے میرے لیے' نا ہی تم کچھ کرنا' بس اپنی اس نام نہاد پارٹی کا جھنڈا لہراتے رہنا ساری زندگی۔" وہ غصے میں اسے اچھی خاصی سنا کر جاچکی تھی۔ وہ وہیں بیٹھا یہی سوچ رہا تھا کہ سچ ہی تو کہہ گئی تھی وہ' ابو نے اپنی ساری زندگی اسی سیاست کے نام کردی' پھر ہشام بھائی کو بھی اسی کام پر لگادیا اور اب اس کی باری تھی۔

✡ ✡ ✡

"السلام علیکم ابو!" وہ ابھی یونی ورسٹی سے لوٹا تھا۔ شیخ صاحب کو لاؤنج میں موجود دیکھ کر ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"کہاں ہوتے ہو صاحب زادے آج کل' پارٹی آفس میں بھی نظر نہیں آرہے۔" وہ اپنے سامنے رکھی فائل کو دیکھنے میں مصروف تھے۔ اسے بنا دیکھے ہی پوچھا تھا۔

"وہ دراصل ابو آخری سمسٹر ہے تو' تو اسی کی تیاری میں وقت کا پتا نہیں چلتا۔"

"اچھا' اچھا! جلدی سے پڑھائی مکمل کرو اور پھر مستقل پارٹی میں شامل ہوجانا۔ ہشام کو دیکھو کتنے مضبوط قدم جمالیے ہیں اس نے سیاست کے میدان میں۔" ان کے لہجے میں غرور تھا۔

"جی ابو!" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

"اور ہاں ایک بات یاد رکھنا' یہ پیار محبت کے چکروں میں مت پڑنا' تمہاری منزل اس وقت صرف سیاست ہے اور یہ بات کبھی مت بھولنا۔" "جی ابو! اس

نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے کہا۔

☆ ☆ ☆

"سونیا کیا میری اس سے بات کروا سکتی ہو تم؟" اس دن کے بعد سے ثنا یونیورسٹی نہیں آئی تھی اور نہ ہی اس سے کوئی بات کی تھی' اس کا فون بھی مسلسل بند جارہا تھا' اسی لیے اس نے اس کی چھوٹی بہن کو فون کرکے بات کروانے کا کہا۔

"سفیان بھائی وہ آپ کا ذکر تک نہیں سننا چاہتی ہیں' بات کرنا تو دور کی بات ہے۔"

"تم کوشش تو کرو پلیز!" اس نے التجا کی تھی۔

"سفیان بھائی! جب آپ ان کے لیے کچھ نہیں کرسکتے تو پلیز یہاں فون کرکے ان کی اذیت میں اضافہ تو نہ کریں۔"

"اچھا تو میرا ذکر کرنا یا مجھ سے بات کرنا اسے اذیت

میں مبتلا کرتا ہے، تو کہہ دینا اسے کہ نہیں کروں گا اب کوئی میسج یا کال، خوش رہے وہ بس۔" سفیان نے فون بند کردیا تو سونیا نے فون میز پر رکھتے ہوئے سامنے بیٹھی ثنا کو دیکھا تھا جو رو رہی تھی۔

"بجو، آپ کو بھی ایک یہی ملا تھا، ایک تو ابو کی مخالف پارٹی کا، دوسرا انتہا کا ڈرپوک انسان، اپنے فادر کے سامنے آپ کے لیے کوئی اسٹیپ تو لے نہیں سکتا، ساری زندگی کیا خاک ساتھ نبھاہتا ہے اس نے۔" سونیا نے اپنی عقل کے مطابق سفیان کی ذات پر تجزیہ کیا اور اٹھ کر کھانا کھانے چلی گئی، وہ وہیں بیٹھی آنسو بہائے جارہی تھی۔

تم نے اچھا نہیں کیا، سفیان میرے ساتھ پہلے خود مجھے اپنے ساتھ اس راہ پر لائے، پھر نہ جانے کون کون سے وعدے کیے اور اب یوں اکیلا چھوڑ دیا ہے۔

✡ ✡ ✡

"یار تم کیوں اپنے سسرال کے خلاف تحریک چلا رہے ہو، اگر مخالف گروپ کی پارٹی کے انچارج کی صاحب زادی کو ذرا بھی علم ہو گیا اس بات کا تو وہ دن تمہاری اور اس کی محبت کا آخری دن ہوگا۔" سفیان کو پارٹی آفس میں بیٹھے یوں سنجیدگی سے کام کرتے دیکھ کر تابش نے کہا۔

"میرے دوست، تم جانتے ہو کہ میں ڈر کے آگے سینہ تان کر کھڑا ہو سکتا ہوں، لیکن اپنے ابو کے سامنے نہیں کھڑا ہو سکتا اور رہی بات ثنا کی تو وہ ازل سے میری تھی ابد تک میری ہی رہے گی۔" تابش اس کے یقین پر اش اش کر اٹھا تھا۔

"تم شاید بھول رہے ہو کہ سفیان تمہارے ابو کی مخالف پارٹی کے انچارج صدیقی صاحب ہیں، جو کہ ثنا کے والد صاحب ہیں اور اس بار دونوں پارٹی میں کانٹے کا مقابلہ ہونے والا ہے۔"

"جانتا ہوں یار لیکن اب کوئی راہ بھی تو نہیں دکھائی دے رہی ہے۔ نہ جانے یہ سب مل کر کیوں اس ملک کی نوجوان نسل کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں؟ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں یہ ہر حد پار کر رہے ہیں۔ اب دیکھو دو دن بعد جو جلسہ ہونا ہے، اس میں چیئرمین صاحب نے ڈی جے کو لانے کی خاص تاکید کی ہے، تاکہ وہاں موجود لوگ انٹرٹین ہو سکیں اور میرا اب تک کسی ڈی جے سے رابطہ نہیں ہوا ہے۔ مجھے تو اس بات کی پریشانی ہو رہی ہے کہ اگر ڈی جے نا ملا تو ابو یہ کام مجھے ہی نا سونپ دیں؟" اس نے بے بسی سے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑتے ہوئے کہا۔ تابش کو اب اس سے ہمدردی محسوس ہونے لگی تھی۔

"سفیان تم اپنے ابو سے بات کر کے تو دیکھو شاید وہ تمہاری بات مان لیں، آخر کو تم ان کے بیٹے ہو۔" تابش نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"تم تو جانتے ہو کہ ابو اپنے اصولوں کے کتنے سخت ہیں، وہ میری بات سننا تک گوارا نہیں کریں گے، کجا کے مان لینا۔"

"تو پھر اب تم کیا کرو گے؟" تابش سے اس کی پریشانی دیکھی نہیں جارہی تھی۔

"کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے کیا کروں، ثنا بھی تو مجھ سے بات نہیں کر رہی ہے۔" اسے ثنا کے بات نا کرنے پر اب تک غصہ آرہا تھا۔

"وہ تم سے بات کرے بھی تو کیا، تم نے کون سا اس کے لیے کوئی راستہ بنایا ہے، جس کی امید پر وہ تم سے بات کرے، اگر اپنے ابو کا اتنا ہی ڈر تھا تو کیوں اپنے ساتھ اسے گمنام راہ کا مسافر بنایا تم نے؟ وہ خود تو چل کر نہیں آئی تھی تمہارے پاس، تم نے ہی اس کا ہاتھ تھامنے کی خواہش کی تھی اور اب یوں اکیلا چھوڑ دیا۔" تابش کی باتوں نے اسے شرمندگی سے دوچار کیا تھا۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا وہ۔ کیا، کیا تھا اب تک اس نے خود سے ثنا کے لیے۔

✡ ✡ ✡

"بجو کھانا کھا کر میڈیسن لے لیں آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ اس طرح آپ کیسے ٹھیک ہوں گی۔" سونیا نے اسے ایک بار پھر اٹھانے کی

کوشش کی تھی صبح سے وہ کتنی بار اس کے پاس آچکی تھی لیکن وہ ہر بار کھانے سے انکار کر دیتی تھی۔ "بجو ایسا تو نہ کریں آپ کے سوا ہے ہی کون' بابا سارا دن اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں اور امی تو یوں جا سوئی ہیں جیسے ان کی بیٹیاں بہت بہادر ہیں' وہ اکیلے جی لیں گی۔ سفیان بھائی اپنی جگہ مجبور ہیں وہ کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔ آپ تو ہمت کریں بجو اٹھیں پلیز!" اس نے آگے بڑھ کر ثنا کو بلایا تھا' لیکن اس کے وجود میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی اس نے ثنا کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا جو بخار کی حدت سے جل رہی تھی۔ اس نے فون اٹھا کر جلدی سے صدیقی صاحب کا نمبر ملایا جو بزی جا رہا تھا۔ ثنا کی حالت دیکھ کر وہ بدحواس ہونے لگی تھی 'بابا کا نمبر مسلسل بزی جا رہا تھا اسے سفیان کا خیال آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ہشام! سفیان کو فون کرو نجانے کہاں رہ گیا ہے۔ میں نے کہا بھی تھا اسے کہ کارکنوں کے ساتھ پارٹی ورکر کا ہونا ضروری ہے اور دیکھو اس کی اس ذرا سی لاپروائی کی وجہ سے سارا کام الٹا ہو گیا ہے۔ یہاں دونوں طرف کے کارکن الجھ پڑے ہیں اور اس کا کچھ پتا نہیں ہے۔ الیکشن قریب ہیں اور ہم کوئی خون خرابہ افورڈ نہیں کر سکتے ہیں۔" وہ پریشانی میں یہاں سے وہاں ٹہل رہے تھے۔

"ابو میں کوشش کر رہا ہوں' لیکن اس کا نمبر آف جا رہا ہے۔" ہشام نے فون کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

"صدیقی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔" باہر کھڑے ملازم نے اندر آکر اطلاع دی تھی۔

"شیخ اپنے کارکنوں کو سنبھالو' بلاوجہ وہ بدنظمی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم نے اب تک اپنے کارکنوں کو سنبھالا ہوا ہے مگر ہم نے بھی انہیں اجازت دے دی تو نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔" صدیقی صاحب بنا لحاظ کیے اندر آئے تھے چہرے سے غم و غصہ صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

"ہم کوشش کررہے ہیں لیکن غلطی آپ کے کارکنوں کی بھی ہے ان کے اکسانے پر ہی ہمارے کارکن بھڑے ہیں۔" جواب ہشام نے دیا تھا۔

وہ ابھی کچھ کہنے ہی لگے تھے کہ بدحواسی میں بھاگتے ہوئے تابش اندر آیا تھا۔

"صدیقی انکل، جلدی چلیں ثنا کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ وہ اس وقت اسپتال میں ہے۔" اس نے اپنی سانس بحال کرتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا ہے میری ثنا کو!" صدیقی صاحب نے پاس رکھی میز کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ ثنا انہیں اپنی جان سے بھی زیادہ پیاری تھی اس کی چھوٹی سی تکلیف بھی انہیں اپنے دل پر محسوس ہوتی تھی۔ ہشام نے آگے بڑھ کر انہیں کرسی پر بٹھایا تھا۔ شیخ صاحب بھی حیرت سے کھڑے تھے۔

"مجھے لے کر چلو میری بیٹی کے پاس۔" انہوں نے تابش کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو، صدیقی تمہاری خود کی حالت بھی ٹھیک نہیں ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔" شیخ صاحب نے فوراً آگے بڑھ کر کہا۔ اسپتال میں پہلے سے موجود سفیان کو دیکھ کر شیخ صاحب کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا جبکہ ہشام اسے نا بتانے پر ڈانٹ رہا تھا۔

"بابا!" صدیقی صاحب کو سامنے دیکھ کر خود پر ضبط کیے بیٹھی سونیا ان کے سینے سے جا لگی تھی۔

"کیسی ہے ثنا؟" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"بابا، بجو کا نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوتے بچا ہے اگر سفیان بھائی انہیں یہاں نا لاتے تو آج نجانے کیا ہو جاتا۔" وہ روتے ہوئے انہیں ساری تفصیل سے آگاہ کررہی تھی۔ ان کا دل بیٹھا جارہا تھا یہ کیا کردیا میں نے اپنی انا کی وجہ سے اپنی بیٹی کو کھونے جارہا تھا ثنا کو دیکھتے ہوئے انہوں نے سوچا تھا۔ شیخ صاحب نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں دلاسا دینا چاہا تھا۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں صدیقی! آج ثنا کو اتنے عرصے بعد دیکھ کر یقین ہی نہیں آرہا کہ چند سالوں پہلے یہ ننھی سی گڑیا تھی۔ ماشاءاللہ بہت جلدی بڑی ہوگئی۔"

"وقت بہت جلدی بدل جاتا ہے شیخ اور پتا بھی نہیں چلتا کب اپنے پرائے ہوجاتے ہیں۔ مجھے تو وقت نہیں بھولتا جب میں تمہیں پیار سے "شیخا" پکارا کرتا تھا۔" صدیقی صاحب کی بات پر ان کا سر ندامت سے جھک گیا تھا۔

انہیں وہ وقت یاد آنے لگا جب وہ دونوں بہترین دوست ہوا کرتے تھے پھر نجانے کیوں انہیں سیاست کا جنون چڑھا اور انہوں نے صدیقی صاحب کے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی پارٹی جوائن کرلی اور پھر ضد اور انا میں آکر صدیقی صاحب نے بھی ان کی مخالف پارٹی کو جوائن کرلیا تھا۔ سفیان، ہشام، تابش سب ان دونوں کو یوں نرم لہجے میں بات کرتے دیکھ کر حیرت سے کھڑے تھے انہوں نے تو ہمیشہ ان دونوں کو ایک دوسرے پر گولہ باری ہی کرتے دیکھا تھا۔

"مجھے معاف کردو یار، نا میں ضد میں آتا اور نہ ہی ہم اپنا اور اپنے بچوں کا نقصان کرتے۔" شیخ صاحب نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ لیے تھے۔

"یار! غلطی صرف تمہاری نہیں میری بھی ہے مجھے بھی یوں تمہاری مخالفت میں نہیں آنا چاہیے تھا۔ جب ہمارا دین ایک ہے، ہمارا وطن ایک ہے، تو پھر کیوں ہم اپنا دل الگ کرلیتے ہیں، ایک دوسرے سے جیلیسی میں ہم سب مل کر اپنے ہی ملک کا نقصان کررہے ہیں۔ مجھے زندگی میں کتنی ہی بار یہ احساس ہوا کہ میں ٹھیک لوگوں کے ساتھ کام نہیں کررہا، لیکن ہر بار میں نے نظرانداز کردیا۔ صدیقی نے شرمندگی سے کہا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم ہم جانتے بوجھتے بھی برے لوگوں کا ساتھ دے رہے تھے اس ملک کو جتنا نقصان سیاست دانوں نے پہنچایا ہے اتنا کسی نے نہیں پہنچایا آج مل کر عہد کرتے ہیں کہ ہم اس ملک کے مفاد کے لیے لڑیں گے ایک دوسرے کی مخالفت میں نہیں۔" دونوں نے ہی گلے ملتے ہوئے دل سے عہد کیا

تھا پل بھر میں ساری کدورتیں سارے شکوے ختم ہو گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

"ثنا تم پہلے بیمار ہو جاتیں تو کتنی مشکلیں آسان ہو جاتی نا نہ تم مجھ سے ناراض ہوتیں اور نا ہی تمہیں مجھ پر غصہ آتا۔" سفیان نے اس کے بیڈ کے پاس رکھی چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ شاید بھول رہے ہیں سفیان بھائی کے ہر کام مقررہ وقت پر ہوتا ہے۔" جواب سونیا کی طرف سے آیا تھا۔

"اور شاید تم بھول رہی ہو کہ جب دو بڑے بات کر رہے ہوں تو چھوٹوں کو وہاں سے اٹھ کر چلے جانا چاہیے۔" سفیان کی بات پر وہ اسے ناراضی سے دیکھتی اٹھ کر چلی گئی۔

"ثنا میں جب بھی تم سے ملتا تھا تو ایسا لگتا تھا کہ جیسے تم سے کوئی پرانی شناسائی ہے۔ وہ تو آج پتا چلا کہ تم میرے ابا کے بچپن کے دوست کی بیٹی ہو۔ شاید یہی بات مجھے تمہارے قریب لے آئی۔ اللہ نے ہمارے ذریعے انہیں پھر سے ملا دیا۔" سفیان نے کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا جو خاموشی سے بس اسے دیکھ رہی تھی۔

"ثنا ناراض ہو؟" سفیان نے اسے یوں خاموش بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔

"اگر میں آج مر جاتی سفیان تو تمہارا کیا نقصان ہوتا۔" سفیان نے گہرا سانس لیتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"ثنا میں مانتا ہوں کہ میری بہت سی غلطیاں ہیں، لیکن تم میری محبت پر شک مت کرو۔ میں تمہارے لیے اپنا سب کچھ ہار دینے کو تیار تھا۔ میں تمہیں عزت کے ساتھ اپنے گھر لے جانا چاہتا تھا' اور اس کے لیے مجھے وقت درکار تھا۔ میں نے ہشام بھائی سے بات کی تھی وہ ابو کو قائل کر لیتے' لیکن اس سے پہلے ہی تم یہاں پہنچ گئیں اور تم نے سب کو ہی قائل کر لیا اور میری مشکل آسان کر دی' تمہیں پتا ہے ہر وقت میرے سر پر تمہیں کھو دینے کا خوف رہتا تھا' تم سے دور ہونے کا سوچ کر ہی جان نکلنے لگتی تھی۔" اس نے ثنا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ثنا نے اپنی مسکراہٹ روکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ جو نقشہ اس کا سونیا کھینچتی تھی' وہ بالکل اس پر پورا اتر تا تھا۔

"تم کچھ نہیں کہو گی؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ "پہلے ہمیشہ میں بولتی تھی اور تم خاموشی سے سنتے تھے آج صرف تم بولو میں خاموش رہوں گی۔" سفیان نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

"پوری زندگی یونہی بول بول کر تمہارا سر کھاؤں گا منظور ہے۔"

"ہاں منظور ہے۔" اس نے بھی مسکرا کر جواب دیا تھا۔ سفیان کو یوں اپنے پاس دیکھ کر اس کی ساری نقاہت ختم ہو گئی تھی۔ سارے ڈر دم توڑ چکے تھے۔ منزل سامنے تھی مسافر ساتھ تھا اب زندگی اور بھی پیاری لگنے لگی تھی۔

☆ ☆

مکمل ناول

ریحانہ آفتاب

پریشے! آج تمہیں اقرار کرنا ہی پڑے گا کہ تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے۔" ازہان حیدر کا لہجہ ضدی تھا۔ وہ آج ہر صورت اس ڈھکی چھپی محبت کا اظہار چاہ رہا تھا۔ سو مسائل میں گھری مجروح عزت نفس لیے رات کی تاریکی، سرد ہوا، دسمبر کی ہلکی پھوار سے زیادہ وہ ازہان کے سوال سے کپکپا رہی تھی۔ وہ آج جواب سنے بغیر ٹلنے والا نہیں لگ رہا تھا۔

پریشے نے پریشان نظروں سے ازہان کے چہرے کو دیکھا۔ لان کے نیم تاریک ماحول میں بھی اس کے چہرے سے اس کا اٹل ارادہ جھلک رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح سب سے جھڑکیاں کھانے کے بعد وہ اپنا غم غلط کرنے لان کے تاریک گوشے میں آئی تھی۔ یہ تاریک گوشہ اسے بہت عزیز تھا جس میں اس کے کئی خوب صورت اور اداس لمحے قید تھے۔ یہ وہ گوشہ تھا جو اس کے کمرے کی کھڑکی سے بھی صاف نظر آتا تھا۔

جانے کب ازہان اس تک آیا۔ وہ اس کے رونے کی وجہ پوچھ رہا تھا۔ ازہان حیدر اس کا تایا زاد تھا۔ بچپن سے اک دوسرے سے واقف.... دونوں ہی ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ ازہان نے کئی بار اظہار کیا۔ مگر وہ بغیر کسی تاثر کے اس کے لفظوں کا اثر زائل کر جاتی تھی۔

بن کہے وہ جان گیا ہمیشہ کی طرح اس کی تذلیل ہوئی ہوگی۔ وہ ہمیشہ سے اس کا طرف دار رہا تھا مگر اب بات حد سے بڑھنے لگی تھی۔ وہ اپنے اور اس کے رشتے کو کوئی مضبوط نام دے کر اسے اس گھر میں معتبر کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ پھر کوئی اس کی تذلیل کرتے سو بار سوچے۔

"پریشے مجھے جواب چاہیے.... بتاؤ.... تمہیں مجھ سے محبت ہے؟" ازہان نے اس کی کلائی پہ گرفت مضبوط کی۔

سرد ہوائیں، برستی پھوار اور ازہان کے ہاتھوں کا لمس پریشے کی ریڑھ کی ہڈی میں جیسے خون جم گیا تھا۔ شال اوڑھنے کے باوجود اس کی ٹانگیں بری طرح کپکپا رہی تھیں۔ برستی پھوار نے اچانک موسلادھار بارش کا روپ دھار لیا۔ پریشے بری طرح بوکھلا کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ چٹان کی سی سختی لیے اپنے سوال پر قائم تھا۔

"میرا ہاتھ چھوڑو، مجھے سردی لگ رہی ہے۔" پریشے کی آواز باقاعدہ کپکپا رہی تھی۔ یہ کپکپاہٹ بارش سے زیادہ ازہان حیدر کی نظروں کی مرہون منت تھی۔ ازہان حیدر نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ اور اس کی کلائی چھوڑ دی۔ دونوں کے چہرے چند ثانیے کی دوری پہ تھے۔ دونوں کے بیچ بارش کی بوچھاڑ تھی۔

"ہیٹر آن کر کے اپنے کمرے میں کمبل میں گھس جاؤ.... لیکن میں اس وقت تک یہاں رہوں گا جب تک تم اقرار نہ کرلو میری محبت کا۔" پریشے نے برستی بوندوں میں اس کا چہرہ دیکھنا چاہا وہ اس کے بھیگے چہرے پہ زیادہ دیر نظر نہ ڈال سکی۔ پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ شال تقریباً "بھیگ چکی تھی۔ شال اتار کر کرسی پہ پھیلاتے گیلے بالوں کو جھٹکتے کمرے کی گرم فضا نے کپکپاتی ہڈیوں کو آرام پہنچایا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے ازہان کو....؟" اس کی آنکھوں کی جنون خیزی یاد آئی تو اس نے جھرجھری لی۔

"نادان شخص غلط خواہش کر رہا ہے۔" وہ یاسیت سے بولتی آنکھوں میں آیا پانی پلکیں جھپک کر چھپانے لگی۔

"میں اقرار کروں.... ازہان کے سامنے.... جس بات کا اقرار میں اکیلے میں خود سے کرنے سے گھبراتی ہوں وہ میں اس کے سامنے کروں...." وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

"تائی جی کو بھنک بھی پڑ گئی تو وہ قیامت کر دیں گی۔ ازہان کو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ مگر میری چمڑی ادھیڑ دیں گی۔ پہلے تو شاید میں اظہار کر دیتی مگر اب...." وہ اپنی ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھنے لگی۔

"جانے تم ان میں بستے بھی ہو یا نہیں ازہان حیدر!" آنسو قطار در قطار بہنے لگے تھے۔ جانے کس جذبے سے اس نے پردہ سرکا کر کھڑکی کھولی تھی۔ تیز ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں کو اڑاتی کمرے میں ارتعاش سا کر گئی۔ وہ سرد ہوا سے کپکپا گئی۔ اس خیال سے وہ جا چکا

ہو گا اس نے ایک بار تسلی کے لیے اس گوشے کو دیکھا اس کی مخصوص بینچ سے کمر ٹکائے دائیں بائیں بینچ پہ ہاتھ رکھے اس کی نظریں تیز بوچھاڑ میں بھی اس کی کھڑکی پہ تھیں۔ جیسے اسے یقین تھا کہ یہ کھڑکی ضرور کھلے گی۔۔۔ پریشے دریچے پہ ہاتھ رکھے دیوار سے لگ گئی۔ اسے اس شخص کی دیوانگی سے ڈر لگنے لگا تھا۔ خون کو رگوں میں جما دینے والی سردی' برستی بارش میں بھی وہ ڈٹا ہوا تھا۔

"یا اللہ کیا کروں؟" خود کو سخت بے بس محسوس کر کے ڈرتے ڈرتے پردہ ہٹا کر اسے دیکھنے لگی۔

"بیمار ہو جائے گا۔" وہ لاچاری سے کبھی انگلیاں مروڑنے لگی کبھی بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ وقفے وقفے سے پردہ ہٹا کر ضرور دیکھتی وہ سابقہ انداز میں استادہ تھا۔

"ثابت کیا کرنا چاہتا ہے یہ شخص!" ازہان حیدر کی ہٹ دھرمی پہ اب اسے غصہ آنے لگا تھا۔

"پہلے ہی کم تکلیف دہ ہے زندگی جو اور اذیت دینے پہ تلا ہے یہ شخص!" اس کے غصے کا گراف بڑھتا جا رہا تھا۔ شال کرسی سے کھینچ کر شانوں پہ ڈالتی وہ تیزی سے کمرے سے نکلی۔ ازہان اسے خود تک بھاگ کر آتے دیکھتا رہا۔ بھاگ کر آتے ہوئے بھی وہ اچھی خاصی بھیگ چکی تھی۔ بارش پہلے سے تیز ہو گئی تھی۔ پریشے کے چہرے پہ غصہ تھا۔ شال زمین پہ جھول رہی تھی۔ وہ اس کے مقابل آکھڑی ہوئی۔ بجلی زور سے چمکی تھی۔ وہ ایک لمحے کو سہم سی گئی۔ ازہان کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ اسے قریب آتا دیکھ کر وہ سیدھا ہو گیا۔

"کیوں بے کار کی ضد کر کے مجھے اذیت دے رہے ہو۔" وہ سخت غصے میں تھی۔ وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"تمہیں کیوں اذیت ہونے لگی؟" وہ انجان بن کر پوچھنے لگا۔ پریشے نے کوئی سخت جواب دینے کے لیے منہ کھولا مگر ہونٹ کپکپا کر رہ گئے۔ ازہان حیدر نے اس کے ادھ کھلے لبوں پہ بارش کے گرتے قطروں کو دلچسپی سے دیکھا۔

"مجھ سے زیادہ خوش قسمت تو یہ بوندیں ہیں۔" وہ اسے سخت تیوروں سے گھورنا چاہ رہی تھی مگر بوندیں کھلی آنکھوں کو دیر تک کھلا نہیں رہنے دے رہی تھیں۔

"اندر جاؤ' بیمار پڑ جاؤ گے؟" چند لمحوں نے اس کے کس بل نکال دیئے تھے۔ اسے تو ٹھنڈا ہونے کو آیا تھا۔

"تمہیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" صاف جواب آیا۔

"ازہان یہ پاگل پن ہے' دشمنی کر رہے ہو خود سے۔۔۔!" وہ جیسے اس کے ارادے سے زچ ہو گئی تھی۔

"تمہارے ساتھ تو دشمنی نہیں کر رہا ناں' جاؤ اپنے کمرے میں اور نظارہ کرتی رہو پردے کے پیچھے سے میرے مرنے تک۔" وہ بہت بے رحم لگ رہا تھا۔ اس نے بے چارگی سے آسمان کی طرف دیکھنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔

موسم کے تیور۔۔۔ بادلوں کی گرج۔۔۔ بجلی کی چمک بتا رہی تھی کہ آسمان ساری رات برسنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وقفے وقفے سے بجلی چمکتی تو پل بھر کو ہر منظر روشن ہو جاتا۔ نیم تاریکی تھی جس سے لان کا آخری گوشہ خاصا خوفناک لگ رہا تھا۔

"پلیز ازہان جاؤ یہاں سے۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں!" اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ شال زمین بوس ہو چکی تھی۔ اس سرپھرے کو کیسے سمجھائے اسے سمجھ نہیں آرہا تھا۔ ازہان نے ایک نظر اس کے کپکپاتے وجود اور دوسری نظر شال پہ ڈالی۔ پھر جھک کر شال اٹھائی اور پیچھے سے لا کر اس کے شانوں پہ ڈال دی۔ وہ باقاعدہ کپکپا رہی تھی۔ جڑے ہاتھ تھرتھرا رہے تھے۔ ازہان کو اس پہ ترس آگیا۔

"جاؤ اپنے کمرے میں!" پریشے کے جڑے دونوں ہاتھ کھول کر اس نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ پریشے نے تنک کے شال شانوں سے جھٹک کر نیچے گرا دی۔

"نہیں' اب میں بھی تمہارے ساتھ کھڑی رہوں گی۔۔۔ بہت محبت ہے ناں تمہیں مجھ سے۔۔۔ یہ ہی ثابت کرنے کی کوشش کرنا چاہ رہے ہو ناں۔۔۔ تو ٹھیک

ہے کرو.... میں بھی ساتھ کھڑی ہوں صبح تک۔"
عرصہ بعد اذہان حیدر نے اس کا پرانا لب ولہجہ اور ضدی انداز دیکھا جواب صرف جی حضوری کے مخصوص فقروں پہ کھلنے لگے تھے۔ اذہان اس کے ضدی چہرے کو دیکھتے لب دبا کر مسکرایا۔
"میں تو محبت ثابت کرنے کو کھڑا ہوں.... تم کیا ٹائی ٹینک ڈبونے کا ارادہ رکھتی ہو؟" اذہان حیدر کا چہرہ سفید پڑنے لگا تھا۔ مگر وہ اس حالت میں بھی شوخی سے باز نہ آیا۔
"اگر تم اندر نہیں گئے تو بہت برا ہوگا!" اس کی دھمکی پہ وہ مسکرایا۔
"اس سے زیادہ برا کیا ہوگا پریشے کہ میں مسلسل ایک گھنٹے سے تم سے صرف اظہار سننے کا منتظر ہوں اور تم.... بہت بے حس لڑکی ثابت ہو رہی ہو۔ کس سے ڈر ہے تمہیں....؟ کس کی نظریں تم پہ گڑی ہیں جو تمہارے لبوں پہ قفل پڑ گئے ہیں۔ اک عرصہ سے جو محبت بن کہے ہم دونوں کے اندر پنپ رہی ہے تمہارے اندر اس کا اقرار کرنے کا حوصلہ نہیں.... میں تمہیں اتنا بزدل نہیں سمجھتا تھا۔" اس کے شانوں کو جھنجوڑ کر کہتے اس نے باتوں کے اختتام پہ اسے ہلکا سا دھکا دیا تھا۔ جیسے اس کی خاموشی اسے توڑ رہی ہو۔ اور جب بولا تو درد اس کے لہجے سے جھلکنے لگا۔
"میں ساری رات اس سرد بارش کا مقابلہ کر سکتا ہوں مگر مجھے دکھ ہو رہا ہے اپنی خوش فہمی پہ۔ تمہیں جاننے کا دعوا تھا۔ یقین تھا کہ تم مجھ سے زیادہ محبت کرتی ہو۔ مگر...." وہ دو قدم قریب آکر چپ سا ہو گیا۔ پریشے نے پانی کی چادر کے پار اس کے ہارے ہوئے چہرے کو دیکھا۔
"بہت بزدل ہو تم!" اس گھڑی پریشے کو اس کا دیا دھکا چراغ پا کر گیا تھا۔ وہ عین اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔
"ہاں ہوگئی ہوں میں بزدل۔ قفل لگ گئے ہیں میری زباں پہ اور یہ قفل کیوں لگے تم اس سے انجان نہیں ہو۔ اپنے باپ کے گھر میں کیسی زندگی گزار رہی ہوں اس سے بھی تم بہت اچھی طرح واقف ہو۔ یہاں میرا کوئی نہیں ہے۔ جو میرے لیے زبان کھول سکے۔ اور تم۔ مجھ سے اظہار سننے کے متمنی ہو۔ ہاں ہوگئی ہے تم سے محبت۔ بچپن سے کرتی آرہی ہوں.... لیکن اب.... ہوگئی تسلی تمہاری.... کیا کرو گے اب.... بولو.... ہوگئی تمہاری ضد پوری...." جوش جذبات میں وہ جملہ اس کے لبوں سے نکل ہی گیا اگر اسے اذہان کی فکر نہ ہوتی تو شاید وہ یہ اقرار کبھی نہ کرتی۔ پریشے کے آنسو بہنے لگے تھے۔ جو بارش کی بوندوں سے مدغم ہو کر بھی اذہان سے مخفی نہ رہ سکے۔
وہ اپنے ہی گھر میں غیروں والا سلوک برداشت کر رہی تھی اور اب وہ ٹوٹنے لگی تھی۔ اذہان کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بدلے تھے۔ وہ اس بھرے پرے گھر میں بہت تنہا بہت اکیلی لگ رہی تھی۔ اذہان نے بازوؤں سے پکڑ کر اسے قریب کیا۔
"تمہیں پہلے چپ رہنے کی ضرورت تھی اور اب تو بالکل بھی نہیں۔ میں جلد ہی تم سے شادی کروں گا اور پھر کسی کی ہمت نہیں ہوگی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی۔" پریشے بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اپنا سگا باپ جو نئی بیوی کو پا کر اسے فراموش کر گیا تھا۔ اور وہ جو کزن تھا دل میں بستا تھا وہ اسے عزت و مان دلوانے کی بات کر رہا تھا اس کے اپنے ہی گھر میں۔
"بھروسا ہے مجھ پہ؟" اذہان نے یقین کے ساتھ اس سے پوچھا نامساعد حالات کے رحم و کرم پہ پڑی پریشے کا دل گداز ہو گیا۔ اتنے مان، محبت پہ وہ پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی۔ بمشکل اثبات میں سر ہلاتے وہ رو رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا بھیڑ میں کسی اپنے کی شکل نظر آگئی ہو۔ اذہان کو یہ سہمی تنہا لڑکی اسے جان سے زیادہ عزیز تھی۔ سردی سے کپکپانے کے باوجود وہ پرسکون ہوگئی تھی۔ اذہان حیدر نے مان و اعتبار کی چادر اس کے سر پہ ڈال کر محبت کے حصار میں قید کر لیا تھا۔ بجلی زور سے چمکی تھی اک لمحے کے لیے سارا لان روشن ہو گیا تھا۔ کسی نے اس منظر کو بغور دیکھا تھا۔
اذہان حیدر نے اسے نرمی سے کہا۔

"لڑکی اب اندر جاؤ۔ ورنہ قلفی جم جائے گی۔ کس بری طرح کپکپا رہی ہو۔" ازہان اسے دیکھ رہا تھا۔ پریشے کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس نے ٹھوڑی اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ وہ نظر چرا گئی۔ مسکراتے ہوئے ازہان نے نیچے پڑی شال اٹھائی تھی۔ شال اچھی طرح جھٹک کر اس کے وجود پہ ڈال دی۔ نرمی سے اس کی ہتھیلی تھام کر راہداری کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

ازہان حیدر ہاتھوں کو آپس میں رگڑتا کچن میں داخل ہوا تھا۔ بلیک جینز پہ اس نے گرے ہائی نیک پہن رکھی تھی۔ کچن میں پریشے کو دیکھ کر اسے خوش گوار حیرت ہوئی۔ اس نے بھی کپڑے تبدیل کر لیے تھے۔ گرے سوٹ پہ بلیک شال اس کے شانوں پر پڑی تھی۔ خوب صورت سے اظہار کے بعد ازہان حیدر کو اتنی جلدی اسے دوبارہ دیکھنا رگوں میں طمانیت سی دوڑا گیا تھا۔

"دل سے دل کو راہ غالباً" اسے ہی کہتے ہیں۔ مجھے کافی کی طلب کھینچ لائی اور تم کافی ہی بنا رہی ہو۔ واؤ!" اس کی آواز پہ پریشے نے بے ساختہ گردن گھما کر دیکھا تھا۔ وہ آنکھوں میں نئی چمک لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے کا منظر یاد کر کے وہ اس کی نظروں کا مقابلہ نہ کر سکی۔

"کچن کا کام باقی تھا وہ کر رہی تھی۔ سب نے چائے کی فرمائش کی تھی وہ دے آئی ہوں سب کو۔" پریشے نے کافی میں دودھ انڈیلتے ہوئے کہا۔ سب لاؤنج میں بیٹھے گپیں لگا رہے تھے۔ یہ اس نے دیکھ لیا تھا۔

"سب کا خیال ہے میرا نہیں۔" اسے ستانے کو بولا۔ لہجے میں مصنوعی خفگی در آئی نظر کچن کی کھڑکی سے باہر جمادی جہاں اب بھی زوروں کی بارش ہو رہی تھی۔

"جانتی ہوں، تمہیں سردیوں میں چائے سے زیادہ کافی پسند ہے۔ میں دینے ہی آ رہی تھی۔" پریشے نے اس کی خفگی کو سنجیدگی سے لیا کہ شاید وہ نظر انداز ہونے پہ خفا ہو گیا ہے۔ اسے پریشے کے ہاتھ کی کافی بہت پسند تھی اور وہ اسی سے بنوا کر پیتا تھا۔ کافی کے مگ کے ساتھ پریشے نے بوائل انڈے بھی سامنے رکھے۔ ازہان نے استفہامیہ بھری نظر ڈالی۔

"اس سے سردی لگنے کا خطرہ کم ہو جائے گا۔ گھنٹوں بارش میں خوار ہوئے ہو۔" دوسری چیئر پہ بیٹھ کر وہ انڈوں سے چھلکا اتارنے لگی۔

"خوار!" پریشے کی کرسی پہ بازو دراز کیا۔ لہجے میں حیرت در آئی۔

"بیسٹ ٹائم اور سین تھا وہ میری زندگی کا جس میں اک ڈرپوک لڑکی نے اقرار کرنے میں دیر لگا دی۔" پریشے کے چہرے پہ گلابی پن چھلکنے لگا تھا۔ لبوں پہ شرمیلی مسکان پھیل گئی۔ وہ دلچسپی سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"بیٹھو نا ساتھ کافی پیتے ہیں۔" انڈوں کو چھری کی مدد سے دو دو حصوں میں تقسیم کر کے اس پہ نمک اور کالی مرچ چھڑک کر پلیٹ اس کی طرف کر کے اٹھ گئی۔ ازہان حیدر نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کوئی آجائے گا پلیز!" پریشے نے خدشہ ظاہر کیا۔ اور اس کا خدشہ بے جا بھی نہیں تھا۔ قدموں کی چاپ پر پریشے تیزی سے اپنا ہاتھ چھڑا کر چولہے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

حمیرا نے کچن کی دہلیز پہ کھڑے کھڑے اندر کا منظر ملاحظہ کیا۔ پریشے کاؤنٹر صاف کر رہی تھی۔ ازہان حیدر کافی کے سپ لے رہا تھا۔

"تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟" حمیرا کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"کچن میں کرکٹ تو کھیلنے سے رہا خالہ جانی!" ازہان حیدر کا لہجہ تیکھا ہو گیا۔

"وہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں۔ کافی تم سب کے ساتھ لاؤنج میں بھی پی سکتے تھے۔" حمیرا کی شاطر نظریں پریشے کی پشت کو گھور رہی تھیں۔ اس نے دانستہ اپنا رخ پھیر رکھا تھا۔ مبادا محبت کا نرم گرم عکس

چہرے سے چھلک نہ جائے۔

"یہاں کیا پریشانی ہے؟" ازہان حیدر کو ان کی تفتیشی نظریں غصہ دلا رہی تھیں۔

"اتنی رات کو تم دونوں اکیلے کچن میں، میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ عجیب ہی محسوس کرتا۔" حمیرا نے ڈرائی فروٹ کا جار نکالتے معصومیت سے کہا۔ ازہان حیدر بھڑک گیا۔

"نہ پریشے اس گھر میں سال بھر پہلے آئی ہے نہ میرا اور اس کا رشتہ کسی سے ڈھکا چھپا ہے۔" اس کے سخت تیوروں سے حمیرا سنبھلیں باتوں باتوں میں وہ انہیں سال بھر پہلے آنے کا جتا چکا تھا۔

"بہتر ہوگا میرے اور پریشے کے متعلق بولنے سے پہلے آپ آئندہ سوچ لیجیے گا۔" ایڈا ختم کر کے ازہان نے ذرا زور سے پلیٹ پرے کی تھی۔ حمیرا اس کے مزاج سے آگاہ تھیں۔ اسے غصہ جلدی آجاتا تھا۔ پریشے چپ کھڑی تھی۔ اسے حمیرا کی چلتر زبان اور مکار آنکھوں سے ویسے ہی بہت خوف آتا تھا۔

"ناراض کیوں ہو رہے ہو اپنی خالہ جانی سے، میرا ارادہ تمہارے کردار پہ شک کرنا تھوڑی تھا۔ میں تو احساس دلا رہی تھی کہ لاکھ تم دونوں بچپن سے ساتھ ہو۔ ایک گھر میں پلے بڑھے ہو مگر ہو تو تم ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہی نا۔" حمیرا بلاشبہ لفظوں کا جال بننے میں ماہر تھیں۔ مگر وہ بھول گئی تھیں مقابل بھی ازہان حیدر تھا۔

"تم کیوں سزا کے لیے کھڑی ہو۔ کام ہوگیا نا تمہارا۔ جاؤ آرام کرو!" ازہان کو پریشے کی اداس صورت پہ رحم آیا۔ پریشے ایسے ہی کسی اشارے کی منتظر تھی۔ اس نے جھٹ سے اپنا مگ اٹھالیا۔

"نامحرم کی بھی آپ نے خوب کہی خالہ جانی.... اگر اس گھر میں پریشے کے لیے کوئی واقعی نامحرم ہے تو وہ شرجیل ہے جسے آپ جہیز میں ساتھ لے کر آئی ہیں۔" پریشے نے ازہان حیدر کے سخت جملے سنتے قدموں کی رفتار بڑھادی تھی۔ حمیرا کو سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی تھی۔ مگر وہ کچھ بول نہ سکیں۔ ازہان حیدر نے اک نظر ان کے تنے چہرے کو دیکھا اور اپنا مگ اٹھا کر کچن سے نکل گیا۔

✡ ✡ ✡

ازہان حیدر، حمیرا کی بہت عزت کرتا تھا۔ وہ اس کی اکلوتی خالہ جانی تھیں۔ پچھلے سال ہی میاں سے طلاق لے لی تھی۔ ان کے تین بچے تھے۔ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا۔ ایک بیٹی شادی شدہ تھی۔ دوسری بیٹی پریشے کی ہم عمر تھی۔ اور ان سے بڑا شرجیل تھا۔ طلاق لیتے نہ انہوں نے جوان بچوں کا سوچا تھا نہ اپنی عمر کا۔ سونے پہ سہاگا۔ پریشے کی ماں فاطمہ کے منظر سے غائب ہوتے سحرش نے حمیرا کی عدت کے پورے ہوتے ہی دیور سے بہن کا نکاح طے کر دیا۔ جس کی سب سے زیادہ مخالفت ازہان حیدر نے کی تھی۔ پریشے کے والد بیوی کے گھر سے بھاگنے پہ جیسے ٹوٹ گئے تھے۔ ایسے میں جب بڑی بھابھی سحرش نے اپنی بہن سے عقد کرنے کا کہا تو وہ انکار نہ کر سکے۔ اس گھڑی انہیں ٹوٹتی بکھرتی پریشے کا بھی خیال نہ آیا جو ماں کے گھر سے بھاگنے کا طعنہ تائی اور ان کی بہن سے سن سن کر چھپتی پھرتی تھی۔ باپ کے نکاح کا سن کر گویا بولنا ہی بھول گئی۔

حیدر صاحب شروع سے سحرش کی مٹھی میں تھے اور جب چھوٹا بھائی احسن خود ان کی سالی سے عقد ثانی چاہ رہا تھا تو وہ کیوں انکار کرتے۔ ازہان حیدر کا احتجاج بے کار گیا۔ اور حمیرا جو اس کی خالہ جانی تھیں اپنی بیٹی نمرا اور شرجیل کے ساتھ ان کے بنگلے میں چلی آئیں۔ وہ پریشے کے چپ رہنے پہ بھی بہت غصہ ہوا تھا۔ مگر فاطمہ کے بعد سے اس میں بہت تبدیلی آئی تھی۔ وہ جو اس بڑے سے گھر میں ہنستی کھلکھلاتی فاطمہ سے ناز اٹھواتی آئی تھی اب اس گھر کی ملازمہ بننے لگی تھی۔ سحرش نے تو گھٹنوں کے درد کا بہانہ بنا کر عرصہ سے کچن سے کنارہ کشی کرلی تھی۔ فاطمہ نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ گھر میں کئی ملازم تھے۔ ایسے میں فاطمہ خود آگے بڑھ کر ہر کام کر لیتی تھیں۔ ازہان چاچی کے بہت قریب تھا۔ پریشے کے ساتھ وہ ازہان حیدر کے بھی

نخرے اٹھاتی تھیں۔ لیکن جانے کیسی ہوا چلی کہ ایک دن فاطمہ گھر سے ضروری چیزیں لینے نکلیں تو لوٹ کر نہیں آئیں۔ تکیہ کے نیچے سے ان کا خط مل گیا تھا۔ جس میں انہوں نے اپنی مرضی سے گھر سے جانے کا اعتراف کیا تھا۔ وہ اپنی پہلی محبت کو بھلا نہ پائی تھیں۔ احسن صاحب سے شادی ان کے والدین نے کروائی تھی اور اب ان کا مجنوں لوٹ آیا تو وہ بھی اس کے پاس لوٹ گئی تھیں۔

پریشے کو ماں کی ــــ لکھی تحریر پڑھ کر بھی یقین نہیں آیا تھا۔ یقین تو اذہان حیدر کو بھی نہیں تھا۔ پاک صاف' پانچ وقت کی نماز پڑھنے والی فاطمہ جس کے گود میں پل کر وہ بڑا ہوا تھا۔ لاڈ سے کتنی ہی فرمائشیں کرتا تھا اور وہ ماتھے پہ شکن لائے بغیر پوری کردیتی تھیں۔ اسے کبھی ان کے انداز سے شک نہیں ہوا تھا۔ احسن صاحب نے دوبارہ گھر میں فاطمہ کا نام لینے پہ پابندی لگادی تھی۔ اذہان انہیں سمجھانا چاہتا تھا۔ مگر ان کی مردانگی پہ بات آگئی تھی۔ وہ کچھ سمجھنا نہیں چاہتے تھے۔ حیدر صاحب نے گھر کے معاملات میں کبھی دخل نہیں دیا تھا۔ سو اب بھی چپ رہے۔ اذہان نے اپنے تئیں فاطمہ کو ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر وہ زیادہ دیر اس فیصلے پہ قائم نہ رہ سکا۔ گھر میں تیزی سے آتی تبدیلی نے اسے اس طرف زیادہ دھیان دینے نہ دیا۔ حمیرا جو پہلے خالہ تھیں اب وہ چاچی کی جگہ لینے آگئی تھیں۔ اس کی خالہ زاد نمرا جو اپنے بے باک انداز سے اسے پہلے ہی ناپسند تھی اب زہر لگنے لگی۔ ایک ہی گھر میں رہ کر وہ اس سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور پھر شرجیل جو اس کا ہم عمر ہونے کے باوجود کبھی دوست نہ بن سکا اور ان سب سے زیادہ پریشے جس کی حالت دن بہ دن خراب ہوتی جارہی تھی۔

فاطمہ کے بعد گھر کی ذمہ داری پریشے کے کندھوں پہ خود بخود آگئی۔ نمرا اور حمیرا اس پہ حکم چلانا فرض سمجھتیں اکثر سحرش کے بھی ہتھے چڑھی رہتی۔ ایسے میں ماں کے بھاگنے کا غم اور گہرا ہوتا جارہا تھا۔ حمیرا نہایت ہوشیار عورت تھیں انہوں نے احسن صاحب کو اس انداز سے مٹھی میں لیا تھا کہ وہ اکلوتی بیٹی سے غافل سے ہوگئے تھے۔ حمیرا برین واش جو کرتی رہتی تھیں کہ ماں کی طرح بھاگ ناجائے کیا عزت رہے گی آپ کی معاشرے میں پہلے کم تھو تھو ہورہی ہے۔ وہ گریجویشن کررہی تھی۔ حمیرا چاہتی تھیں اس کا کالج جانا ختم ہوجائے مگر اس وقت اذہان ہی تھا جس نے یہ کہہ کر ان کے ارادوں پہ پانی پھیر دیا تھا کہ "نمرا بھی تو کالج جاتی ہے۔ اس کا بھی بند کروائیں۔"

"اس کی ماں پریشے کی ماں کی طرح گھر سے بھاگی نہیں ہے۔" حمیرا تلملا گئی تھیں۔

"رازوں سے تو صرف اللہ ہی واقف ہے۔ اور ہر راز وہ ہی کھولے گا۔ میں مان نہیں سکتا کہ فاطمہ چاچی نے ایسی گھٹیا حرکت کی ہے۔"

"تمہارے نا ماننے سے حقیقت بدل جائے گی کیا؟" سحرش نے پریشے کو گھورتے ہوئے کہا۔

"بالفرض اگر ایسا ہوا بھی ہے تو اس میں پریشے کا کیا قصور...... اس کی تعلیم کیوں روکی جائے۔" اذہان نے سحرش کی طرف رخ کیا۔

"پریشے کی ماں بھاگی ہے اسے سزا ملنی چاہیے تو پھر خالہ جانی نے بھی تو بڑھاپے میں' جوان بچوں کے ہوتے نہ صرف طلاق لی سابقہ شوہر سے بلکہ عدت پوری ہونے کے اگلے روز احسن چاچو سے نکاح بھی پڑھالیا۔ نمرا کو بھی تو سزا ملنی چاہیے نا جیسے فروا آپی (حمیرا کی شادی شدہ بیٹی) اپنی ماں کی حرکتوں پہ سسرال میں ذلیل ہورہی ہیں۔" اذہان حیدر کے آئینہ دکھانے پہ سحرش اسے گھورنے لگیں۔ حمیرا کا بس نہیں چل رہا تھا وہ پریشے کو کچا چبا جائیں جس کی وجہ سے انہیں یہ باتیں سننا پڑ رہی تھیں۔

"اپنی زبان کو لگام دو اذہان!" سحرش گھر کنا نہ بھولیں۔

"گستاخی معاف مام! مگر مجھے سچ بولنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔" اذہان حیدر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ چلتے چلتے وہ اڑے اڑے جو اس لیے پریشے کے پاس رکا۔

"اگر تمہارے ساتھ کوئی زیادتی ہو اور تم اپنے لیے آواز

نہ اٹھا سکو تو تم بھی اس گھر سے بھاگ جانا تاکہ اپنی پسند کی زندگی تو گزار سکو۔" اذہان حیدر کی آواز سب کے کانوں تک آئی تھی۔ پریشے مزید متوحش نظر آنے لگی۔ اذہان حیدر چلا گیا تھا۔

"کیا تماچا مار کے گیا ہے آپ کا بھانجا!" نمرا بھی تمسخر اڑاتی چلی گئی تھی۔ کہیں نہ کہیں وہ بھی حمیرا کے اس عمر میں نکاح پہ برگشتہ تھی۔ کتنا مذاق اڑایا تھا اس کی سہیلیوں نے یہ سن کر۔ حمیرا نے شکایتی نظریں سحرش پہ جمادیں۔

"میں کروں گی حیدر سے بات۔ وہی ٹھیک کریں گے اذہان کو۔" سحرش نے تسلی دی۔ اور ان کی شکایت لگانے پہ ہمیشہ کی طرح گھر کے معاملات میں دخل نہ دینے والے حیدر نے سارا ماجرا سن کر کہا تو صرف اتنا۔

"اگر پریشے پڑھنا چاہتی ہے تو پڑھنے دو۔ اذہان نے کچھ غلط طرف داری بھی نہیں کی۔" سحرش انہیں بھی گھور کے رہ گئی تھیں۔ اس مسئلے کا لب لباب یہ نکلا کہ پریشے کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ اذہان اکثر اسے آواز اٹھانے پہ اکساتا تھا مگر فاطمہ کا دیا زخم اس کے لیے ناسور بنتا جا رہا تھا۔ "جیسی ماں ویسی بیٹی" کے خوف ناک بھوت نے اس کی ساری خوداعتمادی کو نگل لیا تھا۔ وہ جو بہت زندہ دل، اپنی بات پہ قائم رہنے والی تھی اب اس کی زبان اپنے حق کے لیے بھی نہیں کھلتی تھی۔ خاموشی، تنہائی اس کی ذات کا حصہ بننے لگی۔ شرجیل کی نظروں اور باتوں سے سہمی چڑیا بن گئی تھی۔ کام کے وقت سب کو اس کی یاد آتی تھی وہ اپنے ہی گھر میں ملازموں کی زندگی جینے پہ مجبور ہوگئی تھی۔

کالج سے آکر کام میں لگتی تو رات گئے گھر کی لائٹس بند کر کے فارغ ہوتی تھی۔ صبح کا ناشتا۔ حمیرا یا نمرا بناتی تھیں اس پہ بھی ان کا منہ سیدھا نہیں ہوتا تھا۔ ان کی طنزیہ باتوں سے تنگ آکر اس نے سویرے اٹھ کر کالج جانے سے پہلے کئی امور انجام دینا چاہا مگر اذہان نے اسے بری طرح جھاڑ دیا تھا۔

"تمہیں ماسی بننے کا اتنا شوق ہے تو کسی اور کے گھر نوکری کرلو۔ جہاں تمہیں سیلری بھی ملے گی۔ یہاں بن پیسے کے کیوں ہلکان ہو رہی ہو۔" وہ اس کی خاموشی پہ چڑنے لگا تھا۔ اس کے ساتھ زیادتی پہ کڑھنے لگا تھا۔ دونوں ہی آگاہ تھے کہ وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور اب اذہان حیدر اس کا اقرار سننا چاہتا تھا۔ پریشے جو اپنا اعتماد ایک سال میں تقریباً" کھو چکی تھی۔ اس نے اپنے لیے سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے لیے اذہان کی محبت کا اقرار آسان نہیں تھا، مگر اذہان کتنا ضدی ہے یہ بھی وہ جانتی تھی اور اس نے اپنی ضد منوا کر ہی دم لیا تھا۔ پریشے کی روکھی پھیکی زندگی میں جیسے رنگ بھرنے لگے تھے۔

✡ ✡ ✡

لاؤنج میں سحرش، حمیرا، نمرا اور شرجیل سر جوڑے بیٹھے تھے۔ پریشے کالج سے لوٹی تھی۔ اس نے سب پہ مشترکہ سلامتی بھیجی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔

"سب کو بھوک لگ رہی ہے جلدی سے دوپہر کی ہانڈی بنالو۔" سحرش نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ یونیفارم میں بے ریا چہرے کے ساتھ وہ بہت پرکشش لگ رہی تھی۔

"جی تائی جان بناتی ہوں پہلے چینج کرلوں۔" وہ ہامی بھر کر چل دی۔

"اس کے رنگ ڈھنگ کچھ بدلے بدلے لگ رہے ہیں۔" نمرا نے اس کے آسودہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "کہاں تو ہر وقت چہرے پہ بارہ بجے رہتے تھے۔" نمرا نے ہی سب کو دھیان دلایا۔ پریشے کی سماعت سے نمرا کا جملہ ٹکرایا تھا۔ یہ سچ تھا کہ اذہان سے کیے اقرار کے بعد سے وہ آسودہ سی ہوگئی تھی۔ ہر گھڑی اذہان حیدر ایس ایم ایس، کال کے ذریعے اس کی تنہائی اور اداسی میں محبت کا رنگ بھرنے لگا تھا۔ اسے یقین تھا اذہان کے نام سے جڑ کر وہ پھر سے اس گھر میں معتبر ہوجائے گی۔ پھر اذہان کی محبت اس کے ساتھ کا مان ہی تھا جو اب ان کی باتیں اسے زیادہ ڈسٹرب نہیں کرتی تھیں۔ ورنہ تو وہ خود کو تنہا جان کر ہمیشہ تکیہ بھگوتی رہتی

تھی، لیکن اب۔۔۔ اذہان کی دھیمی سرگوشی۔۔۔ کسی نہ کسی بہانے اس کا خیال رکھنا اسے پرسکون کرتا جارہا تھا اور اب یہ تبدیلی باقیوں کو بھی محسوس ہونے لگی تھی۔ پریشے نے خود کو پہلے سے زیادہ محتاط رہنے کا درس دیا۔ چینج کر کے آئی تو وہ دوبارہ سر جوڑے بیٹھے تھے اسے دیکھ کر سب اک دم سے چپ ہوگئے۔ وہ خجل سی ہوگئی۔

"دستر چھیل کر رکھے ہیں۔ مٹر آلو پلاؤ بنالو۔ رائتا سلاد بھی بنالینا اور کباب بھی تل لو۔" حمیرا نے اسے دیکھتے ہی لنچ کا مینو گوش گزار کیا۔ وہ جلد سے جلد شرجیل کی نظروں سے ہٹنا چاہتی تھی۔

شرجیل شروع شروع میں حمیرا کے احسن صاحب سے نکاح پہ ناراض تھا۔ وہ دوست کے گھر چلا گیا تھا۔ ایک دن ماں کے بہت اصرار پہ ملنے آیا تو اس کا سامنا پریشے سے ہوا۔ سالوں بعد اسے دیکھا تھا اور دیکھتا رہ گیا تھا۔ پریشے بھی اذہان حیدر کے کزن ہونے کے ناتے اس سے واقف تھی، مگر جب وہ مستقل یہاں رہنے لگا تو پریشے کو الجھن ہونے لگی۔ وہ اس کی نظروں اور چھچھوری باتوں سے خوف زدہ رہنے لگی تھی، مگر مجبوری تھی کہ وہ کس سے شکایت کرتی!

مٹر آلو پلاؤ دم پہ تھے۔ رائتا بنا کر فریج میں رکھ چکی تھی۔ کباب پین میں فرائی ہو رہے تھے۔ وہ تیزی سے سلاد کاٹ رہی تھی۔ اذہان حیدر اس وقت آفس میں ہوتا تھا۔ اس کا ٹیکسٹ آیا تھا۔ کالج سے لوٹ آنے کے متعلق استفسار کر رہا تھا۔

"میں بھی کھاؤں گا مٹر پلاؤ!" کیا کر رہی ہو کے جواب میں اس نے لنچ سے متعلق بتا دیا تھا۔ مینو سن کر اس کے منہ میں پانی آگیا۔ وہ جانتی تھی اس کی فیورٹ ڈش ہے۔

"آجاؤ لنچ پہ۔" پریشے نے مسکراتے ہوئے جواب لکھا تھا۔

"نہیں یار انٹرویو چل رہا ہے۔ امیدوار باہر انتظار کر رہے ہیں۔۔۔ تم کسی ملازم کے ہاتھ بھجوادو۔" اذہان حیدر نے مجبوری بتا کر حل بھی پیش کر دیا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے، لیکن تائی جان کو خود کال کر کے کہہ دو۔۔۔ میں نہیں کہہ سکتی۔" پریشے نے اپنی پوزیشن بتائی۔ وہ اپنی مرضی سے ملازم کو کھانا لے کر آفس بھیجتی تو بات کھلنے پہ یقیناً اسے سب کی معنی خیز نظروں کا سامنا کرنا پڑتا۔

"بہت ڈرپوک ہو۔ اوکے کر دیتا ہوں بام کو کال۔۔۔ اب میں انٹرویو لے لوں۔۔۔ امیدوار سہمی نظروں سے مجھے ہی دیکھ رہا ہے۔" ٹیکسٹ پڑھ کر پریشے مسکرانے لگی۔

"واہ خوشبو تو بڑی اچھی آرہی ہے۔" شرجیل ناک سکوڑتا کچن میں داخل ہوا تھا۔ پریشے اک لمحے کو ڈر سی گئی۔ سیل فون سائیڈ پہ رکھ کر اس نے چاولوں کا دم چیک کیا۔

"تم اتنے مزے کے کھانے بناتی ہو کہ جی چاہتا ہے تمہارے ہاتھ چوم لوں۔" شرجیل نے مکروہ مسکراہٹ سے اس کے ہاتھوں کو دیکھا۔ پریشے سہم کر برتنوں کے ریک کی طرف بڑھی۔

"آ۔۔۔ آپ سب کو بلالیں۔ کھانا تیار ہے۔" اسے الجھن ہونے لگی۔

"آجائیں گے سب بھی۔۔۔ تم اتنا ڈرتی کیوں ہو مجھ سے۔" شرجیل آگے بڑھا تھا۔ وہ الٹے قدم پیچھے ہٹی۔ بے دھیانی میں کہنی گرم توے سے ٹکرا گئی جس کے اوپر چاولوں کی پتیلی تھی۔ وہ کراہ کے رہ گئی۔

"دکھاؤ کیا جلا لیا ہاتھ۔" شرجیل نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا۔

"پیچھے ہٹیں۔ اگر آپ نے مجھے ہاتھ لگایا تو میں شور مچادوں گی۔" پریشے نے اسے دھمکی دی۔ شرجیل نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ نمرا ٹھیک کہہ رہی تھی وہ واقعی بدل رہی تھی۔ ورنہ پہلے تو ادھر ادھر ہو جاتی تھی اور اب باقاعدہ دھمکی دے رہی تھی۔

"تیرے شور مچانے سے کیا ہوگا، میں نے کون سا تیرا دوپٹا کھینچا ہے یا تیری عزت پہ ہاتھ ڈالا ہے۔" شرجیل ہنسا۔ پریشے کو اس کی باتوں اور نظروں سے گھن آنے لگی۔ وہ اس کے منہ لگنا نہیں چاہتی تھی۔

تب ہی تیز آواز سے سب کو کھانے کے لیے بلانے لگی۔

"تائی جان کھانا لگ گیا ہے۔" اس نے اونچی آواز سے کہتے ڈائننگ میز پہ برتن لگانا شروع کر دیے کہ وہ اپنا کام انجام دیے بغیر یہاں سے جا نہیں سکتی تھی۔

"پر نکلنے والے ہیں تیرے۔ بڑی اکڑ رہی ہے۔" شرجیل جانے کیوں مسکرانے لگا۔ عجیب پراسراریت تھی اس کے انداز میں۔ پریشے کا جی چاہا اسے دھکے دے کر نکال دے، مگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ خاموشی سے ازہان حیدر کے لیے کھانا پیک کرنے لگی۔ آگے پیچھے سحرش، حمیرا اور نمرا بھی چلی آئیں۔

"پریشے! ازہان کا کھانا پیک کردو... ملازم دے آئے گا آفس کال آئی تھی اس کی... میری تو سمجھ میں نہیں آرہا اسے کیسے الہام ہو گیا کہ آج اس کا پسندیدہ کھانا بنا ہے۔" سحرش سنک میں ہاتھ دھوتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ پریشے اپنی جگہ چور سی بن گئی۔

"ادھر کال آئی اور ادھر کھانا بھی پیک تیار ہے۔" حمیرا نے سحرش کی توجہ پیک ڈبے کی طرف دلائی۔

سچ ہے عشق اور مشک چھپتے نہیں۔ پریشے خود کو کوس کے رہ گئی کیا ضرورت تھی پہلے پیک کرنے کی...! اس نے سوچا تھا اگر ازہان مصروفیات میں کال کرنا بھول گیا تو اسے افسوس ہوگا۔ اس نے سوچا تھا نظر بچا کر ملازم کو کھانا دے دے گی، مگر اس سے پہلے ہی پکڑی گئی تھی۔ سحرش کی کھوجتی نظریں پریشے پہ تھیں نمرہ کے چہرے پر تنفر تھا۔ شرجیل البتہ بے نیاز کھانے میں مصروف ہو گیا تھا۔

"ازہان کا میسج آیا تھا۔ اسے پتا ہے کھانا میں بناتی ہوں تو اس نے پوچھا تھا۔ مینو جان کے کہا ملازم سے بھجوا دوں۔" پریشے کو اقرار کرتے ہی بنی۔

"جب تم دونوں کی بات ہو گئی تھی تو اسے مجھے کال کرنے کی تکلیف کا مشورہ کس نے دیا؟" سحرش کی نظریں اسے چبھ رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے ٹچ باکس لے کر کچن سے نکل گئی۔ اسے پشت پہ کئی نظریں محسوس ہوئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

پریشے کے فائنل پیپرز شروع ہو گئے تھے۔ اسے پڑھنے کا وقت دن میں مشکل سے ہی ملتا تھا۔ اس لیے وہ رات کو جاگ کر پڑھتی تھی۔ آنکھیں دکھنے لگیں تو اس نے کتابیں سمیٹ کر ریک پہ رکھ دیں۔ اس کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ اتنی رات کو کس کی کال آگئی۔ وہ حیران ہوتی بستر تک آئی۔ اسکرین پہ جگمگاتا نام اس کے لبوں پہ مسکراہٹ لے آیا۔

"اب تک جاگ رہے ہو؟" اسے حیرانی ہوئی۔

"تم بھی تو جاگ رہی ہو۔"

"پڑھ رہی تھی۔" لائٹ آف کر کے لیٹ گئی۔

"ہاں دن میں تو تمہیں ٹائم ہی نہیں ملتا۔ تم نے خود کو اس گھر کے لیے وقف جو کر دیا ہے۔" افسوس کے ساتھ گلہ بھی لہجے میں در آیا۔ پریشے مسکرائی۔

"کیا کروں... مجبور ہوں... جب سگا باپ بے نیاز ہو گیا ہے تو کس سے گلہ کروں... ہفتوں ہو جاتے ہیں پاپا کو مجھے پکارے، جانے مما کہاں ہیں... پاپا ہر گھڑی مجھے مما کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔" وہ یاسیت سے بولنے لگی تو ازہان کو افسوس ہوا۔

"کتنے پیپرز باقی ہیں تمہارے؟" ایک گھر میں ہوتے ہوئے بھی وہ فون پہ بات کرنے پہ مجبور تھے۔ ہر گھڑی حمیرا اور نمرا کی نظریں پریشے پہ جو ہوتی تھیں۔ ازہان خود بھی احتیاط کرنے لگا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کوئی بھی پریشے کو کسی بھی حوالے سے تنگ کرے۔ اس کے فائنل پیپرز ہو رہے تھے۔ وہ یکسوئی سے اسے پڑھنے دینا چاہتا تھا۔

"تین رہ گئے ہیں۔" پریشے نے ذہن پہ زور ڈالتے ہوئے کہا۔

"تمہارے پیپرز ہو جائیں پھر میں مام، ڈیڈ سے ہماری شادی کی بات کروں گا۔" ازہان حیدر نے اپنا پلان بتایا۔ پریشے چپ رہ گئی تھی۔ "ابھی اس لیے چپ ہوں تاکہ تم سکون سے پیپرز دے سکو۔"

"ازہان! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، حمیرا آنٹی بہت

"شور کریں گی شاید تائی جان۔۔۔" وہ جملہ مکمل نہ کر سکی۔ خدشے زبان کے آگے کھڑے ہو گئے تھے۔

سحرش اور فاطمہ کے درمیان ہمیشہ سرد مہری کی فضا رہی تھی۔ اس کی کیا وجہ تھی۔ یہ شاید صرف سحرش ہی جانتی تھیں۔ فاطمہ حتی المکان انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرتی تھیں کہ وہ بنیادی طور پہ ملنسار اور محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ سحرش نے بھی کبھی کھل کر بے زاری یا نفرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ نہ ہی دونوں کے درمیان کبھی لڑائی ہوئی تھی۔ اگر کبھی کوئی اختلاف بھی ہوتا تھا تو فاطمہ درگزر کرکے لڑنے کا موقع ہی نہیں دیتی تھیں، لیکن سحرش کی سرد مہری ضرور محسوس ہوتی تھی جسے سب روایتی دیورانی، جٹھانی کے رشتے سے تعبیر کرتے تھے۔

پریشے۔ احسن اور فاطمہ کی اکلوتی اولاد تھی۔ سحرش اور حیدر کی دو اولادیں تھیں۔ ہالہ بڑی بیٹی تھی۔ جو شادی کے بعد اسلام آباد میں مقیم تھی۔ اس کے بعد اذہان حیدر تھا۔ ہالہ عمر میں بڑی تھی۔ پریشے کی اس سے بہت زیادہ تو نہیں، مگر دوستی تھی پھر وہ شادی کرکے جو گئی تو سال میں اک چکر ہی لگاتی تھی۔ ذرا سمجھ دار ہوئی تو پریشے کو بھی سحرش اور فاطمہ کے درمیان تناؤ کی کیفیت محسوس ہونے لگی۔ جس کا شکار وہ بھی ہوتی تھی۔ سحرش اس سے بھی سرد مہر انداز سے ملتی تھیں۔ اس نے کئی بار فاطمہ سے استفسار کیا تھا جواب میں انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا اور ان کے چلے جانے کے بعد تو سحرش جیسے اس کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔ ایسے میں اذہان حیدر کے ارادے پہ اس کا خدشہ بے جا نہیں تھا۔

"مشکلیں تو آئیں گی، اعتراضات تو ہوں گے، مگر تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے اپنے لیے اسٹینڈ لینا آتا ہے۔ میں تمہیں اپنانے کا فیصلہ کرچکا ہوں تو کوئی اسے بدل نہیں سکتا۔" وہ جانتی تھی اذہان حیدر کتنا ضدی اور اپنی ہٹ کا پکا تھا۔ ہزار خدشے کے باوجود پریشے کے اندر اک سکون تھا۔

"شک ہے میری محبت پہ؟" شاید وہ اس کی دلی کیفیت جاننا چاہتا تھا۔ وہ کن حالتوں میں جی رہی تھی وہ بخوبی واقف تھا۔ اسے احسن صاحب سے بھی گلہ تھا، مگر وہ ان کی سوچ نہیں بدل سکتا تھا۔ وہ اس تنہا لڑکی کو مزید بے سروسامانی کی حالت میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

"یہ یقین ہی تو تھا تم پہ۔ جو میں اقرار کرتے ڈر رہی تھی کہ میری وجہ سے تمہیں بھی کسی بری صورت حال کا سامنا نہ کرنے پڑے۔ تمہیں تم سے زیادہ جانتی ہوں اذہان حیدر اس لیے شک کی تو گنجائش ہی نہیں ہے۔" پریشے کا تیقن بھرا لہجہ اذہان حیدر کو پرسکون کر گیا۔

"بس اس یقین کو ہمیشہ قائم رکھنا اذہان حیدر مر تو جائے گا مگر تم سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ تم اذہان حیدر کے اندر خون بن کر دوڑ رہی ہو۔" پریشے کے چہرے پہ گلال اور لبوں پہ شرمگیں مسکان مچل گئی تھی۔

"کون سی رومانٹک فلم دیکھی ہے؟" پریشے نے چھیڑا۔ اذہان حیدر کا قہقہہ گونجا تھا۔

"تم سے محبت جتانے کے لیے مجھے کسی فلم سے ڈائیلوگ چرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں سوچتے ہی لفظ لفظ محبت بن جاتا ہے۔" دھیمی سرگوشی پہ پریشے کو اپنے گال تپتے محسوس ہوئے۔

"سو جاؤ، تاکہ میں تمہارے خواب میں آسکوں!" دلربا انداز تھا۔ وہ مسکرا دی۔

☼ ☼ ☼

"اذہان مجھے کالج ڈراپ کردو گے!" سب ناشتے کی میز پہ تھے۔ پریشے کے پیپرز کے بیچ گیپ کی وجہ سے چھٹی تھی۔ اذہان ناشتا کر رہا تھا۔ جب نمرا نے براہ راست اسے مخاطب کیا۔ پریشے احسن نے بے ساختہ اذہان حیدر کی طرف دیکھا تھا۔ وہ نوٹ کر رہی تھی نمرا ضرورت سے زیادہ اذہان کے قریب رہنے کی کوشش کرتی تھی۔ اکثر کہیں نہ کہیں ڈراپ کردینے کی فرمائش کرتی تھی۔

"سوری، میں لیٹ ہو رہا ہوں، تم شرجیل کو خدمت کا موقع دو۔" ازہان نے ہری جھنڈی دکھاتے حل بھی پیش کر دیا۔ وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرنے لگا۔

"ڈراپ کر دو آخر کو راستے میں پڑتا ہے کالج اور پھر کزن ہے تمہاری!" سحرش نے جتاتے ہوئے کہا۔ وہ معنی خیزی سے مسکرایا۔ احسن اور حیدر صاحب خاموشی سے ناشتا کر رہے تھے۔ یوں بھی دونوں گھر کے معاملات میں نہیں بولتے تھے۔ حمیرا کو اس کا صاف چٹا انکار آگ لگا گیا، مگر چپ رہیں۔ شرجیل بھی بے توجہی سے سنتا ناشتے میں مگن تھا۔ پریشے سلائس کی بائٹ لینے لگی۔

"جب گھر کے کچن میں پریشے اور مجھے ساتھ دیکھ کر خالہ جانی ہمیں محرم نامحرم پہ لیکچر دینے لگتی ہیں تو پھر ان کی دختر نیک اختر کو میں کیسے اپنی کار میں ڈراپ کروں....؟" ازہان کی زبان کبھی نہیں رکی تھی۔ اس کی باتیں سنتے احسن صاحب کے ہاتھ اک لمحے کو ناشتے سے رکے تھے۔ پریشے نے سر مزید جھکا لیا۔ پہلو بدلتے حمیرا نے خون کا گھونٹ پیا۔

"تم پریشے اور نمرا کو ایک نظر سے کیوں دیکھ رہے ہو؟" سحرش چمکیں۔

"کیونکہ دونوں میری کزن ہیں۔" وہ آرام سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ نمرا نے غصے سے اسے اور پھر پریشے کے جھکے سر کو دیکھا۔

"دیکھ لیا آپی! کیسے میری بیٹی کو ایسے ویسے لوگ سے ملا کر چلا گیا ازہان۔" حیدر اور احسن صاحب بھی آفس کے لیے نکل گئے تو حمیرا نے دل کا غبار نکالا۔ وہ ناشتے کے برتن سمیٹ رہی تھی۔

"دیکھ تو میں بھی رہی ہوں۔ سب سمجھ رہی ہوں، مگر بے فکر رہو۔ ہوگا وہی جو میں چاہتی ہوں۔ نمرا ہی ازہان کی بیوی بنے گی۔" سحرش نے یقین بھرے لہجے میں قدرے زور سے کہا۔ برتن سمیٹتی پریشے کے ہاتھ سے گلاس ٹکرا کر لڑھک گیا۔ پانی کھانے کی میز پہ گر گیا۔ پریشے بوکھلاتے ہوئے پانی خشک کرنے لگی۔ سحرش کی نظریں اسی پہ تھیں۔

"اگر کوئی بد کردار ماں کی بیٹی میری بہو بننے کا خواب دیکھ بھی رہی ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔" سحرش کے لہجے میں نفرت ہی نفرت تھی۔ پریشے کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ بے حد ہراساں نظر آنے لگی۔ سحرش اسے ہی سنا رہی تھیں۔ ازہان حیدر کی ہر گھڑی حمایت سے وہ شاید اس راز سے واقف ہو گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

پریشے احسن ان کو جتنا بے خبر سمجھتی تھی وہ اس سے کئی گنا باخبر نکلی تھیں۔ جن گندے لفظوں اور تحقیر بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں وہ نظریں پریشے کے جگر کے آر پار ہو رہی تھیں۔ ازہان حیدر جس قدر محبت کا دم بھرتا تھا سحرش اسی قدر نفرت کرتی تھیں۔ یہ حقیقت ان کے لفظوں سے عیاں ہو چکی تھی۔ حمیرا اور نمرا کی تمسخرانہ نظریں اسے خود میں سمٹنے پہ مجبور کر رہی تھیں۔ وہ بجھی بجھی سی تھی۔ ازہان نے کئی بار پوچھا، مگر وہ پیپرز کا اسٹریس کہہ کر اسے ٹال گئی تھی۔ ازہان حیدر کو یقین نہیں آیا تھا۔ اس کے زور دینے پہ پریشے نے جھنجلا کر اسے چپ کرا دیا تھا۔ وہ چپ تو ہو گیا تھا ساتھ ہی ناراض بھی تب ہی تو جب وہ اسے کھانے کے لیے بلانے گئی تو اس نے بھوک نہ ہونے کا کہہ کر دروازہ بند کر لیا تھا۔

سب نے کھانا کھا لیا تھا۔ کچن سمیٹتی وہ اس کے لیے فکر مند تھی۔ چند پل خوشی کے گزرے نہیں تھے کہ پھر سے زود رنج ہو گئی تھی۔ اسے سحرش کی نظریں چبھ رہی تھیں تو ازہان کو ناراض کرنے کا احساس بے کل کر رہا تھا۔ وہ کیا کرے اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ فی الحال تو اس کی بھوک کا احساس تھا تب ہی کافی کے ساتھ سینڈوچز بنا لیے تھے۔ سب سونے جا چکے تھے۔ ازہان حیدر کے کمرے کا دروازہ بجاتے وہ ارد گرد دیکھ رہی تھی۔ کوئی دیکھ لیتا تو اس کے لیے مزید جینا دشوار ہو سکتا تھا۔ دستک پر بھی دروازہ نہیں کھلا تھا۔ اس نے لاک گھما کر دروازہ کھولا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ پریشے

نے کمرے میں ہر طرف دیکھا' لیکن وہ کمرے میں نہیں تھا۔ ٹرے سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر وہ سوچتی رہی کہ وہ واش روم میں ہوگا۔ وہ کمرے سے نکل رہی تھی جب دروازے پہ ازہان حیدر آکھڑا ہوا۔ پریشے اک دم سے ڈر گئی۔

"تم باہر تھے؟" حیرت سے اس کے منہ سے نکلا۔ ازہان نے اپنے کمرے میں موجود پریشے اور سائیڈ پہ رکھی ٹرے میں موجود لوازمات کو دیکھا۔

"ہاں!" وہ اندر آگیا تھا۔

"میں کافی اور سینڈوچ لائی تھی۔۔۔ تم نے کھانا نہیں کھایا تھا تو۔۔۔" وہ انگلیاں مڑورتی الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔ دل و دماغ کے بیچ چلتی جنگ کا عکس اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔

"مجھے نہیں کھانا کچھ بھی' لے جاؤ واپس۔۔۔ جب کسی چیز کی طلب ہوگی تو خود لے لوں گا۔" بے گانگی سے کہہ کر سیل فون بیڈ پہ رکھتا رسٹ واچ اتارنے لگا۔ پریشے نے اک گلہ آمیز نظر اس پہ ڈالی۔ وہ لاتعلقی کا مظاہرہ کرتا اب وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"جب میں لے آئی ہوں تو کھانے میں کیا قباحت ہے؟" وہ جانتی تھی برسوں پرانی عادت تھی ازہان حیدر کی وہ جب غصہ ہوتا تو اس کا سارا غصہ کھانے پہ نکلتا تھا۔ وہ کھانا پینا چھوڑ دیتا تھا۔ تاوقتیکہ ناراضی نہ ختم ہوتی۔

"تمہیں میرے لیے زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وارڈ روب سے کپڑے نکال کر بیڈ پہ پھینکتے اس نے ایک نظر پریشے پہ ڈالی جو ضبط کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔ وہ پہلے ہی پریشان تھی ایسے میں ازہان کا اجنبی لب و لہجہ بے مہر انداز اسے مزید رنجیدہ کر گیا۔ آنسو آنکھوں میں قدم جمانے لگے۔ ازہان نے پوری قوت سے بٹ بند کیے۔ پریشے ڈر گئی۔ ازہان نے اس کے بھیگے رخساروں کو دیکھا۔ اگلے پل اسے بازو سے گھسیٹ کر وارڈ روب سے لگا دیا۔ خود کڑے تیوروں سے دائیں بائیں ہاتھ جمائے کھڑا ہو گیا۔ پریشے کا چڑیا سا دل اس کے جارحانہ انداز پہ دھڑ دھڑ

کرنے لگا تھا۔ پریشے کے آنسو بہنے لگے۔ ازہان حیدر کئی ثانیے اسے روتے دیکھتا رہا۔

"بتاتی کیوں نہیں' بات کیا ہے۔" وہ اس کے آنسوؤں سے بے چین ہو گیا تھا۔ اس کی بے کلی' بے چینی پہ مضطرب تھا۔ تب ہی بار بار وہی سوال دہرا رہا تھا۔ جس کا جواب پریشے کے پاس نہیں تھا۔

"کوئی بات نہیں ہے۔" پریشے نے بمشکل کہا۔

"پھر جھوٹ!" اس کی آنکھوں میں دیکھتے چڑ کے کہا۔

"پڑھائی کے اسٹریس سے یہ آنسو نکلے ہیں؟" اس کی پلکوں سے موتی چن کر تمسخرانہ لہجے میں اسے دیکھا۔ پریشے نظریں جھکا گئی۔

"جب تک بتاؤ گی نہیں مجھے کیسے خبر ہوگی کہ تمہیں کیا چیز پریشان کر رہی ہے۔ کس سے ڈر رہی ہو تم۔۔۔؟" اب کے نرم لہجے میں استفسار کر رہا تھا۔ پریشے نے چونک کر اسے دیکھا۔ بن کہے وہ جان گیا تھا کہ وہ پریشان تھی۔ ڈری ہوئی تھی۔ ہاں وہ ڈرنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں نے جو خواب دیکھا وہ ان کے ٹوٹنے سے ڈرنے لگی تھی۔ وہ چاہ کر بھی ازہان کو سحرش کے متعلق کچھ بھی بتا کر ان سے بدگمان نہیں کر سکتی تھی۔ ایک بیٹے کو اس کی ماں کے سامنے کھڑا نہیں کر سکتی تھی۔ ازہان اس کے لیے کتنا پوزیسو تھا یہ وہ جانتی تھی۔ ایسے میں اگر وہ سحرش کے آگے آکھڑا ہوتا تو یہ اس کے لیے بھی اچھا نہ ہوتا اور پریشے کبھی اتنی گری ہوئی حرکت نہیں کر سکتی تھی۔

"میری تیاری نہیں ہے پیپرز کی۔" پریشے کو ایک یہی بہانہ سوجھا۔

"تم مسلسل جھوٹ بول رہی ہو' لیکن کیوں۔۔۔؟" ازہان نے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔ اس کی آنکھوں سے نکلتی محبت کی شعاعوں نے پریشے کے دل پہ چٹکی لی۔ یہ شخص جو اس وقت بے حد قریب تھا جس کے وجود سے اٹھتی خوشبو نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ جس کی آنکھوں میں اس کے لیے محبت بسی تھی اگر وہ اس سے دور ہو گیا تو اس کی زندگی کتنی بے رنگ

ہوجائے گی۔۔۔ اس سوچ سے ہی دکھ کا رنگ چہرے پہ اتر آیا۔ ازہان بھی اس رنگ سے نظر نہ چرا پایا۔

"اگر پیپرز کی ٹینشن ہے تو لاؤ میں پڑھا دوں۔" وہ جانتا تھا وہ جھوٹ بول رہی ہے کہ اسے جھوٹ بولنا نہیں آتا تھا، لیکن وہ اس وقت کچھ نہیں بتائے گی جب تک اس کا دل نہ چاہتا۔ ازہان حیدر یہ بہت اچھی طرح جانتا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے، پھر میں کل سے پڑھ لوں گی۔" پریشے نے جان چھڑانے کو فوراً "ہامی بھری۔

"کل نہیں آج سے۔۔۔ بلکہ ابھی سے۔۔۔ جاؤ کتابیں لے کر آؤ اپنی۔" ازہان نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"آج۔۔۔ ابھی۔۔۔" وہ شش و پنج میں پڑگئی۔ جھوٹ کہا تھا تو اب نبھانا مشکل لگ رہا تھا۔ اتنی رات کو کوئی انہیں اس وقت ساتھ دیکھ لیتا تو بات کا بتنگڑ بن جاتا۔

"ٹھیک ہے۔ پہلے تم کافی پی لو۔۔۔ ٹھنڈی ہوگئی ہوگی۔" پریشے نے توجہ کافی کی طرف مبذول کرائی۔ مبادا وہ ابھی پڑھنے سے انکار کرتی اور وہ پھر سے ضد میں بھوکا رہتا تو اسے رات بھر نیند نہ آتی۔

"پہلے کتابیں لے کر آؤ پھر سینڈوچ بھی کھاؤں گا' کافی بھی پیوں گا۔" وہ بھی اپنے نام کا ایک ضدی تھا۔

"تم اتنے ضدی کیوں ہو ازہان!" وہ جھنجلائی۔ وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"چلو تم نے یہ تو جان لیا کہ تم میری ضد ہو۔" پریشے بے ساختہ اسے دیکھتی رہی۔

"بعض ضد پوری نہیں ہوتیں۔" انداز یاسیت بھرا تھا۔

"میں اپنی ہر ضد پوری کرتا ہوں یہ تم جانتی ہو۔" بہت جتاتا ہوا لہجہ تھا۔ اسے سمجھ آگئی تھی کہ وہ ان دونوں کے درمیان موجود جذبوں کو لے کر شاید ہراساں ہے تب ہی جتا بھی دیا۔ بحث طول پکڑنے کے احساس سے پریشے چپ رہی۔

"آج موڈ نہیں، کل سے پڑھ لوں گی۔۔۔ پرامس۔۔۔ تم کافی پیو۔" اس کا ہاتھ تھام کر ٹرے تک لائی۔ وہ بنا چوں چرا کیے بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ ٹرے بیڈ پہ رکھی۔

"کافی ٹھنڈی ہوگئی ہوگی۔ میں گرم کر لاتی ہوں۔" پریشے نے مگ اٹھانا چاہا، مگر ازہان نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روک دیا۔

"اتنی بھی ٹھنڈی نہیں ہوئی۔" ہاتھ چھوڑنے کی بجائے ازہان نے اسے سامنے بٹھا لیا۔

"لگو کہ تم مسلسل جھوٹ بول رہی ہو۔۔۔ کچھ چھپا رہی ہو۔۔۔ کیوں! یہ میں نہیں جانتا، چاہوں تو مزید تنگ کر کے تم سے سچ اگلوا لوں، مگر جانتا ہوں کہ میں بھوکا رہا تو تم بھی بھوکی رہو گی۔ تم نے بھی کھانا نہیں کھایا جانتا ہوں۔" پریشے نے بہت چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"برسوں سے محبت کرتا آرہا ہوں۔۔۔ کبھی بے خبر نہیں رہا تم سے۔" سینڈوچ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس کی بھوک، پیاس کی اگر کبھی کسی کو فکر تھی تو وہ فاطمہ تھیں۔ جو اسے نوالے بنا بنا کر کھلاتی تھیں۔ جانتی تھیں کہ پریشانی یا ڈپریشن میں وہ کھانا پینا چھوڑ دیتی تھی اور اب ازہان تھا جو اسے جاننے کا دعوا کرتے اپنے ہاتھ میں سینڈوچ لیے منتظر تھا۔ اس کا دل گداز ہوگیا۔ ازہان نے کھانے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ سینڈوچ کی بائٹ لیتے اس نے نمکین پانی کو گلے سے اتارا تھا۔

"چاچی ہمیشہ اک جملہ کہتی تھیں تم دونوں پاگل ہو۔ پریشے ٹینشن میں کھانا پینا چھوڑ دیتی ہے اور تم غصے میں۔۔۔ جب کبھی انہیں خبر ہوگی کہ ہم دو پاگل ایک ہوگئے ہیں تب وہ کیا کریں گی۔" بے دھیانی میں وہ بھی فاطمہ کا ذکر لے بیٹھا۔ پریشے نے اٹھنا چاہا۔

"جب تک یہ سارے سینڈوچز اور کافی میرے ساتھ مل کے ختم نہیں کروگی تب تک جانے نہیں دوں گا۔" اس کھلی دھمکی پہ وہ ناچار بیٹھ گئی۔ ازہان اسے اپنے ہاتھ سے کھلا رہا تھا۔ دونوں ایک ہی مگ سے کافی شیئر کررہے تھے۔ پریشے کا دل بوجھل ہونے لگا۔ جانے اس برسوں پرانی محبت اور چند روز پہلے اظہار کا سند پانے والی محبت کا کیا انجام ہونے والا تھا۔

✡ ✡ ✡

"تام! میرے پاس شہر سے باہر جانے کا ٹائم نہیں

ہے۔" ازہان جھنجلایا ہوا تھا۔ وہ کب سے سحرش کو یہ سمجھا رہا تھا مگر وہ اڑی بیٹھی تھیں۔

"تمہیں ذرا احساس نہیں اپنی بہن کا۔ اس حال میں وہ اسلام آباد سے اکیلی آئے گی۔" سحرش بگڑیں۔

ازہان حیدر نے لب بھینچ لیے۔ ایک اسی مقام پہ وہ چپ ہو رہا تھا۔ ہالہ پریگنینٹ تھی۔ ڈلیوری کے دن نزدیک آرہے تھے۔ وہاں دیکھ بھال کرنے کو کوئی نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے سحرش نے ہالہ کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ صیفان کو فرصت نہیں تھی اس لیے سحرش ازہان حیدر کو اسلام آباد جانے اور ہالہ کو ساتھ لے کر آنے پہ فورس کر رہی تھیں۔

"لڑکی کو ایسے وقت میں اپنے خونی رشتے ہی سپورٹ کرتے ہیں۔ اکیلی رہتی ہے کل کلاں کو کچھ ہو گیا تو ساری عمر کا پچھتاوا ساتھ رہے گا۔" سحرش کی باتیں اسے مزید چپ کرا گئیں۔ گو کہ آفس میں کام تھا۔ وہ کئی دنوں سے ٹال رہا تھا، مگر شومئی قسمت کہ اسے آفس کے کام سے اسلام آباد جانے کا سندیسہ مل گیا۔

"وہ آفس کا کام آگیا تو جانے کی ہامی بھرلی۔ ورنہ ماں کی بات کی تو کوئی اہمیت نہیں تمہاری نظر میں۔" اس نے سحرش کو انفارم کیا کہ وہ ہالہ کو لینے چلا جائے گا تو وہ نروٹھا پن دکھانا نہ بھولیں۔

"ایسی بات نہیں ہے۔" اس نے انہیں ساتھ لگا کر منانا چاہا۔ اسی وقت کسی کام سے پریشے لاؤنج میں آئی تھی۔

"تائی جی، آپ کو حمیرا آنٹی اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں۔" وہ پیغام لے کر آئی تھی۔ سحرش کے گلے میں باہیں ڈالے کندھے پہ تھوڑی ٹکائے ازہان نے اسے بھرپور نظروں سے دیکھا۔ پریشے کی نظر اس سے ملی تو شرارت سے آنکھ ماردی۔ وہ سٹپٹا کر لٹوں کو کان کے پیچھے کرنے لگی۔ چہرے پہ گلال بکھر گیا تھا۔ ازہان دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ بڑی شریر مسکراہٹ تھی۔

"اب وہ تمہارے باپ کی بیوی ہے۔ ماں کہنے کی عادت نہیں ہوئی اک سال میں۔" سحرش ہمیشہ کی طرح کسی نہ کسی بات پہ ٹوکنے سے باز نہ آئیں۔

"رہنے دیں مام! ایک سال کیا۔۔۔ کئی سال بیت جائیں میں بھی انہیں خالہ سے چاچی کہنے کی عادت نہیں ڈال پاؤں گا۔" ہمیشہ کی طرح ازہان حیدر سامنے آیا سحرش اسے غضب ناک نظروں سے گھورنے لگیں۔ پریشے اس منظر سے نکلنے لگی۔

"ہالہ آنے والی ہے۔ اس کا کمرا اچھی طرح صاف کروا لینا ملازم سے۔" ازہان کی موجودگی میں سحرش نے ملازم کہنا ضروری سمجھا۔ ورنہ در پردہ انہوں نے اسے ہی حکم دیا تھا۔ سمجھ تو وہ اب بھی گئی تھی کہ ملازم اب اس گھر میں مفت کی تنخواہ لیتے تھے۔ جانے سحرش کو ایسا کرکے کون سا سکون ملتا تھا۔ شاید اسے نوکرانی کی طرح لگے دیکھ کر ان کی انا کو سکون ملتا تھا۔

"پریشے میری بلیک ہائی نیک لانڈری سے آگئی ہے تو مجھے لادو پیکنگ کرنی ہے۔" ازہان حیدر نے بطور خاص اسے اپنے جانے کا سنانے کے لیے کہا تھا۔

"پیکنگ!" وہ ٹھٹک گئی تھی۔ لاؤنج سے حمیرا کے بلاوے پہ جاتی سحرش اسے گھورنے لگی تھیں۔ وہ جلدی سے سنبھل گئی اور سحرش سے پہلے لاؤنج سے نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

ازہان حیدر بیڈ پہ کپڑے پھیلائے بیٹھا تھا۔ "ہو گئی پیکنگ؟" وہ لانڈری سے آئے اس کے کپڑے لے کر آئی تو اسے سر پہ ہاتھ رکھے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"نہیں یار سمجھ نہیں آرہا۔ کیا لے کر جاؤں اور کیا نہیں۔۔۔ ٹھنڈ تو کراچی سے زیادہ وہاں ہے۔" وہ کپڑوں کو تنقیدی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ کسی قدر جھنجلایا انداز تھا۔ وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔ اگر آفس کا کام نہ نکل آتا تو شاید وہ نہیں جاتا، مگر اب مجبوری تھی۔ پریشے بیڈ پہ بکھرے کپڑے سائیڈ پہ کر کے بیٹھ گئی۔ کپڑوں کو اٹھا کر تہ کرنے لگی۔

"بتاؤ تم، کون سے کپڑے لے جاؤں!" اس نے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا۔

''وہ کپڑے لے جاؤ جن میں تم بالکل اچھے نہ لگتے ہو۔'' پریشے کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''ارے!'' وہ بے ساختہ ہنسا۔

''ایسا کیوں؟'' وہ اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھ تیزی سے اس کا بکھرا پھیلاوا سمیٹ رہے تھے۔ کپڑے سلیقے سے تہ کر رہی تھی۔ وہ انہماک سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''بولو نا' یہ کیوں کہا تم نے۔۔۔؟''

''یونہی!'' اصرار پہ بات بنائی۔

''تم کوئی بھی بات یونہی نہیں کہتیں۔ بتاؤ!'' ان دونوں کے بیچ موجود کپڑوں کو ہاتھوں سے پرے کر کے قریب آیا۔ انداز ایسا تھا جیسے جان کے ہی دم لے گا۔

''تمہارے سامنے تو بات کرنا مشکل ہے' پیچھے ہی پڑ جاتے ہو۔'' تہ کیے کپڑے اٹھا کر وہ الماری میں رکھنے کے ارادے سے اٹھی' مگر ازہان نے اس کا بازو تھام لیا۔

''جب جانتی ہو میں پوری بات سنے بغیر چھوڑوں گا نہیں تو کیوں ادھوری بات کرتی ہو۔'' ازہان نے اسے جھٹکے سے کھینچا۔ پریشے احسن بیڈ پہ گرنے کے انداز سے بیٹھ گئی۔ ہاتھ میں موجود کپڑے پھسل کر دونوں پہ آگرے۔

''کپڑوں کی بارش خوب رہی۔'' وہ ہنسا۔ محنت اکارت جاتے دیکھ کر پریشے نے اسے تیکھی چتونوں سے گھورا۔ جھٹ کان کو ہاتھ لگا کر اس کے ساتھ مل کر کپڑے اٹھانے کو جھکا۔ پریشے جو پہلے ہی جھکی ہوئی تھی اس کی پیشانی بری طرح ازہان سے ٹکرائی۔

''اوئی!'' پریشے کے حواس جھنجھنا گئے۔

''اوہو' سوری!'' کارپٹ پہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر بے ساختہ کان پکڑ لیے۔ پریشے پیشانی پہ ہاتھ رکھے اسے گھورنے لگی۔ ''زور سے لگی دکھاؤ۔'' ازہان جھک کر اس کی پیشانی کا معائنہ کرنے لگا۔

دوزانوں بیٹھی پریشے احسن کی نظریں اسی پہ جمی تھیں۔ اس کی سانسوں کی گرمی سے پریشے پگھلنے لگی۔

''واپس کب آؤ گے؟'' ازہان حیدر جو فکر مندی سے پیشانی کا معائنہ کر رہا تھا سوال پہ بے ساختہ اسے دیکھنے لگا۔ اس قفس میں ازہان کی صورت ہی تھی جو پریشے کو پھر سے جینے کا بہانہ مل گیا تھا۔ طعنے تشنے تو اب بھی جگر کاٹتے تھے' مگر جگر کے آس پاس دھڑکتا دل اسے زیادہ دیر کڑھنے نہیں دیتا تھا۔ ازہان حیدر کی محبت اس قفس میں تازہ جھونکا ثابت ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ اک ڈر تھا۔ وہ اس کے جانے کا سن کر خوف زدہ ہو گئی تھی۔

''دو تین میٹنگز ہیں جیسے ہی فری ہوا ہالہ آپی کو لے کر آجاؤں گا۔'' اس کی فکر مندی اچھی لگی تھی۔

''تین چار دن تو لگ ہی جائیں گے؟'' اس نے حساب کتاب کر کے تشویش سے مقابل دوزانوں بیٹھے ازہان حیدر کو دیکھا۔ وہ ہولے سے مسکرایا۔

''ہاں!''

''اچھا!'' وہ بے دلی سے کپڑے دوبارہ تہ کرنے لگی۔

''مس کرو گی؟'' اس کی جھکی پلکوں اور مصروف انداز کو محویت سے تک رہا تھا۔ پریشے احسن نے بیگ گھسیٹ کر قریب کیا اور اس کے لیے جانے والے کپڑے ان میں رکھنے لگی۔ سوال پہ اس کی انگلیاں لرزی تھیں۔

''نہیں!'' لہجہ اور چہرہ اس کے لفظ کی پرزور نفی کر رہے تھے۔ وہ بھرپور انداز سے مسکرایا۔ اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔ پریشے احسن بے ساختہ اسے دیکھنے لگی۔ ازہان حیدر کی نظریں اس کے چہرے پہ بھٹک رہی تھیں۔

میں محبت کبھی نہیں کرتا
سامنے تو تھی ہاں تب ہی کرلی

اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس نے دھیرے سے سرگوشی کی تھی۔ پریشے کی پلکیں جھکتی چلی گئیں۔

''جلد لوٹ آؤں گا۔ کیونکہ میں بھی تم سے دور نہیں رہ سکتا۔'' ہولے سے کہا۔ پریشے کی پلکیں لرزیں۔ اس نے ہاتھ چھڑا پھر سے کپڑے بیگ میں رکھنے کا عمل شروع کر دیا۔

"کہتے ہیں دو محبت کرنے والے جب جدا ہوتے ہیں تو ان کے لیے وقت گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چلو اب ہم بھی اس لذت سے آشنا ہوں گے۔" وہ اٹھ کر الماری تک گیا۔

"حالانکہ روز آفس جاؤں تو بھی تمہاری دوری کھلتی ہے لیکن آس ہوتی ہے کہ شام کو لوٹوں گا تو تم آس پاس ہوگی۔ تمہارے ہاتھ کی کافی کھانے ہوں گے لیکن اب۔" انداز پر سوچ تھا۔

"چھیانوے گھنٹے ہوں گے جو دوری بنائے ہمارے بیچ حائل ہوں گے۔ بات ہوگی۔ سوشل میڈیا بھی ہے لیکن تمہارے پاس موجود نہیں ہوں گا۔" وہ دوبارہ قریب آکر بیٹھ گیا۔ پریشے احسن کا ہاتھ تھام کر اس نے خوب صورت سی رنگ اس کی انگلی میں پہنا دی۔ وہ بے ساختہ اسے دیکھنے لگی۔

"لوٹ کر آؤں گا تو گھر میں ہماری شادی کی بات کروں گا۔ تب تک تمہارے پیپرز بھی ختم ہو جائیں گے۔ یہ بہت پہلے تمہارے لیے لی تھی۔" پریشے نے جگر جگر کرتی انگوٹھی کو قریب سے دیکھا۔

"اگر ایسا نہ ہوا جیسا تم سوچ رہے ہو تو۔؟" خدشہ زبان تک آیا۔ ڈر نے چہرے پہ جال بچھا دیا۔

"ایسا اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک تم پیچھے نہ ہٹو۔ مجھ میں دنیا کا مقابلہ کرنے کی ہمت ہے۔ تم اپنی کہو!" وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ پریشے نے بیگ کی زپ بند کر کے پرے دھکیلا۔

"ہو گئی تمہاری پیکنگ!" وہ جواب کا منتظر تھا۔ اس کے بات بدلنے پہ مسکرا دیا۔

"وہی کپڑے رکھے ہیں نا جس میں میں کسی کو اچھا نہ لگوں؟" شرارت سے پوچھا۔

"ہاں!" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وجہ؟" وہ بھی مقابل کھڑا ہو گیا۔

"کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ تم کسی اور کو بھی اچھے لگو۔" وہ بے ساختہ کہہ گئی۔ اذہان حیدر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

☆ ☆ ☆

پریشے احسن چائے لے کر آئی تو احسن صاحب کتاب پڑھ رہے تھے۔ حمیرا کمرے میں نہیں تھیں۔ جس کمرے میں برسوں فاطمہ کے ہوتے وہ دندناتی پھرتی تھی۔ اب اسی کمرے میں حمیرا کی اجارہ داری تھی۔ جو کمرا کبھی اس کی ماں کے زیر استعمال ہوتا تھا اس میں حمیرا آبی تھیں۔ فاطمہ کی کتنی ہی یادیں حمیرا نے اس کمرے سے نکال پھینکی تھیں۔ احسن صاحب نے استفسار کیا تو انہوں نے۔۔۔

"آپ کو فاطمہ کی یاد نہ آئے اس لیے کمرے کی سیٹنگ بدلی ہے۔" کہہ کر انہیں مطمئن کر دیا تھا۔ لیکن پریشے کو بہت دکھ ہوا تھا۔ اس نے فاطمہ کے زیر استعمال کئی چیزیں اپنے کمرے میں رکھ لی تھیں۔ احسن صاحب بھلے جیون ساتھی کو بھلا سکتے تھے مگر پریشے احسن ماں کو نہیں بھول سکتی تھی۔ وہ تو ابھی تک اس بات کا یقین نہیں کر پائی تھی کہ فاطمہ اپنی مرضی سے گئی تھیں۔ مگر ان کی ہینڈ رائٹنگ وہ پہچانتی تھی۔ لیکن جانے کیوں اسے اس لکھائی پہ بھی اعتبار نہ تھا۔ وہ چائے رکھ کر چند ثانیے کھڑی رہی مگر احسن صاحب نے نوٹس نہیں لیا۔ آج کتنے دنوں بعد اسے احسن صاحب اکیلے ملے تھے وہ ان کے پاس بیٹھنے بات کرنے کو ترس گئی تھی۔

"پاپا آپ کے پاس تھوڑا ٹائم ہے؟" وہ بہت جھجک کر پوچھ رہی تھی۔ یہ اس کے لیے بہت تکلیف دہ لمحہ تھا کہ اپنے باپ سے بات کرنے کے لیے اسے اجازت درکار تھی۔

"کیوں؟" احسن صاحب نے کتاب پرے سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔ احسن صاحب نے غیر متوقع سوال نہیں کیا تھا اسے ایسے ہی کسی سوال کی امید تھی۔ مگر پھر بھی ان کا سوال دل دکھا گیا۔ اجنبی نظریں لاپروا انداز۔

"آپ سے بات نہیں ہو پاتی ہے۔ اس لیے۔۔۔" وہ بول رہی تھی جب حمیرا دھپڑ دھپڑ کرتی کمرے میں داخل ہوئیں۔ پریشے احسن کو دیکھ کر حیران ہوئیں پھر بیڈ پہ بیٹھ گئیں۔

"کہو کیا کہنا چاہتی تھیں۔" احسن صاحب نے اس کے چہرے کو دیکھا جو حمیرا کو دیکھ کے رنگ بدل گیا تھا۔ احسن کے استفسار پہ حمیرا بھی چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔ پریشے احسن گڑبڑا گئی۔

"کچھ خاص نہیں۔ آپ چائے پی لیں۔" اس نے کمرے سے جانا چاہا۔

"جو بات کہنے آئی تھیں وہ تو کرتی جاؤ یا اگر میری موجودگی میں بات نہیں کرنی تو میں چلی جاتی ہوں..... لاکھ تم سے محبت کروں مگر تمہاری سگی ماں تو نہیں بن سکتی نا!" حمیرا نے ایسی اعلا کردار نگاری کی کہ احسن صاحب کے ماتھے پہ بل پڑنے لگا۔

"بولتی کیوں نہیں کیا بات کرنی تھی۔" اب کے احسن صاحب غصے سے چلائے۔ حمیرا کا دکھی لہجہ کام کر گیا تھا۔ پریشے احسن کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"میں ہی چلی جاتی ہوں! ناحق آپ لوگوں کے بیچ آئی!" حمیرا اٹھنے لگیں۔

"آپ نا جائیں! کچھ خاص بات نہیں تھی۔" وہ منمنائی۔

"خاص نہیں تھی تو آئی کیوں تھیں بات کرنے۔" احسن گرجے۔

"تم اور تمہاری ماں عمر بھر یہی حرکتیں کرتی رہیں' جاؤ یہاں سے۔" احسن صاحب چیخنے لگے۔

"آپ غصہ نہ کریں بی پی ہائی ہو جائے گا۔" حمیرا ان کا ہاتھ دبانے لگیں۔ پریشے احسن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ بھاگ کر احسن صاحب کے کمرے سے نکلی تھی۔ آنسوؤں کی دھند میں وہ کسی سے ٹکرائی۔

"ارے ایسی بھی کیا بے تابی!" وہ شرجیل تھا۔ پریشے تڑپ کر الگ ہوئی۔ "یہ تم ہر وقت روتی شکل کیوں بنائے رکھتی ہو؟" وہ ہمدردانہ پوچھ رہا تھا۔ پریشے احسن بچ کر نکلنا چاہ رہی تھی مگر وہ جما کھڑا تھا۔

"سامنے سے ہٹیں۔" اس کی نظروں سے سمٹتی وہ بے چارگی سے کہہ رہی تھی۔

"کبھی ہم سے بھی بات کر لیا کرو۔ ہر وقت اذہان کے اردگرد ہی نظر آتی ہو۔ ہم اتنے بھی برے نہیں ہیں۔" وہ بکواس کرتے قریب آیا۔ پریشے احسن دیوار سے لگ کر گھسٹتی پیچھے ہٹتی رہی۔ بے دھیانی میں اس نے دروازے کا لاک گھمادیا۔ مگر دروازہ لاک تھا۔ قدموں کی آہٹ ہوئی بند دروازے سے اور اسے گھورتا شرجیل تیزی سے ہٹ گیا۔

سکون کا سانس لے کر اس نے دروازے سے پشت ٹکادی۔ دروازہ اچانک کھلنے سے اس کا توازن ڈگمگایا۔ قریب تھا کہ وہ دھڑام سے گرتی۔ ہلکی سی چیخ کے ساتھ اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ مگر کسی کا وجود اس کے لیے ڈھال بن گیا۔ اس کی پشت اذہان کے سینے سے آلگی تھی۔ اذہان حیدر اس کے پیچھے تھا۔ بے دھیانی میں وہ اس کے دروازے تک آگئی تھی۔ وہ یہی سمجھا کہ اس نے دستک دی تھی۔ پریشے احسن تیزی سے پلٹ کر سامنے آئی تھی۔ اس کا بھیگا رویا چہرہ سامنے تھا۔ وہ ٹھٹک گیا۔

"رو کیوں رہی ہو؟" پریشے کے آنسو پھر بہنے لگے۔

"چاچو نے کچھ کہا تمہیں؟" وہ لب بھینچ کے رہ گیا۔ اس نے اسے احسن کے کمرے میں جاتے دیکھا تھا۔ آنسو روکتی پریشے احسن تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اذہان حیدر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

کمرے میں آکر آنسوؤں میں اور تیزی آگئی۔ اسے اپنا وجود کھلنے لگا تھا۔ احسن باپ ہو کر جتنے بیگانے ہو گئے تھے اس بات نے جہاں اسے تکلیف دی وہیں ان کا سوتیلا بیٹا اپنی حریص نظروں سے اسے گھائل کر گیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہ اپنے کمرے میں نہیں کسی اجنبی شہر میں ہو۔ اذہان حیدر کی محبت نے اپنے حصار میں لیا تھا تو سحرش کی نفرت کچوکے لگانے لگی تھیں۔ وہ سخت کرب ناک صورت حال سے دوچار تھی۔

اذہان حیدر کی کال آرہی تھی مگر وہ کال ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ اس کے دروازے پہ دستک ہونے لگی۔ وہ ان سنی کیے آنسو بہاتی رہی۔ اسے خبر تھی اذہان اس کے رونے سے پریشان ہو گیا تھا۔ وہ اس سے بھی بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر دستک مسلسل ہو رہی تھی۔

ناچار اسے دروازہ کھولنا پڑا۔ اندھیرے میں ڈوبا کاریڈور ظاہر کر رہا تھا کہ پورا گھر خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے شخص کو دیکھ کر اس کا وجود سن ہو گیا۔

وہ شرجیل تھا جو اسے اندر دھکیلتا کمرے میں داخل ہو کر اپنے پیچھے دروازہ بند کر گیا تھا۔ پریشے کے حواس بحال ہوئے تو اس نے چیخنے کے لیے لب کھولے مگر اس سے پہلے شرجیل اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ چکا تھا۔ پریشے اس کی گرفت میں پھڑپھڑانے لگی تھی۔ خوف سے اس کی آنکھیں ابلنے لگیں۔ شرجیل اسے بے بس کرنے کی کوشش کر رہا تھا وہ بے بسی سے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔

لان میں پریشانی سے ٹہلتا اذہان حیدر پریشے احسن کا نمبر ڈائل کرتے کھڑکی کو وقتاً" فوقتاً" دیکھ رہا تھا۔ اچانک پردہ اڑا اور دو ہیولے نظر آئے۔ اگلے ہی پل وہ پریشے کے کمرے کی طرف بھاگا تھا۔ اس نے پوری طاقت سے دروازہ دھڑدھڑایا تھا۔ اندر موجود شرجیل بری طرح حواس باختہ ہو گیا۔ اس کی گرفت کمزور ہوگئی۔ پریشے زور لگا کر اس کی گرفت سے نکلی۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ گھر کے سب ہی لوگ باہر نکل آئے تھے۔

اذہان حیدر عالم جنوں میں دروازہ پیٹ رہا تھا۔ جیسے توڑنے کا ارادہ ہو۔

"پریشے!" اذہان حیدر کی بے قرار آوازیں آرہی تھیں۔ باقی سب صورت حال سمجھنے کی کوشش میں چہ میگوئی کر رہے تھے۔ شرجیل کے پاس دروازہ کھولنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

شرجیل کو دیکھ کر اذہان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ پریشے کی حواس باختگی بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ اذہان نے شرجیل کو بری طرح پیٹنا شروع کر دیا۔ باقی سب بھی اندر آگئے۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہاں آنے کی؟" اذہان حیدر غضب ناک تیوروں سے کراٹے کے داؤ سے اسے زیر کر چکا تھا۔ حمیرا بیچ میں آئیں۔

"کیا ہوا ہے؟" حمیرا کے بیچ میں آنے سے اذہان حیدر رکا۔

"پریشے نے مجھے خود بلایا تھا۔" شرجیل نے بپھر کر کہا۔ سب کی نظریں حواس باختہ پریشے پہ تھیں۔ شرجیل کے الزام پہ وہ مزید متوحش نظر آنے لگی۔

"بکواس کی تو جان نکال دوں گا۔" اذہان حیدر کا بس نہیں چل رہا تھا حمیرا کے پیچھے چھپے شرجیل کا خون کر دے۔

"کیا دیوانگی ہے اذہان...؟ کیا ہمیں پتا نہیں ہے کہ یہ آج کل کیسے شرجیل کے آگے پیچھے پھر رہی ہے۔" سحرش نے اذہان کو بازو سے پکڑا۔ وہ حیران نظروں سے سحرش کو دیکھنے لگا جیسے ان کی غلط بیانی کی وجہ جاننا چاہ رہا ہو۔ احسن صاحب خونخوار نظروں سے پریشے کو گھور رہے تھے۔

"بولو پریشے سچ کیا ہے؟" اذہان نے اسے دیکھا۔ وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ کیا بولے گی۔ تم ہی حواسوں میں نہیں ہو ہمیشہ اس کے سائڈ لیتے ہو۔ ماں کی طرح معصوم بننے کی عادت جو ہے۔ اس نے خود شرجیل کو بلایا ہو گا۔ احسن اور ہم نے پریشے اور شرجیل کا رشتہ طے کر دیا ہے۔" حمیرا نے جیسے کوئی بم بلاسٹ کیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ پریشے بھی چونک کر سب کو دیکھ رہی تھی۔

"حمیرا جلد ہی نکاح کا دن طے کر لو۔ ایسا نہ ہو یہ لڑکی ماں کی طرح مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑے۔" احسن صاحب نفرت کے تیر برسا کر چلے گئے تھے۔

"چلو تم بھی' اس نے بلایا اور تم آگئے۔ یہ تو معصوم بن گئی۔ تم پٹ گئے۔" حمیرا شرجیل سے کہتیں دراصل اذہان حیدر کو سنا رہی تھیں۔ حمیرا شرجیل ثمرا' حیدر بھی چلے گئے۔ سب کے چہروں پہ بے اعتباری پریشے کو زندہ درگور کر گئی تھی۔

"تم بھی اپنے کمرے میں جا کے آرام کرو صبح فلائٹ ہے۔ اور آئندہ سے کسی کے معاملے میں نہ

پڑتا۔ جب لڑکی خود ہی کسی کو دعوت دے گی تو کون نہیں آئے گا۔" سحرش نفرت کا اظہار کرتی نکل گئیں۔ اذہان حیدر بے یقینی سے پریشے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ مسلسل خاموش تھی۔ اب دونوں ہی رہ گئے تھے۔

"پریشے!" پکار میں بے حد گلہ تھا۔ "تم نے کچھ کہا کیوں نہیں۔ تم واقف تھیں اس حقیقت سے۔" اذہان حیدر نے اسے شانوں سے تھام لیا۔ پریشے احسن کے لب سل گئے تھے۔

"تمہاری مرضی ہے اس میں؟" وہ حیرت سے اس کا بیگانہ روپ دیکھ رہا تھا۔

"جواب دو پریشے!" پریشے احسن نے رخ پھیر لیا تھا۔ اذہان حیدر کے دل پہ کچھ گرا۔ وہ بے یقینی سے اس کے جھکے سر اور سپاٹ تاثرات کو دیکھ رہا تھا۔ اگر ابھی وہ انکار کردیتی تو وہ شرجیل کی ہڈیاں توڑ دیتا۔ مگر وہ خاموش تھی۔ وہ بے حد سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اذہان حیدر نے پریشے احسن کو ہولے سے پیچھے دھکیل دیا۔ الٹے قدموں سے پیچھے چلتے اس کی نظریں پریشے پہ تھیں۔ دکھ اور افسوس کا رنگ اتنا گہرا تھا کہ اگر پریشے نظر اٹھا کر دیکھ لیتی تو شاید اپنی خاموشی توڑ دیتی مگر وہ بے حس بنی کھڑی تھی۔ اذہان اس کے کمرے سے نکل گیا۔ اگر وہ سچ کہہ دیتی تو احسن پورے گھر سے لڑجاتا۔ اور وہ یہ ہی نہیں چاہتی تھی۔ پورا گھر اس کے خلاف تھا۔ احسن صاحب سگے باپ ہو کر اس پہ بے اعتباری ظاہر کرگئے تھے۔ سحرش کھلم کھلا نفرت کا اظہار کررہی تھیں۔ ایسے میں وہ اذہان کے سامنے کیا کہتی۔ کیسے کھڑا کرتی اسے سب کے سامنے۔ وہ اسے مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ احسن صاحب نے شرجیل کو اس کے لیے منتخب کرلیا تھا۔ یہ خبر ہی سوہان روح تھی۔ اذہان کے جانے کے بعد بند دروازے سے ٹیک لگائے وہ شدت سے رو پڑی۔ ابھی اس نے محبت کی کونپلوں کو محسوس کرنا ہی شروع کیا تھا۔ کہ ایسی آندھی چلی جس نے ان کونپلوں کو ہوا کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اذہان حیدر اس سے ناراض تھا۔ اس کی ناراضی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا تھا کہ اس سے ملے، بات کیے بغیر چلا گیا تھا۔ اسے اپنی خاموشی کے اثرات نظر آنے لگے تھے۔ اذہان اس سے بدگمان ہوگیا تھا۔

وہ عزت اور محبت کے ایسے دوراہے پہ آکھڑی ہوئی تھی کہ اسے صحیح سمت کا اندازہ نہیں ہورہا تھا۔ اگر اذہان اسے اپنا بھی لیتا تو کیا سحرش کی نظروں میں وہ معتبر ہوسکتی تھی...؟ عزت تو گھر میں کسی صورت کوئی دینے کو تیار نہ تھا۔ اور وہ نادان محبت کو بھی ٹھکرا رہی تھی۔ احسن صاحب تو پہلے بھی اس سے بیگانہ تھے۔ اب اذہان حیدر بھی چلا گیا تھا وہ خود کو بہت اکیلا محسوس کررہی تھی۔ نمرا کی تمسخر اڑاتی نظریں اس کے پژمردہ چہرے پہ تھیں۔ تو شرجیل کی حریص نظروں سے وہ خود کو چھپانے لگتی تھی۔ سحرش سوائے نفرت کے دوسری نظر نہیں ڈالتی تھیں۔

"کیسے اڑ رہی تھی ہٹ گئے پر... اس کے باپ کو ایسے شیشے میں اتارا ہے کہ وہ کبھی اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ اور نمرا کی شادی بھی اذہان سے ہوجائے گی۔ ایک تیر سے دو شکار۔" حمیرا سحرش کو کارنامہ سنا رہی تھیں۔ ان کی گفتگو سنتی پریشے سوائے آنسو بہانے کے کچھ نہ کرسکی۔ گلہ اسے حمیرا سے نہیں تھا۔ دکھ تو احسن صاحب کے بیگانے رویے کا تھا جو فاطمہ کی غلطی کی سزا اسے دے رہے تھے۔ اور وہ اپنے گھر میں ہوتے ہوئے بھی اجنبیوں کی طرح زندگی گزارنے پہ مجبور ہوگئی تھی۔

"جمعہ کو نکاح ہے تمہارا شرجیل سے۔ یہ کپڑے دیکھ لینا۔ یہ ہی پہننا ہے تمہیں۔" حمیرا ریڈ کلر کا جوڑا اس پہ پھینک کر گئی تھیں۔ پریشے احسن جہاں بیٹھی تھی وہ ہی بیٹھی رہ گئی۔

وہ خوف زدہ نظروں سے سوٹ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں نے نوعمری سے جس کا چہرہ بسایا تھا وہ اذہان تھا جس کی محبت کی جنون خیزی کی وہ اسیر تھی۔ بے حد، بے حساب ٹوٹ کر چاہنے والا۔ بے حد خیال رکھنے والا۔ احسان کرنے والا۔ اس کے لیے زمانے بھر

سے بکھر جانے والا۔ تین دن ہو گئے تھے اسے گئے ہوئے' اس نے پلٹ کر کال بھی نہیں کی تھی۔ وہ یقیناً" اس سے ناراض تھا۔ مان ٹوٹنے پہ خفا تھا۔ اس کی خاموشی پہ برہم تھا۔ خاموشی کو اس کی رضا سمجھ بیٹھا تھا۔ اس گھڑی وہ اسے شدت سے یاد آیا تھا۔ حمیرا اور سحرش کی نفرت اور سازش میں وہ خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔ ازہان کی طرف قدم بڑھاتی تو سحرش کی نفرت سے ٹانگیں کانپنے لگتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

وہ بالکنی کی دیوار سے ٹیک لگائے باہر لان میں برستی بارش کو محویت سے دیکھ رہا تھا۔ نظریں برستی بوندوں پہ تھیں ایک خوف زدہ لڑکی اور چند دن پہلے کا بیتا وقت ذہن کی اسکرین پہ روشن ہو گیا تھا۔ کتنا خوش ہوا تھا وہ پریشے کا اظہار سن کر۔ تتلی کی طرح اڑتی پریشے اسے بچپن سے پسند تھی۔ اس نے ہمیشہ اسے اپنا سمجھا تھا۔ لیکن فاطمہ کے منظر سے جانے کے بعد وہ جس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوئی تھی جتنی ڈری سہمی رہتی تھی۔ اسے مزید عزیز ہو گئی تھی۔ وہ اس کے سارے دکھ سمیٹنا چاہتا تھا۔ اپنے ساتھ کا مان بخش کر اس کی کھوئی خود اعتمادی پھر سے بحال کرنا چاہتا تھا۔ مگر جلد ہی صورت حال بدل گئی۔ پریشے کی خاموشی نے اسے ٹھیس پہنچائی تھی۔ دل بدگمان ہونے لگا تھا۔ پوری رات بے چینی میں کٹی تھی۔ ہر آہٹ پہ لگا تھا پریشے آکر سچ بتائے گی مگر سحر نمودار ہو گئی اس کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ دل خالی خالی تھا۔ وہ ہر گھڑی منتظر تھا کہ پریشے اسے پکارے گی مگر وہ کہیں نہیں تھی۔

"بارش انجوائے کر رہے ہو؟" صفیان کی آواز نے اس کی محویت کو توڑا۔ صفیان نے ڈائننگ میز پہ رکھی باسکٹ سے سیب اٹھایا۔

"کیچ!" صفیان نے کہنے کے ساتھ سیب ازہان کی طرف اچھال دیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کیچ کر لیا۔

"ونائس کیچ' بزنس چھوڑ کر قومی ٹیم میں آجاؤ!" صفیان نے دوسرا سیب اٹھاتے ہوئے کہا۔

معاف رکھیں جو ہیں انہوں نے پہلے ہی بیڑہ غرق کر رکھا ہے۔" ازہان حیدر نے سر جھٹکا۔

"لولی موسم!" صفیان نے بھیگے بھیگے موسم کو دیکھتے سیب کی بائٹ لی۔

"فری ہو گئے میٹنگ سے؟" صفیان نے اب کے رخ اس کی طرف کیا۔

"جی ہو گیا۔" ازہان حیدر نے شولڈر دیوار سے ٹکاتے نکھرے نکھرے پودوں پہ نظریں جمائیں۔

"گڈ ٹو سی یو! کافی ٹائم ہو گیا تھا تم سب سے ملے یہاں ملازم ہیں ہالہ کی دیکھ بھال کے لیے۔ لیکن ہالہ کی ضد تھی کہ وہ اپنی فیملی کے پاس جائے گی سو میں نے پلان کر لیا تھا کراچی کا مگر آنٹی (سحرش) نے کہا کہ تم آؤ گے ہالہ کو لینے۔" ازہان حیدر نے کسی قدر چونک کر صفیان کو دیکھا۔ امی نے تو کہا تھا صفیان بہت مصروف ہے اور وہ ہالہ کو چھوڑنے نہیں آنا چاہتا تھا جبکہ صفیان کچھ اور کہہ رہا تھا۔

صفیان اچھا انسان تھا۔ بہنوئی کے رشتے کے علاوہ ازہان حیدر کی اس سے اچھی دوستی تھی۔ امی کا اسے اسلام آباد بھیجنے پہ زور دینا۔ پھر اچانک شرجیل سے پریشے کا رشتہ طے کر دینا۔۔۔ وہ کچھ الجھ گیا تھا۔ ملازم ڈائننگ میز پہ کھانا لگا رہا تھا۔

"کل جا رہے ہو' رکتے نا مزید کچھ روز!" صفیان نے اصرار کیا۔

"پھر کبھی صفیان بھائی اس وقت تو آپی کو لینے آیا تھا۔" اس نے بات بنائی۔

"تم سے تو بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔۔۔ گھر میں سب کیسے ہیں؟" صفیان کی مصروفیت کی وجہ سے تفصیلی ملاقات نہ ہو سکی تھی۔

"سب ٹھیک ہیں' آپ بھی ساتھ چلیں۔"

"ہالہ کو لینے آؤں گا۔" صفیان نے مسکرا کے کہا۔ وہ بھی مسکرا دیا۔

"تمہاری کزن پریشے کیسی ہے؟ لاسٹ ٹائم ملا تھا جب فاطمہ آنٹی۔۔۔ اس وقت وہ کافی ڈسٹرب تھی۔ اب کچھ نارمل ہوئی۔" صفیان کے ذکر کرنے پہ سیب

کی پائیٹ لیتے وہ ایک ثانیے کو تھم سا گیا۔ صفیان اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ جلد سنبھلا۔

"جی ٹھیک ہے۔" اس نے نگاہ آسمان پہ جمادی۔

"تمہیں کیا ہوا کچھ بجھے بجھے ہو۔ تم تو بہت زندہ دل ہوا کرتے تھے۔" صفیان کو اس کی خاموشی عجیب لگ رہی تھی۔ وہ گھنٹوں بولنے والا جس طرح سوچ سوچ کر ہر سوال کا جواب دے رہا تھا۔ اس کے لیے بہت حیران کن تھا۔

"آجائیں کھانا لگ گیا۔" ہالہ ڈائننگ میز تک آئی۔

"ہالہ! یہ اپنے ازہان کو کیا ہوا بہت چپ چپ ہے۔ تم تو بہن ہو۔ تمہیں بتایا ہوگا۔" صفیان نے ڈائننگ میز کی طرف پیش قدمی کرتے ہالہ کو بھی گھسیٹا۔ ہالہ نے دونوں کو دیکھا۔

"یہ تو میں نے بھی نوٹس کیا ہے کئی بار پوچھ چکی ہوں مگر یہ کچھ بتا نہیں رہا' آپ پوچھ لیں۔" ہالہ نے کرسی سنبھالی۔

"کوئی بات نہیں ہے آپ دونوں بلاوجہ سوچ رہے ہیں۔" ازہان حیدر نے باقی کا سیب ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔ "آپی صبح نکلنا ہے ہم نے۔" اس نے یاد دلایا۔

"میں نے مام کو بتایا تھا دو دن بعد آؤں گی۔ تم نے اچانک کل کا پلان بنالیا۔" ہالہ نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"اچانک جاکر سرپرائز دیں گے تو اس کا مزا ہی اور ہوگا۔" اس نے بات بنائی۔ یہ سچ تھا کہ انہیں دو دن بعد لوٹنا تھا۔ مگر اس نے میٹنگ جلدی نبٹا کر جان چھڑالی تھی۔ اور فری ہوتے ہی اگلے دن کی سیٹ کنفرم کروالی تھی۔ جہاں وہ دشمن جاں تھی۔ جس نے اس کی ناراضی کا پلٹ کر پوچھا تک نہیں تھا۔ جانے وہ کیسی تھی۔ کس حال میں تھی۔ کئی بار اس کا نمبر اسکرین پہ لا کر اس نے ہٹایا تھا۔ وہ خود اسے کال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر وہ شرجیل کے ساتھ رشتہ بنانا چاہتی تھی وہ کیا کر سکتا تھا۔ ان دنوں اسے ہر چیز سے وحشت ہو رہی تھی۔ ہر چیز کاٹ کھانے کو دوڑ رہی تھی۔ پریشے کے ساتھ محبت بھرے چند دن خواب لگ رہے تھے۔ کیا اس نے دھوکا دیا تھا۔۔۔۔؟ وہ اس کے جذبات سے کھیل رہی تھی۔ یہ سوال ہی اسے پاگل کردینے کے لیے کافی تھے۔

☼ ☼ ☼

سب لان میں بیٹھے تھے۔ جب ازہان اور ہالہ کی آمد ہوئی۔ ان کی اچانک آمد سب کے لیے حیران کن تھی۔

"تم لوگ تو دو دن بعد آنے والے تھے نا!" سحرش گڑبڑا گئیں حمیرا اور نمرا کے چہرے کا رنگ بھی اڑ گیا۔

"کیا ہوا؟ شاید آپ لوگوں کو ہمارے آنے پر دکھ ہوا۔" ہالہ کو ان کے تاثرات خاصے حیران کن لگے تھے۔

"ارے نہیں' تم نے تو کہا تھا کہ دو دن بعد آؤ گے تم لوگ۔" سحرش حیران تھیں۔

"میرا ارادہ تو یہ ہی تھا۔ مگر ازہان نے اچانک سیٹ کنفرم کروالی کہ آپ سب کو سرپرائز دیا جائے۔" سحرش اور حمیرا ایک دوسرے کو معنی خیزی سے دیکھتی رہ گئیں۔ سارا منصوبہ چوپٹ ہوتا لگ رہا تھا۔ ازہان حیدر کس قدر پژمردہ اور خاموش تھا۔ سحرش کو اس کے انداز سے تقویت ہوئی اسی اثناء میں چائے کی ٹرے اٹھائے پریشے چلی آئی۔ ازہان نے بے ساختہ اسے دیکھا تھا۔ اس کے قدم بھی ٹھٹک گئے۔ دونوں کی نظریں اک ثانیے کو ملی تھیں اور جیسے وقت تھم گیا تھا۔

"کیسی ہو پریشے؟" ہالہ نے مسکراتے ہوئے احوال دریافت کیا۔ ٹرے رکھ کر وہ ہالہ کے گلے لگی۔

"ٹھیک ہوں آپی آپ کیسی ہیں؟" وہ ہولے سے بولی۔ آواز میں زندگی مفقود تھی۔ چہرے پہ بشاشت نام کی چیز نہ تھی۔ ازہان حیدر کی نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔

"ہالہ تم بالکل ٹھیک موقع پہ آئی ہو۔ کل پریشے اور شرجیل کا نکاح ہے۔" ازہان حیدر کے سر پہ آسمان آگرا تھا۔ شاکڈ ہو کر پریشے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ نظریں

چرائے گھاس پہ دوزانوں بیٹھی سب کو چائے سرو کرنے لگی۔ ہالہ خوشی کا اظہار کررہی تھی۔ ازہان حیدر جھٹکے سے اٹھ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر جانے والے راستے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ سب نے معنی خیزی سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ پریشے کو اس کا جانا محسوس ہوا مگر وہ ان سب کے درمیان بیٹھی رہی۔ رات کے کھانے پہ بھی ازہان نہیں آیا تھا۔

"ازہان کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے کیا..... کچھ عجیب سا ابی ہیو کر رہا ہے۔" تمام باتوں سے انجان ہالہ نے فکر مندی سے استفسار کیا۔

"نہیں مسئلہ کوئی نہیں، بس تھوڑا دماغ خراب ہے اس کا۔" سحرش نے ناگواری سے کہا۔ پریشے چور سی ہو گئی۔

✡ ✡ ✡

"آگیا ہے تیرا یار اگر تجھے اس کے آس پاس بھی دیکھا تو نکاح کے فوراً بعد طلاق دے دوں گا۔" وہ کچن میں برتن دھو رہی تھی۔ جب شرجیل آکر پھنکارا۔ پریشے احسن سمٹ گئی۔ وہ تو ہالہ اچانک آگئی جس کی وجہ سے وہ کچن سے چلا گیا۔ پریشے احسن نے سکون کا سانس لیا۔ ورنہ جانے وہ کیا کیا بکواس کرتا۔

"شرجیل مجھے دیکھتے ہی کیوں چلا گیا۔ شاید میں نے غلط موقع پہ انٹری کر کے تم دونوں کو ڈسٹرب کیا؟" ہالہ اپنے تئیں چھیڑنے لگی۔ پریشے کے اندر درد جاگنے لگا۔ اگر یہ چھیڑ چھاڑ کسی اور کے لیے ہوتی تو وہ یقیناً بلش کر جاتی۔ مگر اب نہیں۔

"آپ کو کچھ چاہیے تھا آپی؟" اس نے میزبانی کے ناتے پوچھا۔

"ہاں تھوڑی بھوک لگی تھی، سوچا دودھ پی لوں کچھ کھانے کا موڈ نہیں ہے۔"

آپ بیٹھیں میں گرم کر دیتی ہوں۔" پریشے نے فریج سے دودھ نکالا۔

"تھینکس سوئٹی!" ہالہ کرسی پہ بیٹھ گئی۔ "پیپرز کیسے ہوئے تمہارے؟" وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔

"اچھے ہوئے۔" دودھ کا پین چولہے پہ رکھتے اس نے گلاس میں معمولی مقدار میں چینی اور ہارلکس ڈالا۔

"ازہان کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے پریشے۔ مام نے بھی سیدھا جواب نہیں دیا۔ تم سے پوچھ رہی ہوں کہ تم دونوں اچھے دوست رہے ہو..... ابھی بھی کچھ نہیں کھایا۔ کچھ ڈسٹرب سا ہے۔" ہالہ تھی تو سحرش کی اولاد مگر وہ بھی ازہان حیدر جیسی تھی محبت کرنے والی، ملنسار، پریشے نے نیم گرم دودھ گلاس میں ڈال کر اس کے سامنے رکھا۔

"ڈرائی فروٹ نکالوں آپ کے لیے؟" اس کا سوال سرے سے نظر انداز کر کے پوچھنے لگی۔ ہالہ کو بہت محسوس ہوا۔

"نہیں دودھ کافی ہے شکریہ!" ہالہ گلاس لے کر کچن سے نکل گئی۔ پریشے نے کچن کے شیلف سے کمر ٹکا دی۔ صبح تک خود کو مضبوط بنائے رکھنے والی پریشے ازہان حیدر کو دیکھتے ہی کمزور پڑنے لگی تھی۔ وہ جو کرنے جا رہی تھی کیا وہ درست فیصلہ تھا۔ وہ بے بسی سے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

ازہان نے جیکٹ اتار کر پوری قوت سے دیوار پہ دے مارا۔ تو یہ بات وجہ بنی ہوئی تھی۔ اس کی بے چینی کی۔ وہ آرام سے نکاح کرنے جا رہی تھی اور وہ بے وقوف اس امید پہ بیٹھا تھا کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے گی۔ مگر اس نے لاتعلقی کا مظاہرہ کر کے اس سے رابطہ نہیں رکھا تھا۔ اور اب نکاح کر رہی تھی۔ اسے بلا کا غصہ آیا تھا۔ پریشے سے دوٹوک بات کرنے کے ارادے سے اس نے کمرے کا دروازہ کھولا اور اگلے لمحے ٹھٹک گیا۔ پریشے احسن دروازے پہ کھڑی تھی۔ دستک کے لیے اٹھے ہاتھ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ دستک دینے لگی تھی۔

"تمہارے لیے کچھ لاؤں، تم نے کھانا نہیں

کھایا۔" پریشے اسے اچانک سامنے دیکھ کر گڑبڑا گئی۔
وہ کڑے تیوروں سے اسے گھور رہا تھا۔ پلک جھپکتے اس کا ہاتھ سختی سے پکڑا تھا۔ اس نے اسے کمرے میں کھینچا تھا۔ دروازہ دھڑ سے بند کیا۔

"کون سا کھیل کھیل رہی ہو تم میرے ساتھ۔"
مارے درد کے پریشے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"شرجیل سے رشتہ کر لیا اور اب نکاح کر رہی ہو۔ تو وہ سب کیا تھا جو میرے ساتھ کیا۔؟ دھوکا دیا مجھے۔؟ کھیلتی رہی میرے جذبات سے؟" پریشے درد سے دہری ہو گئی۔

"درد ہو رہا ہے؟؟
میرے درد کا احساس ہے تمہیں۔۔۔ مجھے تم جیسی لڑکی کا اعتبار کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ ماما صحیح کہتی ہیں تم جیسی۔۔۔" پریشے نے بے ساختہ اذہان حیدر کے گال پہ تھپڑ رسید کر دیا تھا۔ اذہان حیدر کی جنون خیزی رک گئی۔ وہ جو جذبات میں جانے کیا کچھ بولنے لگا تھا پریشے احسن کے تھپڑ نے اس کی زبان بند کر دی۔ پریشے نے بپھر کر جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔ اس کے دونوں کالر کے سرے دبوچ لیے۔

"ہاں میں بدکردار ماں کی بدکردار بیٹی ہوں۔۔۔ ایک یہ ہی طعنہ میری زندگی کو چاٹ رہا ہے۔ شرجیل سے پہلے رشتہ اور اچانک نکاح طے ہونے پہ جتنے تم حیران ہو اتنی میں بھی ہوں۔ یہ فیصلہ کس کا ہے مجھے نہیں پتا۔ میری مرضی کسی نے نہیں پوچھی۔ میرے سگے باپ نے بھی نہیں۔ جو تمہاری خالہ کے ہاتھ کٹھ پتلی بنے بیٹھے ہیں۔ انہیں بیٹی کے جذبات نظر نہیں آ رہے۔ سوتیلے بیٹے کی بدنیتی دکھائی نہیں دے رہی۔۔۔ مجھ پہ کوئی الزام لگانے سے پہلے جا کے اپنی ماں سے پوچھو کہ وہ کیوں دیورانی کی بیٹی کو بہو نہیں بنانا چاہتیں۔ کیوں تم سے پیار کرنے پہ گرے ہوئے القاب سے نوازتی ہیں۔ تمہارے جانے کے بعد مجھ سے صرف اس لیے سیل فون چھین لیا گیا کہ میں تم سے رابطہ نہ کر سکوں۔ اس رات میری خاموشی کو تم رضامندی جان کر چلے گئے۔ بنا ملے' بنا کچھ کہے۔ اور اب لوٹے ہو تو الزام لگا رہے ہو۔۔۔ اس گھر میں میرا کوئی نہیں ہے۔ تم بھی نہیں۔" اس کے کالر کو جھنجوڑتے وہ شدید غصے میں سب کچھ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔ اذہان ساکت رہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

لان کے مخصوص گوشے میں اپنی پسندیدہ بینچ پہ بیٹھی پریشے احسن اپنی حرماں نصیبی پہ آنسو بہا رہی تھی۔ ارد گرد پھیلے سناٹے اور کھلے آسمان تلے بلیک شال لپیٹے وہ خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی تھی۔ اپنے رنگ بدلیں تو زندگی اپنا رنگ کھو دیتی ہے۔ وہ اپنوں کے درمیان تو تھی مگر اجنبیوں کی طرح جہاں نہ محبت کی گرمی تھی نہ اپنے پن کی تپش۔ وہ اس قدر قلاش تھی کہ سوائے آنسو بہانے کے اسے اور کوئی کام سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ چند گھنٹوں بعد اس کی زندگی بدلنے والی تھی۔ مستقبل سے متعلق ہر اچھا خیال ذہن و دل سے نکال دیا تھا اس نے۔ آنکھیں شال سے رگڑتے احساس ہوا کوئی بینچ پہ آ کے بیٹھا تھا۔ اس نے بے حد چونک کر گردن موڑ کر دیکھا۔ اذہان اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"رو کیوں رہی ہو!" نظر ملنے پہ استفسار کیا۔ پریشے بغیر کوئی جواب دیے اٹھنے لگی۔ اذہان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"جب جانتی ہو ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے تو کیوں چپ ہو۔" وہ قریب آیا۔

"میں اس دن بھی تمہاری خاموشی پہ ہرٹ ہوا تھا۔ مگر منتظر تھا کہ تم آ کر سچ بولو گی مگر تم نہیں آئیں۔ اور اب نکاح۔۔۔ تم اب بھی خاموش ہو۔" پریشے احسن نے نظریں چرائیں۔ اذہان نے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"تم صرف مجھے اتنا کہہ دیتیں کہ ماما باخبر ہو گئی ہیں تو بات اتنی نہیں بڑھتی۔"

"میں ایک بیٹے کو ماں کے سامنے کھڑا نہیں کرنا چاہتی تھی اپنی وجہ سے۔" اس نے سچ کہا۔

"میں تمہارا ساتھ دینے کے لیے بار بار کھڑا ہو سکتا ہوں ہر کسی کے سامنے۔ ازہان حیدر کے لہجے میں دعوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کل کرو گی نکاح؟" ازہان حیدر نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اک آس تھی ایک امید تھی کہ وہ انکار کر دے گی۔

"ہاں!" مگر جب اس کے ہونٹوں سے فقرہ نکلا تو ازہان حیدر کے چہرے پہ سایا سا لہرا گیا۔ اس کے ہاتھ میں موجود پریشے کے ہاتھ پہ گرفت ڈھیلی ہوئی۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے ساتھ!" اس نے شرمیلی مسکان سے کہا تھا۔ وہ کئی ثانیے تک تو سمجھا ہی نہیں۔ جب لفظ دل میں اترے تو چہرے پہ زندگی لوٹ آئی۔

"ریلی!" وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پریشے بھی اس کشمکش سے تنگ آ گئی تھی۔ قربانی وہاں نہیں دی جاتی جہاں اس کی قدر نہ ہو۔ اس نے مسکرا کر یقین دہانی کرائی۔ ازہان حیدر نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بال مٹھی میں بھر لیے۔ "پیچھے ہٹی تو اپنے ساتھ تیری جان بھی لے لوں گا۔"

"لیکن گھر میں؟" وہ آنے والے وقت کا تصور کر کے ہراساں ہو گئی۔

"چپ!" ازہان نے اس کے ہونٹوں پہ انگلی رکھ دی۔

"وہ میرا ہیڈک ہے، تم بس میری بننے کی تیاری کرو!" وہ بادلوں جیسا شخص تھا جو ہر گھڑی ساتھ رہ کر بے سائبانی کا احساس زائل کر جاتا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح سویرے ہی گھر میں ایک بھونچال آ گیا۔ سحرش کی چیخ پکار پریشے کے کانوں تک گئی تو اس کی آنکھ پٹ سے کھل گئی۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکلی۔ آواز لاؤنج سے آ رہی تھی۔

"میں اس بد کردار ماں کی بیٹی کو بہو بناؤں گی، یہ تم نے سوچا بھی کیسے؟" سحرش چیخ رہی تھیں۔

"اگر پریشے میں اتنی ہی برائی ہے تو بھلا بچے کی بیوی بنانے کا کیوں سوچ رہی ہیں۔" ازہان حیدر کی خشک آواز سنائی دی۔ وہ دیوار سے لگ گئی۔ یہ بہت عجیب صورت حال تھی۔ اسی دوراہے سے بچانے کے لیے اس نے خاموشی اختیار کی تھی مگر ازہان حیدر پیچھے نہیں ہٹا تھا۔

"جب ازہان، پریشے سے شادی کرنا چاہتا ہے تو تمہیں کیا مسئلہ ہے۔" حیدر صاحب کی آواز آئی۔ غالباً سب لاؤنج میں موجود تھے۔

"مام میں فیصلہ کر چکا ہوں اور اگر آپ مزید اس فیصلے کے خلاف گئیں تو آپ مجھ سے ہاتھ دھو لیں گی۔" ازہان کا لہجہ انتہائی سنجیدہ تھا۔

"چاچو پریشے آپ کی بیٹی ہے میں خود اس کا رشتہ آپ سے مانگ رہا ہوں..... آپ فاطمہ چاچی کی آڑ میں پریشے کو تکلیف دیتے آ رہے ہیں۔ خدارا اس کی زندگی کا فیصلہ تو سوچ کے کریں۔" ازہان حیدر اب احسن صاحب سے محو کلام تھا۔ پریشے احسن کے ماتھے پہ پسینہ پھوٹنے لگا۔ ایک ساتھ وہ کتنے محاذوں پر لڑ رہا تھا۔

"شرجیل میں کیا برائی ہے؟" احسن صاحب نے الٹا سوال کیا۔

"میں پریشے سے محبت کرتا ہوں اور اس کی شادی کسی اور سے ہونے نہیں دوں گا۔" ازہان حیدر کا لہجہ بے خوف اور اٹل تھا۔ پریشے نے سانس روک لی تھی۔ باقی سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔ احسن صاحب بغور ازہان حیدر کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں ازہان بہت پسند تھا۔ وہ اس کی خوبیوں کے معترف تھے۔ حمیرا پہلو بدلنے لگیں۔ انہیں اپنی دور اندیشی خاک میں ملتی لگی۔

"آپا! آپ نے تو نمرا کے لیے ازہان کی بات کی تھی۔" حمیرا نے جتاتے لہجے میں سحرش کی خاموشی پہ چوٹ کی۔

"زندگی مجھے گزارنی ہے خالہ جانی اور میری ہم سفر صرف پریشے بنے گی۔" ازہان حیدر کے دو ٹوک جواب

پہ سناٹا چھا گیا تھا۔

"مجھے اذہان کے فیصلے پہ کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ جب دونوں راضی ہیں تو بیچ میں شرجیل کو کیوں لائیں۔" حیدر صاحب نے اپنے تئیں بات ختم کردی۔ احسن صاحب کے اندر بھی کہیں نہ کہیں دبی محبت بیٹی کے لیے کرلانے لگی۔ سحرش پچھلے ایک گھنٹے سے بحث کر کے ہار گئی تھیں۔ بلیک میل کر کے بھی دیکھ لیا تھا۔ اذہان حیدر کا لوڈڈ پسٹل بھی انہیں نظر آگیا تھا۔ اس نے صرف اتنا ہی کہا تھا وہ خود کو نقصان پہنچا لے گا اور یہیں آکر وہ کمزور پڑ گئی تھیں۔

"مام' جب اذہان کی خوشی اسی میں ہے تو کیوں ضد کر رہی ہیں۔ شادی عمر بھر کی ہوتی ہے۔ مجھے دیکھیں میں نے بھی پسند سے شادی کی اور آج خوش ہوں۔" ہالہ نے بھی کنونس کرنا چاہا۔

"میں آج ہی پریشے سے نکاح کروں گا تاکہ کل کو پھر کوئی اس کے کمرے میں گھس کر اسے بدنام کرنے کی غلطی دوبارہ نہ دہرائے۔" شرجیل جو کافی دیر سے چپ بیٹھا تھا اذہان حیدر کے کڑے لفظوں میں جتانے پہ اٹھ کر چلا گیا۔ حقیقتاً" اس کی حیدر اور احسن صاحب کے سامنے بولتی بند ہو جاتی تھی۔ حمیرا اور نمرا کے منہ بھی لٹک گئے تھے۔ سحرش بل کھا کر رہ گئی تھیں۔ نکاح خواں ٹائم پہ آیا تھا۔ وہی جوڑا جو حمیرا پہلے دے گئی تھیں۔ پریشے نے زیب تن کیا تھا' مگر اذہان کے نام پہ۔ نکاح ہو چکا تھا۔ سوائے ہالہ حیدر اور احسن صاحب کے چہرے پہ چھائے اطمینان کے علاوہ ہر چہرہ بجھا ہوا تھا۔ شرجیل تو جو گھر سے نکلا پھر لوٹا نہیں تھا۔

نکاح کے بعد بھی پریشے اپنے معمول کے کام میں الجھی ہوئی تھی۔ "پریشے تم اپنا ضروری سامان لے کر میرے کمرے میں آجاؤ!" ڈنر سے فارغ ہو کر اذہان حیدر نے سب کی موجودگی میں جس طرح کہا پریشے کے ہاتھوں میں پسینہ اتر آیا۔

"ابھی کون سا رخصتی ہو گئی ہے۔" سحرش چمکیں۔

"نکاح اہم ہے اور وہ ہو گیا۔ اب یہ میری بیوی ہے۔ رسیپشن ہوتا رہے گا۔ میں یہ فیصلہ نہ کرتا اگر گھر میں نامحرم نہ ہوتا۔ پچھلے واقعے کے بعد میں اپنی بیوی کو کسی کو بھی پریشان کرنے کا حق نہیں دے سکتا۔ مجھے اپنی بیوی پہ بھروسا ہے مگر لوگوں پہ نہیں۔" اذہان کے جواب پہ احسن صاحب کا سر کسی قدر جھک گیا تھا۔

"تم میرے بیٹے پہ الزام لگا رہے ہو۔" حمیرا کو آگ لگ گئی۔

"گزشتہ واقعہ یاد کر لیں خالہ جانی' آپ کو آرام آئے گا۔" وہ کب ادھار رکھتا تھا۔

"آپ نے بے عزت ہونے کے لیے ہی اس عمر میں شادی رچائی تھی نا۔" نمرا بدلحاظی سے حمیرا کو آئینہ دکھاتی چلی گئی۔ حمیرا کسی قدر پھیکی پڑ گئیں۔ ہالہ نے بھی صورت حال جاننے کے بعد جب اذہان حیدر کے فیصلے کو سراہا تو حیدر صاحب نے بھی تائید کردی۔ احسن صاحب کی خاموشی پریشے کو چبھی تھی۔

☆ ☆ ☆

سناٹا گھر میں راج کر رہا تھا۔ ہالہ کتنی دیر اسے سمجھاتی رہی وہ اس کی زود رنجی محسوس کر چکی تھی۔ پریشے بیڈ پہ خاموشی سے بیٹھی تھی۔ نکاح اور اچانک اذہان حیدر کے فیصلے نے اسے چپ کرا دیا تھا۔ دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔ پریشے کی نظریں بے ساختہ دروازے پہ اٹھیں۔ دروازہ کھول کر اذہان اندر آیا تھا۔ نکاح کے بعد یہ ان کی پہلی ملاقات تھی جو تنہائی میں ہو رہی تھی۔

"تم آئیں نہیں تو خود لینے چلا آیا کہ دلہن کب خود کمرے میں آتی ہے۔" وہ اس کے سامنے بیڈ پہ بیٹھ گیا۔ پریشے نے سر جھکا لیا۔

"چلیں!" اذہان نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ پریشے اس کی پھیلی ہتھیلی کو دیکھنے لگی۔

"اگر تمہارا موڈ نہیں ہے تو میں اس کمرے میں آجاتا ہوں۔" وہ کہنی کے بل بیڈ پہ نیم دراز ہو گیا۔ پریشے کو بے نام سی جھجک ہوئی۔

"تم نے تو بیوی بنتے ہی نخرے دکھانے شروع

کر دیے۔" وہ شوخی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"تم نے یہ سب....!" وہ جھجک کے چپ ہو گئی۔
"تم نے ہی تو کہا تھا آج ہی مجھ سے نکاح کرو گی۔ تم نے کہا میں نے عمل کیا۔ پہلی بار کوئی فرمائش کی تھی مجھ سے کیسے ٹالتا۔"
"لیکن سب کو منانا...."
"آسان نہیں تھا۔ میں نے رات ہی مام ڈیڈ اور چاچو سے بات کرلی تھی صبح مام کا واویلا صرف مجھے پیچھے ہٹانے کے لیے تھا اور میں کبھی پیچھے نہیں ہٹتا۔" وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے با آسانی یہ مرحلہ سرانجام دیا ہو۔ پریشے اچھی طرح جانتی تھی۔ کتنی دشواری ہوئی ہو گی۔ وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔
"زندگی میں کچھ بھی آسانی سے نہیں ملتا ڈیئر وائف! اپنے لیے بولنا پڑتا ہے۔ خیر اب تم بولو یا نہ بولو' سب کو تمہارے لیے خود سوچ سمجھ کر بولنا ہو گا۔ کیونکہ میں تمہاری بے عزتی برداشت نہیں کروں گا... میں نے چاچو اور ڈیڈ سے کہہ دیا ہے مجھے شرجیل اس گھر کے آس پاس بھی نظر نہ آئے۔" وہ خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔ زندگی میں بہت کم مرد ایسے ہوتے ہیں جو عورت کو ڈھال نہیں بناتے' اس کے لیے ڈھال بنتے ہیں اور اذہان ان ہی مردوں میں سے تھا۔
"چل رہی ہو یا اٹھا کے لے چلوں!" پریشے احسن جو توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی اچانک سوال پہ ہڑبڑا کے کھڑی ہو گئی۔ مبادا وہ لفظوں کو عملی جامہ نہ پہنادے۔ وہ اذہان سے پہلے کمرے سے نکل گئی تھی' مگر پھر جھجک کے قدم رک گئے۔ چند قدموں کا فاصلہ طے کرنا دشوار لگ رہا تھا۔ شادی نکاح کو لے کر ہر لڑکی کی طرح اس کے بھی کئی ارمان تھے' مگر جو ہوا وہ غیر متوقع تھا۔ اسے اس طرح رخصت ہونا پڑے گا اس نے کبھی سوچا نہیں تھا۔ نہ ہاتھوں میں مہندی لگی تھی' نہ ابٹن ملا گیا تھا۔ نہ اس نے عروسی لباس پہنا' نہ سنگھار ہوا۔ وہ معمول کے حلیے میں کھڑی تھی۔ اس کی جھجک کو دیکھ کر اذہان حیدر نے نرمی سے اس کی

ہتھیلی تھام لی اور ساتھ چلنے لگا۔ چند قدموں کا فاصلہ طے کرکے اذہان نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا۔ بازوؤں سے تھام کر پریشے کو آگے کیا۔
دروازہ کھلتے ہی دلفریب مہک نے استقبال کیا تھا۔ موم بتیوں کی روشنی کمرے کے ماحول کو خواب ناک بنا رہی تھی۔ "بحیثیت بیوی پہلی بار کمرے میں آئی ہو۔ کمرا تمہارے شایان شان سجا تو نہیں سکا کہ وقت قلیل تھا۔" اذہان حیدر نے اسے بیڈ پہ بٹھا دیا۔ خود مقابل بیٹھ گیا۔ سائڈ دراز سے ایک کارڈ اور مخملیں کیس نکال کر پریشے احسن کے حوالے کیا۔
"شوہر نامدار کی طرف سے پہلا تحفہ قبول کرو۔" وہ شوخی سے کہہ رہا تھا۔ پریشے کو بے طرح شرم محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے کارڈ کھول کر دیکھا۔
"میری زندگی میں آنے کے لیے شکریہ!" خوب صورت عبارت میں درج تھا۔ ساتھ ہی اذہان نے عبارت زیر لب دہرائی۔ پریشے اس صورت حال سے کچھ حواس باختہ ہونے لگی تھی۔ مخملیں ڈبا کھول کر اذہان نے اس میں سے خوب صورت لاکٹ سے مزین چین نکالا اور اس کی گردن کی زینت بنانے لگا۔ پریشے نے بکھرے بالوں کو سمیٹ کے ایک طرف کیا۔
"پسند آیا؟"
"بہت خوب صورت ہے!" وہ لاکٹ چھو کر سراہ رہی تھی۔ اذہان حیدر نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔
"پریشے! میں جانتا ہوں' جو ہوا وہ بہت اچانک ہوا... تم اس کے لیے ذہنی طور پہ تیار نہیں ہو گی' لیکن تمہیں اپنے پاس بلانے کے علاوہ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔" وہ خاموشی سے اس کی دھیمی سرگوشی سن رہی تھی۔
"اس بلاوے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم آج سے کوئی ریلیشن شروع کریں... نہیں... جب تم کہو گی... جس دن کہو گی... اسی وقت سے ہمارا رشتہ شروع ہو گا۔" اس کے ہاتھوں کی حدت اور سرگوشی پہ پریشے کو کسی قدر سکون محسوس ہوا۔ ورنہ دھڑکنیں

متوحش ہوگئی تھیں۔

"ٹیک یور ٹائم! تب تک تم یہی رہوگی میرے سامنے میرے پاس۔۔۔ جب کہوگی شادی ارینج ہوگی۔ ابٹن مہندی، عروسی جوڑا۔ تم بھی ویسی دلہن بنوگی جیسا تم نے تصور کیا ہوگا یا جیسا میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

پریشے احسن بے ساختہ اسے دیکھنے لگی تھی۔ پریشے دل سے اس کی مزید معترف ہونے لگی تھی۔ وہ کیسے جان گیا تھا کہ ایک خلش لیے وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"میں بس تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں میرے لیے اتنا کافی ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور میری بیوی ہو۔" پریشے کی نظروں میں عقیدت کے رنگ جھلکنے لگے تھے۔ اس کی ساری محرومیاں گلے شکوے چہرے پہ آگئے تھے۔ وہ جانتا تھا۔ وہ خود کو کتنا اکیلا محسوس کرتی ہے۔

"ساری رات دیکھتی رہوگی یا سونے کا بھی ارادہ ہے۔" اس کی پرنم پیشانی پہ اپنا لمس چھوڑا۔ بار حیا سے اس کی پلکیں جھک گئیں۔ وہ مسکرا کر بیڈ کی دوسری طرف چلا گیا۔ بیڈ کے سرہانے بے شمار کشنز لگے ہوئے تھے جنہیں اٹھا کر اس نے دونوں سروں کے بیچ میں کشن سے لمبی لائن بنادی۔

"یہ میرا پورشن اور یہ تمہارا۔" اس نے دونوں سروں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اسے تکتی رہی۔ جو اپنی جگہ پہ لیٹ چکا تھا۔ بالوں کا آبشار پریشے کے آدھے چہرے کو کور کرچکا تھا۔ وہ محویت سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"یہ آہنی دیوار کب گراؤگی یہ فیصلہ تم پہ چھوڑتا ہوں۔" اس نے ایک نظر اسے دیکھا پھر شرما کر اپنی جگہ پہ تکیہ ٹھیک کرکے لیٹ گئی۔

☆ ☆ ☆

"مجھے حیرت ہے آپی کہ آپ نے اتنی خاموشی سے یہ سب ہونے دیا۔" حمیرا سحرش پہ برہم تھیں۔

"تو کیا کرتی اولاد سے ہاتھ دھولیتی۔" سحرش سخت جھنجلائی ہوئی لگ رہی تھیں۔

"نفرت کا اظہار کرتی رہیں اور پریشے کو بہو بھی بنالیا۔" حمیرا کا گلہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

"نفرت تو مجھے آج بھی ہے پریشے سے اتنی ہی جتنی فاطمہ سے تھی۔ میری خواہش تھی تم احسن کی بیوی بنو، لیکن جب احسن فاطمہ بیاہ لایا تو اسی دن سے میرے دل میں فاطمہ کے لیے کدورت آگئی۔ احسن جو میری بات پہ آنکھ بند کرکے چلتا تھا اپنی پسند سے شادی کرکے اس نے میری حاکمانہ فطرت کو نیچا دکھایا تھا۔ وہ دن اور آج کا دن فاطمہ سے نفرت برقرار ہے۔ گو اسے راستے سے ہٹنے میں ٹائم لگا، مگر دیکھ لو میں نے اپنی ضد پوری کرہی لی، تمہیں احسن کی بیوی بنا کرہی دم لیا۔" سحرش کے لہجے میں فتح کا رنگ آیا۔

"کیا فائدہ اس عمر میں شادی کا۔۔۔ الٹا تماشا ہی لگا ہوا ہے میرا۔۔۔" حمیرا اپنے بچوں کے ہاتھوں ذلت پہ افسوس کرنے لگیں۔

"وہ نادان ہیں جب احسن کی کروڑوں کی پراپرٹی کا احساس ہوگا تب تمہارے عمل کو سراہیں گے۔ ٹٹ پونجیے شوہر سے تمہیں ساری عمر کیا ملا۔۔۔؟ یہاں سب تمہارا اور تمہارے بچوں کا ہوجائے گا۔" سحرش کی دوراندیشی پہ حمیرا کا غم کچھ غلط ہوا۔

"لیکن اب یہ سوچنا ہے کہ پریشے کو کیسے اذہان کی زندگی سے نکالا جائے۔" سحرش کی پرسوچ آواز آئی۔ لمحہ بھر کے لیے لاؤنج میں سناٹا چھا گیا، لیکن یہ سناٹا کسی کے لیے طوفان بن گیا۔ احسن صاحب پہ ساری گرہیں کھل گئی تھیں۔ ماں باپ کے انتقال کے بعد انہوں نے حیدر صاحب اور سحرش کو ماں باپ کا درجہ دیا تھا، لیکن سحرش نے ساری زندگی محبت کا ناٹک کیا۔ وہ فاطمہ کے ساتھ بہت خوش تھے۔ ان کی چھوٹی سی دنیا تھی فاطمہ اور پریشے، لیکن فاطمہ کے جاتے ہی پریشے بھی ان کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔ وہ فاطمہ اور اس کے خون سے بدگمان ہوگئے تھے، لیکن اذہان حیدر نے جس طرح پریشے سے نکاح کی بات کرکے انہیں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

احساس دلایا تھا وہ حمیرا کے ذہن سے ہٹ کر سوچنے لگے تھے اور اب ان دونوں بہنوں کی پلاننگ سن کر انہیں خود پہ کنٹرول رکھنا مشکل لگ رہا تھا۔ وہ جذبات میں آکر کوئی حماقت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ ساری صورت حال کو باریکی سے جانچ رہے تھے۔ حمیرا کی چالاک فطرت بھی ان پہ کھل گئی تھی تو سحرش بھی اپنے مقام سے نیچے آگئی تھیں۔ انہیں فاطمہ بے طرح یاد آرہی تھیں۔ جانے وہ کہاں تھیں؟ کس حال میں تھیں؟ وہ کردار کی کمزور نہیں تھیں کہ کسی کے ساتھ بھاگ جاتیں' پھر کیا کڑی تھی جو مل نہیں رہی تھی۔ فاطمہ کا وہ خط آج بھی انہیں یاد تھا۔ کچھ تھا جس کی انہیں کھوج لگانا تھی۔

☆ ☆ ☆

مسلسل بجتے الارم سے اس کی آنکھ کھلی۔ آنکھ کھلتے اک پل کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے' مگر جب بیڈ کے دوسرے سرے پہ سوئے اذہان حیدر پہ نظر پڑی تو اسے سب یاد آگیا۔ ٹائم پیس مسلسل شور کر رہا تھا۔ اذہان کی نیند ڈسٹرب نہ ہو اس خیال سے اس نے اٹھ کر ٹائم پیس بند کرنا چاہا' مگر اذہان کی نیند ڈسٹرب ہو چکی تھی شاید تب ہی کروٹ بدلنے لگا اور ٹائم پیس اٹھانے کے چکر میں اونچی ہوتی پریشے احسن' اذہان حیدر کی گرفت میں آگئی۔ بازو پہ بوجھ محسوس کرتے اذہان نے پٹ سے شرارتی بچے کی طرح آنکھیں کھول دیں۔ پریشے کو بازو کے حلقے میں دیکھ کر اس کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اتنی جلدی کس آہنی دیوار گرانے کی۔" بکھرے کشنز کی طرف اشارہ کرتے شرارت سے پوچھ رہا تھا۔ چہرے پہ آئے بالوں کو پیچھے کرتی پریشے سٹپٹا گئی۔

"میں الارم بند کرنے لگی تھی تو۔" جھکی نظروں سے وہ فقط اتنا ہی بول سکی۔

"اچھا بہانہ ہے۔" چھیڑنے لگا۔ پریشے نے اس کا بازو ہٹایا اور اٹھ بیٹھی۔ تکیہ پشت سے لگاتے اذہان بھی اٹھ بیٹھا۔ اس نے ٹائم پیس اٹھا کر مسلسل بجتے الارم کا گلا دبایا۔

"اٹھ جاؤ' ورنہ آفس کے لیے دیر ہوجائے گی۔" پریشے نے بکھرے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

"کمال کی بیوی ہو۔۔۔! بیویاں شوہر کو آفس جانے سے روکتی ہیں تاکہ ان کے ساتھ ٹائم اسپینڈ کریں اور اک تم ہو جو آفس بھیجنے کی بات کر رہی ہو۔" اس کی شوخی سے کہی بات پہ پریشے نے بال لپیٹ کر کیچر میں قید کرتے اسے مصنوعی خفگی سے دیکھا۔

"جی' بعد میں وہی عورتیں نکمے شوہر کا رونا روتی ہیں۔" وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

"رہنے دو نا کھلے اچھے لگتے ہیں۔" اذہان نے ہاتھ بڑھا کر کیچر اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ اس کے ہاتھ بھی نیچے کردیے تو بال بکھر گئے۔ پریشے کے چہرے پہ حیا کا رنگ آگیا۔ وہ دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ پریشے اٹھ کر وارڈروب تک آئی پٹ کھولے وہ اذہان کے کپڑے دیکھنے لگی۔ اذہان بھی اٹھ کر اس کے پیچھے آکھڑا ہوا۔

"کون سے کپڑے نکالوں۔" تھوڑی اس کے شانے پہ رکھتے وہ بازو کا حلقہ اس کے گرد کرچکا تھا۔ "جو دل کرے۔" کان کے قریب ہولے سے سرگوشی کی۔ پریشے اس کی قربت اور لمس سے سمٹی جارہی تھی۔

"یہ ٹھیک ہے؟" ہینگر نکال کر اس کے سامنے کیا۔

"نہیں۔ اس میں' میں بہت اچھا لگتا ہوں۔ کسی کو اچھا لگ گیا تو تمہیں مسئلہ ہوگا۔" وہ شوخی سے کہتا اپنے سر کے ساتھ اس کے سر کو ہولے ہولے گردش دے رہا تھا۔

"لگتے رہو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" پریشے نے لاپروائی سے کہا۔ اذہان نے اس کے شانے تھام کر گھما کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"بس اتنی جلدی اپنا بیان تبدیل کرلیا؟" مسکراتے ہوئے حیرانی سے کہا۔

"اب تم میرے جو ہوگئے ہو!" وہ نظریں جھکا کر کہہ گئی۔

"ہوئے ہوئے!" اس کی شوخی پہ پریشے نے اسے دھکیلا تھا۔

"تم کتنوں کو اچھے لگتے ہو مجھے اس سے غرض نہیں، لیکن تمہیں کوئی اچھی نہ لگے گوٹ اٹ!" وارن کرنے والے اسٹائل سے بول رہی تھی۔
"او کے سوئیٹ ہارٹ!" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتا وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

✡ ✡ ✡

پریشے تیزی سے سب کے لیے ناشتا بنا رہی تھی۔ جب تک سب آئے ناشتا تیار ہو چکا تھا۔
"تائی جی!" سحرش کا ناشتا ان کے سامنے رکھا تو انہوں نے اتنی سرد نظروں سے اسے اور اس کے سراپے کو دیکھا کہ وہ اک پل کو جم سی گئی۔ پریشے احسن کی جیت اور اپنی ہار نے انہیں کتنا تنگ کیا ہوا تھا یہ ان کے چہرے سے صاف پڑھا جا سکتا تھا۔ حمیرا اور نمرا نے بھی اسے دیکھ کر نخوت سے منہ پھیرا تھا۔ حیدر صاحب نے بے ساختہ دعا دی تھی۔ اس کی نظریں خاموش بیٹھے احسن صاحب پہ تھیں۔ جانے کیوں اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ اتنی بدنصیب تھی کہ اسے نئی زندگی کی شروعات میں ماں باپ کی دعا بھی نہیں مل سکی تھی۔ وہ ان کا ناشتا سامنے رکھ کر دیگر چیزیں میز پہ لگانے لگی۔
"السلام علیکم!" فریش ترو تازہ اذہان حیدر داخل ہوا تھا۔ سحرش نے اس کے کھلتے چہرے کو بغور دیکھا۔ حمیرا اور نمرا کے سینے پہ سانپ لوٹنے لگے۔ پریشے کے دونوں بازوؤں کو ایک لمحے کے لیے چھو کر وہ اپنی جگہ پہ بیٹھنے سے پہلے اسے بھی ساتھ بٹھا چکا تھا۔ پریشے اس کے آگے بھی ناشتا رکھنے لگی۔ سب خاموشی سے ناشتا کر رہے تھے۔ نمرا نے نخوت سے پلیٹ کھسکا دی۔
"کیسا آملیٹ بنایا ہے تم نے نمک بھرا پڑا ہے۔" نمرا پریشے کو سخت تیوروں سے گھور رہی تھی۔
"میں دوسرا بنا دیتی ہوں۔" پریشے اٹھنے لگی۔ اذہان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "اپنا ناشتا کرو۔" اذہان حیدر نے نرمی سے کہہ کر نمرا کی طرف رخ کیا۔
"پریشے اس گھر کی ملازمہ نہیں ہے نمرا۔ تم اپنا کام خود کیا کرو یا ملازم سے کرواؤ!" لگی لپٹی رکھنے کی بجائے اس نے دو ٹوک کہا۔
"پہلے بھی پریشے کرتی رہی ہے۔" سحرش نے ناگواری سے کہا۔
"یہ اس کی محبت تھی، لیکن مجھے اس کی محبت کا کسی پہ کوئی اثر ہوتا نظر نہیں آرہا۔ سو اسے بھی بلاوجہ ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔ فل ٹائم کک کا بندوبست میں کروا دوں گا۔ فی الحال سب اپنے کام خود کریں۔ پریشے کسی کا کام نہیں کرے گی۔" اذہان حیدر کے فیصلہ سنانے پہ سحرش کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔
"اذہان ٹھیک کہہ رہا ہے۔" حیدر نے بھی تائید کی۔
"گھر میں جتنی خواتین ہیں سب مل بانٹ کر کام کرلیں۔ جب تک ملازم کا بندوبست نہیں ہو جاتا۔" سحرش جلبلا کے رہ گئیں۔ ان کے منہ میں بھی زبان آنے لگی تھی۔ حمیرا اور نمرا نے پہلو بدلا۔ گھر کی فضا بدلنے لگی تھی پہلے صرف اذہان آواز اٹھاتا تھا اب اس میں حیدر صاحب بھی شامل ہونے لگے تھے۔
"اذہان! باقاعدہ شادی کی تقریب کا کب تک پلان ہے۔" خاموش بیٹھے احسن صاحب نے اچانک کہا تو سب کو سانپ سونگھ گیا۔ اذہان حیدر کو خوشگوار حیرت ہوئی۔ پریشے حیرانی سے احسن صاحب کو دیکھنے لگی۔
"میں اپنی بچی کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کرنا چاہتا ہوں۔ میری بچی کوئی لاوارث یتیم نہیں ہے۔" حمیرا کو اپنی آنکھوں اور کانوں پہ یقین نہیں آرہا تھا۔ پریشے نے اذہان کو پھانس رکھا ہے۔ رات ہی تو انہوں نے اس بات پہ ایک گھنٹا ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انہیں ہمنوا بنایا تھا اور اب احسن صاحب کے منہ سے یہ سب سن کر انہیں رات کی ان کی خاموشی پراسرار لگی تھی۔
"جب کہیں چاچو۔ ویسے تاریخ تو لڑکی والے دیتے ہیں۔" اذہان کے شوخی سے کہنے پہ احسن صاحب پھیکے سے مسکرا کر پریشے احسن کو دیکھنے لگے۔ جو آنکھوں میں آنسو لیے بے یقینی سے انہیں تک رہی

تھی۔ انہیں اس پہ بے حد ترس آیا۔ ان کی موجودگی کے باوجود وہ کتنی ڈری سہمی اس گھر میں رہتی تھی۔ ماں کے نام کا طعنہ کوڑے کی طرح اس کی پشت پہ مارتے انہیں کبھی اس کے جذبات واحساسات کی فکر نہیں ہوئی تھی۔

مرد شاید کبھی عورت پہ اعتبار نہیں کرتا وہ بس اعتبار کرنے کا دکھاوا کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو احسن صاحب اپنی عزیز بیٹی پہ ضرور اعتبار کرتے اسے ناکردہ گناہوں کی پاداش میں اس کے ہی گھر میں ملازموں کی طرح زندگی گزارنے پہ مجبور نہ کرتے۔ جو فیصلہ بحیثیت باپ احسن صاحب کو کرنا چاہیے تھا، مگر انہوں نے اس کے آنسو پونچھنے کی بجائے نہ صرف چالاک وعیار سوتیلی ماں مسلط کردی بلکہ سوتیلی نخریلی بہن اور بدفطرت سوتیلا بیٹا بھی اس کے اعصاب چٹخانے کے لیے رکھ چھوڑا۔ انہیں اپنی ساری غلطی نظر آرہی تھی اور اب وہ اس غلطی کو سدھارنا چاہ رہے تھے۔ پریشے کے آنسو بہنے لگے تھے انہیں ندامت ہونے لگی۔

"مجھے معاف کردینا میری بچی!" احسن صاحب بھی رونے لگے۔ پریشے اٹھ کر ان کے شانے سے لگ گئی۔ حمیرا، سحرش اور نمرا اک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگیں۔

"یہ تو بہت اچھا ہوا جو تمہیں بیٹی کی حق تلفی کا احساس ہوا۔" حیدر صاحب نے بے ساختہ سراہا۔

"اس ویک اینڈ ہی رکھ لیتے ہیں تقریب!" حیدر صاحب نے ہی کہا تو اذہان حیدر نے تائیدی انداز میں سرہلایا۔ پریشے کا دل ہلکا ہوا تھا۔ شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے احسن اور حیدر صاحب نکل گئے۔ سحرش، حمیرا اور نمرا بھی تنتناتی چلی گئیں۔

"بالآخر چاچو کو احساس ہو ہی گیا اپنے رویے کا۔" ڈائننگ میز سے ٹیک لگاتے اذہان حیدر نے برتن سمیٹتی پریشے کو اپنے سامنے کیا اس کے ہاتھ سے برتن لے کر میز پہ رکھ دیے۔ "باز نہیں آتیں ناان حرکتوں سے۔" اذہان نے برتنوں کی طرف مصنوعی خفگی سے اشارہ کیا، وہ ہولے سے مسکرائی۔

"عادت ہے!"

تم بھی تو اپنی عادتوں سے باز نہیں آتے پاپا کو احساس دلانے میں تمہارا بہت بڑا ہاتھ ہے۔" پریشے نے سچائی سے اعتراف کیا۔

"شام کو تیار رہنا۔ پہلے ڈنر پہ جائیں گے پھر لانگ ڈرائیو... پھر..." اس کے شانوں پہ بازو پھیلا کر کچھ سوچنے لگا۔

"پھر...!" وہ جاننا چاہتی تھی۔

"پھر سیدھا گھر آئیں گے اور شریف بچوں کی طرح سوجائیں گے... تم اس پار اور میں اس پار کشنز کی دیوار کے۔" اس کی شرارت پہ پریشے کے لبوں پہ شرمیلی مسکان پھیل گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

سحرش جلے پیر کی بلی کی طرح چکر کاٹ رہی تھیں۔ انہیں اپنی حکومت گرتی محسوس ہورہی تھی۔ حمیرا بھی سر پکڑے بیٹھی تھیں۔ نمرا کسی سہیلی کے گھر جاچکی تھی۔ پریشے اذہان کی ہدایت پہ اپنا ضروری سامان اذہان کے روم میں شفٹ کررہی تھی۔ وہ بہت آسودہ ہوگئی تھی۔ احسن صاحب کے آج کے رویے نے جہاں اسے پرسکون کردیا تھا وہی فاطمہ کی کمی شدت سے محسوس ہورہی تھی۔

"یہ گنگا الٹی کیسے بہنے لگی۔" حمیرا سخت متعجب تھیں۔

"سمجھ تو مجھے بھی نہیں آرہی۔ کہاں تو احسن بیٹی کی شکل دیکھنے کے روادار نہیں تھے اور کہاں یہ عالم ہے۔" حمیرا کی حیرت کسی طور کم نہیں ہورہی تھی۔ سمجھ تو سحرش بھی نہیں پارہی تھیں۔ انہیں اس گھر میں نہ کبھی فاطمہ اچھی لگی تھیں نہ وہ پریشے کو برداشت کرنے کے موڈ میں تھیں۔ اگر اذہان حیدر بیچ میں نہ آتا تو وہ پریشے کا نام بھی اس گھر سے نکال دیتیں، لیکن اب ان کی برسوں کی حکمرانی کو جیسے زوال آنے لگا تھا کہ مقابل ان کا بیٹا تھا جو حریف کی ڈھال بنا ہوا تھا۔

"پریشے کو جلد ازہان سے طلاق دلوانی ہوگی۔"
سحرش پرسوچ انداز میں ٹہل رہی تھیں۔
"مگر کیسے ازہان تو پاگل بنا ہوا ہے اس کے پیچھے۔"
حمیرا نے تنفر سے کہا۔
"یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ دونوں؟" ہالہ لاؤنج میں آئی تو ان کی گفتگو سن کر سخت متعجب ہوئی۔ وہ دونوں کو باری باری دیکھ رہی تھی۔ حمیرا خاموش رہیں۔
"مام! آپ کی فاطمہ چاچی سے بے بنیاد نفرت کا بھی ہمیں نہیں پتا۔ حالانکہ فاطمہ چاچی نے کبھی آپ سے لڑائی جھگڑا نہیں کیا۔ مجھے اور ازہان کو ہمیشہ پریشے جتنی محبت دی اور اب جب پریشے اور ازہان نکاح کے مقدس بندھن میں بندھ گئے ہیں تو۔۔۔" ہالہ کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔
"تم ابھی بچی ہو۔۔۔ تم اس معاملے سے دور رہو۔"
سحرش سنبھل کر ناگواری سے بولیں۔
"کیسے دور رہوں۔۔۔ میرے بھائی کی زندگی کا معاملہ ہے۔ وہ بہت خوش ہے پریشے کے ساتھ اور پریشے بھی بہت اچھی ہے۔" ہالہ سچ کہنے سے باز نہ آئی۔
"تم دونوں بہن بھائی کو تو ہمیشہ فاطمہ اور پریشے اچھی ہی لگی ہے۔" سحرش نے ناگواری سے کہا۔
"یہ آپ کی بلاوجہ کی نفرت ہے۔ جس کی وجہ سے آپ بیٹے کی خوشیوں کو ملیامیٹ کرنا چاہ رہی ہیں، مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔" ہالہ کو سحرش کی سخت نظروں کا سامنا تھا۔
"خوشی ملیامیٹ ہونے کی کیا بات ہے۔ ازہان، نمرا سے شادی کرلے گا۔" حمیرا نے لب کشائی کی۔ ہالہ نے بے ساختہ پلٹ کر انہیں دیکھا۔
"دوسروں کے آشیانے پہ قبضہ جمانے سے وہ آشیانہ کبھی قابض کا نہیں ہو جاتا بلکہ قابض کی غلط فہمی ہے کہ وقتی پڑاؤ کو وہ اپنی ملکیت سمجھ لیتا ہے۔" ہالہ نے ذو معنی انداز میں حمیرا کو جتا دیا۔ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں۔
"تمہاری طبیعت ایسی نہیں ہے کہ تم اس گھر کے معاملات میں دخل دو۔۔۔ آرام کرو جا کے۔" سحرش کو اس کی دخل اندازی بری لگ رہی تھی۔
"میرا خیال ہے میں نے یہاں آکر غلطی کی، میں صفیان کو کال کرنے جا رہی ہوں۔۔۔ یہاں رہی تو اس گھر کے معاملات میں دخل دیتی رہوں گی۔" ہالہ کو برا لگا۔ سحرش کو جواب دے کر وہ چلی گئی۔ سحرش سر پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئیں۔
"آپ کے دونوں بچوں کو بھوت سوار ہے پریشے سے ہمدردی کا۔" حمیرا جل کے بولیں۔

☆ ☆ ☆

"ویسے نکاح کے بعد اپنی لور کے ساتھ ڈیٹ مارنے کا مزا ہی کچھ اور ہے۔ وہی سب کچھ جو بندہ چاہتا ہے حلال طریقے سے حاصل بھی کر لیتا ہے اور گناہ گار بھی نہیں ہوتا۔ میں تو تمام ینگ جنریشن کو یہی مشورہ دوں گا کہ جس سے محبت ہے جس کے لیے کچھ اسپیشل فیلنگ ہے سب سے پہلے اس سے نکاح کرو پھر ڈیٹ شیٹ۔" بہت اچھے سے ڈنر کے بعد وہ لانگ ڈرائیو پہ تھے۔ خوشی ازہان کے ہر انداز سے ظاہر تھی۔ پریشے مسکرا دی۔
"بات تو ٹھیک ہے اگر والدین بلاوجہ کی ضد لگانے کے بجائے جلد ہی بچوں کی شادیاں وقت پہ کر دیں تو وہ نہ ہی غلط سرگرمیوں کی طرف متوجہ ہوں اور نہ ہی حرام طریقے سے ایسی ویسی حرکتیں کر کے گناہ گار ہوں۔" پریشے نے اتفاق کرتے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔
"ہم رومانٹک لانگ ڈرائیو پہ آئے تھے یہ گفتگو کا رخ کہاں مڑ گیا!" ازہان حیدر کی رومانٹک طبیعت نے جیسے چیخ ماری۔
"ہاں تو صحت مندانہ گفتگو بھی ہونی چاہیے۔ ذہانت کا پتا چلتا ہے۔" پریشے نے چھیڑا۔
"میرے تو نام سے ہی ذہانت جھلکتی ہے۔" ازہان حیدر نے اپنے نام کے معنی کی طرف اشارہ کیا۔
"بہت خوب تم اور ذہین۔۔۔!" پریشے نے چڑایا۔

"اختلاف ہے تو ہوتا رہے، مگر مجھے تمہارے نام سے اختلاف نہیں ہے۔ تم بالکل پریوں جیسی ہو۔"

اس نے لمبی سڑک پہ ڈرائیو کرتے ہوئے اسے محویت سے دیکھا۔ پریشے احسن نے آگے ہو کر ڈیش بورڈ سے چاکلیٹ اٹھا کر ریپر اتارا۔ ازہان کے شانے سے سر ٹکائے آرام سے چاکلیٹ کھانے لگی۔

"اکیلے پورا ختم کیا تو ہضم نہیں ہوگا۔" ازہان حیدر کی نیت بھی لگ گئی۔ پریشے نے مسکرا کے چاکلیٹ اس کی طرف بڑھایا۔ ازہان نے بائٹ لی۔

"ازہان!"

"فرماؤ، سویٹ ہارٹ!" پکار پہ سمجھ گیا کوئی ضروری بات ہے۔

"مجھے آئس کریم چاہیے۔" پریشے نے معصومیت سے کہا۔

"موٹی ہو جاؤ گی.... یہ تم لڑکیوں کو شادی کے بعد کھانے کی کیوں پڑی رہتی ہے؟"

"کنجوس نہیں کھلانی تو صاف بول دو۔" وہ چاکلیٹ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کھلاتا ہوں کوئی آئس بار آنے دو۔" چاکلیٹ کھاتے ہوئے اس کے سر سے ہولے سے اپنا سر ٹکراتے ہوئے کہا۔ چاکلیٹ کھاتی پریشے کی اچٹتی نگاہ گاڑی سے باہر قریب سے گزرتی گاڑی پہ پڑی تھی۔ وہ جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔

"ازہان!" اس نے ازہان حیدر کا بازو کھینچا۔

"کیا ہوا؟" وہ اس کے حیرت سے اٹھنے اور عجیب سے لہجے کی طرف متوجہ تھا۔

"اس گاڑی میں مما تھیں۔" پریشے کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔

"فاطمہ چاچی؟" ازہان بھی حیران ہوا۔ پریشے نے سر اثبات میں ہلایا۔

"فالو (پیچھا) کرو اس گاڑی کو۔" پریشے سب کچھ بھول کر آگے بھاگتی گاڑی کی طرف متوجہ تھی۔ ازہان نے پہلے ہی گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی تھی۔ وہ گرے کلر کی مرسڈیز تھی۔ وہ مسلسل اس گاڑی کو فالو کر رہا تھا، مگر آگے جا کر سگنل بند ہو گیا۔ گاڑی سگنل توڑتی نکل گئی۔ ٹریفک کانسٹیبل سامنے نہ آجاتا تو گاڑی کا پیچھے کرتے ازہان بھی سگنل توڑ دیتا۔

"اوہ نو!" دور جاتی گاڑی کو پریشے نے بے بسی سے دیکھا تھا۔

"تم نے ٹھیک سے دیکھا تھا۔ وہ چاچی ہی تھیں۔" ازہان کو بھی گاڑی کے نکل جانے کا افسوس ہوا۔

"ہاں وہ مما ہی تھیں۔ میں ان کی ایک جھلک سے پہچان سکتی ہوں۔" پریشے کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔ مہینوں بعد ماں کی اک جھلک نے درد جگا دیا تھا۔

"ڈونٹ وری! میں نے گاڑی کا نمبر یادداشت میں محفوظ کر لیا ہے۔ جلد ہی پتا چل جائے گا کس کی گاڑی ہے اور فاطمہ چاچی کے متعلق بھی معلومات مل جائے گی۔" ازہان نے آنسو صاف کیے۔ کچھ لمحے پہلے وہ کتنی پرسکون لگ رہی تھی، کچھ کسک ایک سیکنڈ میں تمام خوشیوں کے رنگ پھیکے کر کے درد کے تار چھیڑ دیتی ہیں۔

☆ ☆ ☆

ہالہ لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ جب ان دونوں کی آمد ہوئی۔

"کہاں سے آرہے ہو دونوں....؟" ہالہ انہیں ساتھ دیکھ کر مسکرائی۔

"ڈنر اور لانگ ڈرائیو پہ گئے تھے.... آپ سوئی نہیں۔" ازہان اس کے قریب بیٹھ گیا۔ پریشے بجھے چہرے سے سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گئی۔

"ویری گڈ، ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارنا ساتھ تفریح کرنا کپلز کے لیے بہت ضروری ہوتا ہے، طویل خوش گوار ریلیشن شپ کے لیے۔" ہالہ نے سراہا۔

"لیکن تم دونوں کچھ ٹینس لگ رہے ہو۔ لڑائی ہو گئی!" ہالہ نے دونوں کے سنجیدہ چہرے کو دھیان سے دیکھا۔

"میں کافی بنانے جارہی ہوں۔ آپی آپ کے لیے کچھ لاؤں!" پریشے اٹھ کھڑی ہوئی کہ فاطمہ کا ذکر اسے پھر سے رونے پہ مجبور کردیتا اور وہ اکیلے میں رونا چاہ رہی تھی۔

"نہیں چندا صرف کافی!" ہالہ نے بھی کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ پریشے کچن کی طرف چلی گئی۔ ہالہ نے استفہامی نظریں ازہان کے چہرے پہ ڈالی۔

"راستے میں پریشے کی نظر فاطمہ چاچی پہ پڑی۔ وہ مرسڈیز میں تھیں میں نے انہیں فالو کرنے کی کوشش کی، مگر سگنل کی وجہ سے گاڑی نکل گئی۔" ازہان حیدر نے پریشے کی افسردگی کی وجہ بتائی۔ ہالہ ہونٹ سکوڑ کے رہ گئی۔

"فاطمہ چاچی کا خط اور غائب ہونا واقعی سمجھ سے باہر ہے۔ تم نے نمبر نوٹ کیا گاڑی کا۔" اسے دھیان آیا۔

"جی کرلیا' صبح دوست کو نمبر دوں گا انفارمیشن نکلوانے کے لیے۔" ازہان حیدر صوفے سے ٹیک لگائے نیچے کارپٹ پہ بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔

"آپ کو جلدی سونا چاہیے۔ دیر تک کیوں جاگ رہی ہیں۔"

"صفیان سے باتیں کررہی تھی میں کل واپس جارہی ہوں۔" ہالہ نے اپنا پروگرام بتایا۔

"کیوں؟" ازہان حیدر کو حیرانی ہوئی۔

"مام سے تھوڑی بحث ہوگئی۔" ہالہ اسے ہوشیار کرنا چاہ رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی پریشے اور ازہان کسی سازش کا شکار ہوں۔

"کس سلسلے میں!" موزے جوتوں میں ڈالتا وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

"ازہان ہم کبھی مام اور فاطمہ چاچی کے درمیان سرد جنگ کی وجہ نہ جان سکے اور اب جب چاچی نہیں ہیں تو پریشے مام کے نشانے پہ ہے۔ یو نو وہ تم دونوں کے نکاح سے کچھ خوش نہیں ہیں۔ مام اور حمیرا آنٹی تم دونوں کے لیے کچھ پلان کرنے کی بات کررہی تھیں۔ یو نو۔" ہالہ کو سمجھ نہیں آرہی تھی۔ وہ اپنی سگی ماں کے بارے میں کیسے ازہان کو باخبر کرے۔ ازہان حیدر کے لب بھنچ گئے۔

"تم نے ہمیشہ سچ کا ساتھ دیا۔ کبھی سچ بولنے سے چوکے نہیں۔ اب بھی آنکھیں کھلی رکھنا۔ مجھے تو اس عمر میں حمیرا خالہ کی شادی ہی ہضم نہیں ہوئی اب تک!" ہالہ کچھ الجھی ہوئی تھی۔ اس نے آنے والی صورت حال سے ازہان حیدر کو چوکنا رہنے کی طرف اشارہ کیا۔

"یو ڈونٹ وری آپی! میں سازشی عورتوں کا نشانہ بننے والا مرد نہیں ہوں۔ پہلے بھی پریشے کو بدنام کرنے کی کوشش کی جاچکی ہے۔ نامیں نے تب یقین کیا تھا اور اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس نے بھی گندی نگاہ میری بیوی پہ ڈالی اس کا آخری دن ہوگا۔ میں نے پریشے سے اپنی خواہش پہ نکاح کیا ہے کسی کے کہنے پہ چھوڑوں گا نہیں۔" ازہان حیدر کا مضبوط لہجہ اندر آتی پریشے نے بھی بغور سنا تھا۔ ہالہ کو تسلی ہوئی۔

☆ ☆ ☆

حمیرا سخت پریشان تھیں۔ شرجیل کئی دنوں سے گھر نہیں آیا تھا۔ فون کرنے پہ بھی اس نے ناراضی کا اظہار کیا تھا۔ وہ پریشے کا ازہان سے نکاح ہوجانے پہ سخت برہم تھا۔ وہ ازہان حیدر کو راستے سے ہٹانے کی بات کررہا تھا۔ حمیرا فکرمند تھیں کہ شرجیل کی کی گئی کوئی غلطی ان کے لیے مشکل نہ کھڑی کردے۔ نمرا کے رنگ ڈھنگ بھی الگ تھے۔ رات کو دیر سے گھر لوٹنے لگی تھی۔ روز پارٹی میں جاتی۔

"حمیرا بیگم میں نے ایک فیصلہ کیا ہے کہ آپ شرجیل کا بندوبست کہیں اور کرلیں۔" احسن صاحب نے شرجیل سے بات ختم کرکے آتی حمیرا سے بے ساختہ کہا۔

"جی!" حمیرا اک پل کو ٹھٹکیں۔

"اور نمرا کو بھی اپنی زبان میں سمجھائیں ہمارے گھر کے طور طریقے ایسے نہیں ہیں۔ اگر آپ کو اور آپ کے بچوں کو کوئی مسئلہ ہے تو میں آپ لوگوں کے لیے

علیحدہ گھر لے لیتا ہوں۔ یہ زیادہ بہتر ہوگا۔" احسن صاحب کہہ رہے تھے اور حمیرا پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ حمیرا کوئی اعتراض کا پہلو اٹھاتیں یا احسن صاحب مزید کچھ کہتے۔ ان کا سیل فون بجنے لگا۔ اسکرین پہ موجود نام دیکھ کر احسن صاحب چونکے' مگر اپنے تاثرات پہ سرعت سے قابو پا کر انہوں نے نارمل انداز میں کال ریسیو کی۔

"ہیلو!"

"چاچو میں اسٹڈی میں ہوں' ضروری بات کرنی ہے آپ حمیرا خالہ پہ کچھ بھی شو کیے بغیر اسٹڈی میں آجائیں۔" جتنی حیرت انہیں اذہان حیدر کی کال دیکھ کر ہوئی اس سے کہیں زیادہ اس کا پیغام سن کر۔ تھوڑی دیر پہلے ان سب نے ساتھ ڈنر کیا تھا۔ ایسی کیا بات تھی کہ ملازم کے بجائے اذہان حیدر کو فون کا سہارا لینا پڑا اور اب وہ اسٹڈی میں بلا رہا تھا۔ احسن صاحب نے حیران بیٹھی حمیرا کو دیکھا۔

"میں اسٹڈی میں ہوں' آفس کی فائل دیکھنا ہے۔" احسن صاحب اپنا کافی کا مگ اٹھا کر کمرے سے نکل گئے۔ حمیرا شاک میں تھیں ورنہ ضرور کریدتیں۔

احسن صاحب اسٹڈی میں آئے تو اذہان حیدر کے ساتھ حیدر صاحب کو بھی دیکھ کر چونک گئے۔

"خیریت ہے؟" احسن صاحب کو کچھ غیر معمولی لگا۔ اذہان حیدر نے اسٹڈی کا دروازہ لاک کر دیا۔ احسن صاحب نے حیدر صاحب کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ انہوں نے لاعلمی سے کندھے اچکائے۔

"میں نے آپ دونوں سے کچھ ضروری باتیں کرنے کے لیے زحمت دی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ جب تک ہم کسی نتیجے پہ نہ پہنچیں یہ باتیں ہم تینوں کے درمیان ہی رہے۔" اذہان حیدر نے کرسی سنبھالتے بات کا آغاز کیا۔

"ایسا کیا کانفیڈنشل ہے؟" حیدر صاحب متجسس ہوئے۔

"کل میں اور پریشے ڈنر کے بعد لانگ ڈرائیو پہ گئے تھے واپسی میں پریشے کو فاطمہ چاچی ایک مرسڈیز میں نظر آئی تھیں۔ ہم نے فالو کیا مگر گاڑی مس ہوگئی۔"

"جو اپنی مرضی سے گیا ہو اس کا پیچھا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" احسن صاحب نے اذہان حیدر کی بات اچک لی۔

"پریشے ان سے مل کر ایک بار ان کے عمل کے بارے میں جاننا چاہتی تھی اور شاید ہم سب یہ چاہتے ہیں کہ پتا تو چلے آخر انہوں نے ایسا کیوں کیا۔" اذہان حیدر کی دلیل پہ اب کے احسن خاموش رہے کہ یہ سوال تو انہیں بھی کسک میں مبتلا کر دیتا تھا انہوں نے فاطمہ سے بہت محبت کی تھی اور اس محبت کو نبھایا بھی مگر فاطمہ انہیں دھوکا دے کر چلی گئیں۔ کسی اور کی محبت کا دم بھرنے۔ محبت کرنے والا کتنی اذیت محسوس کرتا ہے یہ لفظوں میں بیان سے قاصر ہے۔

"میں نے گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا تھا اور صبح اس گاڑی سے متعلق ساری انفارمیشن بھی نکلوالی۔"

دونوں اذہان حیدر کا ایک ایک لفظ بغور سن رہے تھے۔

"ہم فاطمہ چاچی کو غلط سمجھتے آئے ہیں اس لیے کبھی انہیں ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی۔ کیا معلوم وہ کسی سازش کا شکار ہوگئی ہوں۔" اذہان حیدر نے رک کر دونوں کے چہروں کو دیکھا۔ کم و بیش دونوں ہی حیرت کی تصویر بنے اسے دیکھ رہے تھے۔

"اذہان از رائٹ! واقعی ہم نے کبھی اس نہج پہ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کی ورنہ فاطمہ نے تیئیس سال ہمارے ساتھ گزارے ہیں کبھی ہمیں اس کے کردار سے متعلق کوئی بات بری نہیں لگی۔" حیدر صاحب نے پرسوچ انداز میں تائید کی۔

"اور وہ خط!" احسن صاحب ابھی بھی کہیں بدگمانی چھپائے بیٹھے تھے۔

"اس کا جواب تو فاطمہ چاچی ہی دے سکتی ہیں۔"

اذہان حیدر کو فاطمہ کی پاک دامنی پہ پورا بھروسا تھا۔

"تمہارا آگے کا پلان کیا ہے؟" حیدر صاحب آگے کی لائحہ عمل جاننا چاہ رہے تھے۔

"میں نے اپنے فرینڈ ایس پی شہیر کو فاطمہ چاچی

سے متعلق تمام معلومات دے دی ہیں۔ وہ جلد ہی کنفرم کرکے بتائے گا کہ آیا واقعی پریشے نے جسے دیکھا وہ فاطمہ چاچی تھیں یا نہیں۔ اذہان نے تفصیل گوش گزار کی۔

"گڈ جاب اذہان!" حیدر صاحب نے بے ساختہ سراہا۔ وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"ہمارے گھر میں بگاڑ کی وجہ ہم دونوں کی خاموشی بنی۔" حیدر صاحب نے احسن صاحب کو مخاطب کیا۔

"میں نے یہ سوچ کر چپ سادھ لی کہ گھر کے معاملات گھر کی عورتیں دیکھیں ہم بس پیسا کمائیں اور شاید یہی ہم نے غلطی کردی۔ بے شک ہم گھر کی باگ ڈور عورت کو تھماتے لیکن ہمیں لاتعلقی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید فاطمہ ہمارے بیچ ہوتی پھر شاید تمہیں دوسری شادی نہ کرنی پڑتی اور ہمیں ایک اجنبی شرجیل کو گھر لاکر اپنی بیٹی کو تماشا نہ بنانا پڑتا۔ نہ پریشے کے ساتھ زیادتی ہوتی۔" حیدر صاحب نے پوری دیانت داری سے اپنا اور احسن صاحب کا احتساب کیا۔

"آپ یقیناً ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائی صاحب۔" احسن صاحب نے مکمل اتفاق کیا۔ "اور ان تمام باتوں کا احساس مجھے اذہان نے دلایا۔ دانشور اولاد بھی اللہ کا انعام ہے۔" حیدر صاحب سراہتی نظروں سے اذہان حیدر کو دیکھ رہے تھے احسن صاحب بھی متشکر بھری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ کتنے ہی منظر آنکھوں کے سامنے آگئے جب پریشے سب کے ظلم کا نشانہ بن رہی تھی۔ انہوں نے لب سی لیے تھے ایسے میں صرف اذہان ہی ہوتا تھا جو اس کی ڈھال بنتا تھا۔

"بھائی صاحب مجھے بھی آپ لوگوں سے ایک بات شیئر کرنی ہے۔" احسن صاحب نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہاں کہو۔" حیدر صاحب کے ساتھ اذہان بھی متوجہ تھا۔ انہوں نے چند روز پہلے حمیرا اور سحرش کی سنی گفتگو گوش گزار کردی۔ حیدر صاحب کے ماتھے پہ تفکر کی لکیریں نمودار ہونے لگیں۔ اذہان حیدر بھی پر سوچ انداز سے کچھ سوچنے لگا۔

فاطمہ سے سحرش کی سرد مہری کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی مگر وجہ احسن صاحب کی برسوں پہلے فاطمہ سے شادی تھی یہ ان کے لیے حیران کن تھا کہ وہ حمیرا کو پہلے سے دیورانی بنانا چاہتی تھیں۔

"جانے کیوں مجھے اس کھیل کا تانا بانا فاطمہ چاچی سے ملا ہوا لگ رہا ہے۔ ابھی میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا مگر کوئی تعلق ہے ضرور۔ اگر فاطمہ چاچی غائب نہیں ہوتیں تو حمیرا خالہ کبھی اس گھر میں نہیں آتیں۔" اذہان حیدر نے کڑی سے کڑی ملائی تو دونوں اچھل گئے۔

"میں سحرش کو چھوڑوں گا نہیں اگر ایسا کچھ ہوا تو۔" حیدر صاحب غصے سے نتھنے پھیلانے لگے۔

"بھائی صاحب پلیز! ابھی کچھ نہ کیجیے گا۔ جب تک ساری حقیقت کا پتا نہ لگ جائے۔" احسن صاحب نے سمجھایا۔ مبادا ان کی وجہ سے ان دونوں کا رشتہ خراب ہوتا۔

"چاچو ٹھیک کہہ رہے ہیں ڈیڈ ہم تینوں کو نارمل رہنا ہے۔" اذہان حیدر نے سمجھایا۔

"یہ شرجیل کہاں ہے تمہارے نکاح والے دن سے جو غائب ہے نظر نہیں آیا پھر۔" حیدر صاحب کا دماغ چلنے لگا تھا۔ انہیں بھی صورت حال کی نزاکت کا احساس ہوگیا تھا۔

"جانے کہاں ہے۔ حمیرا کے پاس ابھی کال آئی تھی اس کی۔ میں نے حمیرا بیگم کو کہہ دیا ہے شرجیل کا کہیں اور بندوبست کرنے کو...... اس گھر میں میری بیٹیاں بھی ہیں۔" احسن صاحب کو ہالہ اور پریشے کا خیال آیا۔

"یہ شادی کرکے بہت بڑی حماقت کردی میں نے۔ یہ نہیں سوچا کہ جانے فاطمہ کس حال میں ہوگی۔ اپنی ہی دھن میں لگ کر بیٹی کو بھی مشق ستم بنادیا۔" احسن صاحب رونے لگے۔ انہیں اپنی ساری غلطیاں یاد آرہی تھیں۔

"چاچو پلیز ریلیکس!" اذہان حیدر انہیں سنبھالنے لگا۔

"مجھے تو یہ شرجیل بھی اچھا لگتا ہے۔" حیدر صاحب نے ناگواری سے کہا۔

"احسن تم ان لوگوں کو کوئی دوسرا گھر لے دو تاکہ یہ لوگ یہاں سے جائیں۔" حیدر صاحب نے فیصلہ سنایا۔

"میں بھی اسی سلسلے میں سوچ رہا ہوں بھائی صاحب!" احسن صاحب نے ہامی بھری۔

"میں نے شہیر کو شرجیل کی حرکات و سکنات کی رپورٹ کرنے کو کہہ دیا ہے۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔" اذہان حیدر نے مزید کارگزاری بتائی۔

"تم میرے بیٹے ہو کہ 007 " حیدر صاحب ہنسے تو دونوں مسکرا دیے۔

"جو بھی ہے لیکن میرا پیارا داماد ہے۔" احسن صاحب نے گلے لگا لیا۔

"ہائے چاچو مجھے جما (شرم) آرہی ہے۔" اذہان کی بذلہ سنجی نے ان کے ہراساں چہروں پہ مسکراہٹ دوڑا دی۔

☆ ☆ ☆

وہ کمرے میں آیا تو ایل ای ڈی آن تھا۔ پریشے کی آنکھیں بند تھیں۔ شاید وہ پروگرام دیکھتے دیکھتے سو گئی تھی۔ ایل ای ڈی آف کرکے اذہان نے اسے دیکھا اس کے گھنے لمبے بال تکیے میں بکھرے پڑے تھے۔ سوتے ہوئے بھی وہ بہت معصوم اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ کئی بار جی میں آیا اسے خود میں سمو لے مگر اسے انتظار تھا۔ اس دن کا جب پریشے خود اپنا آپ اسے سونپتی۔ نرمی سے اس پہ چادر ڈال کر اس کی پیشانی سے بال ہٹانے کو نرمی سے جھکا۔ پریشے کی آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔

"وہ میں۔!" اذہان گڑبڑا گیا۔ جیسے چوری کرتا پکڑا گیا ہو۔

"میں جاگ رہی تھی' صرف آنکھیں بند تھیں۔" اس نے جتایا۔

"یعنی آزما رہی تھیں۔" کہنی کے بل لیٹتے اذہان نے مکا گال پہ ٹکایا۔ لہجہ مصنوعی خفگی لیے ہوئے تھا۔

"آزمایا انہیں جاتا ہے جن پہ شک ہو۔" پریشے نے دونوں ہاتھ گال کے نیچے رکھے۔

"واؤ تمہیں مجھ پر بھروسا ہے۔" وہ خوش ہوا۔

"جی نہیں پورا یقین ہے کہ تم موقع سے فائدہ اٹھاؤ گے۔" پریشے نے خلاف توقع جواب دیا۔

"کیا!" وہ چلایا۔ پریشے چڑانے کے لیے مسکرائی۔

"جی جی!"

"میاں پہ بھروسا کرنا سیکھو!" نروٹھے پن سے بول کر کروٹ لے کر لیٹ گیا۔ ناراضی کا تاثر تھا۔ پریشے کو افسوس ہوا کہ شاید وہ ناراض ہو گیا ہو۔

"میں مذاق کر رہی تھی!" اس کی پشت کو دیکھتے اسے کہنا پڑا۔ دوسری طرف شرارت سے مسکراتے اذہان حیدر نے مصنوعی غصے سے کہا۔

"لیکن میں ہرٹ ہوا تمہارے جملے سے!" وہ مزید رخ پھیر گیا۔ پریشے اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش میں اونچی ہوئی۔ مگر کامیابی نہ ملی۔

"بابا' کہا نا مذاق کر رہی تھی۔ تمہاری قسم!" پریشے کی پریشانی اس کے لہجے سے ظاہر تھی۔ وہ مزید ستانے کا موڈ بنا چکا تھا۔

"مجھے یقین نہیں۔"

"اگر تم پہ بھروسا نہ ہوتا تو کیا میں اس کمرے میں موجود ہوتی۔ مجھے تم پہ بھروسا ہے۔... دیکھو اگر تم ناراض ہو کر سو گئے تو مجھے پوری رات نیند نہیں آئے گی۔" وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"میں مذاق کر رہی تھی تمہاری قسم!"

اذہان نے مزید ستانے کا ارادہ کینسل کرکے کروٹ اس کی طرف بدلی۔ "جھوٹی قسم تو نہیں کھائی!" وہ شوخی سے پوچھ رہا تھا۔ خفگی سے گھورتے پریشے نے کشن مارا جو اس نے دبوچ لیا۔ جان گئی تھی وہ ستا رہا تھا۔

"او کے او کے یقین آگیا۔" اس نے بے ساختہ کان پکڑے تو وہ مسکرا دی۔

"سوئی کیوں نہیں؟" تکیہ پہ بکھرے اس کے بالوں

کی لٹ کو انگلی پہ لپیٹنے لگا۔

"نیند نہیں آرہی تھی۔" اس نے ہاتھوں کا تکیہ رخسار کے نیچے رکھا۔

"یہ کہو نا تمہارے بغیر نیند نہیں آرہی تھی۔" بغور دیکھتے ازہان حیدر نے لب دبائے۔

"ویری فنی!" چڑ کر بولی تو ازہان کشن دبوچ کر مسکرایا۔

"تایا جان' پپا اور تم کوئی خاص بات کر رہے تھے اسٹڈی میں؟" تو یہ وجہ تھی اس کے جاگنے کی۔" وہ ہولے سے مسکرایا۔ جانتا تھا بے چین طبیعت کی مالک ہے۔

"آفیشل ایشوز تھے اسی پہ ڈسکشن چل رہی تھی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔ اس لیے تکیہ پہ سیدھا لیٹ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم نے بتایا پپا کو' میں نے مما کو دیکھا ہے؟" وہ شاید اسی مسئلے میں الجھی ہوئی تھی۔

"نہیں۔۔۔ ہم ابھی تک شیور نہیں ہیں کہ وہ چاچی تھیں بھی یا نہیں۔ اس بارے میں کوئی بات کرنا قبل از وقت ہوگا۔" نپے تلے لہجے میں جواب دیتا وہ اس کی مخروطی انگلیوں کو باری باری نرمی سے دبا رہا تھا۔ انگلیوں کی تھکن جیسے زائل ہونے لگی تھی۔

"وہ مما ہی تھیں ازہان' میں انہیں پہچاننے میں دھوکا نہیں کھا سکتی۔" وہ مصر تھی۔

"ہو سکتا ہے!" ازہان حیدر نے جھٹلایا نہیں۔

"تم نے گاڑی کے بارے میں کوئی معلومات نکلوائی؟" پریشے احسن کو ابھی موقع ملا تھا اس سے بات کرنے کا سو وہ سب کچھ جان لینا چاہتی تھی۔

"چند ایک روز میں کچھ نہ کچھ سراغ مل جائے گا۔" وہ مسلسل غلط بیانی کر رہا تھا۔ کہ اسے آدھا ادھورا سچ بتا کر پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا۔ پریشے ایک دم سے خاموش ہو گئی تھی۔ کل سے اس کے اندر ایک بے چینی در آئی تھی۔

"تمہارا رزلٹ کب تک آئے گا۔" اس کا دھیان بٹانے کو سوال کیا۔

"ڈراؤ تو نہیں۔۔۔ ابھی تو پیپرز سے جان چھوٹی ہے۔" وہی ہوا اس کا دھیان بٹ گیا۔

"نکمی لڑکی رزلٹ آنے میں ابھی کافی ٹائم ہے۔ تم کوئی کورس کر لو۔" کروٹ اس کی طرف بدلی۔ "مجھے پڑھی لکھی بیوی چاہیے کم از کم ایم فل تو کر لو۔"

"کیا!" حیرت سے چلا کر اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"معاف رکھو مجھے۔۔۔ نہیں ہوتی مجھ سے پڑھائی وڑھائی۔۔۔ گریجویٹ ہو جاؤں گی کم از کم الیکشن میں کھڑی ہو سکتی ہوں۔" اس نے چادر سر تک تان لی۔

"رزلٹ آنے دو ماسٹرز تو تمہارے اچھے بھی کریں گے۔" ازہان حیدر نے چادر کے اوپر سے اس کے سر پہ چپت لگائی۔

"ٹھینگا!" چادر کے اندر سے اس کا انگوٹھا باہر آیا تھا۔ ازہان کو ہنسی آگئی۔

☆ ☆ ☆

ایس پی شہیر سے ملنے والی نیوز بڑی چونکانے والی تھی۔ ازہان کا شک درست نکلا تھا۔ گاڑی قبائلی علاقے کی تھی۔ فاطمہ وہاں کیسے پہنچیں یہ سوچنا بعد کی بات تھی۔ ایس پی شہیر اس کا بہت پرانا دوست تھا۔ حقیقت جان کر اسے بھی افسوس ہوا تھا۔ مگر وقت حیرت و افسوس کرنے کا نہیں تھا۔ یہ وقت بر وقت ایکشن کا تھا۔ ازہان نے احسن اور حیدر صاحب کو بھی بتا دیا تھا اور یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ حیدر صاحب نے ترنت علاقہ کے آئی جی سے رابطہ کر کے اپنے مسئلے سے آگاہ کیا۔ اور کام آسان ہوتا چلا گیا۔ اسی اثناء میں پریشے کی کال آنے لگی۔ ازہان بھی شہیر کے ساتھ اس آپریشن میں موجود تھا۔

"سوئٹ! میں بزی ہوں بعد میں کال کرتا ہوں۔" اس نے جملہ مکمل کر کے کال کاٹ دی اگلے لمحے کال پھر آنے لگی۔ حویلی پہ نظریں جمائے اس نے لمبی سانس خارج کر کے کال پک کی۔

"کہاں بزی ہو۔۔۔ مجھے کچھ نہیں پتا مجھے ابھی تم سے بات کرنی ہے۔" پریشے کی ضدی آواز سنائی دی

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ نہال ہو جاتا مگر اس وقت صورت حال بہت نازک تھی۔ وہ لوگ فاطمہ کو بازیاب کرانے آئے تھے اور اپنی اپنی پوزیشن سنبھال رہے تھے۔

"سویٹ ہارٹ میں گھر آکر بات کرتا ہوں۔" اس نے ایک بار پھر کال کاٹ دی اور شہیر کی طرف متوجہ ہوا۔ پولیس پارٹی الرٹ تھی۔ کال پھر آنے لگی تھی۔ اذہان بری طرح جھنجلا گیا۔

"تم پاگل ہو۔ کہہ رہا ہوں اس وقت بات نہیں کر سکتا۔ اب دوبارہ کال مت کرنا۔" کال کاٹ چکا تھا۔ کوئی اور صورت حال ہوتی تو وہ کبھی پریشے سے اس لہجے میں بات نہیں کرتا مگر اس وقت اس کی ساری توجہ آپریشن پہ تھی۔ فاطمہ کی زندگی کا سوال تھا۔

"بی الرٹ! وہ لوگ فائر بھی کر سکتے ہیں۔ ایس پی شہیر اپنے ساتھیوں کو بریف کر رہا تھا۔ اور چند لمحے بعد جیسے فلم آنکھوں کے آگے چلنے لگی۔ ایس پی شہیر اور جوان حویلی کے اندر جانے لگے۔ عمارت میں موجود لوگوں کو سوائے سرنڈر کرنے کے کوئی حل نظر نا آیا۔ پوری حویلی چھان ماری گئی تب ایک کال کوٹھڑی سے کسی کی زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ نیم اندھیرے میں صرف دو آنکھیں تھیں جن میں بے پناہ خوف تھا۔ اذہان کے قدم لڑکھڑا گئے۔ وہ فاطمہ کی آنکھیں تھیں۔ اس نے بے ساختہ ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

"چاچی!" ڈرے سہمے وجود میں جنبش ہوئی تھی۔ انہوں نے بے ساختہ بڑھے ہاتھ کو دیکھتے اذہان حیدر کی شکل کو دیکھا۔ انہیں یہ چہرہ جانا پہچانا لگا۔

"چاچی' میں اذہان!" مدھم روشنی کے باعث وہ شاید اسے ٹھیک سے دیکھ نہیں پا رہی تھیں۔

"اذہان۔" انہوں نے زیر لب دہرایا اور اگلے پل سرعت سے اس کے بڑھے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"اذہان!" فاطمہ بے ساختہ اس سے لپٹ کر رو پڑیں۔ وہ بھی آبدیدہ ہو گیا۔ اذہان کو انہیں سنبھالنا مشکل لگ رہا تھا۔

"اذہان انہیں گھر لے جاؤ۔" ایس پی شہیر نے اسے جلدی نکلنے کا اشارہ کیا۔

"تھینکس بڈی!" اذہان حیدر فاطمہ کو ساتھ لگائے مصافحہ کرنے لگا۔

"پلیژر یار۔" ایس پی شہیر اذہان کے ساتھ چلتا کار تک آیا۔ اسی اثناء میں اس کا سیل فون بجنے لگا۔

"ایک تو بندہ بیوی نام کے دہشت گرد سے زیادہ تنگ ہے' ناکامیاب مذاکرات ہوتے ہیں نہ صلح ہوتی ہے۔" ایس پی شہیر اپنی بیوی شانزے کی کال دیکھ کر بے ساختہ بولا۔ اذہان حیدر ہولے سے مسکرا دیا۔ وہ شانزے سے واقف تھا کئی بار ملنا ہوا تھا۔

"سی یو بڈی! گھر آؤں گا چائے پینے!" ایس پی شہیر کال کی طرف متوجہ ہوا۔

"شانزے بھابھی کو بھی ساتھ لانا۔" اذہان حیدر نے پیچھے سے آواز لگائی۔ ایس پی شہیر نے مسکرا کر تائید میں سر ہلایا۔ فاطمہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی تھیں۔ اذہان نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"ڈیڈ! میں گھر آ رہا ہوں۔ چاچی میرے ساتھ ہیں۔" سیل فون نکال کر اس نے حیدر صاحب کو اطلاع دی۔ فاطمہ غائب دماغی سے بیٹھی تھیں۔

"چاچی آپ ریلیکس ہو جائیں۔ ہم گھر جا رہے ہیں۔" اذہان نے انہیں مخاطب کیا۔ جواب میں انہوں نے اتنی خالی نظروں سے اسے دیکھا کہ وہ دہل گیا۔ جانے اس ایک سال میں وہ کس کس مرحلے سے گزری تھیں۔

☆ ☆ ☆

پریشے احسن سخت حیران تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اذہان حیدر نے اس سے اتنی رکھائی سے بات کی تھی۔ رات کے اس وقت کون سی مصروفیت تھی جس کی وجہ سے اس کے پاس بات کرنے کی بھی فرصت نہ تھی۔ وہ سخت غصے میں لان میں ٹہلتے ٹہلتے

تھک گئی تو اپنی مخصوص بینچ پہ بیٹھ گئی۔
"سمجھتا کیا ہے یہ شخص جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے شوہر بنے اور اوقات دکھادی حاکمانہ شوہرانہ مزاج کی...... آئیں ذرا بتاتی ہوں...... میں کون سی 1970 کی بیوی ہوں جو خاموشی سے تکیہ بھگو کر کلستی رہوں۔" وہ بڑبڑا رہی تھی۔ اس کی نظر راہداری پر پڑی تو چونک گئی۔
حیدر صاحب اور احسن صاحب مین گیٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دونوں کے انداز میں محسوس کی جانے والی بے چینی تھی۔ وہ سخت متعجب ہوئی۔
"اتنی رات گئے پاپا اور تایا جان کہاں جارہے ہیں۔" وہ حیران ہوتی ان کی طرف پیش قدمی کرنے لگی۔ آدھا گھنٹا پہلے ہی وہ ان دونوں کو اسٹڈی میں کافی دینے گئی تھی تو وہ دونوں کچھ پریشان لگے۔ اسے دیکھ کر دونوں جس طرح چپ ہوگئے تھے اسے لگا وہ ان کی آفیشل گفتگو میں مخل ہوئی ہے۔ تب ہی جلدی سے کافی رکھ کر چلی گئی تھی۔ اب وہ حیران تھی۔ مین گیٹ سے چند قدم پیچھے وہ دونوں رک گئے تھے وہ مزید تحیر میں مبتلا ہو کر ان کے قریب آئی۔
"خیریت تو ہے 'پاپا' تایا جان۔" وہ ان کے قریب آئی۔ اسے دونوں کا انداز غیر معمولی لگا۔ احسن صاحب کے وجود میں ہلکی ہلکی لرزش محسوس کی جاسکتی تھی۔ جیسے وہ اپنے پیروں پہ بمشکل کھڑے ہوں۔ احسن صاحب میں پریشے کے کسی سوال کا جواب دینے کی ہمت نہیں تھی۔ حیدر صاحب نے خاموشی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے ساتھ کھڑا کرلیا تھا۔
گیٹ پہ تیز روشنی پڑی تو مستعد چوکیدار مزید مستعد ہوگیا۔ حیدر صاحب نے گیٹ کھولنے کا چوکیدر کو اشارہ کیا۔ اس نے تیزی سے گیٹ وا کردیا۔ تیز ہیڈ لائٹس کی روشنی سے آنکھیں چندھیانے لگیں۔ وہ یہ کار اچھی طرح پہچانتی تھی یہ اذہان کی کار تھی لیکن وہ دونوں اس کے استقبال کو کیوں کھڑے تھے۔؟ پلکیں جھپک کر پریشے نے کار کو بغور دیکھا۔ اذہان معمول کی طرح کار سے نکلا پھر وہ گھوم کر دوسری طرف گیا تھا۔
احسن صاحب نے لڑکھڑا کر پریشے کو تھاما۔
"پاپا!" پریشے احسن ان کے کپکپاتے وجود کو سہارا دینے لگی۔ اسی اثناء میں اذہان سکری رنگ کی چادر میں لپٹی فاطمہ کو ان کے سامنے لے آیا۔ پریشے کے حواس جیسے جھنجھنا گئے تھے۔ اس نے بغور فاطمہ کے نڈھال اور زندگی سے عاری چہرے کو دیکھا تھا۔
"مما!" اگلے پل وہ ان سے لپٹ کر بری طرح رو پڑی تھی۔
"مما' میری مما!" اس کی مسلسل مما کی گردان سے اپنوں کی گرمی کو ترسی فاطمہ بھی بلک بلک کر رونے لگیں۔
"اندر چلو فاطمہ!" حیدر صاحب نے بڑے بھائی کی طرح فاطمہ کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا۔ "پریشے بس کرو بیٹا ماں کو اندر لے چلو!" حیدر صاحب نے سمجھایا تو وہ آنسو صاف کرتی فاطمہ کو ساتھ لے کر اندر چلنے لگی۔
حیدر صاحب بھی اندر جانے لگے۔ احسن صاحب دھندلائی آنکھوں سے پیچھے رہ گئے۔ فاطمہ کے مضمحل چہرے نے بتادیا تھا کہ وہ ان سے بچھڑ کر آسودہ حال نہیں تھیں۔ اذہان حیدر نے خاموشی سے احسن صاحب کو بازو کے حلقے میں لے کر اندر کی طرف قدم بڑھادیے۔
"ارے بی بی جی!" ملازم فاطمہ کو دیکھ کر چونکا۔
"سب کو بلا کر لاؤ' بتاؤ نہیں کہ بی بی آئی ہیں۔"
حیدر صاحب نے ملازم کو ہدایت کرکے بھیجا۔ وہ سب لاؤنج میں موجود تھے۔ پریشے احسن ماں سے لگی کھڑی تھی۔ حمیرا اور سحرش آگے پیچھے داخل ہوئی تھیں۔
"خیر ہے؟ آپ نے بلایا۔" سحرش نے حیدر صاحب سے استفسار کیا۔ اذہان حیدر اک دم سے سائڈ پہ ہوا۔ اس کے عین پیچھے کھڑی پریشے اور اس کے ساتھ لگی فاطمہ کو دیکھ کر سحرش اور حمیرا کے چہرے پہ ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جارہا تھا۔ فاطمہ نے باری باری دونوں کے چہروں کو دیکھا اور نظر کے ساتھ سر بھی جھکا لیا۔
"یہ!" سحرش کے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ ان

کے چہروں کے رنگ نے ان کی اصلیت کھول دی تھی۔

"فاطمہ پھر سے لوٹ آئی ہے۔" حیدر صاحب نے اک جتاتا ہوا جملہ کہا۔ سحرش بے یقین نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ حمیرا کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"کک کیسے!" حمیرا نے زبان کو زحمت دی۔ آنکھوں میں انجانا خوف آگیا۔

"لمبی کہانی ہے پھر کبھی سنائیں گے۔ اس وقت فاطمہ آرام کرے گی' باقی باتیں کل ہوں گی۔۔۔ جاؤ پریشے فاطمہ کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔" حیدر صاحب نے حمیرا کو معنی خیزی سے جواب دے کر پریشے کو اشارہ کیا۔ پریشے فاطمہ کو لے کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔ احسن صاحب مجرم کی طرح کھڑے رہ گئے۔ فاطمہ نے اک نظر کے بعد دوسری نظر نہیں ڈالی تھی۔ کہیں نا کہیں وہ بھی ان کے مجرم تھے کہ انہوں نے شریک سفر پہ بھروسا نہیں کیا تھا۔ فاطمہ کے منظر سے ہٹتے ہی شادی رچالی۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا ہوتا تو وہ دھڑلے سے فاطمہ کو اپنے کمرے میں لے جاتے جو کبھی ان کا اور فاطمہ کا ہوا کرتا تھا۔ مگر آج کل حمیرا اس کی مکین تھیں۔ انہوں نے اچھا شریک سفر ہونے کا کوئی ثبوت نہیں دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

پریشے بار بار فاطمہ سے لپٹ رہی تھی فاطمہ بھی بار بار اسے چوم رہی تھیں۔ ملازم ازہان کی ہدایت پہ کھانا لے آیا تھا۔ ازہان اور پریشے باری باری نوالہ بنا کر فاطمہ کو کھلا رہے تھے۔ فاطمہ کی آنکھیں گھڑی گھڑی بھیگنے لگی تھیں۔

"چاچی جو ہوا اسے بھیانک خواب سمجھ کر بھول جائیں۔" ازہان انہیں سمجھا رہا تھا۔ "آپ پھر سے اپنوں کے درمیان ہیں۔"

"کتنا تڑپی ہوں میں تم لوگوں کے لیے ازہان!" فاطمہ پھر رو پڑیں تو پریشے بھی ساتھ دینے لگی۔ ازہان کی آنکھوں کے گوشے بھی گیلے ہونے لگے۔

"اللہ آپ کی تڑپ کا صلہ خوشی کی صورت آپ کے دامن میں ڈالے گا۔ روئیں مت۔ اب بس کریں۔" پریشے احسن فاطمہ کے آنسو پونچھتی انہیں ساتھ لگا گئی۔ ازہان حیدر کافی دیر ان کے ساتھ رہا۔ پھر آرام کرنے کی ترغیب دے کر اٹھنے لگا۔

"تم چاچی کے پاس سوؤگی!" لاکھ غیر متوقع صورت حال سہی مگر وہ بھانپ گیا تھا کہ پریشے احسن اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی۔ بات بھی نہیں کر رہی تھی۔ سوناوانستگی میں اس کے منہ سے نکل گیا۔

"یہ پریشے کا ہی کمرا ہے نا!" آنکھیں چادر سے صاف کرتی فاطمہ بول پڑیں۔ پریشے سر جھکا کر انگلیاں چٹخانے لگی۔ ازہان حیدر بے چارگی سے سر کھجانے لگا۔

"وہ چاچی!" وہ دوبارہ قریب آکر ایڑیوں کے بل بیڈ پہ بیٹھی فاطمہ کے مقابل نیچے بیٹھ کر ان کے گھٹنے تھام گیا۔ فاطمہ حیرانی سے دونوں کے انداز ملاحظہ کر رہی تھیں۔

"اصل میں۔۔۔ میں آپ کو کہتا تھا نا مجھے آپ کی بیٹی بہت اچھی لگتی ہے۔" ازہان حیدر کے سنجیدہ سوال پہ فاطمہ نے سر ہلایا۔

"ہاں لیکن وہ تو بچپن کی بات تھی۔" وہ کچھ سمجھیں نہیں۔

"ہاں تو بڑا ہونے کے بعد پسند کون سا بدل جاتی ہے۔" وہ رازدارانہ انداز میں انہیں جھکنے کا اشارہ کرنے لگا۔ فاطمہ متعجب سی جھک گئیں۔ ازہان ان کے کان کے قریب منہ لے گیا۔

"مجھے آپ کی بیٹی اتنی اچھی لگی کہ میں نے اس سے نکاح کر لیا ہے۔" آواز اتنی تھی کہ دروازے کے پاس کھڑی پریشے نے بھی بغور سنا تھا۔ اس کے رخسار تپنے لگے۔ فاطمہ کے کمزور چہرے پہ پہلی بار زندگی لہرائی تھی۔ سر اٹھاتے وہ بے یقینی سے ازہان حیدر کے مسکراتے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

"سچ کہہ رہے ہو ازہان!" انہوں نے ازہان حیدر کا

چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرلیا۔ وہ بھرپور طریقے سے مسکرایا۔

''آپ کی قسم۔''

''میرا بچہ!'' فاطمہ نے بے ساختہ اس کی روشن پیشانی چوم لی۔

''یا اللہ تیرا کرم ہے!'' فاطمہ نے بے ساختہ دعا کے انداز میں ہاتھ اٹھائے تھے۔ ''پریشے ادھر آؤ بیٹا!'' فاطمہ کی پکار پہ پریشے قریب آگئی۔ اذہان کی طرح ان کے قدموں پہ بیٹھ گئی۔

''میں نے دل سے دعا کی تھی کہ بھلے میں زندہ رہوں نا رہوں لیکن اللہ میرے اذہان کو پریشے کا ہم سفر بنادے۔'' فاطمہ نے بے ساختہ دونوں کو ساتھ لگالیا تھا۔

''رئیلی چاچی!'' اسے خوش گوار حیرت ہوئی۔ فاطمہ نے سر اثبات میں ہلایا۔ ''سو نائس آف یو! بیٹے کی دلی کیفیت سے آگاہ جو تھیں۔'' وہ ان کی محبت کا معترف تھا۔

''اب آپ آرام کریں۔ چاچی کو تنگ مت کرنا!'' نظروں سے سمجھاتے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ فاطمہ ابھی ڈسٹرب ہوں گی اس خیال سے کسی نے ان سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ پریشے بھی سمجھ گئی تھی تب ہی سرہلانے لگی۔ اذہان کمرے سے نکلنے لگا۔ پریشے دروازہ بند کرنے اس کے پیچھے آئی تھی۔

''لو یو سوئیٹی!'' فاطمہ کا خیال کرکے اس کے کان میں سرگوشی کرکے تیزی سے چلا گیا۔ پریشے احسن کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

سحرش اور حمیرا کو بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ سحرش کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھیں۔ حیدر صاحب کتاب چہرے کے سامنے رکھے وقتاً ''فوقتاً'' ان کی بے چینی پہ نظر ڈال رہے تھے۔ سحرش تھک کر بیڈ پہ بیٹھ گئیں۔

''فاطمہ ملی کہاں سے؟'' ان کا تجسس زبان تک آیا۔

''پتا نہیں اذہان کے دوست ایس پی شہیر نے کوئی آپریشن کیا تھا۔ وہیں سے فاطمہ ملی تو اسے پہچان کر اس نے اذہان کو کال کردی۔ اور اذہان فاطمہ کو گھر لے آیا۔'' حیدر صاحب نے پہلے سے طے شدہ کہانی سنادی۔ سحرش جتنی مضطرب تھیں یہ دیکھ کر حیدر صاحب کو بلا کا غصہ آرہا تھا۔ مگر ان دونوں نے اذہان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ فاطمہ سے سچ سننے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھائیں گے۔ اس لیے وہ خود کو پرسکون کرنے کی سعی کررہے تھے۔ دوسری طرف حمیرا کے چہرے پہ ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ وہ مسلسل شرجیل کو کال کررہی تھیں۔ مگر اس کا نمبر بند آرہا تھا۔ انہوں نے اس کے سارے نمبر ٹرائی کیے سب بند تھے۔ احسن صاحب بظاہر سوتا بن کر حمیرا کی بے چینی کا نظارہ کررہے تھے۔ پھر تھک ہار کر حمیرا بھی سونے لیٹ گئیں۔ ان کے خراٹے گونجنے لگے تو احسن صاحب کو خود پہ ندامت ہونے لگی۔ وہ فاطمہ کا سامنا کرنے کی خود میں ہمت نہیں پارہے تھے۔

انہیں فاطمہ کا شادی سے پہلے ملنا ان کا اکڑپن یاد آنے لگا۔ پھر وہ ان کی زندگی میں آگئیں۔ پریشے کے بعد جب ڈاکٹر نے بتایا کہ اب وہ کبھی ماں نہیں بن سکیں گی تو بھی انہیں کوئی فرق نہ پڑا کہ اللہ نے انہیں صاحب اولاد کردیا تھا۔ پریشے ان دونوں کی آنکھ کا تارا تھی۔ مگر پھر ایسی آندھی چلی کہ رشتے بدگمانی کی چادر میں چھپ گئے۔ فاطمہ نے ساری زندگی ان سے وفا کی تھی اور انہوں نے بدلے میں انہیں کیا دیا تھا۔ وہ تو اس بیٹی سے بھی لاپروا ہوگئے تھے جو ان دونوں کی زندگی تھی۔ اگر اذہان حیدر پریشے کی ڈھال نہ بنتا تو وہ جانے اس کے ساتھ کتنی ناانصافی کرجاتے۔ خود سے نفرت اتنی شدید ہوئی کہ بے چینی میں بدل گئی۔ اور یہ بے چینی انہیں فاطمہ کے در تک لے گئی۔ انہوں نے بہت آہستگی سے دستک دی تھی مگر چند ساعت بعد ہی دروازہ کھل گیا فاطمہ بڑی سی چادر لپیٹے ان کی سامنے تھیں۔ اک ثانیے کو احسن صاحب کو دروازے پہ دیکھ

کرانہوں نے بے ساختہ نظر سامنے دائیں جانب کے دروازے پہ ڈالی۔ جہاں سے وہ آئے تھے۔ احسن صاحب بے ساختہ سر جھکا گئے۔ فاطمہ نے دروازے سے ہٹ کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔ اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے انہوں نے فاطمہ کو دیکھا وہ جھک کر جائے نماز تہہ کررہی تھیں۔

"تم سوئی نہیں؟" پریشے کے سوتے چہرے کی طرف نظر ڈال کر انہوں نے فاطمہ سے استفسار کیا۔

"تھوڑی دیر آنکھ لگی تھی پھر تہجد کے لیے اٹھ گئی۔ آپ بیٹھیں۔" فاطمہ نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ احسن صاحب بیڈ پہ بیٹھ گئے۔ فاصلہ رکھ کر دوسرے کونے میں فاطمہ بھی بیٹھ گئیں۔ ان کی نظریں بھی پریشے کے چہرے پہ تھیں۔ وہ کسی خوش کن تصور سے نیند میں بھی مسکرا رہی تھی۔ ان کے لبوں پر بھی بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔ ماں وہ ہستی ہے جو بچے کے لبوں پہ مسکراہٹ دیکھ کر بے ساختہ مسکراتی ہے اور بچے کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر رو پڑتی ہے۔

انہیں اچھی طرح یاد تھا۔ وہ جانوروں حشرات کو مارنے کے سخت خلاف تھیں ان کے نزدیک لال بیگ چھپکلی سب جاندار اور اللہ کی مخلوقات ہیں اپنے ڈر کے لیے بے زبان کو مارنا درست نہیں تھا۔ لیکن جب ان کی آنکھوں کے سامنے اک مچھر جو اپنا ڈنک پریشے کے گال پہ چبھو کر اس کا خون پی کر موٹا تازہ ہو چکا تھا اتنا کہ اس میں اڑنے کی زیادہ تاب بھی نہ تھی۔ فاطمہ نے اس وقت تک اس مچھر کا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک اسے مار نہیں دیا تھا۔ ماں واقعی ایسی شے ہے۔

احسن صاحب نے فاطمہ کے آگے بے ساختہ ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ انہوں نے بے حد حیرانی سے ان کے جڑے ہاتھوں کو دیکھا۔

"مجھے معاف کردو!" وہ بس کہہ سکے تو صرف اتنا شاید ان میں اپنی بے وفائی کا اعتراف کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ ان پہ اعتبار نہ کرنے کی کوئی دلیل نہیں تھی۔

"معافی کس لیے؟" فاطمہ نے نرمی سے استفسار کیا۔

"تم نہیں جانتیں، تمہارے جانے کے بعد میں نے شادی کرلی۔" احسن صاحب ان کی نرم حلیم آواز سن کر بے ساختہ اعتراف جرم کرگئے۔

"میں نے تمہارا اعتبار نہیں کیا یہ نہیں سوچا کہ تم کسی کی سازش کا شکار ہوسکتی ہو۔" احسن صاحب آبدیدہ تھے۔ فاطمہ نے ان کے چہرے کو بغور دیکھا۔ وہ واقعی نادم تھے اور وہ ندامت کے ہی آنسو تھے۔

"مجھے شرجیل نے بتادیا تھا کہ آپ نے اس کی ماں سے شادی کرلی ہے۔" فاطمہ کے منہ سے نکلا جملہ احسن صاحب کو حیران کرگیا۔ فاطمہ کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ آکر دم توڑ گئی۔

"شرجیل نے!" وہ حیران تھے۔ فاطمہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

"کب، کیسے ملیں اس سے؟" ان سے یہ گتھی نہیں سلجھ رہی تھی۔ فاطمہ کو ان کی معصومیت پہ افسوس ہونے لگا کتنی آسانی سے وہ دو عورتوں کے ہاتھوں بے وقوف بن گئے تھے اور بے خبر بھی تھے۔ اور یہ ہی احسن صاحب تھے جن کی بیوی ہونے کے جرم کی سزا فاطمہ نے سوا سال بھگتی تھی۔

"آپ نے مجھ پہ اعتبار نہ کرکے میرے ساتھ زیادتی تو کی احسن لیکن میں آپ کو معاف کرتی ہوں، صرف اپنی پریشے کے طفیل کہ آپ نے اسے ازہان سے باندھ دیا..... اگر آپ نے اس کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہوتی تو میں آج آپ کا گریبان ضرور پکڑتی۔" فاطمہ کے لہجے میں جہاں بیوی ہونے کا درد تھا وہیں ماں کی آسودگی بھی آگئی۔ احسن صاحب جیسے خود پہ ہنسے۔ ازہان حیدر نے یہاں بھی ان کی لاج رکھ لی تھی۔

✡ ✡ ✡

"یہ چڑیل کیسے ہاتھ لگ گئی ازہان کے؟" حمیرا جو سوتی ہونے کا ناٹک کررہی تھیں احسن صاحب کے کمرے سے نکلتے ہی سحرش کو کال کرکے باہر آنے کا

کہہ کر خود بھی نکل آئی تھیں۔ ان کی زندگی کے لالے پڑے تھے انہیں نیند کہاں تھی۔ سحرش بھی حیدر صاحب کے سونے کا انتظار کر رہی تھیں اب وہ دونوں لاؤنج کے پچھلے حصے کی طرف کھڑی تھیں۔ حمیرا نے آتے ہی دانت کچکچائے۔

"مجھے تو لگا تھا اب تک مر کھپ گئی ہو گی۔"

"مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔" حمیرا کو اپنا کھیل ختم ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"فاطمہ کے پاس ہمارے خلاف کون سا ثبوت ہے۔ اس نے الزام بھی لگایا تو ہم صاف مکر جائیں گے۔" سحرش ڈرنے والی نہیں تھیں۔ فکر مند ضرور ہو گئی تھیں اپنے تئیں انہوں نے سال بھر پہلے برسوں سے چبھتا کانٹا نکال کر پھینکا تھا۔ مگر ایک بار پھر فاطمہ کو اس گھر میں لوٹتا دیکھ کر انہیں سالوں کی محنت پہ پانی پھرتا محسوس ہو رہا تھا۔

"وہ غلطی ہو گئی جو اسے اس کے خاندان کے حوالے کر دیا۔ مجھے اسے قتل کروا دینا چاہیے تھا۔" سحرش پھنکاریں۔

"جو ہو نہیں سکا اس کا ذکر فضول ہے اب جو کرنا ہے وہ سوچیں۔" حمیرا نے مدعے کی طرف دھیان دلایا۔

"پہلے دیکھو کیا کہانی سناتی ہے۔ ہم پہ الزام لگائے گی تو صاف مکر جائیں گے ہم۔" سحرش کی بات پہ حمیرا سرہلا رہی تھیں۔ سمجھ تو کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرنا ہے۔

"حسن سو رہا ہے۔؟" سحرش نے کسی خیال سے پوچھا۔

"گئے ہیں بیوی کے در پہ!" حمیرا نے نفرت سے کہا۔

"نہیں اتنی جلدی!" سحرش حیران ہوئیں۔ حمیرا نے منہ بگاڑا۔

"تم لاکر سے چیزیں اور پیسے ہٹا کر کہیں اور منتقل کر دو۔" سحرش کے دھیان دلانے پہ حمیرا چونک کر تائیدی انداز میں سرہلانے لگیں کمرے میں آ کر دیکھا تو لاکر لاک تھا اور چابی جگہ پر موجود نہیں تھی۔ حمیرا نے پورے کمرے کی تلاشی لی مگر چابی کہیں نہیں تھی۔ وہ حیران ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

"مجھے بھابھی بیگم نے بازار سے کچھ چیزیں لانے کو کہا تھا۔ گھر کے باہر مجھے شرجیل ملا میں اس سے اچھی طرح واقف تھی۔ بچپن سے اس کا گھر آنا جانا تھا۔ اور پچھلے کچھ دنوں سے وہ متواتر گھر آ رہا تھا۔ بھابھی بیگم سے ملنے۔ اس کے بے حد اصرار پہ میں اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی کہ وہ مجھے بازار ڈراپ کر دے گا۔ مگر پچھلی رو میں بیٹھے بندے یکدم مستعد ہوئے جنہیں میں دیکھ نا سکی تھی۔ انہوں نے مجھے بے ہوش کر دیا۔ ہوش آیا تو میں اپنے قبائلی علاقہ میں تھی۔ شرجیل کا اس معاملے سے کیا تعلق تھا میں نہیں جانتی تھی۔ یہ سب میرے لیے حیران کن تھا۔ میرے اپنوں نے مجھے حبس بے جا میں رکھا۔

اک دن موقع ہاتھ لگا تو میں نے احسن کو کال کی مگر ان کا نمبر بند تھا۔ پھر میں نے گھر کے نمبر پہ کال کی فون شرجیل نے اٹھایا اس نے بتایا کہ احسن نے حمیرا سے نکاح کر لیا ہے اور اب شرجیل اور اس کی بہن بھی اسی گھر میں رہتے ہیں۔ میں نے بھابھی بیگم سے بات کرنے کی کوشش کی انہیں بتایا کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ لیکن انہوں نے جو روپ دکھایا وہ میرے گماں میں بھی نہیں تھا۔

میرے اغوا سے ایک ہفتے قبل چاچا ولی مجھے گھر کے باہر نظر آئے تھے میں بہت ڈر گئی تھی۔ تب بھابھی بیگم نے ان سے بات کی تھی اور مجھے تسلی دی کہ انہوں نے کہہ دیا ہے کہ یہاں قبائلی علاقہ کی کوئی فاطمہ نہیں رہتی اور مجھے احسن کو بتانے سے منع کیا کہ وہ ناحق پرائی باتوں پہ پریشان ہوں گے۔ لیکن جب میرے کال کرنے پہ مجھے پتا چلا کہ یہ سارا ڈرامہ بھابھی بیگم کا رچایا ہوا ہے۔ چاچا ولی نے بتایا کہ میری موجودگی کی اطلاع خود بھابھی بیگم نے انہیں دی تھی اور کال پہ بھابھی بیگم

نے مجھ پہ واضح کردیا کہ وہ برسوں سے مجھ سے نفرت کرتی ہیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ ان کی بہن احسن کی بیوی بنے۔

حمیرا کے اپنے خاوند سے جھگڑے بڑھے تو بھابھی بیگم اور حمیرا نے مجھے راستہ سے ہٹانے کے لیے میری دکھتی رگ پہ وار کیا۔ شرجیل نے پریشے کے حوالے سے خرافات کہا کہ اگر میں نے پھر دوبارہ کسی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو وہ پریشے کو۔۔۔ میں ڈر گئی تھی کہ اگر میری بیٹی کی عزت میری خاموشی میں تھی تو یہ ہی بہتر تھا۔ میں صبر کر کے حبس بے جا میں اپنی موت کا انتظار کرنے لگی۔ میرے اپنوں نے نفرت اور ٹارچر کرنے کے باوجود اتنا احسان کیا کہ مجھے قتل نہیں کیا۔ قید میں ڈال کر لڑکیوں کے لیے عبرت کا نشان بنایا اگر پھر کوئی لڑکی گھر والوں کے خلاف جا کے شریک سفر کا انتخاب کرے گی تو اس کا حال بھی میرے جیسا ہوگا۔"

احسن صاحب نظریں چرانے لگے۔

وہ جوانی کے دن تھے جب یونیورسٹی سے فارغ ہو کر احسن صاحب دوستوں کے ساتھ پاکستان ٹور پہ نکلے تھے اور چلتے چلتے اک مقام پہ فاطمہ پہ نظر پڑی تو دل ہار بیٹھے۔ کتنے پاپڑ بیل کر انہوں نے فاطمہ کے دل میں محبت جگائی تھی یہ وہی جانتے تھے۔

ڈری سہمی فاطمہ نے محبت تو کرلی تھی مگر اپنے خاندان کے رسم و رواج سے بھی آگاہ تھی۔ جلد ہی یہ بات فاطمہ کے باپ اور چاچا ولی تک جا پہنچی تو مانو قیامت ہی آگئی۔

قبائلی لوگ احسن کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ احسن اس وقت کہاں مل سکتا تھا یہ صرف فاطمہ جانتی تھیں۔ وہ رات کے اندھیرے میں احسن تک آئی تھیں صرف اتنا کہنے کہ وہ جلد واپس چلے جائیں تاکہ ان کی جان کو کوئی خطرہ نا ہو مگر احسن نڈر عاشق بنے ہوئے تھے۔ وہ کسی صورت فاطمہ کے دستبردار نہیں ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے فاطمہ کو راضی کرلیا کہ وہ ابھی اور اسی وقت اس سے نکاح کرلیں پھر دونوں شہر چلے جائیں گے۔ فاطمہ گومگو میں پڑ گئی تھیں۔ چند ہفتوں میں احسن سے کتنی محبت ہوگئی تھی یہ وہ اچھی طرح جان گئی تھیں۔ کہ وہ ان کے بنا جی نہیں سکتی تھیں۔ بس پھر فیصلہ آسان ہوگیا تھا۔ دوستوں نے فوراً" قاضی کا بندوبست کردیا تھا اور نکاح ہوتے ہی فاطمہ احسن کے ساتھ شہر کے لیے روانہ ہوگئی تھیں۔

گھر آکر احسن نے جب فاطمہ کا تعارف بیوی کی حیثیت سے کروایا تو حیدر صاحب جہاں خوش ہوئے وہیں سحرش پہ بجلی گر گئی۔ وہ تو اپنی بہن حمیرا کو بارہا جتا چکی تھیں کہ وہی ان کی دیورانی بنے گی لیکن احسن کی جلد بازی نے ان کا سارا پلان فیل کردیا۔ حمیرا نے بھی ان سے ناراض ہو کر شادی کرلی یوں یہ معاملہ دب گیا۔ بچے بڑے ہوگئے مگر سحرش کے دل سے نفرت ختم نا ہوئی۔

فاطمہ کی شکل میں انہیں اپنی ہار نظر آتی تھی۔ حمیرا واپس شہر لوٹ آئی تھیں وہ اپنے شوہر سے سخت عاجز تھیں۔ حمیرا کو آج بھی احسن کا نا ہونے کا قلق ستا رہا تھا۔ سحرش کو اندر کی نفرت نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

اک دن دونوں بہنوں نے فاطمہ کو راستے سے ہٹانے کا پلان بنالیا۔ اس کے لیے سحرش کو زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی تھی۔ بس ایک فون کیا تھا انہوں نے اور برسوں سے عزت پہ لگے داغ کو مٹانے کے لیے چاچا ولی نے ذرا دیر نہیں کی تھی۔

فاطمہ کے والدین چند سال پہلے ہی وفات پاچکے تھے اور اب اس کی زمین جائیداد پہ چاچا ولی اور اس کا خاندان قابض تھا۔ انہیں یہ بھی ڈر تھا کہ کبھی فاطمہ آکر جائیداد کا مطالبہ بھی کرسکتی ہے اور فاطمہ ہاتھ لگی تو ان کے ظلم کا نشانہ بنتی رہی۔ لیکن شاید قدرت کو جلد انصاف کرنا مقصود تھا۔ فاطمہ نے آپ بیتی سنادی احسن صاحب کی آنکھیں لہو رنگ ہوگئیں۔ حیدر صاحب کف اڑانے لگے۔ پریشے احسن آنسو بہاتی رہی۔

"اور چاچی وہ خط جو آپ نے لکھا تھا۔" ازہان حیدر حاضر دماغی سے آخری گتھی بھی سلجھانا چاہتا تھا۔

"کون سا خط" فاطمہ حیران ہوئیں۔ "جو آپ نے

لکھا تھا کہ آپ اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ جا رہی ہیں۔" ازہان نے یاد دلایا۔ فاطمہ کے ماتھے پہ لکیریں پڑنے لگیں۔

"میں نے کوئی خط نہیں لکھا اور میں کیوں اپنی جنت چھوڑ کر کسی کے ساتھ جانے کی بات کرتی۔" فاطمہ حیران پریشان ہوئیں۔ ازہان نے سنبھال کر رکھا خط ان کے سامنے رکھا۔

"آپ کے جانے کے بعد یہ خط ہمیں آپ کے تکیہ کے نیچے سے ملا تھا۔" ازہان نے پرچا انہیں تھمایا۔ فاطمہ کی نظریں سطریں پڑھنے لگیں ان کے چہرے پہ ایک رنگ آرہا تھا۔ ایک جا رہا تھا۔ تھک کر انہوں نے خط میز کے اوپر رکھ دیا۔ سب کی متوحش نظریں ان پہ جمی تھیں۔

"اس حادثے سے کچھ دنوں پہلے بھابھی بیگم نے مجھے اپنی ڈائری اور پین دے کر کہا تھا کہ انہیں رسالے سے کچھ چیزیں ڈائری میں رقم کردوں۔ وہ بولتی جا رہی تھیں اور میں ان کی ڈائری لکھ رہی تھی۔ انہوں نے کچھ اشعار لکھوائے تھے۔ دو تین نظمیں۔ کچھ پیراگراف... یہ بھی لکھوایا تھا۔ میں لکھتے وقت بارہا پوچھ رہی تھی کہ بھابھی بیگم اس میں ایسا کیا خاص ہے جو آپ ڈائری میں محفوظ کر رہی ہیں مگر انہوں نے کہا تھا تم نہیں سمجھو گی... اور میں واقعی نہیں سمجھ سکی تھی کہ وہ کیا پلان کر کے بیٹھی ہیں... یہ بھابھی بیگم کی ڈائری کا صفحہ ہے۔" فاطمہ نے صفحے کے ماتھے پہ درج تاریخ کی طرف نشاندہی کی... ازہان حیدر کو بے ساختہ وہ ڈائری یاد آگئی جو سحرش کے پاس تھی۔ اس میں سے بیچ کا صفحہ غائب ہونے پہ سحرش کے پاس انہیں جھٹلانے کی وجہ نہیں بچتی۔ مگر اس کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ہر کوئی اپنی جگہ چپ ہو گیا تھا۔ حیدر صاحب آبدیدہ ہو گئے۔

"میری بیوی نے اتنی بڑی سازش کی اور مجھے خبر نہیں ہوئی!" پریشے بے ساختہ ان کی طرف بڑھی۔

"میرے بھائی اور بھابھی کی زندگی برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" وہ دل سوز لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ازہان حیدر خاموشی سے دیوار سے لگ گیا۔ اسی لمحے زوردار طریقے سے دروازہ دھکیل کر سحرش اور حمیرا اندر داخل ہوئیں۔

"نا میں پوچھتی ہوں ایسی کون سی خاص بات ہو رہی ہے جس کے لیے آپ لوگوں نے ہمیں شریک کرنا مناسب نہ سمجھا۔" سحرش اونچی آواز میں چلائیں۔ حمیرا کھا جانے والی نظروں سے فاطمہ کو دیکھنے لگیں۔

"آواز نیچی کرو سحرش بیگم۔" حیدر صاحب اتنی زور سے چلائے کہ در و دیوار جیسے ہلنے لگے تھے۔ سب ٹھٹک گئے۔

"تمہاری نفرت و کدورت کی کہانی انجام کو پہنچ گئی۔ نا صرف تم ہار گئیں بلکہ اپنے مقام سے بھی گر گئیں۔ ازہان کال کرو پولیس کو جو جو اس سازش میں شامل ہے سب کو گرفتار کرواؤ۔" حیدر صاحب کا بس نہیں چل رہا تھا وہ سحرش کی بوٹی بوٹی بنا دیں۔ پریشے احسن نے انہیں پکڑ رکھا تھا۔ احسن اور فاطمہ خاموشی سے کھڑے تھے۔ دونوں کے ہاتھوں سے طوطے اڑ گئے مگر سحرش پھر سحرش تھیں۔

"ایسا کیا کر دیا میں نے... یہ میسنی جو کہانی سنائے گی آپ لوگ اس کا یقین کریں گے۔" سحرش فاطمہ کو گھور رہی تھیں۔ ازہان حیدر نے اپنے سیل فون کی ریکارڈنگ چلا دی جو رات اس نے سحرش اور حمیرا کی بنائی تھی۔ سحرش اور حمیرا کی اکڑ غبارے کی طرح پھس ہو گئی۔

"جی تو چاہ رہا ہے اس عورت کو میں طلاق..."

"بھائی صاحب پلیز۔" فاطمہ نے بے ساختہ حیدر صاحب کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ احسن صاحب بھی بھائی کے قریب آگئے۔ ازہان حیدر اس ساری صورت حال سے دل گرفتہ تھا۔ اس کی ماں اتنی بڑی گھمبیلو ہو سکتی تھی یہ اس نے کسی پہر نہیں سوچا تھا۔

"بھابھی بیگم آپ نے بھلے ساری زندگی میرے لیے کدورت رکھی مگر میں نے آپ کو ہمیشہ بھابھی بیگم سمجھا۔ احسن مجھے بیاہ کر لائے تو پہلے کھنٹے تک وہ

صرف آپ کی تعریف کرتے رہے۔ ایک بیٹے کی طرح، بھائی کی طرح۔ انہوں نے مجھے پہلی رات ہی جتا دیا تھا کہ اگر میں نے کبھی آپ سے اونچی آواز میں بات بھی کی تو یہ مجھے چھوڑنے میں پل بھی نہیں لگائیں گے کہ یہ آپ کی بہت عزت کرتے ہیں۔ کچھ احسن کی باتوں کا اثر تھا۔ اور کچھ میری طبیعت بھی صلح جو تھی جو میں زندگی نبھا گئی۔۔۔ مگر شاید میری خدمت، محبت میں کہیں کوئی کمی تھی جو آپ کے دل سے اپنے لیے کدورت نہ نکال سکی۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔" فاطمہ نے سحرش کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

سحرش پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"اس عورت سے کیا معافی مانگتی ہو فاطمہ جو دیور اور اپنے سگے بیٹے کی خوشیوں کو کھانے کو دوڑتی ہے۔ یہ تو ڈائن سے بھی گئی گزری ہے۔" حیدر صاحب کف اڑانے لگے۔

"بھائی صاحب پلیز! آپ کو سمجھ داری سے کام لیں۔" احسن انہیں حواس میں رہنے کا کہنے لگے۔

"فاطمہ! بھابھی بیگم کو یہاں سے لے جاؤ!" احسن صاحب نے انہیں بت بنی سحرش کی طرف اشارہ کیا۔

"حمیرا بیگم آپ بھی اپنا سامان سمیٹ لیں اور جہاں دل چاہے جائیں۔ طلاق نامہ آپ کو جلد مل جائے گا اور جلد چلی جائیے۔ ایسا نہ ہو جیسے آپ کا بیٹا ریمانڈ روم کی سیر کر رہا ہے، آپ کو بھی اس کے پاس جانا پڑے۔" احسن بے حد نفرت سے حمیرا کو ان کی اوقات یاد دلا رہے تھے۔ فاطمہ سحرش کو لے کر کمرے سے نکل گئیں۔

✡ ✡ ✡

سحرش اپنے بیڈ پہ بیٹھی خلاؤں میں دیکھ رہی تھیں۔ فاطمہ کھانے کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوئیں۔ شدید گرمی تھی مگر سحرش ہر احساس سے بے نیاز پنکھا اور اے سی بند کیے بیٹھی تھیں۔ فاطمہ نے اک نظر ان پہ ڈال کر ٹرے بیڈ پہ رکھی اور ریموٹ اٹھا کر اے سی چلا دیا۔

"بھابھی بیگم آپ کی پسندیدہ ڈش چکن جلفریزی اور چائنیز رائس بنایا ہے، میں نے۔" فاطمہ بولتے ہوئے ان کے مقابل بیٹھ گئی تھیں۔ سحرش خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ فاطمہ نے مسکرا کر رائس پہ کیچپ ڈالا۔

"آپ کو کیچپ بہت پسند ہے نا رائس کے ساتھ۔" فاطمہ نے چمچہ میں رائس بھر کر ان کی طرف بڑھایا۔

"کھا کر بتائیں بھابھی بیگم، اچھا بنا ہے یا نہیں۔" فاطمہ کے محبت بھرے اصرار پہ سحرش نے منہ کھول دیا۔ فاطمہ نے مسکراتے ہوئے کھلایا

یہ فاطمہ کے روز کا تین وقت کا معمول تھا۔ کھانا ختم ہو چکا تھا۔ فاطمہ نے ان کا منہ ٹشو سے صاف کیا۔

"بھابھی بیگم آپ نے خود کو کمرے میں بند کر لیا ہے۔ باہر نکلا کریں۔ بلکہ آج شام کو میں اور آپ پارک چلیں گے، آپ کا دل بھی بہل جائے گا۔ ٹھیک ہے نا!" فاطمہ دوستوں کی طرح پوچھ رہی تھیں۔

سحرش کی آنکھوں میں پانی اترنے لگا۔ چہرے پہ بے چارگی سی پھیل گئی۔

نفرت ہمیشہ محبت کے آگے دو زانوں ہاتھ جوڑے آہ و فغاں کرتی ہے اور محبت ہمیشہ کھلکھلا کر اسے دور بھگا دیتی ہے۔ سیاست اور سازش کی دیواریں بنانے میں دیر ضرور لگتی ہے، مگر اسے گرنے میں چند سکنڈز لگتے ہیں۔ سب کچھ لوٹ آیا تھا۔ رونقیں، محبتیں، قہقہے۔۔۔ حمیرا جا چکی تھیں۔ شرجیل حوالات میں تھا۔ نمرا نے کورٹ میرج کر لی تھی حمیرا ساری زندگی اکیلی رہتیں یا پہلے شوہر کے پاس جاتیں یہ انہوں نے طے کرنا تھا۔ سحرش اک دم سے خاموش ہو گئی تھیں۔

ڈاکٹر نے کہا تھا انہیں شاک لگا ہے۔ بیٹھے بیٹھے وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگتی تھیں۔ اذہان حیدر ان کے لیے فکر مند تھا۔ پریشے اور فاطمہ ان کا ہر ممکن خیال رکھتی تھیں۔ خصوصاً" فاطمہ ان کا سایا بنی ہوئی تھیں۔ جسے دیکھ کر اذہان حیدر کافی پرسکون ہو گیا تھا۔ فاطمہ احسن صاحب کو معاف کر چکی تھیں۔ اذہان اور پریشے پھر

سے لاڈ اٹھوا رہے تھے۔ زندگی پھر سے خوب صورت ہو گئی تھی۔

ہالہ تک ساری نیوز پہنچی تو اسے افسوس ہوا۔ سحرش جیسی بھی تھیں، مگر ماں تھیں۔ اذہان حیدر نے سمجھایا تھا کہ وہ جلد ہی شاک سے باہر آجائیں گی۔ ڈاکٹرز نے امید دلائی تھی۔ ہالہ نے بھی خود کو سنبھال لیا تھا۔ اس نے چھوٹتے ہی ہنی مون کے لیے اذہان اور پریشے کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی تھی۔ جسے اذہان نے قبول بھی کر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

فاطمہ رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ پریشے احسن ان کی مدد کر رہی تھی۔ جب اذہان حیدر نے کچن میں قدم رکھا۔

"تمہاری پسندیدہ ڈشز بنا رہی ہوں۔" فاطمہ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"اوہ نو!" اسے افسوس ہوا۔

"کیوں؟" انہیں حیرت ہوئی۔

"کیونکہ آج میں اور پریشے باہر ڈنر کریں گے۔" اس نے اپنے پلان سے آگاہ کیا۔ بلینڈر چلاتے پریشے نے بات سننے کی کوشش کی، مگر کچھ سمجھ نہیں آیا۔

"کس نے کہا؟" فاطمہ نے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا۔ "سب پتا چل گیا ہے مجھے میری بیٹی کا صرف نکاح ہوا ہے..... رخصتی تک انتظار کرو۔"

"پلیز چاچی صرف آج....." وہ منمنایا۔ فاطمہ کو بہت اچھا لگا۔

"پوچھ لیں اپنی بیٹی سے میں کردار کا کتنا اچھا ہوں۔" وہ فخریہ اترایا۔

"اچھا جی!" فاطمہ ہنسیں۔

"جانے دیں نا..... وہ کیا ہے کہ آپ کی بیٹی ذرا ناراض ہے۔" کان میں منمنایا۔

"کیوں؟"

"ایویں! غصہ کیا تھا اس پہ تب سے بات نہیں کر رہی۔" اس نے گاجر کا ٹکڑا منہ میں ڈالا۔

"اگلے ہفتہ مایوں ہے پریشے کی۔" فاطمہ نے احساس دلایا۔

"ہاں تو اس سے پہلے واپس آجائیں گے نا' لانگ ڈرائیو پہ جائیں گے' ہنی مون پہ تھوڑی!" وہ پٹانے لگا۔

فاطمہ ہنسیں۔

"شرم کرو' ساس سے بات کررہے ہو۔" احساس دلایا۔

"ہاں تو' میری ماں پہلے ہیں' ساس بنے جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے۔" فاطمہ زور سے ہنسیں۔

"جاؤ لے جاؤ!" پریشے احسن نے بلینڈر لاکر فاطمہ کے سامنے رکھا تو ان کا جملہ کانوں سے ٹکرایا ورنہ وہ ان کی گفتگو نہیں سن سکی تھی۔ بلینڈر کے شور میں۔

ازہان جھٹ ان کے گال پہ پیار کرکے سیدھا ہوا۔

"کیسی ہونق بنی کھڑی ہے آپ کی بیٹی!" اور پریشے احسن جو واقعی اس کے انداز کو ہونق کی طرح دیکھ رہی تھی۔ اس کے جملے اور فاطمہ کی ہنسی پہ سٹپٹا گئی۔ سمجھ گئی اسی کے متعلق باتیں کرتا رہا ہے۔

"آنکھیں بند کرلیں' ہاتھ پکڑنے لگا ہوں آپ کی بیٹی کا۔" وہ قریب سے گزرتی پریشے کے پیچھے لپکا۔

"بدمعاش!" فاطمہ کھل کے ہنسی تھیں۔ پریشے کچن سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تھی۔ جب ساتھ چلتے ازہان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ڈنر اور لانگ ڈرائیو!" اس کی حیران نظروں کا مسکراتا جواب آیا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے شاور لے کر نکلی تھی۔ بال بھی کھلے ہوئے تھے کہ ابھی خشک نہیں ہوئے تھے۔

"میرے کپڑے!" اس نے احتجاج کرنا چاہا۔

"اچھے ہیں!" تسلی بخش جواب آیا۔ "لیکن اگر چینج کرنا ہے تو تمہارے پاس صرف پانچ منٹ ہیں تیار ہوکر آؤ۔ میں باہر ہی کھڑا ہوں۔" اس کے کمرے کے دروازے پہ چھوڑ کر اندر دھکیل دیا۔ گیٹ بند کرکے باہر کھڑا رہا۔ پریشے نے وارڈ روب کھول کر کپڑوں کا جائزہ لیا۔

"ایک منٹ!" باہر سے آواز آئی تو وہ فورا" واش روم کی طرف بھاگی۔ وہ جب تک چینج کرکے بالوں میں برش کرکے لپ اسٹک لگا کر پرفیوم اسپرے کرکے آئی وہ تب تک پونے پانچ منٹ پہ آگیا تھا۔

"آگئی!"

"پانچ منٹ!" اسے دیکھ کر نعرہ لگایا۔ سراہتی نظروں سے اس کے ریڈ کلر کے سوٹ کو دیکھا۔

"دلہن بننے کی بڑی جلدی ہے۔" اس کی ہتھیلی تھامے وہ پورچ کی طرف گامزن تھا۔ پریشے چپ رہی۔

"ریڈ کلر تم پہ بہت اچھا لگتا ہے۔ اس کا مطلب ہے 'میں فرسٹ نائٹ ڈروں گا نہیں۔" اس کے لیے دروازہ کھولتے اس کی لن ترانیاں جاری تھیں۔ پریشے خاموشی سے بیٹھ گئی۔

گاڑی سڑک پہ دوڑنے لگی تھی۔ ازہان حیدر نے پچھلی سیٹ سے کچھ چیزیں جھک کر اٹھائیں اور پریشے کی گود میں رکھ دیں۔

"ہیپی برتھ ڈے!" پریشے احسن چونک گئی۔ وہ حیرت سے کرسٹل کے چاکلیٹ سے بھرے ڈبے اور کارڈ دیکھنے لگی۔

"گو کہ ابھی بارہ بجنے میں اور تمہاری برتھ ڈے شروع ہونے میں وقت باقی ہے' مگر میں چاہتا تھا سب سے پہلے میں وش کروں تمہیں۔" پریشے کو اس سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔

"ناراض ہو؟" وہ خاموش رہی تو ازہان نے اس کا بازو کھینچ کر قریب کیا۔

"ہاں!" ڈبے سے چاکلیٹ نکال کر اس نے ریپر اتارا۔

"اکیلے کھائی تو ہضم نہیں ہوگی۔" سابقہ جملہ دہرایا۔ پریشے نے چاکلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

"کیوں ناراض ہو۔" جھک کر بائٹ لیتے استفسار کیا۔

"تم جو مجھ پہ چلائے!" یاد دلانے لگی۔

"سوئیٹی وہ سچویشن ایسی تھی۔۔۔ اچھا سوری۔۔۔ معاف کردو۔"

"نہیں' پہلے تم وعدہ کرو کہ آئندہ جاہل شوہروں کی

طرح چلاؤ گے نہیں۔" شرط رکھی۔
"بزنس کے ساتھ انجینئرنگ کی بھی ڈگری لی ہے۔
جاہل تو نہ کہو۔" التجا کی۔
"جب چلا رہے تھے تو جاہل ہی لگ رہے تھے۔"
صاف گوئی سے بولی۔
"او کے اگری! بس... بولو اب کیا کرنا ہے؟" اس
نے ہتھیار ڈال دیے۔
"اس دن آئس کریم ادھار رہ گئی تھی۔ آج نہیں
رہنی چاہیے۔" یاددہانی کرائی۔
"اور کوئی حکم!" مسکراتے ہوئے ڈرائیو کر رہا تھا۔
"میرا برتھ ڈے گفٹ!" سیدھی ہوئی۔
"وہ بھی مل جائے گا۔ ان فیکٹ میرے کمرے میں
ہے۔"
"کیا ہے؟" تجسس جاگا۔
"یہ جاننے کے لیے اور گفٹ لینے کے لیے میری
ایک شرط ماننا پڑے گی۔"
"کیسی شرط؟" استفہامیہ بھری نظروں سے اسے
دیکھنے لگی۔
"بارہ بجنے سے پہلے تم میرے کمرے میں آؤ گی۔
تمہاری برتھ ڈے کے لیے میں نے اپنے کمرے کو
بہت اچھا سجایا ہوا ہے۔ وہاں کیک کاٹو گی پھر ہم کسی
رومانٹک سونگ پہ اک دوسرے کی آنکھوں میں
آنکھیں ڈالے رقص کریں گے۔ پھر تمہارا گفٹ
تمہیں ملے گا۔ پھر..." وہ رک گیا۔
"پھر..." وہ جاننا چاہتی تھی۔
"پھر تم اپنے کمرے میں جا کر سو جانا اور میں
اپنے... اس بودی دیوار کا آسرا بھی ختم ہو گیا کہ اگلے
ہفتے شادی ہے۔ چاچی نے ہمیں ساتھ دیکھ لیا تو بہت
ماریں گی۔" وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔
ہوٹل آچکا تھا۔ دونوں باہر نکل آئے۔ ہلکی پھلکی
پھوار بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔
"چلیں!" ازہان نے اپنا بازو اس کے سامنے کیا۔
پریشے احسن نے اس کا بازو نیچے کر دیا۔
"او کے ایز یور وش!" اسے لگا کہ پریشے کو اس کا
انداز پسند نہیں آیا سو آگے بڑھنے کے لیے قدم اٹھایا'
مگر پیچھے سے پریشے نے اس کی شرٹ کو کھینچ کر اسے
روکا۔ وہ رک گیا مگر پلٹا نہیں۔
وہ پیچھے سے ہوتی سامنے آئی تھی۔ اس کے مقابل
تھی۔ وہ بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں' اس
کے چہرے پہ صرف محبت تھی۔ برستی ہلکی پھوار اور
مدھم روشنی میں بھی دونوں اک دوسرے کے ہر رنگ
کو پہچان سکتے تھے۔ وہ بے ساختہ اس کے شانے سے
لگ کر بولی۔
"تھینکس ازہان! فار یور لو' کیئر' اینڈ ایوری
تھنگ۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ بے ساختہ
مسکرایا۔ شکریہ کہنے کا انداز بھا گیا تھا۔
"اینی تھنگ' اینی ٹائم یو ڈیئر وائف" اپنی اونچی
ناک اس کی ناک سے ٹکرائی تو اس کے چہرے پہ حیا
کے رنگ بکھر گئے۔

☆ ☆

جینا

صدف آصف

باغ میں جھولے کی اونچی اونچی پینگ بھرتی' جینا کی کھنکتی ہنسی نے شاخوں پر جھولتی گول گول دیدوں والی چڑیا کو بھی اپنی جانب متوجہ کرلیا' اونچی اڑان کے ساتھ بے ساختہ نکلنے والے پرمسرت قہقہوں پر' ہوا سے ملتے پھول مبہوت ہو کر اسے دیکھنے لگے' پھر سکندر نواب کا کیا قصور تھا' وہ تو ایک جیتا جاگتا بھرپور جذبات سے گندھا انسان تھا' کیوں نہیں ٹھٹکتا' اس کے قدموں نے بھی آگے بڑھنے سے انکار کردیا اور بڑے دھیان اور توجہ سے جھولے پر سوار اس اپسرا کو دیکھتا رہ گیا۔

جینا ہوا کے مست جھونکوں سے اٹکھیلیاں کرتے شہد رنگ بالوں کو ایک ہاتھ سے سمیٹ رہی تھی' ایک احساس سے مغلوب ہو کر سامنے دیکھا' خوبرو کڑیل جوان کی نگاہیں خود پر مرکوز پائیں' اس کا چڑیا سا دل کپکپانے لگا۔ کانوں میں ماں کی سرگوشیاں گونجنے لگیں' اس نے سرعت سے زرد کناری والی شیشے لگی سرخ چنری کو اچھی طرح سر کے گرد لپیٹا' آدھا چہرہ گھونگھٹ کی اوٹ میں اور آدھا چنری سے باہر تھا گویا سکندر کے دل پر ایک اور ستم ڈھا دیا گیا ہو۔

چوڑے سینے اور کھڑے ناک نقشے والے' نڈر' قدرے اکھڑ مزاج سکندر کو لڑکیوں سے ہمیشہ الجھن محسوس ہوتی' وہ عورتوں کو خود پسند سمجھ کر ان سے دور بھاگتا آیا تھا' مگر اس کے سارے فلسفے اس وقت رفوچکر ہوگئے' غرور ٹوٹا بھی تو کہاں آکر ٹوٹا۔ ایک پسماندہ گاؤں کے باغ میں جھولا جھولتی لڑکی کے قدموں میں۔

یہاں وہ اپنے عزیز از جان دوست کے گھر چند دنوں قبل مہمان بن کر ٹھہرا تھا' کھیتوں کی سیر کرتا باغ کی طرف نکل آیا تو۔۔۔ جینا کی معصومیت میں کچھ ایسی انفرادیت دکھائی دی کہ پہلی بار کسی لڑکی کو دیکھ کر وہ ساکت رہ گیا۔ سکندر جسے شاہانہ نواب نے شاہوں کی طرح پالا تھا' خود کو سچ مچ کا سکندر اعظم سمجھتے ہوئے اس سے قبل کسی کو یوں خاطر میں نہ لایا' مگر ایک پل میں کیا سے کیا ہوگیا' چھوٹی سی تیکھی ناک والی لڑکی کی محبت کے ہاتھوں مفتوح ہوگیا اور جینا انجانے میں سکندر کو محبت کا انوکھا سبق پڑھا گئی۔

جینا چوہدریوں کے مہمان کی مسلسل توجہ خود پر پاکر گھبرا گئی' پہلے اسے کڑے تیوروں سے نوازا' مگر مجال ہے جو کوئی اثر ہو تو جاتا' وہ ایسے ہی مسمرائز سا کھڑا رہا' مجبوراً" غصے سے پیروں کو زمین پر مارتے ہوئے جھولا روکا اور اترنے کی کوشش کی تو مرمریں بانہوں میں پڑیں درجن بھر کانچ کی چوڑیوں نے ایک ساتھ شور مچا دیا۔ وہ سہم گئی اور کلائی پر مومی انگلیاں رکھ کر ان کی گستاخی کا گلا گھونٹنا چاہا' جینا کے انداز پر سکندر کے بھرے بھرے ہونٹوں کے گوشوں سے خفیف سی مسکراہٹ چھلک اٹھی۔ اجنبی کی شرارتی آنکھوں سے ٹپکتی شوخیوں پر وہ اندر سے بری طرح سے خائف ہوئی' مگر بظاہر سر اٹھا کر بڑی بے نیازی سے سکندر کے قریب سے گزرتی چلی گئی۔ وہ دور تک اس کے پیروں کے نشان پر نگاہ جمائے' کسی اور دنیا کی سیر کو نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

جینا' شاداں اور اللہ یار کی اکلوتی بیٹی تھی' اس سے قبل ان دونوں کے یہاں پانچ بیٹے ہوئے' مگر وہ پیدائشی طور پر کمزور ہوتے اور کوئی ایک ماہ کوئی ایک سال اور کوئی دو سال سے زیادہ زندگی لے کر دنیا میں نہیں آیا' ایک نہ دو پانچ لڑکوں کی وفات نے دونوں

میاں، بیوی کو اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا، پھر بھی سوہنے رب کی مرضی جان کر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا۔ تاہم کچے آنگن کے ساتھ ساتھ وجود کا خالی پن انہیں کبھی کبھی کاٹ کھانے کو دوڑتا۔ پانچواں بیٹا بھی مسلسل بیمار رہنے کے بعد ڈیڑھ سال کا ہو کر ایک دن چل بسا تو دونوں میاں، بیوی مایوسی کی انتہائیں کو جا پہنچے، شاداں نے تو کھانا پینا تک بہت کم کر دیا، بس منہ سر لپیٹے لیٹی رہتی، رب کی رحمت نے ان کی کٹیا کے دروازے پر ایک بار پھر سے دستک دے ڈالی، مگر اس بار وہ بہت پرامید نہ تھی۔

اس بار بیٹی پیدا ہوئی تو وہ بڑی سخت جان نکلی، ان دونوں میاں بیوی کو یقین نہیں آتا کہ یہ لڑکی اوپر سے

لمبی عمر لکھوا کر آئی ہے' وہ اسے جینا ہی پکارنے لگے کہ شاید نام کے اثر سے وہ جیتی رہے' پھر بھی اس کی ذرا سی تکلیف' چھوٹی سی بیماری بھی ان کو ہاتھ پیر چھوڑنے پر مجبور کردیتی۔ وہ ایسا تارا تھی' جس سے ان کا کچا آنگن جھل مل جھل مل کرتا رہتا۔ جینا جوان ہوگئی' تب بھی شاداں راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس کی سینے کی دھڑکن سنتی' آتی جاتی سانسوں کو چیک کرتی اور پھر سکون کا سانس لے کر سونے لیٹتی۔ ان حالات میں' وہ دہری کیفیت کا شکار رہتی' کبھی تو اسے اپنے والدین کی محبت پر فخر محسوس ہوتا اور کبھی وہ ایسی شدتوں سے اوب جاتی۔

☼ ☼ ☼

"ایک... منٹ... ہیلو... ذرا... ٹھہرنا۔" جینا کے بڑھتے ہوئے قدموں نے اسے ہوش کی دنیا میں لا پھینکا۔ بے قراری سے چیخا۔ یہ ان دونوں کی دوسری ملاقات تھی' نہر کے ٹھنڈے شفاف پانی میں اپنے گورے گورے پاؤں لٹکائے بیٹھی' وہ بڑی بے فکری سے گنا چھیل چھیل کر چوس رہی تھی' جب سکندر کی متلاشی نگاہوں کو اسے دیکھ کر قرار حاصل ہوا۔

"اوں... " سرو قد' نازک' کامنی سی جینا کے چہرے کی سب سے خوب صورت چیز اس کی چھوٹی سی تیکھی ناک تھی' جس پر ہر وقت غصہ دھرا رہتا۔ اس وقت بھی سکندر کی بدتہذیبی پر اس نے طیش کے عالم میں ناک چڑھائی تو لونگ کا موتی دمک اٹھا۔

"سنو... مجھے کچھ کہنا ہے۔" وہ گیلے کپڑے جھاڑتی ہوئی اٹھی تو سکندر اس کے نزدیک پہنچ کر بولا۔

جینا نے سنی ان سنی کرتے ہوئے اس سے کنی کترا کر تیز قدموں سے پگڈنڈی کی جانب چلنا شروع کردیا' جو سیدھی اس کے چھوٹے سے گھر تک جاتی تھی۔ چھن... چھن... چھن۔ نازک پیروں میں پڑی چمکیلی سی پائل کے گھنگھرو ایک ساتھ بج اٹھے' اس کے ہر قدم پر سکندر کا دل جیسے۔ بجھ بجھ گیا۔

"یہ لڑکی... کون تھی؟" سکندر نے برابر میں غلام علی کی موجودگی محسوس کی تو بے اختیار پوچھا۔

"کون... جینا... ہمارے گاؤں کی کمہار کی بیٹی ہے۔" غلام علی نے سادگی سے جواب دیا۔

"جینا..." سکندر نے کئی بار یہ نام دہرایا' آنکھیں اب بھی اس کی پتلی کمر پر جھولتی لمبی سی چوٹی سے الجھی جارہی تھیں۔

"بہت... حسین ہے۔" اس کا سراہتا ہوا لہجہ غلام علی پر بھاری پڑا۔

"چلو... یار... بہت گرمی ہے۔" غلام علی نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

"یہ سامنے والا مکان اس کا ہی ہے... نا۔" سکندر نے کچے مکان کی جانب انگلی سے اشارہ کرکے تصدیق چاہی' جس میں جینا داخل ہوئی تھی۔

"ہاں..." غلام علی کو گاؤں سے انسیت نہ سہی' مگر یہاں رہنے والی ہر لڑکی اور عورت کی وہ دل سے عزت کرتا تھا' اسے سکندر کی یہ حرکت ناگوار گزری' اسی لیے مختصر جواب دیا۔ "درخت کے نیچے جامو نے چارپائی بچھادی ہے' چلو... وہاں پر بیٹھتے ہیں۔" غلام علی نے مجسمہ بنے سکندر کا بازو پکڑ کر کھینچا۔

"ہاں... چلو۔" سکندر نے اس کے اصرار پر قدم بڑھادیے۔

☼ ☼ ☼

جینا چاہتے ہوئے بھی اپنی ماں کو یہ بات نہیں سمجھا پائی کہ اس کے سینے میں دھڑکتے معصوم سے دل کے بھی کچھ تقاضے ہیں' وہ ہمجولیوں کا ساتھ چاہتی ہے' جن کے ساتھ گندم کے کھیتوں میں ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھرنے کی خواہش اس کے وجود میں ہر وقت پنپتی ہے' ندی کنارے منڈلی جما کر ان کی کھٹی میٹھی' پہیلیوں کے جواب ڈھونڈتا اور ان سے اپنے دل کی وہ باتیں کرتا جو شاداں کے سر کے اوپر سے گزر جاتی ہیں' اسے بہت اچھا لگتا ہے۔ مگر ماں کے اندیشے' اسے گھٹ گھٹ کر جینے پر مجبور کررہے تھے' اس کی ساری سکھی سہیلیاں ایک ایک کرکے شاداں کی سختی اور پابندیوں کے ہاتھوں اس سے دور ہوتی چلی گئیں۔ وہ

تنہا‘ تشنہ اور مایوس سی رہنے لگی‘ اپنے وجود کی گھٹن کسی کو دکھانا چاہتی تھی مگر اس کے لب شاداں کا محبت سے بھرپور چہرہ دیکھتے ہی ایک دوسرے میں پیوست ہو کر رہ جاتے‘ وہ صبر سے کام لیتی‘ بچپن سے ہی وہ بہت سمجھ دار تھی‘ اسے اندازہ تھا کہ پانچ بیٹوں کی موت کی وجہ سے شاداں جینا کے لیے کچھ زیادہ ہی حساس ہو گئی ہے‘ اسے چڑیا کے بچے کی طرح اپنے پروں میں چھپا کر رکھنا چاہتی ہے‘ زمانے کے سرد و گرم سے بچانے کے لیے اپنے سینے سے لگائے رکھتی ہے۔ یہ جانے بنا کہ کبھی کبھی جینا کو اس کی آغوش کی گرمی بھی وہ خوشی نہیں دے پاتی‘ جو کھلے آسمان پر آزادی سے پرواز کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

✡ ✡ ✡

غلام علی زمینوں کے بکھیڑوں سے جان چھڑا کر مہمان خانے میں داخل ہوا تو سکندر کو چارپائی پر اوندھے منہ لیٹے پایا۔

”میں نے سمجھایا تھا ناکہ‘ یہاں کی دھول مٹی اور گرمی تمہیں دو دن میں ہی بے زار کردے گی۔“ وہ اپنے اندازے کی کامیابی پر مسکرا کر بولا۔

”نہیں... ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ سکندر نے سر اٹھائے بنا تردید کردی۔

”پھر کیا ہوا... بڑے کھوئے کھوئے سے ہو؟“ وہ دوست کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر مسکرایا۔

”کچھ نہیں... بس ایسے ہی...“ سکندر کے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے‘ اسی لیے ٹالنا چاہا۔

”میں نے تو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تم جیسے آسائشوں کے پلے بڑھے نوجوان کا دل ہمارے چھوٹے سے گاؤں میں بھلا کہاں لگے گا۔“ غلام علی کے اندر کا احساس کمتری چھلک اٹھا۔

”تم کہو تو... واپس چلتے ہیں۔“ غلام علی نے اس کی خاموشی کو اداسی پر محمول کیا اور پیش کش کی۔

”نہیں... یار... اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ ابھی تو مجھے تمہارا پورا گاؤں دیکھنا ہے۔“ وہ جلدی سے نفی میں سر ہلا کر بولا۔

”اونہہ... یہاں دیکھنے کے لیے رکھا ہی کیا ہے۔“ وہ برا سا منہ بنا کر چارپائی پر پسر گیا۔

”میری نگاہوں سے دیکھو... بہت کچھ ملے گا۔“ سکندر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”کیا مطلب... میں سمجھا نہیں؟“ غلام علی نے کروٹ بدلی اور دوست کو چونکا ہو کر دیکھا۔

”یہاں کس چیز کی کمی ہے‘ سبز کھیتوں کی ہریالی‘ سرسوں کا سنہری پن‘ گیلی مٹی کی خوشبو‘ نہر کا ٹھنڈا شفاف میٹھا پانی‘ پھلوں کے باغات‘ کوئلوں کی کوک اور پن چکی کی ہوک یہ سب کتنے دلچسپ ہیں۔“ وہ بولتا گیا اور غلام علی سحر زدہ سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

”کمال ہے یار... اتنی گہرائی میں جا کر تو کبھی میں نے بھی نہیں سوچا تھا۔“ اس نے ستائشی انداز میں سکندر کا کاندھا تھپتھپایا۔

”بس ایسے ہی... دل میں خیال آ گیا۔“ سکندر کی شرارتی آنکھوں سے روشنی کی لکیریں پھوٹ پڑیں۔

”میں تو یہاں آنے کے دو دن بعد ہی دوبارہ شہر جانے کے لیے پر تولنے لگتا ہوں... بس تمہاری وجہ سے ٹکا ہوا ہوں۔“ غلام علی نے دس دفعہ کی کہی‘ بات ایک بار پھر دہرائی‘ مگر وہ سن کہاں رہا تھا‘ ایک بار پھر سر جھکائے جینا کے خیالوں میں کھو چکا تھا۔ غلام علی خاموشی سے پلنگ سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔ اس گاؤں کے سب سے بڑے چوہدری کا بیٹا ہونے کے باوجود اس کا شہر کے مشہور صنعت کار سکندر نواب کی دولت اور شان و شوکت سے کیا مقابلہ وہ اس کے آگے پیچھے بڑا مرعوب مرعوب سا پھرتا۔

✡ ✡ ✡

جینا نیم کے درخت کے تلے بچھی چارپائی پر بیٹھی سوکھے پتوں کو ہاتھوں میں لے کر چرمرا رہی تھی‘ اس وقت اسے چوہدریوں کے مہمان پر بڑے زور کا غصہ آ رہا تھا‘ اس کی کتنے دیر سے جاری ترلے‘ منتوں کے بعد ماں نے باہر جانے کی اجازت دی تھی‘ مگر شرارتی

آنکھوں والے اجنبی کی وجہ سے دوسری دفعہ اس کا کھیل خراب ہوگیا' اسے ڈر کے مارے گھر لوٹ کر آنا پڑا۔

"جینا..." ماں کی پاٹ دار آواز پر وہ اپنے متفکرانہ یاسیت آمیز خیالوں سے چونکی۔

"کیا ہے... اماں" اس نے گردن موڑ کر چولہے کے پاس بیٹھی ماں کو دیکھا۔

"لے... روٹی کھالے!" شاداں نے چنگیر پر گھی چپڑی روٹی اور پیالے میں سرسوں کا ساگ نکال کر اس کے سامنے لاکر رکھا۔

"اماں... ابھی من نہیں کر رہا۔" اس نے منہ پھیر لیا۔

"کیا بات ہے دھی؟" وہ پریشان ہوگئی' جینا کی حسین صورت کو ہاتھوں سے ٹٹولا۔

"اماں... کوئی بات نہیں۔" اس نے پیر پٹخ کر بے زاری سے کہا' تو شاداں اداس ہوگئی۔ بیٹی کی فرمائش پر اس نے صبح اٹھتے ہی ساگ کا ڈھیر صاف کیا' پھر احتیاط سے مٹی کی ہانڈی میں ڈال کر چڑھایا' کئی گھنٹوں کی محنت کے بعد کہیں جاکر وہ تیار ہوا تو جینا کھانے سے بے رغبتی دکھا رہی تھی۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تیری۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ دوبارہ بولی' ساتھ ساتھ دودھ ململ کے کپڑے سے چھان کر ابالنے کے لیے رکھا۔

"بس... ذرا... سر دکھ رہا ہے۔" اس نے ماتھے پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بہانہ بنایا۔

"اسی لیے میں تیرے باہر جاکر کدکڑے لگانے کے حق میں نہیں ہوں' کہیں کسی سیاہ کار کی نظر نہ لگ گئی ہو۔" وہ اپنے کام کاج چھوڑ کر بیٹی کے پاس آئی۔

"افوہ... اماں... تم تو ایک بات کے پیچھے لٹھ لے کر پڑجاتی ہو۔" وہ بلاوجہ کا غصہ دکھانے لگی۔

"شکر... کر تیرے پیچھے لٹھ لے کر نہیں پڑی۔" شاداں نے جان کر شرارت سے اسے چھیڑا' مگر اسے ہنسی تک نہیں آئی۔

"دیکھو... تو میری بچی کا کتنا سا منہ نکل آیا ہے۔ ادھر آ... میں پڑھ کر پھونکوں۔" شاداں نے فکرمندی سے کہا تو وہ ماں کی محبت کے آگے ہار گئی۔

"یہ... قاسم کی اللہ ماری پڑھائی جانے کب ختم ہوگی کہ میں تیرے ہاتھ پیلے کردوں۔" شاداں نے تیل کی بوتل لاتے ہوئے اپنے من پسند موضوع پر بڑی آزادی سے اظہار خیال کیا تو وہ سرخ پڑ گئی۔

"تیرے... جیسا حسن... بعض اوقات... ایک بڑا فتنہ اور آزمائش بن جاتا ہے۔" شاداں تیل ڈالنے کی نیت سے بیٹی کی لمبی چٹیا کے بل کھولتے ہوئے سہمے لہجے میں بولی۔ اماں کی بات پر اس نے قندھاری انار جیسے ہونٹ بھینچ لیے۔

☆ ☆ ☆

نہر کے کنارے بیٹھا وہ پانی میں کنکر پھینک کر لہروں کے بنتے بگڑتے بھنور دیکھ رہا تھا۔ فضا میں کوئل نے سر بکھیرے تو وہ چونک گیا اور طویل سانس لیتے ہوئے جینا کے خیالات سے چھٹکارا پانا چاہا' مگر ایک بار پھر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا' جس دن سے اسے دیکھا تھا' وہ حواسوں پر چھائی ہوئی تھی' سوتے جاگتے' لمحے کے کسی حصے میں بھی وہ اس تیکھی ناک اور کنچوں جیسی آنکھوں والی کے سحر سے آزادی حاصل نہ کرسکا۔

"تو... تو یہاں چھپا بیٹھا ہے۔" معاً" داہنی جانب ہونے والی آہٹ پر سر اٹھا کر دیکھا تو غلام علی دانتوں میں تیلی سے خلال کرتے ہوئے اس پر طنز فرمانے لگا۔

"آں... ہاں... کیا ہوا؟" وہ دھیرے سے بولا۔

"او... یار... کیا ہونا ہے۔ میں تجھے پورے گاؤں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا۔" غلام علی نے اس کی پشت پر آکر زوردار دھپ لگائی۔ مگر اس پر ذرا اثر نہ ہوا' ہنوز گم صم اور کھویا کھویا سا بیٹھا رہا' غلام علی نے گہری نگاہوں سے اس کے من میں چھپا راز ٹٹولنا شروع کردیا۔

"کیا بات ہے یار؟ کوئی پریشانی ہے؟" اس نے پہلی بار سنجیدگی سے پوچھا اور فکرمندانہ لہجہ اختیار کیا۔

"نہیں... سکندر نواب کو بھلا کس بات کی

پریشانی؟" وہ شانے اچکا کر لاپروائی کا تاثر دینے کی کوشش میں ناکام رہا۔ آنکھوں سے عیاں بے چینی کوئی اور ہی کہانی سنا رہی تھی۔

"یاروں سے کیا پردہ داری... بتادو گے تو شاید مسئلہ حل ہو جائے۔" اس کو بھی کرید لگ گئی۔

"مجھے... جینا اچھی لگنے لگی ہے۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا' غلام علی کا چہرہ بجھ گیا' اس کے تاثرات سپاٹ ہو گئے۔

"کیا... میں... ایک بار اس سے مل سکتا ہوں... صرف ایک بار؟" سکندر نے بے قراری سے دوست کا ہاتھ تھام کر لاچاری سے پوچھا۔ "یار... وہ کسی اور کی منگ اور میرے گاؤں کی عزت ہے۔" غلام علی نے جانے کیا سمجھانا چاہا' مگر وہ ہکا بکا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

جینا کے جوانی کی جانب تیزی سے لپکتے قدموں سے خوف کھا کر شاداں نے بیٹی کے گھر سے باہر نکلنے پر پابندی عائد کردی' جینا ماں کے رویے سے اس وقت بہت زیادہ نالاں دکھائی دیتی' جب اس کی سکھیاں کھیتوں میں شور مچاتی کد کڑے لگاتی' پھرتیں اور وہ گھر کے کاموں میں ماں کا ہاتھ بٹا رہی ہوتی یا پھر پلنگ پر خاموشی سے بیٹھی تختی لکھ لکھ کر اپنا دل بہلاتی۔

شاداں بے چاری کے اختیار میں اس کے علاوہ تھا بھی کیا' جینا اس چھوٹے سے گاؤں کی سب سے سوہنی نار تھی' اس کی نیلی کنچوں جیسی آنکھوں میں روشنیوں کا سیلاب جمع رہتا' جنہیں' پھیلا کر جب وہ کوئی بات کرتی تو سامنے والا سانس روک کر اس وقت تک اسے سنتا رہتا' جب تک کہ وہ خاموش نہ ہو جائے۔ شہد جیسے لہریے بالوں کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے باد نسیم نے بڑی نفاست سے انہیں ہلکورے دیے ہوں۔ وہ اس غریب کٹیا کا ایسا قیمتی ہیرا تھا' جس کے چوری ہو جانے کا خدشہ شاداں کو ہر وقت ہولائے رکھتا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ شاداں نے بیٹی کا رشتہ طے کرنے میں کاہلی سے کام نہ لیا۔ قریبی گاؤں میں رہنے والی منہ بولی بہن زینت کے بڑے لڑکے قاسم کا رشتہ آتے ہی ہاں کرنے میں دیر نہ لگائی' عام سی شکل و صورت کے قاسم میں ایک ہی خوبی تھی کہ اپنے گاؤں کا سب سے زیادہ پڑھا لکھا لڑکا تھا اور ڈگری حاصل کرنے کی نیت سے شہر گیا ہوا تھا' اب اس کی واپسی پر ان دونوں کی شادی کا مصمم ارادہ کیے وہ دن بہ دن گنے جارہی تھی۔

☆ ☆ ☆

سکندر نواب' کروڑ پتی باپ کی بڑی اولاد' جس کے سرکل میں موجود ایک سے ایک حسین اور طرح دار لڑکی اس کی نگاہ التفات کو ترستی تھی' مگر اس نے کبھی درخور اعتنا نہیں سمجھا' جانے کون سی گھڑی ایسی آپڑی کہ وہ گاؤں کی اس گوری کے عشق میں گوڈے گوڈے گرفتار ہو گیا' اس کی نگاہوں میں جینا کا الھڑپن اور چہرے کی معصومیت یوں سمائی کہ پہلو میں دھڑکتے دل نے شور مچا کے رکھ دیا' شاید محبت کا ذائقہ پہلی بار چکھا تھا' اسی لیے' غلام علی کے منہ سے جینا کی منگنی کا سن کر بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ ہوا۔ وہ ایک بار صرف ایک بار مل کر جینا سے اپنے دل کی بات کہنا چاہتا تھا' اسے اپنی شفاف محبت کی روداد سنانا چاہتا تھا' نیلگوں آنکھوں کی شفافیت کی قسم کھا کر اسے اپنی چاہت کا یقین دلانا چاہتا تھا' مگر اس سے ملنے کی کوئی راہ تو نکلے۔ وہ بے چینی سے مٹھیاں بھینچنے لگا۔

تیکھے تیوروں سے غلام علی کو بے فکری سے کھڑے ہو کر مسواک کرتے دیکھا تو وہ کسمسا گیا' سکندر کی آنکھوں سے ٹپکتا سوال اسے شش و پنج میں ڈالے ہوا تھا' مسواک کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے اس نے ایک بار پھر سے دماغ لڑایا کہ اس مسئلے کو کیسے حل کرے۔

جینا اس کی زمینوں پر کام کرنے والے کسی مزارعے کی دھی نہیں تھی کہ حکم دیا اور سر جھکائے حاضر ہو گئی' ویسے بھی شہر سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد غلام علی کا ذہن کافی حد تک بدل چکا تھا' اسے اپنے

آباؤ اجداد کی طرح لوگوں کی روحوں تک کو غلام بنانا منظور نہ تھا' وہ انسان کو انسان ہی سمجھتا تھا' شخصی آزادی کا قائل۔ اسے جبر سے نفرت اور ظلم سے وحشت ہوتی تھی' مگر یہاں بات انا پر آگئی' وہ مہمان کی بات ٹال کر اپنی چودھراہٹ کی سبکی نہیں کرا سکتا تھا۔ مگر کسی لڑکی کو یوں اس کی مرضی کے بغیر لانا بھی اسے گوارا نہ تھا' وہ عجیب تذبذب میں پڑ گیا' ٹھنڈی سانس بھر کر۔ اس نے ایک بار پھر سکندر کو سمجھانا چاہا۔

"میں جانتا ہوں کہ وہ بہت خوب صورت ہے' مگر ہے تو نیچ ذات بھلا تمہارا اس سے کیا مقابلہ؟" غلام علی نے اسے بہلانا چاہا۔

"حیرت ہے کہ اتنا پڑھنے لکھنے کے بعد بھی تمہارے دماغ میں ایسی واہیات اور فرسودہ باتیں چپکی ہوئی ہیں۔" سکندر نے بھنویں اچکا کر اسے گھورا۔

"بات... یہ نہیں ہے... وہ..." غلام علی کو خود پر غصہ آیا' وہ ہی تو اس امیر زادے کو ایک مصیبت بنا کر یہاں لایا تھا۔

"مجھے اس سے صرف ایک بار ملنا ہے' اس کے بعد بغیر کوئی نقصان پہنچائے' میں اسے واپس جانے دوں گا۔" سکندر نے دوست کے خیالات جان لیے' اسی لیے زبان دی۔

"یہ... اتنا... آسان نہیں ہے۔" وہ ہارنے سا لگا۔

"اچھا... اگر تم یہ کام نہیں کر سکتے تو میں خود کوئی انتظام کر لیتا ہوں۔" اس کے اندر کا ضدی سکندر انگڑائی لے کر بیدار ہوا۔ بڑی بے نیازی سے دھمکی دی۔

"اچھا... اچھا... کرتا ہوں کچھ۔" غلام علی کی آنا کانی نے سکندر کی محبت کی آگ پر تیل کا کام کیا' وجود میں شعلے سے بھڑکنے لگے' ویسے بھی اس کے لیے دنیا میں کبھی کوئی کام مشکل نہیں رہا' اس کا پیسا ناممکن کو لمحوں میں ممکن بنا دیتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"سلام جی! آگئی... یہ... میری دھی... جینا!"

شاداں' چوہدرانی کے بلاوے پر حویلی میں داخل ہوئی تو بری طرح سے ہانپ رہی تھی۔

"شاداں تو نے اپنی دھی کو مصیبت بنا کر سر پر کیوں سوار کر رکھا ہے' اس کا ویاہ کیوں نہیں کر دیا۔" زینب بی بی نے نخوت زدہ انداز میں ماں' بیٹی کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔

"میں سمجھی نہیں جی؟" وہ ان کے رعونت زدہ سوال پر ایک دم حیران رہ گئی۔

"تو... کیا... دودھ پیتی بچی ہے۔" زینب نے ماتھا پیٹ لیا۔

"کیا بات ہے... بی بی؟ خیر صلا تو ہے؟" شاداں نے دل پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"اسے سنبھال کر نہیں رکھ سکتی یہ... کیوں زمانے کو اپنے حسن کے جلوے دکھاتی پھرتی ہے؟" ان کا غصہ کسی طرح بھی کم ہو کر نہیں دے رہا تھا' جینا کی سفید پیشانی عرق ریز ہو گئی۔

"نہ جی... میری دھی ایسی نہیں۔" شاداں نے برا مانتے ہوئے وضاحت پیش کی۔

"اچھا... تو پھر... وہ شہری منڈا کیوں اس کے پیچھے خوار ہوتا پھر رہا ہے۔" اپنی نفی پر زینب کا لہجہ مزید کرخت ہوا۔

"ایسی کوئی گل نہیں ہے۔ میں اپنی دھی کو اچھی طرح سے پہچانتی ہوں۔ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" شاداں کے انداز میں چھلکے اعتماد پر جینا کو بہت پیار آیا۔

"میں... یہ سب نہیں جانتی... مگر اس کے حسن نے میرے بیٹے کی دوستی کو امتحان میں ڈال دیا ہے۔" شاداں کے لہجے کی سچائی بھی چوہدرانی کو متاثر نہیں کر پا رہی تھی۔

"آپ... کو کوئی حق نہیں... کہ...؟" جینا نے بولنا چاہا مگر شاداں نے بات کاٹ دی۔

"جینا... مجھے گل کرنے دے۔" شاداں نے بوکھلا کر اس کے منہ کو دونوں ہاتھوں سے دبا دیا اور چوہدرانی آگے گھگیانے لگی۔

"تیری چٹی چمڑی والی بیٹی نے شہر سے آنے والے پر اپنے عشق کا ایسا جال پھینکا ہے کہ وہ اس کے نام کی مالا جپ رہا ہے۔" زینب کا چہرہ حد درجہ بے زار اور لہجہ سفاک ہوا انہوں نے جلدی سے بتایا۔

"یہ... جھوٹ ہے... میں نے کچھ نہیں کیا۔" جینا یہ سب سن کر جیسے زمین میں گڑ گئی۔ اس کا گلابی چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑ گیا' سر مسلسل نفی میں ہلنے لگا۔

"چل... اوئے... وڈی... آئی کہیں سے مجھے جھوٹا بنانے والی۔" زینب نے بری طرح سے دھتکارا۔

"قسم رب سوہنے کی... میری جینا... اجلی' بے داغ اور سچی ہے۔ کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے جی۔" شاداں ہاتھ جوڑتی' روتی کانپتی صفائیاں دینے لگ گئی۔

"دھواں وہیں سے اٹھتا ہے' جہاں... آگ لگی ہو۔" زینب کسی طرح سے جینا کو بے گناہ ماننے کو تیار نہ تھیں۔

"یقین کریں... میرا آپ کے مہمان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" ماں کی آنکھ سے بہتے آنسو اس کے دل پر گرنے لگے۔ اپنی لمبی خوب صورت گردن موڑ کر دھندلی نظروں سے شاداں کو دیکھا' پھر صفائی دی۔

"اچھا... اگر تو اتنی ہی سچی ہے تو وہ سکندر کیوں تجھ سے ملنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔" زینب کی آواز جیسے 'سیسہ' بن گئی' جس نے ان کی سماعتوں کو پل بھر کے لیے مفلوج کر دیا۔

"یہ بات جا کر ان سے پوچھیں کہ وہ..." جینا نے کمر پر ہاتھ رکھ کر منہ بگاڑ کر انہیں باتیں سنانے کا ارادہ کیا' اس کی برداشت جواب دے بیٹھی تھی۔

"تو... چپ کر جا۔" شاداں نے لرزتے ہاتھ سے بیٹی کی کلائی تھامی' وہ بری طرح سے چڑ چکی تھی' مگر ماں کی نگاہوں سے جھانکتی التجائیں اسے بے بس کر گئیں۔

"چوہدرانی... آپ... اس گاؤں کی کرتا دھرتا ہیں... میری بچی کو اس مشکل سے نکال لیں۔" اس کے منتیں کرنے پر زینب تھوڑی نرم پڑ گئیں۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں... وہ مہمان ہے... غلام علی کا پکا یار... اسے کئی بار ٹالا' مگر وہ صرف ایک بار جینا سے ملنا چاہتا ہے۔" زینب نے بڑبڑاتے ہوئے آدھی بات بتائی۔ پوری بات بتانے میں ان کی ان کمیوں کے سامنے اپنی سبکی ہو جاتی۔ سکندر نواب نے غلام علی کو زرعی قرضے سے نجات دلانے کے لیے خطیر رقم فراہم کی تھی' ورنہ بینک کی جانب سے قانونی چارہ جوئی کے نوٹس نے ان لوگوں کی نیندیں اڑا کے رکھ دی تھیں... بھلا... یہ بات منہ سے کیسے نکلتی۔

"ایسا... کیسے ہو سکتا ہے؟" شاداں سینے پر ہاتھ رکھ کر بین کرنے لگی' اس کی آنکھوں نے بے تحاشا نمی اپنے اندر سمیٹ لی۔

"مجھ سے کیا پوچھتی ہو... اس لڑکی کی وجہ سے ہم خود مصیبت میں پڑ گئے ہیں۔" زینب نے لاچاری سے سر تھام لیا۔

"ٹھیک ہے... میں اس سے ملنے کو تیار ہوں... مگر... ایک شرط پر..." جینا کے منہ سے نکلے الفاظ نے ان دونوں کو ششدر کر دیا۔

☆ ☆ ☆

سکندر نواب نے ملاقات کے لیے خاص طور پر کریم کرتا اور گھیردار شلوار زیب تن کی' جس میں اس کی کسرتی جسم کی اسمارٹنس نمایاں ہو رہی تھی۔ اسے اپنی مردانہ وجاہت اور دولت کا بڑا زعم تھا' وہ اندر سے بڑا پر اعتماد تھا کہ جینا جیسی بھولی بھالی گاؤں کی لڑکی کا دل جیتنا اس کے لیے چنداں دشوار ثابت نہیں ہو گا۔ ویسے بھی جس وقت سے غلام علی نے اسے جینا کی رضامندی کا بتایا تو اسے لگا کہ وہ آدھی جنگ جیت چکا ہے' اس کی خود پسندی میں اضافہ ہونے لگا' اس کا رواں رواں جینا کا منتظر تھا۔

وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا' یوں لگ رہا تھا جیسے لمحے سست پڑ گئے ہوں۔ انتظار کے پھل کا تلخ ذائقہ اس کے منہ میں گھل کر حلق تک کڑوا کر گیا تھا۔

سکندر نے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کچھ دیر سوچا' پھر لیدر کے بیگ میں رکھی ہوئی سب سے اعلا اور مہنگی خوشبو نکالی' جس کا استعمال وہ بہت خاص موقع پر کرتا تھا' خود پر جی بھر کر چھڑکاؤ کیا اور طویل سانس لی' خوشبو ناک میں بس گئی۔ کتنی عجیب سی بات تھی کہ وہ جینا جیسی لڑکی کو متاثر کرنے کی تگ ودو میں مصروف تھا' دنیا کے لیے بھلے ہی معمولی سہی' مگر اس کی محبت کو چھو کر بہت خاص بن گئی تھی۔

سکندر نے دل ہی دل میں فقروں کو جوڑا' پھر توڑا۔ وہ عمدہ الفاظ کے چناؤ سے اسے بتانا چاہتا تھا کہ جینا کے لیے اس کی محبت ایسی ہی ہے' جیسے گاؤں کی ندی کا صاف شفاف میٹھا پانی' وہ ہر قیمت پہ' ہر صورت میں اسے منانا چاہتا تھا۔ غلام علی مہمان خانے میں داخل ہوا تو پل بھر کو دوست کی وجاہت کو سراہتی نگاہوں سے دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کا وعدہ یاد دلایا۔ سکندر کا وجود بظاہر جتنا پرسکون لگ رہا تھا' اندر سے اس قدر بھڑکتا ہوا شعلہ بنا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆
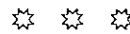
جینا نے بڑا سا سیاہ دوپٹا ماتھے تک لے کر جا کر اوڑھا تو اس کی سپید پیشانی چاند کی طرح چمک اٹھی' شاداں نے نگاہ بھر کے بیٹی کو دیکھا' وہ کچے صحن میں اگنے والے سفید گلابوں سے بھی زیادہ مہکتا ہوا پھول بنی اس کے سامنے موجود تھی۔

"کاش۔۔۔ تو بد صورت ہوتی تو ہمیں ایسے امتحان سے نہیں گزرنا پڑتا۔" دل میں اس کے حسن کو جی بھر کے کوسا' آنکھیں بھیگ گئیں۔

"اماں۔۔۔ دیر ہو رہی ہے' حویلی۔۔۔ چلیں۔۔۔" جینا نے ایک نظر ماں کی آنسو بہاتی آنکھوں کو دیکھا اور دھیرے سے لب کھولے۔

"مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا ہے۔" ماں نے سسک کر کہا تو اس نے اپنی گلابی نرم ہتھیلیوں سے ان آنکھوں کو پونچھ دیا۔

"مجھ۔۔۔ پر یقین ہے۔۔۔ نا۔" جینا نے شاداں کے کاندھے پہ بازو پھیلا کر خود سے قریب کرتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ دھی۔۔۔ مگر۔۔۔ تیرے ابا کو خبر ہو گئی تو۔۔۔" ان کے کانپتے لبوں پر خدشہ ابھرا۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ ہم ابا کے شہر سے لوٹ آنے سے پہلے ہی واپس گھر آچکے ہوں۔" اس نے سر کو نفی میں جنبش دے کر اعتماد سے کہا۔

"تو نے چوہدرانی کو اسی وقت انکار کیوں نہیں کر دیا' بلاوجہ کی مصیبت مول لی۔" شاداں کے ذہن میں یہ بات کل سے اٹکی ہوئی تھی' پوچھ ڈالی۔

"اماں۔۔۔ تم شاید بھول گئی ہو کہ۔۔۔ اس گاؤں میں رہنے والوں کی زندگی کے دن اور رات بھی حویلی والوں کی مرضی سے ہوتے ہیں۔ میں اقرار نہیں کرتی تو وہ زبردستی کرتے' تم دونوں کو ان کے آگے سرنگوں ہونا پڑتا' اپنے والدین کی ایسی ذلت سہنا میرے لیے بہت مشکل ہو جاتا۔" جینا کے لب کانپ اٹھے۔

"مگر۔۔۔ اب کیا ہو گا؟" شاداں کا دل تھرتھرایا۔

"کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ اس نے بات شروع کی ہے اور ختم میں کروں گی۔" جینا نے محض اماں کی یاسیت دور کرنے کے لیے کہا' ورنہ اندر سے تو وہ بھی بہت خوف زدہ تھی۔۔۔ اور شاداں اس کی باتوں سے واقعی بہل گئی۔

دن ڈھلنے کو تھا جب وہ اپنی اماں کے ساتھ حویلی کا گیٹ پار کر کے زینب بی بی کے اشارے پر مہمان خانے کی جانب بڑھی' اس کا لمبا دوپٹا ساتھ ساتھ گھسیٹتا چلا جا رہا تھا' خنک ہوا کا بہت تیز جھونکا آیا اور پورے ماحول میں ایک سوندھی سی خوشبو پھیلتی چلی گئی۔ چھن۔۔۔ چھن۔۔۔ کی مدھر لے نے سکندر کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی' وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا' بے قراری سے باہر جھانکا تو یوں لگا کہ ندی کا حسن اور آبشاروں کا ترنم مجسم شکل میں ڈھل کر سامنے آ گیا ہو۔ وہ موقع' وہ وقت جس کی اسے آس تھی اس پر مہربان ہوا ہی چاہتا تھا۔ اپنے محسوسات اور کیفیات کو کوئی نام دینا' ناممکن ہونے لگا۔ وہ اپنے محبوب کے استقبال کے لیے دروازے کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

غلام علی کی ہدایت پر حویلی کے اس حصے میں ابھی ہو کا عالم تھا' وہ اس ملاقات کو ہوا کے جھونکوں سے بھی چھپانا چاہتا تھا۔ شاداں نے لرزتے ہاتھوں سے مہمان خانے کی چق اٹھائی اور جینا اندر داخل ہوئی' وہ باہر رکھی کرسی پر اپنے دھک دھک کرتے دل کو سنبھالے بیٹھ گئی' جینا نے زینب بی بی کے سامنے یہ ہی شرط رکھی تھی کہ وہ اپنی ماں کی موجودگی میں ہی سکندر سے بات کرے گی۔

✡ ✡ ✡

جینا کے اندر قدم رکھتے ہی یوں لگا جیسے فضائیں حسین ہو گئی ہوں' کنچوں جیسی آنکھوں سے نکلتے روشنی کے سیلاب نے کمرے کو روشن کر دیا' سکندر مخمور انداز میں اسے دیکھتا رہا' پھر دو قدم چل کر مقابل آکھڑا ہوا۔ اس کے دراز قد کے آگے وہ چھوٹی سی گڑیا بنی متذبذب سی اسے منہ اٹھا کر دیکھنے لگی۔

''جینا...'' اسے اپنے سامنے دیکھ کر سکندر کو عجیب سا اطمینان ملا' نرمی سے پکارا۔

''ہوں...'' اس نے سر سے سرکتا دوپٹا جلدی سے ٹھیک کیا تو' کلائیوں کی چوڑیاں مدھر آواز کے ساتھ بج اٹھیں۔

''میں نے تمہیں... جب سے دیکھا ہے... تم... مجھے بہت اچھی لگ لگنے لگی ہو۔'' وہ اقرار کرتے ہوئے کچھ گھبرایا' محبت آج اسے کس مقام تک لے آئی تھی۔

''جی...'' جینا کے لب کھلے تو لگا دو پنکھڑیاں ایک دوسرے سے الگ ہوئیں ہوں۔

''میں... میں تمہیں... بہت چاہتا ہوں۔'' وہ امیر زادہ جانے کیوں اظہار کرتے ہوئے گڑبڑا گیا۔

''کتنے دنوں کے لیے...'' اس کی نیلی آنکھوں کی پتلیاں کسی اجنبی علاقے میں آ پھنسنے والے پرندے کی مانند بے چین ہوئیں۔

''میں تم سے شادی کر کے تمہیں... ہمیشہ کے لیے اپنا بنانا چاہتا ہوں۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے یقین دلانا چاہا۔

''آپ... ایسا کیوں چاہتے ہیں؟'' اس کی شفاف ہنسی میں آنسوؤں کی گونج سنائی دی۔

''جینا... میں تم سے سچ مچ میں بہت محبت کرتا ہوں۔'' سکندر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کس طرح سے قائل کرے۔

''صاحب... آپ کو مجھ سے محبت نہیں' بلکہ صرف پانے کا جنون ہے۔'' وہ چھوٹی سی لڑکی بڑی گہری بات کہہ گئی۔

''کیا... حقیقت یہ ہی ہے؟'' سکندر نے اس کی بات پر چونک کر اپنے دل کو ٹٹولا۔

''جس دن آپ نے مجھے پا لیا تو اس جنون کو قرار آجائے گا۔'' جینا نے تمسخرانہ انداز میں مزید انکشاف کیا۔

''یہ... تم کیا کہہ رہی ہو؟'' وہ سچائی کا آئینہ تھام کر اسے یہ کیسا عکس دکھا رہی تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی تردید نہیں کر پا رہا تھا۔

"اچھا... ایک بار غیر جانب داری سے اپنے اندر جھانکیں اور پھر جواب دیں کہ کیا میں غلط بول رہی ہوں۔" جینا کی نگاہوں میں چیلنج تھا' وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"صاحب... پتا ہے۔ جب آپ کی مردانہ انا کی تسکین ہو جائے گی تو یہ والہانہ پن اور بے قراری بھی مٹ جائے گی اور میرا وجود ایک خلش بن کر آپ کی زندگی میں رہ جائے گا۔" اس کے نرم لبوں سے بہت سخت بات نکلی اور اسے تذبذب کا شکار کر گئی۔

"ایسا نہیں ہوگا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر یقین دلانا چاہا' مگر خود بے یقین ہو چلا۔

"ایسا ہی ہوگا۔ اس کے بعد... میں آپ کے بڑے سے گھر کے کونے میں سجی کسی آرائشی شے کی طرح پڑی رہوں گی اور آپ ایسی بیوی کی خواہش میں پاگل ہو جائیں گے' جسے شہر کے طور طریقوں کی سمجھ ہو' جو آپ کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔" وہ سکندر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑی سفاکی سے ایک اور سچائی بیان کر گئی۔

"اتنی چھوٹی سی بات کے لیے اتنا بڑا کھڑاگ پالنے کی کیا ضرورت ہے۔" جینا کے لہجے میں یاسیت ابھری۔

"تم... مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔" سکندر نے کمزور لہجے میں اپنا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

"آپ خود کو غلط سمجھ رہے ہیں نا؟" اس کی نگاہوں کا سوال بڑا واضح تھا' وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔

"ایک بات اور سمجھ لیں' میرے دل کے پودے کی جڑیں اسی زمین میں دور' دور تک پھیلی ہوئی ہیں' اگر یہاں سے اکھاڑ کر کہیں اور لگانے کی کوشش کی گئی تو وہ پنپنے کی جگہ مرجھا جائے گا۔ مجھے اپنی مٹی' اپنے ماحول اور لوگوں سے بہت انسیت ہے' میں ان سب کے بغیر مر جاؤں گی۔ اس لیے مجھے میری زندگی جینے دیں اور آپ اپنی روشن دنیا میں لوٹ جائیں' یہ ہی ہم دونوں کے لیے بہتر ہوگا۔" اس نے بڑے اطمینان سے اپنی بات مکمل کی اور اسے حیران و پریشان چھوڑ کر باہر کی جانب بڑھ گئی۔ باہر کھڑا غلام علی جو اندر ہونے والی باتیں بخوبی سن رہا تھا' مرعوب سا اسے دیکھتا رہ گیا اور وہ سر اٹھائے ماں کا ہاتھ تھام کر حویلی سے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

"جینا..." سکندر کے لب کپکپائے' وہ کچھ کہنا چاہتا تھا' اسے روکنا چاہتا تھا' مگر خاموش کھڑا رہ گیا۔

سکندر نواب نے ان پہلوؤں کے بارے میں تو اس سے قبل سوچا ہی نہیں تھا' جینا کی نشاندہی پر اس کی آنکھوں سے محبت کی میٹھی پٹی اتر گئی اور بہت ساری کڑوی حقیقتیں سامنے آ گئیں۔ "نواب پیلس" یوں تو اس کے باپ کے نام پر تھا' مگر وہاں عملاً "حکومت" اس کی ماں کی تھی۔ شاہانہ نواب جو شہر کے مشہور و معروف فلاحی ادارے کی معزز سربراہ تھیں' ان کے فلسفہ انسانیت کے دہرے معیار کا وہ عینی شاہد تھا' شاہانہ حقوق نسواں کے بارے میں دھواں دھار تقریر تو کر سکتی تھیں' جہیز کے خلاف بیانات دے سکتی تھیں' زیادتی کا شکار ہونے والی لڑکیوں کے حق میں جلسے جلوس نکال سکتی تھیں' مگر گاؤں کی ایک غریب لڑکی کو اپنی بہو بننے کا اعزاز کبھی بھی نہیں بخش سکتی تھیں' ان کے لیے سکندر کی خوشیوں سے بڑھ کر اپنی عزت اور خاندانی وقار تھا' وہ سکندر نامی بلینک چیک میں اپنے پسند کی رقم بھر کر کیش کرانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

سکندر اگر جینا کی محبت میں ان کے اصولوں سے ٹکرانے کی کوشش بھی کرتا تو وہ بلا جھجک اس لڑکی کے ساتھ بیٹے کو بھی سزا کے طور پر نواب پیلس سے نکال کر باہر کھڑا کر دیتیں' ایک ایڈونچر کے طور پر چند دنوں کے لیے آسائشات کے بغیر رہنا پر لطف سہی' مگر ہمیشہ کے لیے انہیں اپنے سے دور کر دینا' سکندر نواب کے بس کی بات نہیں تھی' اس نے جھری جھری لی اور طویل انگڑائی لے کر دوسرے دن واپسی کا مصمم ارادہ کر ڈالا۔

☆ ☆

ناولٹ
منشا محسن علی
دوسری قسط
Downloaded From paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

آڈیٹوریم ہال میں اسٹوڈنٹس کی بہت بڑی تعداد جمع تھی۔ آج انہیں ویلکم پارٹی دی جارہی تھی۔ ان کی کلاس کو سر عارف نے پلے کرنے کے لیے کہا تھا۔ شروع کے دن تھے۔ اسی لیے سارے اسٹوڈنٹس حصہ لینے میں ہچکچاہٹ کا شکار تھے۔ وہ تینوں بیلا کے پیچھے پڑی ہوئی تھیں۔

''ہمیں اور کچھ نہیں پتا' بس تم بھی پلے کے لیے نام لکھوا دو۔'' وہ تو بو کھلا ہی گئی تھی۔ ان کی دھمکیاں' بھوک ہڑتال' آخر وہ راضی ہو ہی گئی تھی اور اس وقت تو اس کے دماغ کا فیوز ہی اڑ گیا جب پتا چلا کہ اس کے مقابل منعم علی ہے اور وہ دونوں لیڈ رول میں تھے۔ مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق اس نے بھی اپنے حوصلے جمع کر لیے اور آج بیلا فاروق پرفارم کرنے والی تھی۔

وسیع و عریض ہال کی دیواروں کو سرخ آتشیں گلابوں سے سجا دیا گیا تھا۔ پنک اور پرپل کلر کی سلور پٹیاں بھی ٹانکی گئی تھیں۔ آڈیٹوریم ہال کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں جن کے پٹ گیندے کے پھولوں سے آراستہ تھے۔ پردہ گرا ہوا ہے۔ سیٹیاں' قہقہے' دبی دبی ہنسی گونج رہی ہے۔ سرخ رنگ کا بھاری دبیز پردہ اٹھتا ہے۔ اٹھتا چلا جاتا ہے۔ سامنے اوور کوٹ پہنے لمبے گھنے بالوں والی لڑکی سرخ گلاب تھامے کھڑی ہے.... جامد.... ساکت.... وہ اردگرد سے بے نیاز نظر آتی ہے۔ اس بے نیازی میں بھی عجب طرح کی تمکنت اور وقار ہے۔ اوور کوٹ کے نیچے اس نے ایرانی طرز کا گول دائر دی انار کلی فراک پہنا ہوا ہے۔ اس کے پیروں کے قریب وہ لڑکا بیٹھا ہے۔ سر جھکائے کچھ کہتا ہوا۔ سرگوشیوں میں باتیں کرتا ہوا۔ وہ بلا کا خوب صورت اور حسین ہے۔ ایسا حسین جو نظر جھکا کر رکھ دے۔ شرم کی چادر اوڑھا دے۔ مگر وہ لڑکی اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے۔ وہ ساکت کھڑی ہے۔ مجسمہ.... بے حرکت.... ہلکی ہوا سے لڑکی کے بال اڑنے لگتے ہیں۔ وہ لڑکا اس کے قریب آتا ہے۔

''ایلس.... ڈیر ایلس....'' وہ اسے بلا رہا ہے.... جیسے ہر طرف سنہری پن چھا گیا ہے اور ہال میں بیٹھا ہر سامع اس سنہری پن میں بھیگا جارہا ہے۔ وہ لڑکا جس کا نام ''میکس'' ہے وہ اسٹیج پہ بنی ایلس کی پائل پر ہاتھ رکھتا ہے۔ چھن.... چھن.... چھن....

میکس کہتا ہے۔ ''میری طرف دیکھو ایلس.... تمہیں میری نظروں میں محبت نہیں دکھائی دیتی؟''

ایلس موم کی گڑیا نہیں جو پگھل جائے.... ڈھے جائے.... وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ کھڑی ہے۔

میکس جیسے ماضی کے گلابی لمحوں کا حال بیان کرتا ہے۔ ''دیکھو.... نظر اٹھاؤ اے حیا کی پیکر.... تمہیں بہار کے موسم کا اظہار محبت متاثر کیوں نہیں کرتا.... تمہارے وجود پر یہ خول کیوں چڑھ گئے ہیں؟ تم نفرتوں کے راستوں پر پیغام محبت کا باب کیوں نہیں پڑھتیں.... تمہیں میری محبت کا جادو زیر کیوں نہیں کرتا؟'' ایلس خود مجسمہ بنی کھڑی ہے.... مگر اس کے ہونٹ ہلتے ہیں دھیرے سے.... جیسے کوئی ایرانی گلوکار رباعی گا رہا ہو.... عمر خیام کی رباعی....

''میکس.... انتقام لینے والوں سے محبتوں کے قصے بیان نہیں کیے جاتے۔ میں محبتوں کی منکر ہوں....'' ایلس کا جواب جیسے سات سروں کے ردھم سے نکلا تھا۔ سحر طاری ہونے لگا ہے۔

''اور میں نفرتوں کا مرتد ہوں۔'' میکس بڑبڑایا۔ ایلس کی آنکھیں اپنی جگہ ساکت ہیں۔

''میں انتقام لینے آئی تھی' محبت کرنے نہیں.... تم مجھے راستوں سے بھٹکانے کی کوششیں ترک کر دو.... سنہری آنکھوں والے اجنبی....''

''میں تمہاری آنکھوں میں محبت کا رنگ دیکھنا چاہتا ہوں.... اٹھاؤ پلکیں اور محبتوں کے فسانے آزاد کرو....''

''ان آنکھوں کو محبتیں کے فسانوں سے چنداں دلچسپی نہیں۔''

''تمہیں میری آنکھوں میں محبت نظر نہیں آتی؟''

''مجھے کچھ نظر نہیں آتا....'' خزاں کے موسم میں شاہ بلوط کے زرد پتوں پر لکھے ہمارے نام نظر نہیں

آتے؟ ٹیولپس کی خوب صورت کشش میں ملبوس یادیں نظر نہیں آتیں؟ برستی بارش میں بھیگے منظر نظر نہیں آتے؟ تمہیں میری محبت اب بھی نظر نہیں آتی؟"

سنہری آنکھوں والا وہ شخص سوال کرتا ہے۔ اسٹیچو بنی ایلس پلکیں جھپکتی ہے۔ بار بار جھپکتی ہے۔ "مجھے صرف انتقام نظر آتا ہے۔"

"تو وہ سب فریب تھا؟"

"سب فریب ہے۔"

وہ تھکے تھکے لہجے میں پوچھتا ہے۔ "تم سچ کہہ رہی ہو؟" مجسمہ بنی ایلس پھر پلک جھپکتی ہے۔

"مجھے جھوٹ بولنے کا فن نہیں آتا۔" میکس ہنستا ہے۔ ہنستا چلا جاتا ہے۔ سنہری آنکھوں کی سنہری ہنسی۔

"ہاں... تمہیں جھوٹ بولنا نہیں آتا ایلس..." ایلس کے پیروں کی پایل وہ کھول رہا ہے۔

"کیا کہہ کر خود کو بہلاؤ گی کہ محبت نہیں تھی تمہیں؟"

"بہلانا کیسا... محبت جب تھی ہی نہیں..." ست رنگی روشنیوں کے حصار میں وہ الوداع کہنے ایلس کے قریب آن کھڑا ہوتا ہے۔ "مجھے سنہری رنگت والی ایلس سے محبت ہے... اور ہمیشہ رہے گی۔" ایلس ہنستی ہے۔

"مجھے سنہری آنکھوں والے شخص سے نفرت ہے... اور رہے گی۔" وہ شکست خوردہ سا واپس پلٹتا ہے... الٹے پاؤں... ست رنگی روشنیوں کے دائرے میں اس کے آنسو دبیز قالین میں جذب ہو جاتے ہیں۔ وہ آخری بار پلٹ کر کہتا ہے۔

"الوداع... الوداع... تمہیں نفرت کا فن مبارک ہو..." وہ پیچھے ہٹتا ہوا اندھیرے کی چادر میں مدغم ہونے لگتا ہے۔ خاموشی کا طویل وقفہ۔ ہال میں سانسوں کی آواز ہے بس... ایلس دھم سے گرتی ہے۔ اسٹیچو حالت بدل چکا ہے۔ جیسے محبت طنزیہ انداز میں اشارہ کر رہی ہو۔ "ممو" اس کے لمبے بال بکھر گئے ہیں۔ وہ آہستہ سے اس سنہری آنکھوں والے شخص کے آنسوؤں پر ہاتھ پھیر رہی ہے۔ رو رہی ہے۔ روتی جا رہی ہے۔ وہ بڑبڑاتی ہے۔ "انتقام کے راستوں میں محبتوں کو حائل نہیں ہونا چاہیے۔" وہ جھٹکے سے دبیز قالین پر گرتی ہے۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔ ایک ہلکی سی سرگوشی اس کے ہونٹوں سے پھسل کر اردگرد پھیل رہی ہے۔ "دیٹ واز لو' آئی لو یو ڈیئر اسٹرینجر" (وہ محبت تھی۔ میں تم سے پیار کرتی ہوں ڈیئر اجنبی۔) ہر طرف اندھیرا چھا گیا ہے۔ سیاہ... تاریک رات جیسا۔ روشنی کا دائرہ بیلا فاروق پر آن ٹھہرتا ہے۔ اس نے سینے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا اور اس کے سینے پر دھرے ہاتھ میں سرخ گلاب مرجھا گیا۔ پردہ گرتا ہے۔

آڈیٹوریم ہال میں جا مد اندھیرے میں روشنیاں دراڑ ڈالتی ہیں۔ ہر چہرہ سکتے میں... خاموشی چند ثانیے چپ چاپ ادھر ادھر گھومتی رہی... اور... اور پھر تالیوں کی گونج میں آڈیٹوریم ہال لرز اٹھا تھا۔ پروفیسرز' اسٹوڈنٹس اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ کمال کی پرفارمنس دی تھی۔ بیلا فاروق اور منعم علی نے... اب پروفیسر عارف روسٹرم پر کھڑے نظر آ رہے تھے۔ ان کا چہرہ جوش سے سرخ پڑ رہا تھا۔

"آئی ایم سرپرائزڈ (میں حیران ہوں) مجھے بالکل بھی یقین نہیں تھا کہ میرے تحریر کردہ پلے کو بیلا فاروق اور منعم علی اتنی عمدگی سے کریں گے۔ زبردست... آؤٹ اسٹینڈنگ..."

بیلا اور منعم اسٹیج کے دوسری طرف کھڑے تھے۔ ریحانہ' صدف اور روشی اسے متوجہ کرتی ہوئی آپے سے باہر ہوتی نظر آ رہی تھیں۔ وہ ہاتھ ہلا ہلا کر بیلا کو متوجہ کر رہی تھیں۔ منعم علی نے کوفت سے انہیں دیکھا تھا اور ایک نظر بیلا کو دیکھا۔ جو اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے اپنی دوستوں کو مسکرا مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ بیلا فاروق سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ سب اتنے اچھے سے ہو جائے گا۔ یہ سب اسے کسی ایڈونچر کی مانند لگ رہا تھا۔ مگر دل کے کسی گمنام سے گوشے میں آشنا ہی کا بیج اگ رہا تھا۔ یوں لگا تھا جیسے وقت نے کسی

گلابی لمحے میں باندھ کر رکھ دیا ہو۔

جب سر عارف نے منعم کو کہا تھا کہ اس کے ساتھ بیلا ایکٹ کرے گی تو وہ تاؤ کھا کر رہ گیا تھا۔ بھلا وہ پینڈو لڑکی کیسے یہ سب کر سکتی تھی۔ اسٹیج پر مرکز نگاہ بننا آسان نہیں ہوتا اور اس کے دوستوں نے اس کو کتنا چھیڑا تھا۔

"یار وہ پینڈو لڑکی کیسے پرفارم کرسکے گی۔" وجدان کی بات پر وہ خود بھی جھنجلا گیا تھا۔ "اگر مجھے پتا ہوتا وہ گنوار میرے ساتھ ایکٹ کرے گی تو اسی وقت انکار کر دیتا۔ مگر سر عارف نے جانے کیا سوچ کر اسے رول دے دیا۔" اور آج۔۔۔ وہ بیلا فاروق کی پرفارمنس پر حیران ہوا تھا۔ کچھ تو تھا اس میں۔۔۔ مگر وہ اسے تسلیم کرنے سے انکاری تھا۔ آج ساری یونی بیلا کے گرد جمع تھی۔

روشی خوشی سے چلائی تھی۔ "امیزنگ بیلا۔۔۔ تم نے بہت اچھا پرفارم کیا یار۔۔۔" ریحانہ تو اس سے لپٹ گئی تھی۔

"صدقے جاواں۔۔۔ ہماری بیلا تو ہر فن مولا ہے۔" وہ ان کی خوشی دیکھ کر مسکراتی رہی۔ صدف نے ٹریٹ کا مطالبہ کر دیا تھا۔ انگلش ڈپارٹمنٹ کی لڑکیوں نے اس کی طرف فلائنگ کس اچھالی تھی۔

"اے بیلا۔۔۔ یو آر آسم۔۔۔" (تم زبردست ہو بیلا) اور وہ بیلا کو مرکز نگاہ بنا دیکھ کر چڑ رہا تھا۔ اندر ہی اندر جیسے مشتعل ہو رہا تھا۔ بیلا اسے مکمل طور پر نظر انداز کر رہی تھی یا یہ اس کا وہم تھا۔ "یہ لڑکی اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے۔"

اس کے گروپ کے لڑکے قریب آئے تو وہ انہیں دیکھ کر مسکرا دیا۔ وجدان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ "رئیلی یار۔۔۔ پرفیکٹ جوڑی تھی۔۔۔ کمال کی پرفارمنس دی تم دونوں نے۔۔۔" اسجد نے جیسے منعم کے تاثرات کو بغور دیکھا تھا۔

"یار۔۔۔ ماننے والی بات ہے، مس ویلج نے کمال کر دیا۔" منعم نے دیکھا تھا وہ آڈیٹوریم ہال کی دائیں جانب کھڑکیوں کے ساتھ اپنی دوستوں سے محو گفتگو تھی۔ اس نے ڈریسنگ روم میں جا کر ڈریس تبدیل کر لیا تھا۔ اب وہ سفید شلوار اور کاسنی پھولوں والی قمیص میں ملبوس نظر آ رہی تھی۔ اس کے لمبے بال کیچر میں جکڑے ہوئے تھے اور اس نے دوپٹا اچھی طرح سے اوڑھ رکھا تھا۔ منعم کی نظریں جانے کیوں بار بار اس کی طرف پلٹ رہی تھیں۔ ایک آدھ بار تو بیلا نے اس کی یہ چوری پکڑ ہی لی تھی اور اس کے چہرے پر ناگواری سی پھیل گئی تھی اور منعم سکتے میں رہ گیا تھا۔ یہ پہلی بار تھا کہ کوئی اسے نظر انداز کر رہا تھا اور بیلا فاروق ایسا کر رہی تھی۔ فائن آرٹس کی عینی اپنے بگڑے ہوئے گروپ کے ساتھ منعم کے پاس کھڑی تھی۔

"پلیز گومی آٹوگراف۔۔۔" منعم دلکش سے انداز میں مسکرایا تھا۔ عینی نے نہایت اسٹائل سے اپنی پاکٹ ڈائری اس کے سامنے کر دی تھی۔ وہ اس پر کچھ لکھ رہا تھا۔ عینی ہنستی ہوئی کہہ رہی تھی۔ "ڈیر۔۔۔ تمہاری ایکٹنگ لاجواب تھی۔۔۔ آئی رئیلی انجوائڈ مگر مجھے تم سے ایک شکایت ہے۔" منعم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ منہ بنا کر بولی تھی۔

"تم ہیروئن مجھے بھی لے سکتے تھے۔ اس بیلا کو ضرور لینا تھا۔" وہ جواباً ہنسا تھا۔

"اٹس ناٹ مائی مس ٹیک۔۔۔ یہ سر عارف کی چوائس تھی۔"

آڈیٹوریم ہال کی کھلی ہوئی کھڑکیوں سے "ہم" سے بننے والی، شروع ہونے والی "محبت" محبوب کے گرد رقصاں ہوئی تھی۔۔۔ شہر محبت میں منادی کروادی گئی۔ "راستوں کو سجا دیا جائے، مقدس محبت وارد ہونے کو ہے۔" اور وقت نے ہنستی ہوئی ایلس اور خفا خفا سے میکس کو لاڈ بھری نظر سے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو۔۔۔ جو میرے مقابل آنے کی کوشش کر رہی ہو؟" بیلا نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ جو اس پر چلا رہا تھا۔ روشی اور صدف چپ چاپ انہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ تو لائبریری سے بکس

ایشو کروا کر نکل رہی تھیں کہ وہ تیزی سے اندر داخل ہوتا بیلا سے ٹکرا گیا تھا۔ بیلا کے ہاتھوں میں تھمی ساری بکس زمین بوس ہوئی تھیں۔ وہ کتابیں جھک کر اٹھاتی ہوئی کافی جھنجلائی ہوئی لگ رہی تھی۔

"دیکھ کر نہیں چل سکتے۔ آنکھوں کی جگہ بٹن لگے ہوئے ہیں کیا؟" کتابیں اٹھا کر وہ سیدھی ہوئی تھی جب اس پر نظر پڑی تھی۔ لائبریری میں بیٹھے سارے اسٹوڈنٹس کی نظریں ان کی طرف تھیں۔

"غلطی تمہاری ہے۔" وہ بیلا سے بولا تھا۔ تیکھی ناک پر غصہ دھرا ہوا تھا۔

بیلا نے سکون سے اسے دیکھا۔ "اڑیل بیل کی طرح آپ آن ٹکرائے تھے۔ عجیب بات ہے' بجائے معذرت کرنے کے سارا قصور دوسرے کے سر ڈال دیا جائے۔" اسے بیلا کا مطمئن انداز تاؤ دلا رہا تھا۔

"مجھے سوری کرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ ضد پر اڑا ہوا تھا۔

بیلا اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ "پلیز ٹیک آ سائڈ۔" وہ وہیں جم کے کھڑا رہا۔ بیلا نے دوبارہ کہا تھا۔

"پلیز... راستہ دیں' ہمیں آگے جانا ہے۔" اب وہ سکون سے کھڑا تھا جیسے وہاں سے ہٹنے کا اس کا قطعاً" کوئی ارادہ نہ تھا۔

"تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو؟ میرے مقابل آنے کی کوشش نہ کرو۔" اس کی بات پر بیلا ہنسی تھی۔ طنزیہ ہنسی۔

"آپ کو اپنے خیالات پر کنٹرول رکھنا چاہیے... اب آپ ہی خود کو کمپیئر (موازنہ) کر رہے ہیں۔" بیلا کی ہنسی نے جیسے اسے تاؤ دلایا تھا۔

"آپ جیسے لوگوں سے میں خود کو کمپیئر نہیں کرتا۔"

"میرے جیسے سے آپ کی کیا مراد ہے؟" وہ سنجیدہ تھی... اردگرد کافی اسٹوڈنٹس جمع ہونے لگے تھے۔ روشی نے بیلا کو اپنی طرف کھینچا تھا۔

"چلو بیلا... دیکھو سب اکٹھے ہو رہے ہیں۔" مگر بیلا وہیں کھڑی رہی... منعم علی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا جیسے غصہ ہلکورے لے رہا تھا۔

"تمہارے جیسے... چھوٹے شہر کے لوگ جو شہر میں قدم رکھتے ہی اونچی ہوا میں اڑنے لگتے ہیں۔"

بیلا نے کہا تھا۔ "تو ٹھیک ہے' پھر چھوٹے شہر والوں کی اڑان سے خبردار رہنا مسٹر منعم... تمہیں ہرا کر مجھے بہت مزا آئے گا۔" وہ یہ کہتی روشی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے عقب سے نکلتی چلی گئی۔ صدف ہانپتی کانپتی ان کے پیچھے تھی۔

"آئرن لیڈی بننے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ بھی اس کے سامنے جو ایک اسٹرونگ پرسن ہے۔" یہ روشی کی نصیحت تھی۔ بیلا نے اسے دیکھا تھا۔

"روشی... وہ میری ذات پر انگلی اٹھا رہا تھا۔ میں چپ کیسے رہتی... بندہ جب اپنی ذات پر انگلی اٹھانے والوں کو ہی منہ توڑ جواب نہ دے سکے تو کیا فائدہ۔ عجیب گھمنڈی انسان تھا۔" وہ اب برگد کے نیچے رکھے بینچوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی تھیں۔ روشی نے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

"بیلا میرا وہ مطلب نہیں تھا' میں یہ کہہ رہی تھی کہ یونی میں ایسی باتوں کو اگنور کر دیتے ہیں۔ مزید بڑھاوا نہیں دیتے۔ فیوچر پر اثر پڑتا ہے۔"

صدف کوفت سے بولی تھی۔ "پلیز ٹاپک چینج کرو۔" ان کی باتیں جاری تھیں کہ دور سے ہانپتی ریحانہ آتی دکھائی دی۔ چپس کے پیکٹ تھامے' لمبا دوپٹا تھامے وہ ان ہی کی طرف آ رہی تھی۔ وہ ان کی طرف آ کر چپس روشی کی طرف اچھالتی وہیں گھاس پر ڈھیر ہو گئی تھی۔

"یہ تم چپس لینے گئی تھیں یا چلہ کاٹنے؟" صدف نے ڈپٹا تھا۔

ریحانہ نے آنکھیں نکالیں۔ "وہاں جوج یا جوج ماجوج کی فوج جمع ہے' اگر دیکھ لو تو عقل ٹھکانے آ جائے۔" پیلی دھوپ برگد کے پتوں کی اوٹ سے گر رہی تھی۔ ہلکی ہوا سے بوسیدہ پتے اڑ رہے تھے۔ ریحانہ نے خاموش بیٹھی بیلا کو دیکھا تھا۔

"اسے کیا ہوا؟"

روشی نے چپس کا پیکٹ چاک کیا تھا۔ "جنگ"
ریحانہ سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ "کس سے؟"

"منعم علی سے۔۔۔"

"او مائی گاڈ۔۔۔ مگر کیوں؟"

"لمبی داستان ہے یہ ڈیئر۔" ریحانہ نے دوبارہ بیلا کو دیکھا۔ "سیریس لڑائی تو نہیں تھی۔ آئی مین ہاتھا پائی؟" انداز ذرا ڈرا ڈرا سا تھا۔ بیلا کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"ارے نہیں۔۔۔ بس وہ ہواؤں میں اڑ رہا تھا تو میں نے ذرا چار' پانچ سنا دیں۔" صدف نے روشی سے چپس کا پیکٹ جھپٹا تھا۔

"ایک بات سن لو میری بھی بیلا۔" روشی نے بیلا کو کہا۔

"کون سی بات؟" بیلا نے پوچھا تھا۔

"یہی کہ اس لیڈی کلر سے پنگا لے کر تم نے قطعاً اچھا نہیں کیا' ابھی یونی کی ساری لیڈیز تمہارے خلاف ہو جائیں گی۔"

"آئی ڈونٹ کیئر" (مجھے پروا نہیں ہے۔)

بیلا نے چپس کھاتے ہوئے لاپروائی سے کہا تھا۔ وہ چاروں ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں اور پھر کچھ دیر بعد وہ ہاسٹل آ گئی تھیں۔ دوپہر کے سائے لمبے ہو رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ چاروں ہاسٹل پہنچی ہی تھیں کہ ٹھٹک گئیں۔ چنبیلی اپنا بکسا تھامے گیٹ کے پاس کھڑی تھی۔ روشی حیران ہوئی تھی۔ "ایں۔۔۔ اسے کیا ہوا؟"

وہ چاروں اس کے قریب آ گئی تھیں۔ چنبیلی چوکیدار چچا سے مخاطب تھی۔ "چاچا۔۔۔ کوئی رکشا منگوا دیں۔"

وہ سر ہلاتے پلٹ گئے تھے۔ صدف نے چنبیلی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ "کہیں جا رہی ہو کیا؟"
چنبیلی سخت غصے میں تھی۔ "گھر جا رہی ہوں یہ نوکری چھوڑ کر۔"

"ہیں۔۔۔ مگر کیوں پتا تو چلے۔۔۔"

"وہ مکار عورت تین ماہ کی تنخواہ ڈکارے بیٹھی ہے۔ کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔" روشی اندر ہاسٹل کی عمارت کی طرف بھاگی تھی۔ تاکہ عفی میم کو خبردار کر سکے۔ بے چاری چنبیلی اگر چلی جاتی تو ہاسٹل کی رونق ہی درہم برہم ہو جاتی تھی۔ روشی اندر آئی تو عفت میم ریوالونگ چیئر پہ گول گول گھومتی ہوئی سونف چبانے کے ساتھ ساتھ کوئی کتاب تھامے مطالعے میں منہمک سی نظر آتی تھیں۔ کاؤنٹر کے عقبی جانب کھٹارا سا ٹیپ ریکارڈر بج رہا تھا۔

اب کے ہم بچھڑے تو شاید خوابوں میں ملیں
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

روشی نے کاؤنٹر پر ہاتھ مار کر انہیں متوجہ کیا تھا۔

"یس۔۔۔" سوالیہ نظریں اوپر اٹھی تھیں۔ روشی نے جیسے انہیں خبردار کیا تھا۔ "چنبیلی ہاسٹل چھوڑ کر جا رہی ہے۔" اس اطلاع پر انہوں نے روشی کو ایک نظر دیکھا اور بے تحاشا بھورے بالوں کو کھجایا۔ وہ کرسی چھوڑتی ہوئی کاؤنٹر سے نکل کر روشی کی طرف آئیں۔۔۔ مگر روشی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کاؤنٹر پر سعادت حسن منٹو کی "ٹھنڈا گوشت" رکھی ہوئی تھی۔ جسے عفی میم ذوق و شوق سے پڑھ رہی تھیں۔ اور کچھ دن پہلے اسی بات پر انہوں نے کتنا واویلا مچایا تھا۔ عفت نے روشی کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو بوکھلا گئیں۔ جلدی سے کتاب الٹ کر رکھ دی اور بولی تھیں۔

"کیٹس کی پوئٹری پڑھ رہی تھی' تمہیں تو پتا ہے مجھے شاعری سے کتنا لگاؤ ہے۔" روشی اس چٹے جھوٹ پر کانوں کو ہاتھ لگاتی ان کے پیچھے چل پڑی تھی جو چنبیلی کو اس انتہائی اقدام سے روکنے جا رہی تھیں۔ وہ بازو پھیلاتی چنبیلی کی طرف بڑھی تھیں۔ "میری چندا۔۔۔ ناراض ہو کر جا رہی ہے۔۔۔ اچھا سوری۔۔۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ تم یہ بچکانہ قدم اٹھاؤ گی۔"

چنبیلی کو جھٹکا لگا تھا۔ "تین ماہ سے تنخواہ نہیں ملی۔ اب مفت کام کون کرتا ہے۔ بس میں اب یہاں اور نہیں رہ سکتی۔"

عفت نے صدماتی کیفیت میں اپنے بھورے بالوں کے گھونسلے کو ہلایا تھا۔ "پلیز... ڈیئر... یہ ظلم مت کرو۔ میں کچھ سوچتی ہوں۔"

چنبیلی نے سر ہلایا تھا۔ "دو منٹ ہیں آپ کے پاس' اچھی طرح سوچ لیں۔" وہ چاروں اطمینان سے کھڑی یہ تماشا دیکھ رہی تھیں۔

عفت نے کہا۔ "میں آج بینک جاؤں گی تو تمہاری دو ماہ کی تنخواہ پے کردوں گی' باقی ایک ماہ کی بعد میں لے لینا۔" چنبیلی نے بکسا نیچے پھینکا اور تصدیق کی۔

"پرامس" (وعدہ) عفت مسکرائی تھیں "پکا پرامس" چنبیلی نے ان چاروں کی طرف توجہ دلائی تھی۔ "دیکھ لیں چار گواہ موجود ہیں۔" عفت نے ان چاروں کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

"یہاں نکاح نہیں ہو رہا۔"

چوکیدار سے کہہ کر وہ چنبیلی کا سامان اندر رکھوا رہی تھیں۔ وہ چاروں بھی باتیں کرتی اندر آگئی تھیں۔ بیلا کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی۔ صدف کے سر میں اچانک درد اٹھا تھا' سو وہ پلنگ پر نیم دراز ہو چکی تھی۔ روشی الماری کھولے بیٹھی تھی۔ ریحانہ کمرے میں ٹہلنے کا مشغلہ سرانجام دے رہی تھی۔ روشی نے سر اٹھایا تھا۔

"ریحانہ... پلیز آج کافی تم بنالو۔"

ریحانہ نے اسے گھورا تھا۔ "کس خوشی میں... آج صدف کی باری ہے۔"

روشی نے شرٹس کا ڈھیر پرے کیا تھا۔ "پلیز... تم بنالو صدف کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"

ریحانہ نے چپ چاپ سر ہلا دیا تھا اور کچھ دیر میں وہ کافی بھی بنا چکی تھی۔ بیلا نے اپنا کافی کا مگ تھاما اور کھڑکی کے پاس رکھی چیئر پر آن بیٹھی تھی۔ وہ ڈائری پر کچھ لکھنے کے ساتھ ساتھ چسکیاں بھی لے رہی تھی۔ کافی سے اٹھتی بھاپ سارے کمرے میں پھیل رہی تھی۔

"ڈیئر ڈائری...

معذرت خواہ ہوں کہ مصروفیات کی بنا پر تمہیں وقت نہ دے سکی... شاید شہری زندگی مصروفیات کا دوسرا نام ہے۔ میں ہمیشہ یہ سوچتی رہی کہ شہر جا کر میں گاؤں کی یادیں کیسے بھلا پاؤں گی' مگر شاید میں غلط تھی۔ یہ جو ہم انسان ہوتے ہیں نا' کبھی کبھی یادوں کے ساتھ ناانصافی کر جاتے ہیں... جو ہم سوچتے ہیں' وہ ہوتا نہیں اور جو ہوتا ہے وہ ہم سوچتے نہیں... "پرہیپس اٹس لائف" (شاید یہی تو زندگی ہوتی ہے۔) انجانی جگہیں' لوگ ہمیں اپنے اندر مدغم کر لیتے ہیں' پھر اجنبیت کے پردے کہاں ٹھہرتے ہیں؟ یہاں ہوسٹل کی زندگی بہت اچھی ہے' رونق اور قہقہوں سے بھرپور۔ زندگی کے اسٹیج پر ہر انسان اپنی اداکاری کر رہا ہے اور اپنے تئیں بہت ہی اچھے طریقے سے کر رہا ہے۔ ہم سب اپنی ذات میں ایک قسم کے "فن کار" ہوتے ہیں۔ میں بھی ہوں' مگر کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے میں ایک اچھی فن کارہ نہیں ہوں۔ پورے چاند کی راتوں کو بیل فلاور کی بیلوں پر جگنوؤں کی محفلیں لگتی ہیں اور میں چپ چاپ اپنے کمرے کی' اس کھڑکی سے انہیں تکتی رہتی ہوں' جس کے شیشے ٹوٹ چکے ہیں۔

ہم سب کے زندگی پر حق ہوتے ہیں' میرے بھی ہیں۔ میں اپنے حقوق سے دستبردار نہیں ہونا چاہتی اور وہ لڑکا "منعم علی" اس کو لگتا ہے جیسے میں اس کے مقابل آرہی ہوں۔ کیا میں ایسا کر سکتی ہوں؟ ظاہری شکل وصورت سے اندازہ کرتے ہیں اور مجھے بھی آج منعم علی سے نفرت سی محسوس ہو رہی ہے۔ کاش... یہ نفرت اس احساس پر حاوی ہو جائے جو آڈیٹوریم ہال کی ایکٹر ایلیس پر حاوی ہوا تھا۔ یہ محبت' یہ چاہت ایسی باتیں ہم لڑکیوں کو بہت فیسی نیٹ کرتی ہیں اور ہم خیال کی دلکش سرحدیں پار کر کے اپنے آپ کو کسی کانچ کے گھر میں قید کر لیتی ہیں اور جب وہ گھر ٹوٹتا ہے تو دل اور آنکھیں بھی پھوٹ جاتی ہیں... تب کچھ باقی نہیں رہتا اور وقت ہمیشہ اس بات کو یاد رکھے کہ "بیلا فاروق کو اپنی انا اور عزت نفس بہت عزیز ہے۔ اسٹیچو پلے کی ایلیس کو محبت مود کا اشارہ کرتی ہے' مگر مجھے کبھی نہیں۔ مجھے ہر اس راستے سے دور بھاگنا ہے' جو شہر محبت کی اور جاتا ہو۔"

والسلام!

بیلا نے قلم ڈائری میں رکھ کر بند کر کے ڈائری پرے رکھ دی تھی۔ کھڑکیوں کے پار البیلی سہ پہر اتر رہی تھی۔ نارنجی پھولوں پر رنگ برنگی تتلیاں منڈلا رہی تھیں اور جیسے بہت دور سے آسمان کے اوپر بادلوں کی چوٹیاں سر اٹھا رہی تھیں۔ بیلا نے خاموشی سے پردے گرا دیے تھے۔ محبت نے اداسی سے اس لڑکی کو جو دیکھا جو محبتوں کی "منکر" ہے۔

☆ ☆ ☆

وہ پیرس پر اتری ہوئی ایک دھند بھری شام کا منظر تھا۔ ہر طرف سفید دھند سی چھائی ہوئی تھی۔ گھنے پتوں والے درختوں پر جیسے ہلکی ہلکی برف گر رہی تھی۔ اکا دکا لوگ سڑکوں پر بھٹکتے نظر آتے تھے جنہوں نے براؤن رنگ کے کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ وہ بھی اوور کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے خراماں خراماں چلتا جا رہا تھا۔ اس کی چال سے بانکپن ٹپکتا تھا۔ اس کی ناک سردی کی شدت سے جیسے سرخ ہو رہی تھی۔ وہ ہلکی آواز میں کوئی انگریزی دھن بجا رہا تھا اور اس کے منہ سے نکلتی بھاپ دھند میں غائب ہوتی نظر آتی تھی۔ وہ روڈ کے دائیں جانب بنے "گولڈن اسٹار" کیفے کا گلاس ڈور دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

کیفے میں آرکسٹرا بج رہا تھا اور ہلکی گلابی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کاؤنٹر کے پاس وہ دونوں لڑکیاں آپس میں کسی بحث میں مشغول نظر آتی تھیں۔ دونوں کے بال خوب صورت اور چمکیلے بھورے سے تھے۔ دونوں نے لباس کے گرد ایپرن باندھ رکھے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ دونوں وہیں کام کرتی تھیں۔ وہ دونوں اونچی اونچی آوازوں میں باتیں کر رہی تھیں۔ وہ دونوں اس لڑکے کی آمد سے بالکل بے خبر تھیں۔

"ماریانا۔۔۔ تم مان کیوں نہیں لیتیں کہ محبت ہر دور میں ایک جیسی ہی رہے گی۔ بھلا محبتیں بھی بدلتی ہیں کبھی۔" ماریانا نامی لڑکی جھنجلائی تھی۔

"فیریا۔۔۔ محبتیں قدیم زمانوں کے قصوں کہانیوں کا نام ہے آج کل جو ہو رہا ہے اسے ہم محبت نہیں کہہ سکتے۔"

فیریا کاؤنٹر سے ٹرے اٹھا رہی تھی۔ "مگر ہماری گلی کی لڑکی کو ایک لڑکے سے محبت ہوئی تھی، سچی والی محبت۔۔۔ اور وہ دونوں آج کل ہنسی خوشی رہ رہے ہیں۔" اس کی بات پر ماریانا ہنسی تھی اور ہنستی چلی گئی۔

"ہنسی خوشی۔۔۔ اوہ پلیز۔۔۔ اسٹاپ اٹ وہ لڑکی اپنے اس ہزبینڈ کو چھ بار جیل بھجوا چکی ہے۔" فیریا نے ٹرے پٹخ دی اور منہ پھلا لیا۔ ماریانا نے اس کے ہاتھ تھامے تھے۔

"میری طرف دیکھو۔۔۔ میں مانتی ہوں کہ محبت کا آج بھی وجود ہے، مگر وہ نظر نہیں آتی کسی چھوٹے سے بارش کے قطرے کی طرح۔۔۔ مگر آج کل محبت جسٹ ٹائم پاس اور سرگرمی بن کر رہ گئی ہے۔" ماریانا کہہ رہی تھی جب اس نے اپنے عقب سے ایک آواز سنی تو پلٹ کر دیکھا تھا۔

"تو مس ماریانا۔۔۔ آپ کا کیا مطلب ہے، میں جو ابھی فٹ پاتھ پر ڈھیر سارے جوڑوں کو خوش گپیوں میں مشغول دیکھ کر آ رہا ہوں تو کیا وہ سب فلرٹ ہیں؟؟"

گلابی رنگت اور بے تحاشا سیاہ آنکھوں والی فیریا نے اس لڑکے کو دیکھا تھا۔ "ہو آر یو" (کون ہو تم)

وہ لڑکا اپنی سرخ ناک مسلتا ہوا قریب آیا تھا۔ "میں منعم علی ہوں۔" کاؤنٹر کے گلدان میں پھول لگاتی ماریانا بڑبڑائی تھی۔

"اف۔۔۔ کیسا مشکل سا نام ہے۔" فیریا نے اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکا تھا اور ہولے سے بولی تھی۔

"نائس نیم۔" وہ دھیمے سے انداز میں مسکرایا تھا۔

مبہوت سی ہنسی۔۔۔ ماریانا نے بھی پلٹ کر دیکھا تھا۔ ایسی مہک والی ہنسی تو ایشیائی مردوں کی ہوتی ہے۔ ماریانا نے ٹشو باکس سے ایک ٹشو اور اسٹینڈ سے ایک کافی کپ اتارا تھا۔ اس نے ٹشو فیریا کی طرف بڑھا کر اشارہ کیا تھا۔ فیریا آہستہ سے چلتی اس کے قریب آن رکی اور ٹشو اس کی طرف بڑھایا۔ گلابی روشنیوں کے پاس منظر میں گلابی پن گھلنے لگا تھا۔ منعم نے ٹشو تھام لیا

تھا۔

"یہ کس لیے؟"

"تمہاری پلکوں پر ہلکی ہلکی برف کی تہ بن گئی ہے۔"

"تھینکس۔" وہ نرمی سے آنکھوں کو ٹشو سے رگڑتا دلکش سے انداز میں مسکرایا تھا۔ فیریا کو لگا ہر طرف چمکیلی مسکراہٹ کی نرم دھن پھیل گئی ہو۔۔۔ وہ اسے تکے گئی۔ ماریانا نے کاؤنٹر سے ہی پکارا تھا۔

"فیریا۔"

فیریا ہڑبڑا کر واپس اس تک آئی تھی۔ "تم جانتی ہو نا کہ ہم دونوں یہاں اکیلی ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ مگر کیا ہوا؟"

"وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

فیریا ہنسی تھی۔ "نہیں۔۔۔ اس کا چہرہ دیکھو۔۔۔ وہ چہرے سے بالکل ایسا نہیں لگتا۔"

ماریانا ٹھٹکی تھی۔ "تم اس سے امپریس ہو رہی ہو؟"

وہ گڑبڑائی تھی۔ "نا۔۔۔ نہیں۔"

"چہرے دھوکا دے جاتے ہیں۔"

ان کی ہلکی سرگوشیاں منعم کی سماعتوں میں پڑ رہی تھیں۔ اس نے سر اٹھا کر چھت پر لٹکے فانوس کو دیکھا تھا۔ جس کی ہلکی زرد سی روشنی جیسے دائروں میں گھوم رہی تھی۔ گلاس ونڈوز کے باہر گہری دھند نظر آتی تھی۔ سفید۔۔۔ سحر طاری کرتی ہوئی۔ نابینا کرتی ہوئی۔۔۔ بلاشبہ یہ ایک لاجواب منظر تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔ "ایک کپ کافی ملے گی؟"

ماریانا وہیں سے بولی تھی۔ "ویٹ پلیز۔۔۔ لا رہی ہوں۔"

ماریانا کافی ٹرے میں لیے آگے بڑھی تھی۔

"ماری۔۔۔ پلیز۔۔۔ اسے چاکلیٹ بھی ڈال دو کافی میں۔۔۔" اس نے فیریا کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔ فیریا بوکھلائی تھی۔ "دیکھو۔۔۔ تو بے چارے کی ناک سرخ ہو رہی ہے۔" ماریانا بڑبڑاتی ہوئی کافی ٹیبل پر رکھ گئی تھی۔

"راسکل" وہ چپ چاپ شیشوں کے پار دیکھتا رہا اور کافی پیتا رہا۔ مدھم آرکسٹرا اب بھی بج رہا تھا۔ وہ کپ خالی کر کے کاؤنٹر پر رکھتا ہوا والٹ سے پیسے نکالنے لگا تھا۔ پیسے نکال کر کاؤنٹر پر رکھے اور جھک کر ماریانا سے کہا۔

"اینگری گرل۔۔۔ ہر چہرہ دھوکا نہیں دیتا۔ میں ایک شریف آدمی ہوں۔" فیریا کی طرف دیکھ کر وہ مسکرایا تھا۔ "تم ایک اچھی لڑکی ہو۔۔۔ اور تمہارا نام بھی بہت پیارا ہے۔" وہی ساحر ہنسی۔۔۔ فیریا کے گرد حصار بندھنے لگا تھا۔ وہ ہزار کوشش کے باوجود بھی مسکرا نہ سکی تھی۔ وہ دروازہ دھکیلتا باہر نکل گیا تھا۔ سفید برف جیسی دھند میں وہ کوئی دھن گنگناتا ہوا اوور کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے غائب ہو گیا تھا۔ چند لمحوں میں محبت کی چاپ گونجتی رہی۔۔۔ گونجتی رہی۔۔۔ اور گہری دھند میں وہ نیگرو لڑکا روڈ پر گٹار تھامے گنگناتا ہوا جا رہا تھا۔ فیریا کی سماعتوں میں وہ آواز گونجی تھی۔ "لو ایٹ فرسٹ سائٹ" (پہلی نظر کی محبت)

گلابی روشنیاں، جگمگاتی رہیں اور مقدس سفید دھند میں لپٹی شام رات کی چوکھٹ پر آن ٹھہری ہے۔ پیرس کی بھیگی سڑکوں پر سناٹا پھیل رہا ہے، پھیلتا جا رہا ہے۔

☼ ☼ ☼

گولڈن اسٹار کیفے وہ باقاعدگی سے آنے لگا تھا۔ فیریا سے وہ باتیں کرتا تھا۔ دنیا جہان کی باتیں۔ سٹی میں اترے موسم کی باتیں۔ ہجرتی پرندوں کے قصے۔۔۔ نئے میوزیکل نوٹس کی باتیں۔۔۔ ماریانا پہلے ان کو دیکھ کر کڑھتی رہتی تھی۔۔۔ مگر اب نہیں۔۔۔ کون بار بار دل جلاتا پھرے۔ وہ ہر شام آتا تھا۔ کونے والی میز پر وہ اور فیریا اکٹھے کافی پیتے تھے۔ اب ماریانا انہیں ڈھیر ساری کافی میں بہت سی چاکلیٹ ڈال دیتی تھی۔ وہ اپنا اور فیریا کا بل پے کر کے جاتا تھا۔ ہر ویک اینڈ پر وہ پیرس گھومتے تھے۔ شاپنگ مالز۔۔۔ پارکس۔۔۔ سنہری گلیاں۔۔۔ ایفل ٹاور دیکھ کر وہ فیریا سے بولا تھا۔ "سنان اور پاسکل یہیں آئے تھے۔"

"وہ کون تھے؟" وہ پوچھتی۔۔۔ وہ دبی ہنسی ہنستا تھا۔

"محبت زادے۔۔۔" وہ اصرار کرتی تو وہ بتاتا۔ "شہرہ آفاق ناول پیار کا پہلا شہر کے کردار تھے۔"

"کیا ان کی ہیپی اینڈنگ ہوئی؟"

"نہیں۔۔۔" وہ سر نفی میں ہلاتا۔

وہ اداس سی پوچھتی۔ "دونوں مر گئے؟"

"نہیں۔۔۔"

"تو پھر کون بے وفا نکلا؟" تاریک سایا چہرے پر لہرا جاتا۔

"سنان۔۔۔" فیریا نے ایفل ٹاور کے گرد ہجوم کو دیکھا تھا اور زور سے بولی تھی۔ "آئی ہیٹ یو سنان۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے نارنجی خنک شاموں میں سڑکوں پر چہل قدمی کرتے تھے۔ وہ کوٹ کی جیبوں میں ٹشو چھپائے پھرتی جیسے ہی منعم کی ناک سرخ ہوتی وہ ٹشو اس کی طرف بڑھا دیتی۔ نیگرو گٹارسٹ جو فٹ پاتھ پر بیٹھا ہوتا تھا' وہ دونوں وہیں بینچ پر بیٹھ کر اس سے گانے سنتے تھے۔ سڑک کے کنارے لگے اونچون کے درختوں پر جامنی رنگ کی بیلیں لپٹی ہوئی تھیں۔ جن کے چھوٹے چھوٹے پھول سڑک پر گرتے رہتے۔ ان کی بھینی بھینی خوشبو چکراتی رہتی۔ وہ گہرے گہرے سانس لیتی منعم سے کہتی۔

"گہرے سانس لو اس خوشبو سے تھکن اتر جاتی ہے۔" وہ ہنستا تو اس کی سیاہ آنکھیں بھی جیسے مسکراتی تھیں۔۔۔ اور فیریا مبہوت سی اسے دیکھے جاتی۔ وہ اپنے دکھ' سکھ ایک دوسرے سے بانٹتے تھے۔ فیریا نے اسے بتایا تھا۔

"ممی' پاپا کی ڈیتھ کے بعد میری پرورش انکل' آنٹی نے کی ہے۔ ماریانا میری کزن ہے۔ انکل کی بہت سی کافی شاپس ہیں۔۔۔ مگر گھر سے قریب گولڈن اسٹار کو میں اور ماریانا چلاتی ہیں۔" وہ منعم سے اس کی فیملی کے بارے میں پوچھتی۔۔۔ تو وہ اداس سی ہنسی ہنستا۔۔۔ اداسی جیسے کونے کھدروں سے پیرس کی سڑکوں پر امڈ آتی تھی۔

"میں بروکن فیملی سے ہوں۔ امی اور پاپا کی ڈائیورس ہو گئی تو میں پاپا کے ساتھ پاکستان میں رہنے لگا۔ بس چھٹیاں گزارنے ممی کے پاس پیرس آجاتا ہوں۔"

وہ سڑک پر تتی جامنی پھولوں کی چادر کو دیکھتی ہوئی پوچھتی تھی۔ "تو تم چلے جاؤ گے واپس؟" اس کی آواز میں عجیب طرح کا ڈر۔۔۔ خوف ہوتا تھا۔

"ایک ماہ بعد چلا جاؤں گا۔۔۔ آخر جانا تو پڑے گا۔"

"واپس تو آؤ گے نا۔" وہ سوال کرتی تھی۔ منہ سے بھاپ نکلتا وہ جواب دیتا۔

"تم چھٹیوں میں میرا انتظار کیا کرو گی؟"

فیریا کی آنکھوں میں جگنو سے جگمگاتے۔ "میں تمہارا ویٹ کروں گی۔"

"تم ایک اچھی دوست ہو فیریا۔"

"صرف دوست؟" آنکھوں میں امید ہلکورے لیتی تھی۔

"ہاں۔۔۔ صرف دوست۔۔۔" فیریا دوسری طرف دیکھتی منہ چھپا لیتی تھی۔ آنسو چھلک چھلک جاتے تھے۔ وہ تشویش سے اسے کہتا۔ "لک ایٹ می۔" وہ نفی میں سرہلاتی۔ چمکیلے بھورے بال اڑنے لگتے تھے۔

"تم رو رہی ہو؟" وہ زور دے کر پوچھتا۔ وہ نفی میں سرہلاتی وہ بہانہ بناتی جو سب سے مشہور تھا۔

"اوہ۔۔۔ نہیں۔۔۔ شاید آنکھ میں کچھ چلا گیا تھا۔" وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے شام کی دھند میں آگے بڑھتا تو وہ اس کے قدموں پر قدم رکھتی پیچھے پیچھے چلتی۔ وہ چلتے چلتے رکتا۔

"آر یو کمنگ"

آنسوؤں میں ڈوبی ہنسی عقب سے سنائی دیتی۔

"یس آئی ایم"

وہ دونوں اکثر کتابوں' ناولوں پر بحث کرتے ہوئے پائے جاتے تھے۔ کبھی کبھار ان کی لڑائی ہوتی تو مجبورا" ثالث کا کردار ماریانا کو ادا کرنا پڑتا تھا اور یہ ایک ایسی چیز تھی جس سے وہ بہت چڑتی تھی۔ مگر پھر بھی وہ ان میں صلح صفائی کروا دیتی تھی۔۔۔ اور یہ احسان وہ انہیں پورا ہفتہ جتاتی رہتی تھی۔۔۔ ایک دن فیریا کو وہ بہت ٹوٹا ہوا۔۔۔

اداس لگا تھا۔

"پتا ہے فیری... کبھی کبھی مجھے زندگی سے نفرت سی ہونے لگتی ہے۔ میری کوئی فیملی نہیں... میں اکیلا ہوں بورڈنگ ہاؤس کی تاریک راتوں کے آسیب مجھے نہیں بھولتے یوں لگتا ہے جیسے میری یادداشت کے خانے میں ایلفی سے چپکا دیے گئے ہوں... جن کی پرورش ماں' باپ نہیں کرتے ان کی پرورش زمانہ کرتا ہے اور اگر زمانے کی پرورش کا سوال اٹھا تو جواب وہ میں نہیں ہوں گا۔ میں اچھا انسان نہیں ہوں۔ میں نے کبھی بھی کسی سے اپنی باتیں... شیئر نہیں کیں' مگر تم سے کرتا ہوں۔ تم اچھی لڑکی ہو فیری... مجھ میں انا' حسد کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں... میں آل راؤنڈر ہو کر بھی ایک ناکام انسان ہوں... ہم سب زندگی میں بہت اچھے فن کار ہوتے ہیں۔ میں بھی ہوں... مجھے حقیقتیں خوف میں مبتلا کرتی ہیں۔" اور فیریا اس لمبے چوڑے ایشیائی لڑکے کو روتا دیکھتی رہتی تھی۔ وہ اسے جواباً" کچھ بھی نہیں کہتی تھی۔ سوائے اس کے کہ ٹشو پیپر آگے بڑھا دیتی۔ وہ چپکے سے تھام لیتا اور آنکھیں پونچھتا ہوا مسکراتا۔ بھید بھری مسکراہٹ... سحر طاری کرتی ہوئی۔

اسٹیچو بنی فیریا کو اشارہ کیا جاتا ہے۔ "موو" اور وہ حرکت کرنے لگ جاتی ہے اور پھر شہر محبت کے دروازے دھڑ دھڑ کھل جاتے ہیں۔ کھلتے جاتے ہیں۔ وہاں ایفل ٹاور کی پاسکل سر اٹھا کر فیریا کو دیکھتی ہے۔ روتی ہوئی کہتی ہے۔

"کچھ لوگوں کو محبت نہیں ملتی۔ کبھی نہیں۔ ہم دونوں بھی انہی لوگوں میں سے ہیں۔"

☼ ☼ ☼

نوٹس بورڈ کے گرد سارے اسٹوڈنٹس جمع تھے۔ رزلٹ اناؤنس ہو چکا تھا۔ لڑکے اور لڑکیوں کی جوش سے بھرپور آوازیں گونج رہی تھیں۔ وہ چاروں جب پہنچیں تو اتنا رش تھا کہ وہ ہجوم میں پھنس سی گئی تھیں۔ روشی نے رول نمبرز والی چٹ بیلا کے ہاتھ سے لی اور ہجوم کے درمیان گھس گئی... بیلا ہنسی تھی۔

"اب تو روشی رزلٹ دیکھ کر ہی آئے گی۔"

ریحانہ نے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔ "میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے' اماں کو کال کر کے آئی تھی کہ جب تک رزلٹ پتا نہ چل جائے مصلے پر بیٹھی رہیں۔"

بیلا کی نظریں گروپس میں کھڑے اسٹوڈنٹس پر تھیں۔ "میرے لیے بھی اماں' ابا دعا کر رہے ہوں گے۔ بس اللہ کرے سب اچھا ہو۔"

صدف آنکھیں میچے کوئی ورد پڑھنے میں مگن تھی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ہونٹوں کی جنبش تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ ان سے کچھ فاصلے پر منعم علی اپنے گروپ کے ساتھ کھڑا تھا۔ شاید وہ بھی ابھی آیا تھا۔ تک سک سے تیار' مغرور ہنسی ہنستا ہوا۔ بیلا کی نظر پڑی تو طنزیہ ہنسی ہنس دیا تھا۔ بیلا نے بھی ناگواری سے منہ پھیر لیا تھا۔

"کہیں اسٹوڈنٹس کی افراتفری میں روشی صاحبہ کچلی نہ گئی ہوں۔" ریحانہ نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔ بیلا نے خشمگیں نظر اس پر ڈالی تھی۔

"ریحانہ پلیز... آج تو اچھے لفظ منہ سے نکالو... ہماری جان پر بنی ہوئی ہے۔" بابا گرو گرنت بنی صدف نے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھا اور بیلا کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"بیلا... میری دوست کوئی تسلی' کوئی دلاسا ہی دے دو... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

بیلا... نے اس کا ہاتھ تھاما اور کہا "سب ٹھیک ہو جائے گا... اللہ کسی کی بھی محنت ضائع نہیں کرتا۔"

ان سے دور کھڑے منعم کو وجدان نے کہا تھا۔ "یار... آج پہلی پوزیشن تمہاری ہی ہو گی۔"

وہ ہنسا تھا۔ "آف کورس... یہ سمسٹر میرے نام ہو گا... جیت میری ہی ہو گی۔"

معیز نے جیسے خدشے کا اظہار کیا تھا۔ "اور وہ ولیج گرل بیلا فاروق بھی تو کسی سے کم نہیں ہے۔" منعم نے چند قدموں کے فاصلے پر پریشان سی کھڑی بیلا پر نظر ڈالی تھی۔

"جنہیں ہمیشہ جیتنے کی عادت ہو ناتو پھر جیت بھی ان کی عادی ہو جاتی ہے۔" اس کا یہ جملہ اتنا اونچا ضرور تھا کہ آدھا ادھورا بیلا کی سماعتوں میں پڑ ہی گیا تھا۔ بیلا نے دوبارہ پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔ منعم کی نظریں اسی پر تھیں۔ کچھ جتاتی ہوئیں۔ کچھ کہتی ہوئیں۔ بیلا کو جیسے خوف سا آیا تھا۔ اس نے سرعت سے نظریں پھیرلی تھیں۔

صدف نے بیلا کا پیلا پڑتا چہرہ دیکھا تھا۔ "بیلا۔ تم ٹھیک تو ہو نا؟" صدف کی بات پر روشی کو ڈھونڈتی ریحانہ نے بھی بیلا کے چہرے پر نظر ڈالی تھی۔ ماتھے پر ہلکا ہلکا سا پسینہ پھیل رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں صدف۔ بس گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔" ریحانہ نے ہینڈ بیگ سے ٹشو نکال کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔ اس نے متشکر نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ٹشو تھام لیا تھا۔ اب وہ آہستہ آہستہ چہرہ تھپتھپا رہی تھی۔ لمبی چوٹیوں والے درختوں کا سایہ ابھی چھوٹا تھا۔ فائن آرٹس کی لڑکیاں وہاں کھڑی محض اردو ڈپارٹمنٹ کی سراسیمگی دیکھنے آئی تھیں۔

بیلا دل ہی دل میں دعائیں کر رہی تھی۔ دعا جو سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے۔ ابھی ان کی باتیں جاری ہی تھیں کہ انہیں لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ ہانپتی کانپتی ہجوم کو چیرتی ہوئی روشی کی جھلک نظر آئی تھی۔ چہرہ جوش و خروش سے تمتما رہا تھا۔ وہ پھولی پھولی سانس کے ساتھ بولی تھی۔ "مبارک ہو۔ مبارک ہو۔"

صدف کو سارے درد بھول گئے۔ اس نے آگے بڑھ کر روشی کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ "دیکھ آئیں' کیسا رہا رزلٹ؟" ریحانہ کی بھی بے تاب سی نظریں روشی پر تھیں۔ روشی صاحبہ نے گہرے گہرے سانس لیے اور ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"کول ڈاؤن۔ کول ڈاؤن۔"

ریحانہ نے اسے دھمو کا جڑا تھا۔ "اب بک بھی چکو۔ ہارٹ اٹیک کروا کر ہی دم لوگی کیا؟"

بیلا کو بھی جیسے زمین پیروں کے نیچے سے سرکتی نظر آرہی تھی۔ روشی نے مسکرا کر کہا۔

"پہلے وعدہ کرو۔ برگر اور کوک لے کر دوگی۔ جان جوکھم میں ڈال کر رزلٹ پتا کر کے آئی ہوں۔ آسان کام تھوڑی ہے۔"

صدف نے دانت کچکچائے۔ "ہاں۔ ہاں۔ آگ کا دریا پار کر کے آئی ہو نا تم۔" ریحانہ نے اثبات میں سرہلایا۔

"ضرور ٹریٹ دیں گے تمہیں۔ پلیز اب بتا بھی دو سچ میں ورنہ میرا دل کام کرنا چھوڑ دے گا۔"

آخر روشی نے دھماکا کر ہی دیا۔ "ہم تینوں پاس ہیں۔" وہ ایک دوسرے کو گلے سے لگا رہی تھیں۔ صدف کو خیال آیا۔

"اور بیلا کا کیا بنا؟" بیلا نے بھی بے تابی سے روشی کو دیکھا تھا۔

"بیلا کا نام پوزیشن ہولڈرز میں ہے' مگر ابھی نام لکھے ہوئے ہیں' مگر پوزیشنز مینشن نہیں کی گئیں۔ پوزیشن ہولڈرز کی پوزیشن کا اطلاق "منٹو ہال" میں ہوگا۔ سارے اردو ڈپارٹمنٹ کو وہاں جمع ہونے کا کہا گیا ہے۔" روشی تیزی سے بول رہی تھی۔ وہ تینوں بیلا سے لپٹ گئی تھیں۔

"یو آر گریٹ ڈیر۔" صدف نے اسے چٹکی کاٹی تھی۔

"اب ٹریٹ تو بیلا کی طرف سے ہی ہوگی نا؟"

بیلا نے مسرت سے سرہلایا تھا۔

"بالکل۔ میری بس اتنی سی خواہش ہے کہ فرسٹ پوزیشن میری ہو۔"

ریحانہ خلوص سے مسکرائی تھی۔ "یقیناً" پہلی پوزیشن ہماری بیلا کی ہی ہوگی۔" روشی اور صدف بھی اس کی تائید کرنے لگی تھیں۔ وہ ابھی باتیں کر رہی تھیں کہ بیلا کا موبائل بجا تھا۔ موبائل اس کے ہینڈ بیگ میں تھا۔ اس نے زپ کھول کر موبائل باہر نکال کر اسکرین پر نظر ڈالی تھی۔

"ابا کالنگ۔" بیلا نے مسکرا کر ہیڈ کی آنسر کی کو سائڈ پر کیا تھا۔ "جی ابا۔" اردگرد شور تھا' آواز بمشکل

آ رہی تھی۔

"بیلا بیٹی... تمہارا نتیجہ آگیا کیا۔ تیری اماں کب سے سر کھا رہی ہے۔ کالی مرغی صدقے کی بھی جیدی سے پکڑوا رکھی ہے۔" ابا جوش و خروش سے بتا رہے تھے۔ ان کی آواز میں بیلا کو انتظار محسوس ہوا تھا۔ اس نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں ابا... ابھی تک رزلٹ نہیں آیا' کچھ دیر ہے۔ جیسے ہی معلوم ہوتا ہے میں آپ کو بتاتی ہوں۔ آپ فکر مت کیجیے گا۔ اماں سے کہیے گا دعا کرتی رہیں۔" ابا نے فون بند کر دیا تھا۔ دس بجنے والے تھے۔ اسٹوڈنٹس منٹو ہال کی طرف جا رہے تھے۔ وہ چاروں بھی وہیں آگئی تھیں۔ سارا اردو ڈپارٹمنٹ وہاں جمع تھا۔ ہال کی کھڑکیوں کی باریک جالیوں سے دھوپ چھن چھن کر اندر گر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

آنگن میں جامن کے پیڑ کے چھدرے پتوں سے دھوپ پھسل کر گر رہی تھی۔ دیسی مرغیاں سارے گھر میں دوڑ بھاگ رہی تھیں۔ جیدی معمول کے مطابق جھولے پر بیٹھا تھا۔ اماں تسبیح تھامے بیٹھی تھیں' جبکہ ابا ابھی بیلا سے بات کر کے فارغ ہوئے تھے۔ اماں نے ان سے پوچھا تھا۔ "کیا کہتی ہے بیلی... نتیجہ آگیا کیا؟"

ابا نے مسکرا کر اپنی شریک حیات کو دیکھا تھا۔

"نہیں... ابھی وقت پڑا ہے۔ کہہ رہی تھی اماں سے کہیں دعا کرتی رہیں۔" اماں نے تسبیح کے دانے گھماتے ہوئے کہا تھا۔

"اللہ... میری دھی کو کامیاب کرے۔ پوری بستی میں سوجی کے لڈو بانٹوں گی۔" لیموں کے پودوں پر سفید کھلے ہوئے بہت بھلے لگ رہے تھے۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ جیدی نے صدماتی کیفیت میں اماں کو دیکھا تھا۔

"میرے نتیجے کے آنے پر تو کچھ نہیں بانٹا جاتا۔"

اماں نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"ہاں... تو بڑا آیا... ائی سی جماعت میں پڑھتا ہے۔"

جیدی کی نظریں اڑتے ہوئے کووں کی طرف تھیں۔

"ہاں... آپ' تو مجھ سے پیار کرتی ہی نہیں... تیری اولاد تو بس بیلی ہی ہے۔" اماں نے پاس پڑا کھجور کا پنکھا اٹھا کر اس کی طرف پھینکا تھا۔ جیدی نے لمبا جھولا لیا تھا۔ پنکھا دور زمین پر جا گرا...

"بہن کے ساتھ مقابلہ نہ کیا کر... یہ بہنیں... بیٹیاں تو آنگن کی چڑیاں ہوتی ہیں جنہیں پرائے آنگن کو رونق بخشنی ہوتی ہے۔" اماں کی آواز میں نمی سی گھل گئی تھی۔ بان کی چارپائی پر نیم دراز فاروق احمد نے کروٹ لی تھی۔

"یہی قدرت کی ریت ہے۔ بیٹیوں کو اگلے گھر بھیجنا ہی ہوتا ہے۔ ہماری بیلی بھی ہمیں چھوڑ جائے گی۔" اماں نے تسبیح کا دانہ گرایا تھا... اور پورے گھر میں بکھری پیلی دھوپ کو دیکھا تھا۔

"اتنا پڑھایا لکھایا... مگر ہمارے کس کام کا... سب اگلے گھر لے جائے گی۔" ابا جیسے مسکرا دیے تھے۔

"جھلی... اس نمانی کی زندگی تو اگلے گھر ہی سے شروع ہوگی... تعلیم تو شعور کا دوجا نام ہے۔"

اماں نے بے بس نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"میرے نال پڑھی لکھی باتاں ناں کر... بس بیلی کا نصیب اچھا ہو۔" وہ ماں تھیں۔ ماؤں کا کام ہی دعائیں کرنا ہوتا ہے۔ وہ بھی کر رہی تھیں۔ صدقے کے لیے ایک کالی مرغی جامن کے تنے کے ساتھ لمبی رسی سے بندھی ہوئی تھی۔

جیدی بولا تھا۔ "بستی کا ہر بندہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ بیلی کا نتیجہ آیا یا نہیں۔"

ابا ہنسے تھے۔ "ہاں... انتظار تو سب کو ہوتا ہے نا۔" اماں کو ابا کی ہنسی بری لگی تھی یا جانے ان کی کہی گئی بات... وہ طنزیہ انداز سے بولی تھیں۔

"انتظار... ہاں... بڑا انتظار ہوگا... جب بیلی شہر پڑھنے کے لیے جا رہی تھی تو تب سب نے کتنا شور مچایا تھا۔"

ابا خیالوں کی دنیا سے باہر آئے تھے۔ "ہر کوئی اس طرح کرتا ہے' پہلے انہیں اس بات کا اندازہ نہیں تھا۔

اب پتا چلا ہے تو دلچسپی لے لیتے ہیں' آخر گاؤں کی عزت' خوشی سب کی سانجھی ہوتی ہے۔" اماں نے جیسے ان کی بات سمجھ کر ہنکارا بھرا تھا۔

بیلا کے جانے کے بعد سب کتنا خالی خالی سا لگنے لگا تھا۔ جیسے ساری رونقیں' اس کے وجود سے ہی جڑی ہوئی تھیں۔ اماں کو لگتا تھا کہ اب بالکل اکیلی رہ گئی ہوں۔ ماؤں کے دل تو کبھی موم اور کبھی پتھر کے قالب میں ڈھلتے رہتے ہیں۔ رات کو وہ چپکے چپکے روتی تھیں۔ ابا ان کی خاموشی سے گھبرا کر پوچھتے تھے۔

"کیا ہوا بیلا کی اماں؟" اور اماں نمی سے بھرپور آواز میں جواب دیتیں۔

"فاروق احمد... بیلا کی یاد آرہی ہے۔" رات کے پھیلے ہوئے اندھیرے میں ابا کی آواز گونجتی تھی۔

"یاد تو مجھے بھی آتی ہے' مگر دل کو سمجھا لیتا ہوں... آخر کیا کروں۔" چاند کی ہلکی روشنی میں جامن کا پیڑ بڑا بھیانک لگتا تھا۔ بیلا کا فون آتا تو وہ پوچھتی تھیں۔

"بیلی... وہاں تجھے ڈر تو نہیں لگتا نا؟" وہ ماں کی آواز میں چھپے خوف کو محسوس کر لیتی تھی۔

"نہیں اماں... آپ کی دعائیں مجھے خوف سے نجات دلا دیتی ہیں۔"

"گھر کب آئے گی؟" وہ یہ سوال ہر بار پوچھتی تھیں۔ بیلا کا دل پگھلنے لگتا۔

"اماں جلد پیپر ہو جائیں تو چکر لگاؤں گی۔ گھر آنا جانا بھی آسان تو نہیں نا۔" آنسو آنکھوں سے چھلک پڑتے تھے۔ اماں کو جانے کیسے خبر ہو جاتی تھی۔

"تو رو رہی ہے؟" وہ پوچھتیں... بیلا کو لگتا وہ اسے کہیں سے چوری چوری دیکھ رہی ہوں۔

"ارے نہیں تو اماں... میں کہاں رو رہی ہوں۔" اماں بہل جاتیں اور ہنس دیتیں۔

"اچھا... اچھا... میں جانتی ہوں کہ میری بیلی کتنی بہادر ہے۔" وہ بہتے آنسو دوپٹے سے پونچھ ڈالتی... ہاں... بیلا فاروق تو بہت بہادر تھی۔ اس کی سہیلیاں اماں سے اکثر بیلا کا حال احوال پوچھنے آجاتی تھیں۔ اتنا سارا وقت وہ اکٹھے گزار چکی تھیں۔ اس کی عزیز ترین سہیلی کلثوم اماں سے پوچھتی تھی۔

"چاچی... بیلا کیسی ہے؟"

اماں کہتیں۔ "ٹھیک ہے میری دھی۔"

کلثوم پھر پوچھتی۔ "بدل تو نہیں گئی۔ ہمیں یاد تو کرتی ہے نا؟"

اماں ہنس دیتیں۔ "نئیں... نئیں وہ نہیں بدلی۔ ہر بار جب بھی فون کرتی ہے تو تم لوگوں کی خیریت ضرور پوچھتی ہے۔" اماں انہیں مطمئن کر دیتی تھیں۔ ہاں یہ سچ تھا کہ بیلا جب بھی فون کرتی تھی تو سب کا حال احوال پوچھتی تھی۔ اپنے سے جڑے رشتوں' تعلقات کو بھلانا کہاں آسان ہوتا ہے بھلا؟ اور وقت گواہ تھا' بیلا فاروق گاؤں میں اترتی صبحوں' ڈھلتی شاموں' اور چمکتی چاندنی راتوں کو بالکل بھی نہیں بھولی تھی۔ گلاب کے کھیتوں کا سحر وہ بھول سکتی تھی؟ اندھیری راتوں میں ٹمٹماتے جگنوؤں کو بھی بھولنا آسان نہیں تھا۔ اور وہ بھول بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ جب بھی جیدی سے بات کرتی تھی یہ سوال ضرور کرتی تھی۔ "کیا اب بھی جگنو آتے ہیں؟"

وہ ہنس دیتا۔ "ہاں... جگنو تمہارے چلے جانے کے بعد آنا بند ہو جاتے کیا؟"

وہ یاسیت سے جواب دیتی۔ "نہیں جیدی... میں نے یہ کب کہا... میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی" بھلا کسی کے جانے کے بعد دوسروں کے معمولات میں کہاں فرق آتا ہے؟ بس یہی زندگی ہے اور چلتی رہتی ہے۔ شہر کی چکا چوند میں بھی اپنا گھر کہاں بھولتا ہے۔ لوٹ کر واپس تو جانا ہوتا ہی ہے اور یہ بات بیلا فاروق اچھی طرح جانتی تھی۔ بہت اچھی طرح سے...

✡ ✡ ✡

منٹو ہال میں سارے اسٹوڈنٹس جمع تھے۔ سب کی نظریں ان تینوں پوزیشن ہولڈر اسٹوڈنٹس پر جمی تھیں۔ سر عارف روسٹرم پر کھڑے مارکس شیٹ تھامے مسکرا رہے تھے۔ ان کی نظریں مارکس شیٹ پر تھیں' انہوں نے مائیک کے تھوڑا آگے منہ کر کے کہا

تھا۔ ”اردو ڈپارٹمنٹ کی پہلی پوزیشن جاتی ہے‘ مس بیلا فاروق کو....“

تالیاں بجاتا ہال سناٹے میں آگیا تھا اور اب دوبارہ زور و شور سے تالیاں پیٹنے کے ساتھ ساتھ ڈائس بھی بجائے جارہے تھے۔ بیلا فاروق کو لگا تھا جیسے وقت تھم سا گیا ہو۔ سانسیں رکنے لگی ہوں۔ وہ بے یقینی سے سر عارف کو دیکھے جارہی تھی‘ جو اگلی دو پوزیشنز اناؤنس کررہے تھے۔ روشی‘ ریحانہ اور صدف نے اسے شدت جذبات سے گلے لگالیا تھا۔

”اوہ مائی گاڈ... تمہاری فرسٹ پوزیشن ہے بیلا...“ بیلا نے بے قابو دل پر قابو پاتے ہوئے مشکل سے آنکھوں کی نمی کو اندر نہیں دھکیلا تھا۔ سارے اسٹوڈنٹس کی ستائشی نظریں اس پر جمی تھیں۔ بیلا کا دل چاہا دوڑ کر ابا کے پاس جائے اور ان سے لپٹ کر کہے۔

”دیکھ لیجئے ابا... آپ کی بیلا نے آپ کو شرمندہ نہیں ہونے دیا۔“

دوسری پوزیشن... ”منعم علی“ کی اور تیسری پوزیشن ”عدلیہ رحمانی“ کی تھی۔ اب سر عارف پوزیشنز اناؤنس کرنے کے بعد کہہ رہے تھے۔

”تمام پوزیشن ہولڈرز اور دوسرے اسٹوڈنٹس کو بہت بہت مبارک ہو۔ یہ زندگی‘ امتحانات کسی ریس (دوڑ) کی مانند ہیں آگے‘ پیچھے ہونے کا سفر جاری رہتا ہے۔ ڈیئر اسٹوڈنٹس مجھے پوری امید ہے آپ نیکسٹ ٹائم بھی ایسے شان دار رزلٹس دکھاتے رہیں گے۔“ یہ کہہ کر وہ روسٹرم سے اتر گئے تھے۔ تالیوں کا شور تھما تو بیلا نے اپنے آپ کو ہجوم میں گھرا ہوا پایا تھا۔ سارے اسٹوڈنٹس اسے گھیرے مبارک باد دے رہے تھے۔ جسے وہ ہنس ہنس کر وصول کررہی تھی۔ بیلا سے کہیں زیادہ وہ تینوں اتاولی ہوئی جارہی تھیں۔ صدف نے تو ایک بار جوش جذبات میں آکر بیلا کا بوسا لے لیا اور کہا۔

”ہمیں تم پر فخر ہے۔“

منٹو ہال میں جیسے سونے کی طرح پگھلی ہوئی سنہری دھوپ گر رہی تھی۔ عدلیہ رحمانی بھی اسے مبارک باد دے گئی تھی۔ جواباً“ بیلا نے بھی اسے مبارک باد پیش کی تھی۔ تبھی بیلا کی نظر سامنے اٹھی تھی۔ وہ سیدھا اسی کی طرف چلتا ہوا آرہا تھا۔ وہ اکیلی کونے میں کھڑی تھی۔ صدف‘ روشی اور ریحانہ پاس کسی گروپ کی لڑکیوں سے خوش گپیوں میں مگن تھیں۔ اس کی چال میں بیلا کو عجیب سی تھکن محسوس ہوئی تھی اور.... اس کی آنکھوں میں کچھ عجیب سا تھا جسے محسوس کرکے جیسے بیلا کو دھکا سا لگا تھا۔ وہ قریب آچکا تھا۔ نک سک سے تیار وہ صبح سے مختلف لگ رہا تھا۔ شرٹ کے بازو فولڈ کیے‘ واچ کی چین پر ہاتھ پھیرتا وہ کافی مضطرب دکھائی دیتا تھا۔ ”دی ڈائمنڈ“ کی بھینی بھینی خوشبو پھیل چکی تھی۔ بیلا نے اضطراری انداز میں کلائی میں بندھا بریسلیٹ گھمایا تھا۔ جانے کیوں بیلا کو لگا تھا جیسے وہ کب سے گہرے دوست رہے ہوں۔ جو ایک دوسرے کی خوشی میں ہنستے ہوں۔ ایک دوسرے کے دکھ میں روتے ہوں۔ وہ جیسے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”کیسی ہو؟“ بیلا کو اس سوال پر بہت حیرت ہوئی تھی۔ وہ جواباً“ بولی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ اس کے گھنے بال اس کی پیشانی پر پھیلے ہوئے تھے۔ وہ کھڑکی کے پار دیکھ رہا تھا۔

”کیا مجھے یہ سوال تم سے کرنا چاہیے تھا؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔

بیلا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ ”میرا نہیں خیال کہ آپ کو یہ سوال کرنا چاہیے تھا۔“ وہ جیسے بیلا سے متفق ہوا تھا۔

”واقعی مجھے یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ بیلا چپ کھڑی رہی... جیسے صدیوں سے وہ اسی کیفیت میں کھڑی ہو۔ منعم نے ایک نظر اسے دیکھا اور بیلا فاروق کو دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا تھا۔

”پتا ہے بیلا... تم نے مجھ سے میری زندگی کا ایک لمحہ چھین لیا ہے‘ ایک ایسا لمحہ جس میں‘ میں اپنی پوری زندگی جیتا ہوں۔ جب میں بڑے فخر سے اپنے فادر کو

رپورٹ کارڈ پیش کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ لک ایٹ ممی بابا' آئی ایم ونر مگر آج یہ لمحہ میری زندگی میں کبھی نہیں آئے گا شاید.... میرے فادر میرے رزلٹ والے دن ہی اپنی مصروفیات سے کچھ لمحات مجھے دیتے ہیں۔ جن کا احسان میں کبھی نہیں چکا سکتا۔ کبھی نہیں.... پتا ہے جب کسی انسان کو ہمیشہ سے جیت جانے کی عادت ہو اور اچانک اسے شکست کا سامنا کرنا پڑ جائے تو وہ ٹوٹ سا جاتا ہے۔ تم مجھے دیکھو' کیا میں تمہیں ٹوٹا ہوا نظر تو نہیں آرہا؟" وہ دنیا کا سب سے مشکل ترین سوال پوچھ رہا تھا۔ بیلا فاروق کو لگا وہ برسوں سے ایک دوسرے سے واقف ہوں اور لمحوں کے کھیل میں ہاتھ آنے والی ہار پر تبصرے بھی کرتے ہوں۔ اس نے نظر اٹھا کر منعم کو دیکھا تھا۔

"زندگی میں ہمیں اگر کبھی کوئی ہلکی سی بے یقینی کا سامنا کرنا پڑ جائے تو ہم اس کو ہار کا نام نہیں دے سکتے۔ زندگی محنت کے سکے پر چلتی ہے ہمیشہ.... بس کبھی کبھار یہ پلڑا بڑھتا' گھٹتا رہتا ہے۔ مجھے افسوس رہے گا کہ میں نے آپ کی زندگی کا ایک خوب صورت لمحہ چھین لیا۔ یا پھر جو بھی ہوا۔ مگر مجھے یہ کرنا پڑا۔ اپنے لیے نہیں۔ اپنے پیرنٹس کے لیے' اپنے چھوٹے سے علاقے کے لیے' یہ قرض تھا جو چکانا ضروری تھا۔ اور ضروری ہوتا ہے۔ پھر بھی میں آپ سے سوری کرتی ہوں۔" بیلا کو لگا اسے نادم ہونا چاہیے اور وہ ہو رہی تھی۔

وہ ہنسا تھا۔ "زندگی میں کامیابی کی شرائط میں محنت اور دعائیں شامل ہوتی ہیں اور میرے پاس تو محنت ہی تھی۔ دعائیں کبھی میرے پاس رہیں ہی نہیں۔"

بیلا کو وہ اداس زمانے کا باسی لگا تھا۔ اس نے اس کی سیاہ آنکھوں کی طرف دیکھا تھا۔ "میں تمہارے لیے دعا کروں گی۔"

وہ بے یقینی سے بیلا کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اداسی سے اسے دیکھا تھا۔ "تھینک یو" چند ثانیے وہ خاموش کھڑے رہے۔ بیلا کو لگا وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہو۔ مگر کہہ نہ پا رہا ہو۔ اس نے منتظر نظروں سے منعم علی کو دیکھا تھا۔ وہ اردگرد آوازوں کے شور سے اکتایا ہوا سا لگ رہا تھا۔ اس نے آخر کار کچھ سوچ کر اپنی نظروں کو بیلا پر ٹھہرایا تھا۔

"تم ایک اچھی لڑکی ہو بیلا فاروق...." منٹو ہال کی گنبد نما عمارت میں وہ سرگوشی گھومتی ہوئی جیسے کھلی کھڑکیوں سے باہر پرواز کر گئی تھی۔ بیلا نے مسکرانے کی ناکام کوشش کرکے بر سلیٹ گھمایا تھا.... گھماتی رہی۔ وہ واپس جانے کے لیے مڑا تھا۔ ٹھٹکا اور واپس پلٹ کر اسے دیکھا جو اس کی پشت پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ وہ گڑبڑا گئی تھی۔ "کانگراچولیشنز" (مبارک ہو) وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ بیلا نے کہا تھا۔

"تھینکس منعم علی۔"

وہ سر ہلاتا ہوا پلٹ گیا تھا۔ بیلا نے جیسے اردگرد خالی پن کو پھیلتے دیکھا۔ وہ خاموش کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ کھڑکیوں کے پار سے.... بہت سے دور سے.... شہر محبت کی اشکبار ہوا نے منٹو ہال میں داخل ہو کر ایک اچٹتی سی نگاہ بیلا فاروق پر ڈالی تھی اور وقت سے بولی تھی۔

"عہد والوں کو محبت کی نوید ہو۔" کھڑکیوں سے دھوپ جیسے اب بھی گر رہی ہے۔

✡ ✡ ✡

بیلا کھلی ہوئی کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی' جہاں سے یونی ورسٹی کا مین گیٹ صاف نظر آتا تھا۔ وہ اسی طرف دیکھتی ابا کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ دو' تین سیکنڈ بعد ابا کی آواز آئی تھی۔ "ہاں.... بیلا بیٹا۔"

وہ نمی سے بھرپور آواز میں مسکرائی تھی۔ "اس بار بھی آپ کی بیلا آگے رہی۔ میری اول پوزیشن آئی ہے۔"

ابا خوشی سے چلائے تھے۔ "ارے ادھر آ بیلا کی ماں.... ہماری بیلا اول آئی ہے۔" وہ خاموش ہو کر ان کی خوشی کو محسوس کرتی رہی۔ "بیلا.... مجھے تم پر فخر ہے بیٹا.... بہت بہت مبارک ہو تجھے۔"

"ابا.... آپ کو بھی مبارک ہو...." ابا رو رہے

تھے۔ وہ جانتی تھی' ہر بار وہ ایسا ہی کرتے تھے' اب بھی کر رہے تھے۔ اب اماں بات کر رہی تھیں۔

"بیلی۔۔۔ بہت بہت مبارک ہو میری دھی۔"

"شکریہ اماں۔۔۔ آپ کو پتا ہے یہ سب آپ سب کی دعاؤں سے ہی ممکن ہوا ہے۔ میری کامیابیوں میں آپ بھی برابر کے حصے دار ہیں۔ محنت بے شک میری تھی' مگر دعائیں تو آپ سب کی تھیں نا۔" یہ بات کہتے ہوئے اسے کچھ دیر پہلے کسی کی کہی گئی بات یاد آئی تھی۔ "کامیابیاں تو محنت اور دعاؤں سے ملتی ہیں نا۔۔۔ میں نے محنت بہت کی' مگر دعاؤں کی وجہ سے ہار گیا۔" بیلا نے اماں کی طرف توجہ کی تھی۔

"بیلی۔۔۔ آج میں سوجی کے لڈو بانٹوں گی۔۔۔ اور صدقے کی کالی مرغی بھی جیدی سے پکڑوا رکھی ہے۔۔۔ تیری سہیلیاں بھی پاس ہو گئیں کیا؟" وہ ان تینوں کا پوچھ رہی تھیں۔ بیلا نے انہیں کھوجنے کے لیے نظر ادھر ادھر دوڑائی تھی۔ وہ منٹو ہال کے عقبی کونے میں کسی بحث میں مشغول تھیں۔ بیلا نے پیار سے انہیں دیکھا تھا۔

"جی اماں۔۔۔ وہ بھی پاس ہو گئی ہیں' آپ کو سلام کہہ رہی تھیں۔ انہیں آپ کے ہاتھوں کے بنے سوجی کے لڈوں کا بڑا انتظار ہے۔" اماں ہنسی تھیں۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ بالکل کچھ دنوں میں تم گھر آؤ گی تو میں تمہیں ان کے لیے ڈھیر سارے بنا دوں گی۔" اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ "لو۔۔۔ اب جاوید سے بات کرو۔۔۔ ورنہ اس کی دھمکیوں کو برداشت کرنا میرے بس کا کام نہیں ہے۔"

اب جیدی کی باری تھی۔ "ہیلو۔۔۔ بیلی۔۔۔ بہت۔۔۔ بہت مبارک ہو۔۔۔ اول آئی ہو۔" بیلا نے ہال میں نظر دوڑاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"تمہیں بھی۔۔۔ تم بھی ایسا کوئی کارنامہ سرانجام دے ڈالو۔"

"میری جگہ' جو تم کر رہی ہو نا۔۔۔ وہ بس کافی ہے۔"

"بیلی۔۔۔ ایک بری خبر ہے۔" جیدی کی آواز میں اداسی در آئی تھی۔ بیلا نے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

"کیا ہوا جیدی؟" دل دھک دھک کر رہا تھا۔ جیدی کی آواز آئی تھی۔

"شاہ رخ مر گیا۔" بیلی کی چیخ منٹو ہال کے در و دیوار سے ٹکرائی تھی۔

"شاہ رخ مر گیا۔" صدمے میں ڈوبی آواز۔۔۔ بک ہاہ۔ منٹو ہال میں ایسا سناٹا چھایا کہ گرتی سوئی کی آواز بھی سنائی دیتی۔ سارے اسٹوڈنٹس سکتے کی حالت میں کھڑے رہ گئے۔۔۔ سناٹا۔۔۔ کوئی جنبش نہیں۔ فیشن اپ ڈیٹس پر بڑھ چڑھ کر گفتگو کرتی رودابہ کا اٹھا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا تھا۔ روشی اور صدف نے دیوار تھام لی تھی۔ عدلیہ رحمانی کو مبارک باد دینے گئی' ریحانہ کے جملے منہ میں دبے رہ گئے۔

"او۔۔۔ گاڈ۔۔۔" پنسل ہیل پہنے انوشہ نے لڑکھڑا کر مجسمہ بنی ارم کو پکڑا تھا۔ دونوں زمین بوس ہو گئیں۔

بیلا اطمینان سے اب بھی بات کر رہی تھی۔ ارد گرد سے بے نیاز۔ کچھ دیر بعد وہ بات ختم کر کے پلٹی تو دیکھا سارا منٹو ہال جیسے سکتے کی لپیٹ میں تھا۔ یوں لگتا تھا کسی جادوگر نے جادو کی چھڑی گھما دی ہو۔ روشی ہولے ہولے چلتی بیلا تک آئی تھی۔ بیلا نے حیرت سے پوچھا؟

"کیا ہوا ہے۔" اس نے اس کے سوال کو نظر انداز کر کے بیلا کے قریب آکر صدمے سے پھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"بے چارہ مر گیا۔ میں تو اس کی سب سے بڑی فین تھی۔" صدف بڑبڑائی تھی۔ "آہ۔ دل والے دلہنیا لے جائیں گے میری فیورٹ مووی۔" بیلا نے اچنبھے سے اسے دیکھا تھا۔

"کون مر گیا روشی؟" روشی نے گہرے شاک کے عالم میں غوطے کھاتے ہوئے کہا۔

"شاہ رخ خان مر گیا۔"

بیلا نے پریشانی سے کہا۔ "کس نے کہا؟"

روشی نے اسے یوں دیکھا تھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ "تم نے ہی تو کہا ابھی۔۔۔"

"میں نے۔۔۔ ارے میں نے کب کہا؟" بیلا نے

سینے پر انگلی رکھی تھی۔
"تم بھی چند منٹ پہلے تم فون پر کہہ رہی تھیں۔"
"اوہ۔" بیلا نے ایک نظر پورے ہال پر ڈالی اور اسے سب سمجھ آگیا تھا۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس دی تھی۔
"شاہ رخ تو ہماری بطخ کے بچے کا نام تھا۔۔۔ وہ مر گیا۔۔۔ میں اسی کی بات کر رہی تھی۔" پورا ہال قہقہوں سے گونج اٹھا تھا۔ ہر کوئی دہرا ہو کر ہنس رہا تھا۔ ہنسی تھم ہی نہیں رہی تھی۔ روشی نے بیلا کو دھمو کا جڑا تھا۔
"بھلا۔۔۔ انسانوں والے نام بھی کوئی جانوروں کے رکھتا ہے۔۔۔ اب اگر منٹو ہال میں موجود ساری حسیناؤں کو ہارٹ اٹیک ہو جاتا تو سارے قتل تمہارے ذمہ ہوتے۔" بیلا ہنستی رہی۔ دبے دبے قہقہے اب بھی گونج رہے تھے۔ آنکھوں میں آئی نمی کو بیلا نے انگلی کی پور سے جھٹکا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ چاروں باہر آگئی تھیں۔ بیلا انہیں کیفے ٹیریا لے آئی تھی۔ وہ وہاں چپس' برگر اور کوک سے لطف اندوز ہو کر کاریڈوروں سے گھومتی گھامتی ہوئی مین گیٹ تک آگئی تھیں۔
انگلش ڈپارٹمنٹ کی لڑکیاں ٹیڑھے میڑھے منہ بناتی انگلش بولنے کی کوشش میں ہلکان ہوتی نظر آرہی تھیں۔ روشی نے کوفت سے انہیں دیکھا تھا۔
"انگریزنیاں کہیں کی۔" دفعتاً' صدف کو یاد آیا تھا۔
"میں جب ارم گروپ کے ساتھ کھڑی تھی تو میں نے تمہیں منعم سے بات کرتے دیکھا تھا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟"

روشی نے بھی چونک کر اسے دیکھا تھا۔ "کچھ نہیں۔۔۔ بس مبارک باد دے رہا تھا۔"
ریحانہ نے کندھے اچکائے تھے۔ "اوہ! آئی سی"
یونی ورسٹی کی عمارت پر پیلی دوپہر ترچھے رخ سے گر رہی تھی۔ کچھ لڑکیوں نے سر پر ہیٹ لے رکھے تھے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر غیر ملکی ظاہر کرنے کی بھرپور کوشش میں تھیں۔ مگر یہ الگ بات تھی کہ ساری کوششیں بے سود ہوئی جارہی تھیں۔ ہر طرف زندگی رنگوں' خوشیوں کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔
رنگوں کو' خوشیوں کو ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ کھوجانا پڑتا ہے اور انسان ازل سے اسی مشغلے میں مشغول ہے۔۔۔ اور یہی زندگی ہے۔

☆ ☆ ☆

اسے گھر آئے ہوئے تین دن ہو چکے تھے اور اماں تھیں کہ اسے مہمانوں جیسا پروٹوکول دے رہی تھیں۔ اب بھی وہ صحن میں بکھرے پتوں کو صاف کرنے کی غرض سے جھاڑو اٹھا ہی رہی تھی کہ اماں نے جھاڑو اس کے ہاتھوں سے لے لی تھی۔
"بیلا۔۔۔ تو کیوں صاف صفائی کو لگ گئی ہے۔ میں کرلوں گی۔" سفید چکن کے جوڑے میں ملبوس اماں کو بیلا نے پیار سے دیکھا تھا۔
"ارے نہیں اماں۔۔۔ اب تک تو آپ ہی کرتی آئی ہیں۔۔۔ چلو جتنے دن آپ نے کرلیا بہت ہے مگر جب تک میں یہاں ہوں' تب تک تو مجھے کرنے دیں۔"
اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس چارپائی پر بٹھالیا تھا۔ آسمان ہلکے نارنجی عکس سے چمک رہا تھا۔ خاکستری چڑیاں ادھر ادھر بھاگتی پھر رہی تھیں۔ "تو بھی تو پڑھائی کرتی ہے۔ ذہنی مشقت آسان تو نہیں ہوتی۔ جتنے دن یہاں ہے تب تک تو تجھے آرام ملے۔"
"اماں۔۔۔ آپ بھی نا۔۔۔" وہ مسکرا کر رہ گئی تھی۔
تب ہی اس کی نظر سامنے پڑی تھی' کھلے دروازے سے ابا اور جیدی داخل ہو رہے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب ہی چارپائی پر بیٹھ گئے تھے۔ اماں صحن میں جھاڑو لگا رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی گرد اٹھنے لگی تھی۔
"جیدی کی ماں۔۔۔ پانی تو پلا دے۔" ابا بولے تھے۔
بیلا نے دیکھا اماں مصروف تھیں' وہ اٹھی اور گھڑونچی پر رکھے گھڑے سے پانی بھر لائی تھی۔
"تو نے کیوں تکلیف کی۔۔۔ یہ جیدی لے آتا نا۔"
ابا نے اس کے ہاتھ سے گلاس تھاما تھا۔ وہ ان کے پاس بیٹھ گئی تھی۔
"ابا میں وہی بیلا ہوں۔" اس نے احتجاج کیا تھا

جیسے... ابا چونکے تھے۔

"ہاں تو... کس نے کہا کہ تم بدل گئی ہو۔" ان کا یہ سوال بیلا کو حیرت میں ڈوبا ہوا لگا تھا۔ وہ سفید رومال سے اب ماتھے پر آیا پسینہ پونچھ رہے تھے۔

"آپ سب نے..." وہ بولی تھی۔ اماں گردو غبار کا طوفان مچا کے آگے بڑھ گئی تھیں۔ وہ ہمیشہ یونہی جھاڑو دیا کرتی تھیں۔ جیدی کمرے سے ڈور اور پتنگ لے کر باہر آ گیا تھا۔

"نہیں... ہم نے کب کہا؟" ابا حیران ہوئے تھے۔ بیلا نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ پھنسا لیا تھا۔

"میں پڑھتی ہوں' اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں کوئی اور گھر کا کام نہیں کر سکتی۔ آپ سب ہیں کہ کام کو ہاتھ ہی نہیں لگانے دیتے۔ مجھے خوشی ہوتی ہے کام کر کے ابا... دل کی خوشی کے لیے سب کرتی ہوں میں..." ابا نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا تھا۔

"ارے نہیں بیٹی... تو وہاں پڑھائی کرتی ہے دن رات اور یہاں بھی کام کرے تو اچھا نہیں لگتا نا... پھر تو کون سا بہت سے دنوں کے لیے آئی ہے۔" وہ ابا کی بات سمجھ گئی تھی' مگر اپنی بات انہیں نہیں سمجھا سکتی تھی' سوچپ ہو گئی تھی۔

تین دن سے اسے جیدی' اماں اور ابا کسی خاص مہمان کی طرح ٹریٹ کر رہے تھے۔ گاؤں کی ہمسائیاں اسے ملنے آ رہی تھیں۔ اور ان کے ذوق و شوق سے کیے گئے سوال و جواب کو وہ خوش دلی سے نبھا رہی تھی۔ لال دروازے کے پہلو میں بنے کنویں پر وہ اپنے پرانے دنوں کی یاد تازہ کرنے جاتی تھی۔ جہاں آمنہ' کلثوم اور آسیہ وغیرہ اکٹھی ہوتی تھیں۔ گرم جولائی نے ہر شے کو جیسے بھون کر رکھ دیا تھا۔ سورج مکھی کے کھیتوں میں سے جیسے نارنجی شعلے نکل رہے تھے۔ خوب صورت قطعات اور ترتیب سے کی گئی کھیتوں کی بناوٹ بڑی دلکش تھی۔

آمنہ نے فریم میں کپڑا جماتے ہوئے بیلا کو مخاطب کیا تھا جو کنویں کی منڈیر پر بیٹھی دور کہیں نظریں جمائے ہوئے تھی۔ "تیرا دل لگ گیا کیا شہر میں...؟" بیلا چونک کر متوجہ ہوئی تھی۔

"ہاں لگ گیا... مجبوری تھی' ورنہ اپنا گاؤں کہاں بھولتا ہے۔" پہلی دو پہر اتری ہوئی تھی۔ کالی ڈوری میں سیپ کے موتی پروتی کلثوم نے اس کے آگے اپنا سوال رکھا تھا۔ "تجھے شہر کیسا لگا... گاؤں کے مقابلے میں؟" یہ کتنا دلچسپ سوال تھا۔ بیلا ہنسی تھی اور پھر پرسوچ انداز میں بولی تھی۔

"شہر کی زندگی بہت مصروف سی اور پیچیدہ ہے۔ وہاں ہر کوئی آزاد ہے ہر لحاظ سے... رشتوں ناطوں کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی نہ ہی محفلیں لگتی ہیں۔ مخلص لوگوں کو بھی کمی نہیں۔ وہاں سکون کی قلت ہے۔" بیلا کے جواب پر سندھی ٹانکا بغور دیکھتی آسیہ نے سر اٹھایا تھا۔

"کیا واقعی شہر میں راتیں بھی دن کا نمونہ پیش کرتی ہیں؟" اس کے چہرے پر اشتیاق سا نظر آ رہا تھا۔ بیلا نے انہیں دیکھا تھا' وہ کتنے اشتیاق سے اس گفتگو میں دلچسپی لے رہی تھیں۔ بیلا کو لگا وہ کوئی گائیڈ ہو جو ان کی رہنمائی کر رہا ہو۔

"ہاں... وہاں رات کے سارے پہر روشنیاں ٹمٹماتی ہیں۔ مگر مصنوعی ہوتی ہیں... مصنوعی... روڈ کنارے زرد لیمپ جلتے رہتے ہیں۔ ساری رات موٹریں چلتی رہتی ہیں۔ کیفے' آئس کریم پارلرز رات گئے تک کھلے رہتے ہیں۔ صدف اور روشی تو رات کو ہی واک پر نکلتی ہیں۔ ہر اتوار کو یہ ان کا معمول ہے۔" کلثوم حیرت سے چلائی تھی۔

"نہیں... اکیلی لڑکیاں؟"

آمنہ نے بھی فریم پرے رکھا تھا اور جی جان سے بیلا کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ "شہر کی عورت بہت مضبوط ہے اور پڑھی لکھی بھی ہے' اپنے حقوق کے خلاف آواز اٹھانا جانتی ہے۔" وہ ساری اس کی طرف متوجہ تھیں۔ "شہر کی زندگی ہماری زندگی سے میل نہیں کھاتی۔ وہاں سادگی نظر نہیں آتی۔ وہاں مصنوعی روشنیوں کے عکس ہیں۔ وہاں گاؤں کے جگنو نہیں

ہوتے۔" دور آسمان کی چوٹیوں پر سے جیسے گرد اٹھ رہی تھی۔ ہلکی پیلی سی۔۔۔ وہ چونکی تھیں۔ فرحانہ دور سے اسٹیل کا جگ تھامے پیچھے سے بجاتی آرہی تھی۔ آج سکنجبین بنانے کی باری اس کی تھی۔ وہ لان کے دوپٹے سے پسینہ پونچھتی قریب آکر بیٹھ گئی تھی۔

"ہائے اللہ۔۔۔ مرگئی۔۔۔ اتنی گرمی۔۔۔ اف۔۔۔" اس کا سارا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

کلثوم نے گلاس میں لیموں پانی انڈیل کر گلاس بیلا کی طرف بڑھایا تھا۔ بیلا نے گلاس تھاما تھا۔ "شکریہ" ٹھنڈے شیریں پانی نے جیسے جھلسے ہوئے وجود کو ٹھنڈک بخشی تھی۔

فرحانہ نے پوچھا تھا۔ "بیلا تمہیں ہماری یاد آتی ہے کیا۔ سنا ہے شہر ساری یادوں کو دھندلا کر دیتا ہے۔" بیلا نے خالی گلاس کلثوم کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"شہر کی رونق واقعی یادوں کو دھندلا کرتی ہے' مگر پھر بھی کم نہیں کرتی۔ گزرے وقت کی خوش گوار یادوں کو بھولنا آسان نہیں فرحی۔۔۔" وہ سوچ رہی تھی۔۔۔ وہ کیسے بھول سکتی تھی۔ گلیوں میں بھاگتے دوڑتے قدم' سرسوں کے کھیتوں کی لک چھپ' کنویں کے گرد بیتی ہوئی گرم دوپہریں۔۔۔ہاں۔۔۔ کتنا مشکل تھا سب بھولنا۔۔۔ اس نے گہری سانس لی تھی۔ وہ جتنے دن وہاں رہی تھی' روزانہ ان سے ملتی رہی تھی۔ آمنہ نے اسے سندھی ٹانکے سے بنی ہوئی قمیص دی تھی۔ سب نے ہی کچھ نہ کچھ ضرور دیا تھا۔ "کیا یہ محبتیں واقعی بھولنے کی چیز ہیں؟ شاید کبھی نہیں۔۔۔" گاؤں کی گرم دوپہریں ٹھنڈی راتوں میں ڈھلتی تھیں۔

آدھی آدھی رات تک جب وہ اور ابا اپنی باتوں میں مشغول ہوتے تو اماں نیند کی شدت سے اونگھ رہی ہوتی تھیں۔ "ارے۔۔۔ باپ' بیٹی اب تو دو گھڑی کو سکون کرلو۔۔۔ سارے قصے' کہانیاں آج ہی ختم کروگے۔" اور وہ دونوں باتیں تو ختم نہ کرتے' البتہ آواز ضرور کم کرلیتے تھے۔ دھیمی سرگوشیوں کی لہر ہوا کے رتھ پر جانے کہاں کہاں کا سفر کر آتی تھیں۔

"بیلا تجھے وہاں کوئی پریشانی تو نہیں؟" ابا کو نئے سرے سے فکر لاحق ہوئی تھی۔

"ارے نہیں ابا۔۔۔ کوئی پریشانی' کوئی فکر نہیں' سب کچھ اچھی طرح ہو رہا ہے' بس سارا وقت پڑھائی میں ہی گزر جاتا ہے۔" اس نے انہیں مطمئن کیا تھا۔

گہری رات کی چادر پر چاند جھول رہا تھا۔ گلابوں کی مہک اڑی پھر رہی تھی۔ جگنوؤں کی ہر طرف بہتات تھی۔

"تجھے میرا وعدہ یاد ہے نا۔ بھولی تو نہیں ہو نا؟" سر کو جھکائے وہ پوچھ رہے تھے۔ وہ اس کے باپ تھے۔ والدین کی فکریں جلد ختم نہیں ہوتی تھیں۔ وہ بھی فکرمند تھے۔ اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا۔ آگے سو لوگوں کو منہ دکھانا تھا۔ بیلا نے بغور انہیں دیکھا تھا۔

"آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں؟"

فاروق احمد نے سر اٹھا کر بیٹی کو دیکھا تھا۔ "نا۔۔۔ نا۔۔۔ میری دھی۔۔۔ ایسی بات نئیں' تجھ پر تو خود سے بھی زیادہ اعتبار ہے' مگر زمانہ اعتبار کا نہیں رہا۔"

بیلا کو ان کی بات اچھی طرح سمجھ آگئی تھی۔ اس نے آگے ہو کر ان کے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا تھا۔

"دیکھیں ابا۔۔۔ بے شک زمانہ بے اعتبار ہی سہی' مگر پھر بھی آپ کو اپنی تربیت پر بھروسا ہونا چاہیے۔۔۔ میں سب سمجھتی ہوں۔۔۔ جانتی ہوں۔۔۔ آج میں جہاں تک پہنچی ہوں اس کی وجہ آپ ہیں۔۔۔ اور میں کبھی بھی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاؤں گی جو آپ کے لیے' اس گاؤں کے لیے باعث شرمندگی ہو۔۔۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میری کامیابیوں کی بنیاد جانے کتنی آنکھوں کے خوابوں پر رکھی گئی ہے۔ میں اپنے دل کی راہ پر چل کر ان آنکھوں کے خواب قتل نہیں کرسکتی' کبھی نہیں۔"

"مجھے تم پر فخر ہے بیلا۔۔۔ اور میں جانتا ہوں کہ میری بیٹی ہماری عزتوں' روایتوں کی امین ہے۔" اور آسمان پر چاند کھڑے ننھے تارے نے بیلا بنت فاروق احمد کو غور سے دیکھا تھا۔

جیدی نے اس سے پوچھا تھا۔ "بیلی تمہاری یونی ورسٹی کیسی ہے۔۔۔ بہت خوب صورت ہو گی نا؟" وہ

کتنے اشتیاق سے پوچھ رہا تھا۔ وہ مسکرائی تھی۔ دھیمے سے... پیاری سی مسکراہٹ...

"پتا ہے جیدی... یونی ورسٹی کے گوشے گوشے میں عجیب سی کشش ہے۔ بہت سے ڈپارٹمنٹس ہیں۔ ڈپارٹمنٹس کے کوریڈورز' ہالز' قسم قسم کے پھول ہیں۔ ہر طرح کے لوگ ہیں۔ زندگی بہت پیارے انداز میں نظر آتی ہے وہاں۔" اماں روٹی توے پر ڈال رہی تھیں۔ جیدی نے پرجوش ہو کر کہا تھا۔

"بیلی... میں بھی یونی ورسٹی جاؤں گا۔"

بیلا ہنسی تھی۔ "ضرور... کیوں نہیں۔"

اماں نے توے پر رکھی روٹی کو پلٹا تھا۔ "ہاں... ہاں... باوا کا بھی داخلہ کروا دو۔"

"پھر تو اماں آپ کا بھی ایڈمیشن کروا دیتے ہیں۔"

جیدی کی بات پر اماں کو طیش آیا تھا۔ انہوں نے چمٹا اٹھا کر اس کی طرف پھینکا تھا۔ وہ جھکائی دے کر بھاگ اٹھا تھا۔ وہ غصہ ہوئی تھیں۔

"تو نے اور فاروق احمد نے بگاڑا ہے اسے..."

"اماں... بچہ ہے۔"

"اہں... اچھا ابھی بچہ ہے... شاباش ہے۔" حیرت بھی انداز میں۔ جلتے بھنتے ہوئے توے پر نظر ڈالی تو دھک سے رہ گئیں۔ روٹی جلی ہوئی تھی۔

صبح کی ٹھنڈی ہواؤں کے پار آسمان پر بادل جھلک دکھا رہے تھے۔

✡ ✡ ✡

"میں ہمیشہ یہی سمجھتا رہا کہ منعم علی سے شکست کوسوں دور بھاگتی ہے۔ بٹ آئی واز رونگ... مجھے اس جملے کو غلط ثابت کرنے پر حیرت ہے' وہ لڑکی کتنی آسانی سے مجھے شکست کے دروازے پر چھوڑ گئی۔" وہ اور اسد ٹیرس پر بیٹھے باتوں میں مشغول تھے۔ سارے دوستوں نے منعم علی کا بہت مذاق اڑایا تھا۔ فاتح کب مفتوح کے درجے پر فائز کر دیا گیا' نہ پتا چلا اور نہ ہی کوئی خبر ہوئی۔ ٹیرس پر رکھے گملے کو اس نے زور سے ٹھوکر ماری تھی۔ گملا چکنا چور ہو کر بکھر گیا تھا۔

اسد نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ "دیکھو یار... یہ ہار جیت زندگی کا حصہ ہے جو بار بار جگہ بدلتی رہتی ہے۔ جو آج تیرے پاس ہے' وہ کل اس کے پاس جائے گا اور جو اس کے پاس ہے' وہ تیرے پاس آئے گا' مگر اس سب کے لیے تمہیں کچھ کرنا ہوگا۔ کچھ ایسا جو بیلا فاروق کو توڑ کر رکھ دے۔" وہ اسد کی بات پر زبردست انداز میں چونکا تھا۔

"مگر یہ ہوگا کیسے؟" اس کے سوال پر اسد مسکرایا تھا۔

"میری بات دھیان سے سنو۔ اس لڑکی کی سب سے بڑی طاقت اس کی خود اعتمادی ہے۔ عزت نفس اور انا ہے جو تم نے کسی بھی طرح کر کے توڑنی ہے۔ تم اسے اپنی باتوں کے جال میں پھنسا لو۔"

"اوہ... نہیں... وہ میرے ٹائپ کی نہیں۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا یار... وہ گاؤں کی پینڈو سی لڑکی ہے اور اس سے میرا اسٹیٹس ہی میل نہیں کھاتا۔" وہ اکتایا ہوا تھا۔ "فلرٹ... اور بیلا فاروق سے قطعاً نہیں۔"

مینگو شیک کے سپ لیتا ہوا اسد اسے غور سے آبزرو کر رہا تھا۔ "ڈیئر... اسٹیٹس اور یہ سب بعد کی باتیں ہیں' تم فی الحال یہ دیکھو کہ وہ کس اسٹیج پر کھڑی ہے۔ تم اس کی موجودہ پوزیشن کو فراموش نہیں کر سکتے۔" وہ پرسوچ انداز میں اسد کو دیکھتا اس کے مقابل چیئر پر بیٹھ گیا تھا۔ اسد بولا تھا۔

"ویسے تم اسے غور سے دیکھو تو اچھی خاصی لڑکی ہے۔ تمہارا فلرٹ پیریڈ آسانی سے گزر جائے گا۔"

"کیا یہ سب کرنا اتنا آسان ہوگا؟"

"آف کورس... یہ تو تمہارے بائیں ہاتھ کا کمال ہے اور ویسے بھی تم یہ کئی بار کر چکے ہو... سو ڈونٹ وری۔" اسد اسے تسلی دے رہا تھا۔ گہری نارنجی شام اپنا عکس در و دیوار پر چھوڑ رہی تھی۔ ناریل کے درختوں کے لمبے پتے لہریں کھا رہے تھے۔

منعم علی' بیلا فاروق کو زیر کرنے کی ٹھان چکا تھا۔ وہ کئی بار ایسا کر چکا تھا اور وہ فاتح تھا۔ خوب صورت' دراز

قد' دلنشیں لب و لہجے والا اور چمکتی آنکھوں والا منعم علی' بیلا فاروق کے مقابل آنے والا تھا اور دوسری طرف وہ تھی... گاؤں کی سیدھی سادی... ذہین و فطین... اقدار و روایات پر جان دینے والی بیلا فاروق... ہاں... اب اصل زندگی میں جیسے "دا سٹیچو" بلے اسٹارٹ ہونے والا تھا اور منعم علی نے بھی اسد کے سامنے بیٹھ کر ایک خوب صورت ہنسی ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"میں بیلا فاروق کے گرد الفاظ کا ایسا جال بنوں گا جو مکڑی کے جالے سے کئی گنا طاقت ور ہوگا۔ جو اسے توڑ دے گا۔ اس کی خود اعتمادی' انا کی عمارت مسمار ہو جائے گی۔" اور منعم علی کے وہم و گمان سے بھی پرے کی بات یہ ہے کہ کبھی کبھی جال بننے والے خود ہی اپنے ہاتھ جال میں پھنسا بیٹھتے ہیں اور پھر محبت کا تار عنکبوت جنم لیتا ہے۔ اور وقت محبتوں کے کھیل میں منافقت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اس بات سے وہ ساحر شخص بے خبر ہے۔

☆ ☆ ☆

شام سے ذرا پہلے کا وقت تھا جب بیلا تانگے سے ہاسٹل کے سامنے اتری تھی۔ ٹھنڈی شام تھی' ورنہ دن نے تو مکئی کے دانے کی طرح بھون کے رکھ دیا تھا۔ کھوئے والی قلفی والے' گنے کے جوس والے' آئس کریم کی پکار' قلفیے کی بہار... ہر طرف بہار ہی بہار گیٹ کیپر نے اس کا سامان پکڑتے ہوئے دانت نکالے تھے۔

"باجی... جی... تسی آگئے ہو؟"

بیلا کا دماغ پہلے ہی پچی ہو رہا تھا۔ "نئیں... ہالیں بستی کھڑ کھراج ای ٹھہلدی پھردی آں۔" وہ آگے آگے چل رہا تھا۔ تھکے تھکے قدم اٹھاتی وہ پیچھے تھی۔ جو دیکھتا چار جملے اس کی طرف اچھال دیتا۔

"ہائے بیلا... تم آگئیں۔"

"شکر کہ تم نے قدم رنجہ فرمائے' ورنہ روشی نے تمہارے فراق میں نیم پاگل ہو جانا تھا۔"

"عفی میم چودھویں بار تمہارا پوچھ چکی ہیں' بقول ان کے تم نے ان سے کوئی وعدہ کیا ہوا تھا۔" بیلا کو وہ وعدہ اچھی طرح یاد تھا اور رہی بات عفت کی تو وہ اپنے وعدے بھولنے میں چار منٹ لگاتی تھیں' مگر دوسروں کے "عہد" ایک پل میں ہی ان کے ذہن سے صاف سلیٹ ہو جاتے تھے۔ ہک ہا... رومانوی خاتون... وہ جیسے ہی ہال میں داخل ہوئی ٹھٹک گئی تھی۔ ٹیبل پر انگلش ڈپارٹمنٹ کی موٹی نازیہ لم لیٹ تھی اور یہ ارد گرد کھڑی چار' پانچ حسینائیں اسے کاغذی مور پنکھ جھل رہی تھیں۔ زمانہ قدیم کا فرعونی پنکھا چھت پر لرز رہا تھا' جیسے اب گرا کے تب... آواز صور اسرافیل سے مشابہ تھی۔ وہ پنکھے کے احاطے سے پرے جا کھڑی ہوئی تھی' کیونکہ ایک ہنگامی میٹنگ میں روشی نے کہا تھا۔

"عزیز خواتین... اگر جان رتی بھر بھی پیاری ہے تو بابا آدم کے پنکھے کے نیچے مت کھڑے ہونا... ورنہ مقبرہ بنے گا... کتبہ لگے گا۔ "علم کی پیاسی خواتین شہید۔" اور بیلا ہنگامی گروپ میٹنگ کے اجلاس کی اہم رکن تھی۔ اور وہ ایسی نصیحتوں کی حامی تھی۔ پنکھے سے پرے کھڑے ہو کر بیلا نے چنبیلی سے دریافت کیا تھا۔

"خیریت تو ہے' نازیہ کو کیا ہوا؟" مور پنکھ جھلتی حسینائیں کراہی تھیں۔

"ہیضہ ہوا۔" بیلا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ ہیضے کی واردات میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔

"آج دوپہر میں کیا تھا؟" بیلا نے خطرناک حد تک اہم سوال کیا تھا۔

"ہائے... ہائے... دو روز پہلے کے باسی "ٹینڈے" تھے۔" لم لیٹ حسینہ نے بمشکل ہونٹوں کو جنبش دی تھی۔

"عفت میم کہاں ہیں؟"

"پروفیسر کبریٰ کے ولیمہ میں گئی ہیں۔" بیلا مڑی تو دیکھا گیٹ کیپر بکسا تھامے وہیں کا وہیں کھڑا تھا۔

"باجی... باجی... کتھے رکھاں؟"

"میرے سرتے رکھ دے۔" بیلا نے سر تھام لیا تھا۔ چنبیلی نے اسے گھورا تھا۔

"اتھے رکھ بکسا تے دفع ہوجا۔ زنانے پاسے او نزدا وڈا شوقین۔۔۔" وہ بے چارہ سادہ لوح جھینپتا ہوا بکسا فرش پر رکھتا باہر بھاگ گیا تھا۔

"اے منڈا بڑا شوخا اے۔۔۔ خبردار جو کسے نے انوں سرتے چڑھایا۔" یہ بات کہتے ہوئے خاص بیلا کو دیکھا گیا تھا۔ بیلا گڑبڑائی تھی۔

"میری طرف نہ دیکھو۔ جیسے ساری لاڈلی مخلوق میں نے جمع کر رکھی ہے نا۔"

دونوں سیڑھیاں چڑھتی اوپر آگئی تھیں۔ چنبیلی پیچھے پیچھے اور "بیلی" آگے آگے۔ بیلا نے اپنے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔۔۔ ایک بار۔۔۔ دوبار۔۔۔ ایک تو پہلے سفر کی تھکان سے ذہن پلپلا ہو رہا تھا اور اوپر سے یہ نیا ڈراما شروع۔۔۔

"کون ہے؟" روشی کی اعلا درجے کی مترنم آواز سنائی دی تھی۔

"تیل بتوڑی۔" بیلا نے دانت پیسے تھے۔ اندر بیٹھی روشی نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"رانگ آنسر۔۔۔ پھر آپ کو تو بھوت نگری جانا چاہیے۔"

"نہیں تم تینوں کو بھی لینے آئی ہوں۔" بیلا کوریڈور میں رکھی کرسی پر بیٹھنے لگی تھی کہ دھڑام سے گری۔

"یہاں پنکھے ہی نہیں چند کرسیاں بھی بابا آدم کے زمانے کی پائی جاتی ہیں۔ بچ بچا کر تشریف رکھا کریں۔" بیلا کی چیخ دور، دور تک گونجی تھی۔ چنبیلی کے سر پر رکھا بکسا بھی پھسل گیا تھا۔ دروازے دھڑ دھڑا دھڑ کھلنے لگے۔

"کیا ہوا؟ بچ تو گئی ہو نا؟" وہ پاؤں تھامے کراہ رہی تھی۔ روشی، ریحانہ، صدف اکٹھے باہر نکلی تھیں۔ روشی نے آگے بڑھ کر بیلا کو اٹھانا چاہا تھا۔

"اٹھو۔۔۔ اٹھو۔۔۔"

بیلا نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ "آئی ہیٹ یو۔۔۔"

روشی کچھ سوچتی رہی۔۔۔ سوچتی رہی۔۔۔ پھر اچانک بیلا کو چمٹ گئی۔ "بٹ آئی لو یو سو مچ بیلی۔" صدف اور ریحانہ بکسا اندر گھسیٹ کر لے گئیں۔ چنبیلی بے چاری کی سانسیں ہی ہموار نہیں ہو رہی تھیں۔ بیلا روشی کے سہارے اندر آئی اور میٹرس پر ڈھے گئی تھی۔ گہری گہری سانس لی تھیں۔ روشی الماری تک گئی۔ کھٹ سے کھولی۔۔۔ ننھی منی سی گلک باہر نکالی۔۔۔ اور فرش پر دے ماری۔ دھاتی سکے فرش پر اچھل کود مچانے لگے تھے۔

صدف چلائی تھی۔ "یارو! یہ تو ہمارا برے وقتوں کے لیے سرمایہ تھا۔" ریحانہ تاسف سے سر ہلاتی رہی تھی۔"

دفعو۔۔۔ (دفع سے اخذ کیا گیا لفظ) میرا تو پلان تھا کہ شیراز ہوٹل سے لنچ کرتے۔۔۔" روشی ایسے موقعوں پر اکثر اپنے کان بند کر لیتی تھی۔ اسے کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ سکے چنبیلی کو تھما دیے گئے۔

"گیٹ کیپر سے کہہ کر پو قلفی والے سے قلفیاں منگوا دو۔"

مس چنبیلی سکے تھامے انہیں "عجیب عجیب" نظروں سے دیکھتی باہر چلی گئی تھی۔ جب پیچھے دروازہ بند ہونے کے ساتھ ساتھ ریحانہ کی آواز آئی تھی۔ "جلدی آنا۔۔۔ کہیں سکے لے کر وہاں میں اکنامکس کی مخلوق کے ساتھ جفت طاق مت کھیلنے لگ جانا۔" چنبیلی نے منہ چڑایا، مگر دروازہ بند ہو چکا تھا۔ ان ڈور پلانٹس پر شام کا رنگ چھایا ہوا تھا۔ تھکی ہاری مسافر نیم غنودگی کی کیفیت میں تھی۔ روشی شرارت سے گنگنائی تھی۔

"اک پھل موتیے دا مار کے جگا سوہنڑی نوں۔"

بیلا نے آنکھیں کھولیں اور "معصوم" سی دھمکی دے ڈالی۔ "مجھے ہوش میں آلینے دو۔۔۔ تمہاری لاتیں توڑتی ہوں۔" روشی کی قل قل کرتی ہنسی پر خاموشی بھی کھلکھلائی تھی۔ "یار بیلی۔۔۔ اب تم امی نہ بن جایا کرو۔" ریحانہ اور صدف ذمہ داری سے بکسا

کھولے بیلا کا سامان ٹھکانے لگا رہی تھیں۔

"بیلا... ؟" صدف نے پکارا تھا۔

"ہوں..." وہ غنودگی میں جا رہی تھی۔

"یہ اچار کی بوتل کس کے لیے ہے۔"

"معفت میم کے لیے..."

"اوہ... تب ہی وہ شدت سے تمہاری منتظر ہیں۔"

ہوسٹل کی چھت پر شام اختتام پذیر ہوئی اور رات براجمان ہوئی۔

☆ ☆ ☆

کاگا سب تن کھائیو
کھائیو نا دو نیناں موہے
سب تن کھائیو... چن چن کھائیو ماس
کھائیو نا دو نیناں موہے
انہیں پیا ملن کی آس...

پیرس کی فیریا' ایفل ٹاور کی فیریا' علامہ اقبال انٹر نیشنل ایر پورٹ پر کھڑی تھی... ایر پورٹ پر مختلف ممالک کے مختلف لوگ جمع تھے۔ بچے' بوڑھے' نوجوان' عورتیں سب... پنسل ہیل کی نوک ایر پورٹ کے فرش پر گونج پیدا کر رہی تھی۔ ہر آنکھ میں وہاں انتظار تھا۔ اور ہر آنکھ فیریا پر جمی تھی۔ ٹرالی دھکیلتی وہ تمکنت اور وقار سے قدم آگے بڑھا رہی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے کچھ یاد کر رہی تھی۔

"مجھے لاہور کا ائیر پورٹ بہت پسند ہے۔ وہاں کا ہجوم دیکھ کر میرا دل آنکھ مچولی کھیلنے کو کرتا ہے۔ میں وہاں چھپ جاؤں اور کوئی ڈھونڈ نہ پائے۔"

"میں تمہیں ڈھونڈ نکالوں گی۔"

"ہاہا... تم... یعنی کہ تم... لیو اٹ۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"چلو مان لیتے ہیں... کبھی تم لاہور آئیں تو یہ کھیل کھیلیں گے۔"

کسی فلائٹ کی لینڈنگ کا اعلان ہونے لگا تھا۔ فیریا ٹیلی فون بوتھ کی طرف آئی تھی۔ اس نے جینز پر لانگ شرٹ پہنی ہوئی تھی اور بال جوڑے میں قید تھے۔

شیشے کی دیواروں کے پار کے مناظر دھندلا رہے تھے۔ وہ ریسیور کان سے لگائے کھڑی تھی۔ ادھر گھنٹی بج رہی تھی۔ ٹرن... ٹرن... ٹرن۔ محبت فون کی گھنٹی ہو گئی ہے۔ جس میں عجیب سی لہک ہے۔ اور فیریا انتظار ہو گئی ہے۔

"ہیلو..." بھکر کی ہواؤں کے رتھ پر منعم علی کی آواز فیریا تک پہنچی تھی۔ فیریا کو لگا دنیا اس آواز میں سمٹ آئی ہے۔ وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

"منعم... میں..." منعم پہچان گیا تھا۔ وہ فیریا کو پہچان جاتا ہے۔

"فیریا... تم... یعنی کہ تم..." شیشے کی دیواروں پر اس کی ہنسی دستک ہو گئی ہے۔

"ہاں... میں... تم نے کہا تھا نہ کہ تم لاہور ایر پورٹ پہ ہجوم میں چھپ جاؤ گے تو تمہیں کوئی نہیں ڈھونڈ پائے گا... آؤ... چھپ جاؤ... میں تمہیں ڈھونڈنے آگئی ہوں۔" حیرت اڑی اور منعم علی کے گرد بندھ گئی۔ خوشی اٹھی اور فیریا پر سج گئی۔

"او مائی گاڈ... مجھے یقین نہیں آرہا۔" فیریا نے ٹیلی فون بوتھ کی کھڑکی کھول دی۔ پاکستانیوں کی' لاہوریوں کی آوازیں منعم تک پہنچنے لگیں۔

"تم... وہیں رکو... میں تمہارے لیے ہوٹل میں کمرہ بک کرواتا ہوں۔ میرا دوست تمہیں وہیں ایر پورٹ سے ریسیو کرلے گا۔ میں آج ہی ابھی بھکر سے لاہور کے لیے نکلتا ہوں۔ کچھ گھنٹوں تک ہم ساتھ ہوں گے۔" وہ حیران تھا۔ اور حد سے زیادہ خوش بھی تھا۔ وہ رازدار تھے' اچھے دوست تھے۔ دوستوں کی آمد یونہی خوش کرتی ہے۔

فیریا نے ہولے سے سرگوشی کی تھی۔ "منعم... تم... تم آؤ گے نا؟ کہیں لاہور ایر پورٹ پر ہائیڈ اینڈ سیک کھیلتے ہوئے میں "ہائیڈ" ہو جاؤں اور تم مجھے ڈھونڈ ہی نہ پاؤ۔"

منعم علی سن ہو گیا تھا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے' میں نہیں آؤں گا؟"

"میں خوف سا محسوس کر رہی ہوں' جلدی آنا۔"

"ڈونٹ وری... آئی ایم کمنگ۔" فیریا پرسکون ہوگئی تھی۔ وہ بوتھ سے باہر نکل آئی تھی۔ روئی کے پھوں جیسے بادل آسمان پر ٹہل رہے تھے۔ وہ بھوک محسوس کررہی تھی۔ کیفے تک آئی اور اورنج جوس آرڈر کیا۔ اورنج جوس کے سپ لیتے ہوئے اسے اچانک ماریانا کا خیال آیا تھا۔ آدھا جوس چھوڑے وہ دوبارہ فون بوتھ کی طرف آئی تھی۔

"ہیلو..." خاموشی طویل ہوئی تھی ماریانا نے پہیلی بوجھ لی۔ اور بے تاب سی ہوگئی تھی۔ پیرس کی ہواؤں کے رتھ پر ماریانا کی آواز فیریا تک پہنچی تھی۔

"فیریا یہ تم ہونا؟" وہ رو رہی تھی۔ فیریا نے ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں پونچھی تھیں۔

"ہاں... میں ہوں۔"

"تم دنیا کی سب سے بری لڑکی ہو۔"

"ہاں... میں ہوں۔"

"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

"تم ہر بار یہی کہتی ہو۔ الفاظ بدلو۔ اپنی بات پر قائم رہا کرو۔" فیریا اداسی سے مسکرائی تھی۔

"اس نے تمہیں پہچان تو لیا نا؟"

"ہاں... وہ مجھے پہچان لیتا ہے۔" یقین تھا تو بلا کا مضبوط تھا۔ ماریانا نے ٹھنڈی سانس لی تھی۔

"واپس کب آؤ گی؟" فیریا نے سوال کا پس منظر جان لیا تھا۔

"بہت جلد آؤں گی۔ تم فکر مت کرو۔" برف سا لہجہ تھا... ٹھنڈا۔

"گئی ہو تو اکیلی واپس مت آنا۔" ماریانا رو دی تھی۔ سارا پیرس رویا تھا۔

"صرف مجھے اس سے محبت ہے۔" فیریا کی سانس گھٹنے لگی تھی۔

"اور اسے بھی صرف تم سے محبت ہے۔" ماریانا نے پہیلی آگے رکھ دی تھی۔ لمحے ٹھہر گئے تھے۔

"کیسے؟" فیریا نے پوچھا تھا۔

"ڈیرک کو... اگر اسے تمہارے پاکستان جانے کا پتا چلا تو وہ پیرس میں آگ لگا دے گا۔"

"وہ امیر زادہ، ہونہہ... میں اس سے محبت نہیں کرتی ماری۔" فیریا جھنجلائی تھی۔

"منعم بھی تو تم سے محبت نہیں کرتا۔ میں دیکھتی ہوں تمہاری دعائیں کتنی طاقتور ہیں۔" ماریانا کو بھی غصہ آگیا تھا۔ فیریا نے ریسیور پٹخا اور بوتھ سے باہر آگئی تھی۔ وہ تیز تیز ٹرالی گھسیٹتی کسی خاتون سے ٹکرائی تھی۔

"کیا ہوا کڑیے؟" خاتون نے پوچھا تھا۔ وہ شرمندہ ہوتی آگے بڑھ گئی۔ "تھینک۔"

کاؤنٹر سے سفید شیٹ پر مارکر سے اپنا نام لکھ کر وہ کھڑی تھی۔ پندرہ منٹ بعد منعم کا دوست اسے لینے آگیا تھا۔ وہ جاتے ہوئے بار بار مڑ کر ایئرپورٹ کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ "محبت اور وقت نے ہائیڈ اینڈ سیک کھیلنے کا عہد کرلیا ہے۔"

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

✲ ✲

عبیرہ لطیف

مثالی بہو

"سسرال وہ ادارہ ہے جہاں آپ کی ہر خوبی نظرانداز کی جاتی ہے اور ہر خامی کو خوب اچھالا جاتا ہے۔ اگر آپ ضرورت سے زیادہ اچھے بنیں گے تو آپ کو میٹھی چھری کہا جائے گا۔ اپنے کام سے کام رکھیں گے تو خودغرض اور بے حس کہلائیں گے۔ اگر چالاکی دکھائیں گے تو بدزبان اور جھگڑالو مشہور ہوں گے۔" ثمن نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

فضا نے موئسچرائزنگ کریم کی ہاتھوں پر اچھی طرح مالش کرنے کے بعد ہاتھوں کا جائزہ لیا۔

"میں تو ایک مثالی بہو، مثالی بھابھی اور مثالی دیورانی بن کر دکھاؤں گی۔" فضا نے اعلان کیا۔

"بی بی یہ دعوے شادی سے پہلے ہر لڑکی کرتی ہے، مگر جب سر منڈواتے ہی اولے پڑتے ہیں نا تو چھٹی کا دودھ یاد آجاتا ہے۔" ثمن نے طنزیہ کہا۔

"اور میری بھی ایک نصیحت ہے تمہارے لیے۔" فرحت نے اسے متوجہ کیا۔

"اپنی بری کے کپڑے پسند آئیں یا نہ آئیں، مگر انہیں پہن ضرور لینا۔ میں نے نہیں پہنے تھے تو آج تک طعنوں کی صورت اس کا خمیازہ بھگت رہی ہوں۔" فرحت بولی۔

"مگر آپ نے پہنے کیوں نہیں تھے؟" فضا نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ میری کم عقلی اور فیاضی تھی کچھ سسرال والوں کی تنگ دلی تھی۔ دراصل میری شادی کے کچھ عرصے بعد میری دیورانی کے بھائی کی شادی آگئی اور ان کے حالات ان دنوں خاصے مخدوش تھے، میں نے اپنے جہیز کے اور بری کے کپڑے ملائے کچھ اس نے اپنے ملائے اور بری تیار کرلی۔ میری ساس کو اور نند کو آج تک وہ کپڑے نہیں بھولے۔ ابھی تک ان کے ہاتھوں ان کپڑوں کے لیے ذلیل ہوتی ہوں۔" فرحت نے ٹھنڈی سانس بھری۔

فضا کی دو دن بعد شادی تھی۔ سب اپنے اپنے تجربوں سے اسے حتی المقدور مستفید کررہی تھیں۔

"یہاں وہی اچھا ہوتا ہے، جو جاتے ہی چاپلوسی سے خوشامد سے، کچھ منفی ہتھکنڈوں سے یعنی صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں کے مصداق اپنی ساس کو ہاتھوں میں لے لیتا ہے۔ پھر دوسرا بندہ لاکھ ایڑیاں گوڈے رگڑے، جتنا مرضی اچھا بننے کی کوشش کرے، مگر جو پہلے اپنے نمبر بنالیتی ہے وہ دوسروں کے کبھی نہیں بننے دیتی۔" ثمن نے دل گرفتگی سے بتایا۔

اس کے ساتھ بیاہ کر آنے والی دیورانی نے اس کی ساس کو ایسے ہی قابو کیا تھا کہ وہ انگشت بدنداں رہ گئی۔ اپنے گھر کی اچھی بیٹی سسرال میں ہمیشہ بری بہو بنی رہی کیوں کہ اسے منافقت نہیں آتی تھی اور یہی بات ثمن کو ہمیشہ دکھی کرتی تھی۔

"آپ سب اپنے تجربات اپنے پاس رکھیں، میں سب سنبھال لوں گی میں فضا ہوں۔" اس نے بڑے زعم سے کہا۔

"تمہارا مان سلامت رہے، سسرال میں شان سے رہو، مگر یہ غرور جلد زمین بوس ہوجائے گا۔" ثمن نے دعا کے ساتھ ہی حقیقت کا آئینہ دکھایا جو اس نے دیکھنا پسند نہ کیا اور پارلر کے لیے روانہ ہوگئی۔ ثمن، فضا کی بہن اور فرحت، چچازاد بہن تھی۔

☆ ☆ ☆

شادی کے بعد فضا سسرال میں ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ دلہناپے کے دن گویا پر لگا کر اڑ گئے۔ عاشر کے ہمراہ گزرے پندرہ دن گویا پندرہ منٹوں میں گزر گئے۔

عاشر نے دفتر جانا شروع کیا اور فضا کا دفتر گویا گھر میں لگ گیا۔ کھیر پکوائی (کی رسم کے بعد گھریلو کام کاج کی

ذمہ داری شروع ہو گئی۔ فضا کام کے معاملے میں بہت پھرتیلی تھی اس نے آسانی سے سارا کام سنبھال لیا۔

"فضا کی جو پہناوئیاں ہیں وہ ہلکی نہیں ہیں۔" جٹھانی نے ساس کے کانوں میں با آواز بلند سرگوشی کی فضا جو چائے لے کر اندر آ رہی تھی، خون کے گھونٹ بھر کر رہ گئی وہ سب کپڑے فضا ہی کی پسند کے تھے اور ایک ایک سوٹ پانچ ہزار کا تھا۔ فضا شہد کی طرح یہ بات پی گئی اور ایسے ظاہر کیا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو اس نے مسکرا کر سب کو چائے پیش کی۔

"بھئی فضا ہماری بہو بہت خوش اخلاق ہے۔" ساس نے خوش دلی سے تبصرہ کیا، جو فضا نے واپس کچن کی طرف جاتے سنا اور اس کا سیروں خون بڑھ گیا۔

فضا کی بیاہی نند علیزہ میکے میں کچھ دن رہنے آئی تو فضا کو شدید فلو اور گلے خراب کی وجہ سے بخار ہو گیا۔ دو دن اس سے اٹھا ہی نہیں گیا۔ وہ عاشر کے ساتھ دوائی لینے گئی تو واپسی پر امی کی طرف چلی گئی۔ امی کو تو پہلے ہی اس کی جدائی شاق گزر رہی تھی اس کو دیکھ کر کھل اٹھیں۔ اس کی طبیعت اتنی خراب دیکھ کر اسے زبردستی روک لیا۔ عاشر کی اجازت سے وہ دو دن کے لیے رک گئی۔ دو دن بعد جب عاشر اسے واپس لے کر گیا تو علیزہ واپس جانے کی تیاریوں میں تھی۔

"علیزہ ابھی دو دن اور رہ لیتیں۔" اس نے مسکرا کر خوش دلی سے کہا۔

"آپ تو میری وجہ سے پہلے بیمار پڑ گئیں پر میکے چلی گئیں، میرے رہنے کا کیا جواز بنتا ہے۔" وہ تن فن کرتی ماں کے کمرے میں چلی گئی۔

فضا حیران پریشان ساکت وہیں کھڑی رہ گئی۔ پاس کھڑی جٹھانی نے ساری کارروائی دیکھی، وہ فضا کو مسکراتی طنزیہ نظروں سے دیکھتیں اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

اہانت کے احساس سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے میں آ گئی۔

"کیا ہوا۔" اس کی پریشان صورت دیکھ کر عاشر نے پوچھا۔ فضا نے روتے ہوئے ساری بات بتائی۔

"بس اتنی سی بات سے میری پیاری بیوی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔" عاشر نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"علیزہ تھوڑی لاڈلی اور جذباتی سی ہے آئندہ جب وہ رہنے آئے تو تم خیال رکھنا۔" عاشر نے اس کی بالوں کی لٹ لاڈ سے کھینچتے ہوئے کہا۔

"عاشر میں بیمار تھی اس لیے رک گئی میں کون سا...؟"

"میں جانتا ہوں۔" عاشر نے بات کاٹی۔ "مگر علیزہ ذرا سی بات کو دل پر لے لیتی ہے تم آئندہ خیال رکھنا۔"

اور پلیز اپنا موڈ ٹھیک کرو دو دن تمہاری جدائی میں میں نے کیسے کاٹے ہیں پتا ہے کچھ؟" عاشر شوخ ہوا تو وہ جھینپ گئی۔

☼ ☼ ☼

فضا نے سارا کچن خوش اسلوبی سے سنبھال لیا تھا۔ اس کی جٹھانی نزہت بھی ساتھ ساتھ کام کرتی۔ فضا بڑے دوستانہ انداز میں نزہت سے گپ شپ کر کے ایک خوش گوار تعلق استوار کرنا چاہتی تھی مگر وہ فضا سے کھنچی کھنچی اور بڑے لیے دیے والے انداز میں رہتی تھی۔ اس کے تین بچے تھے۔ پڑھائی کے معاملے میں اپنی ماں کو بہت تنگ کرتے تھے۔ ٹیوشن بھی رکھوائی مگر بچوں کی کارکردگی ندارد' وہ اسی وجہ سے زیادہ پریشان رہتی تھی۔ فضا نے آخری حربے کے طور پر اس کے بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا' اس کا موڈ فضا سے خود بخود خوش گوار ہو گیا۔ آخر ٹیوشن کی دس ہزار فیس بچ رہی تھی۔ اور جس ٹائم فضا بچوں کو پڑھاتی تھی اس کی جٹھانی کچن کا سارا کام سنبھال لیتی تھی۔

اس دن بھی فضا کند ذہن بچوں کے ساتھ دو گھنٹے سر کھپا کر اٹھی تو اس کے سر میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں جانے لگی تو ساس نے ٹوک دیا۔

"تم بھی کبھی کچن دیکھ لیا کرو۔ بچوں کو پڑھانے کے بہانے سب کام چھوڑ کر بیٹھ جاتی ہو۔ نزہت بے چاری کھپتی رہتی ہے۔"

ان کے لہجے کی تلخی اور بے زاری محسوس کر کے وہ سن سی وہیں کھڑی رہ گئی۔ وہ جو صبح کو سارا کام اور دوپہر کو کھانا بنانے کا کام۔۔۔ کسی نظر میں نہیں تھا۔

وہ ست قدموں سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ جٹھانی کو خوش کرنے کے چکروں میں ساس کو ناراض کر بیٹھی۔

"باجی کوئی کام ہے۔" فضا کچن میں داخل ہوئی تو اس کے سر پر گویا پہاڑ ٹوٹا تھا۔

نزہت بھابھی آرام سے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کچن کی طرف گھسیٹ کر اس پر بیٹھی ہاتھوں پر لیموؤں کے چھلکے رگڑ رگڑ کر مل رہی تھیں۔ سنک گندے برتنوں سے بھرا پڑا تھا۔

"میرے ہاتھ بڑے خراب ہو رہے تھے سوچا گھریلو ٹوٹکا ہے ذرا آزما لوں۔ تم میری بہن یہ برتن دھو لو اور آٹا گوندھ کے روٹیاں پکا لو میں تو تھک گئی ذرا کمر سیدھی کر لوں۔" وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اور فضا آنسو پیتی سنک کی جانب بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

دوسری دفعہ علیزہ کافی دنوں بعد دونوں کے لیے رہنے آئی تو فضا نے پچھلی دفعہ کی شکایت دور کرنے کے لیے علیزہ کی حتی المقدور خدمت کرنے کی کوشش کی۔

نت نئی ڈشز بنا بنا کر اس کو کھلائیں' اس کی تین سالہ بیٹی ہانیہ کے ساتھ کھیلتی رہی۔ علیزہ کو زیادہ سے زیادہ کمپنی دینے کے چکروں میں اس کے آس پاس ہی رہی۔

دوسرے دن شام کو جب وہ ہانیہ کے لیے چپس بنا کر لے آئی اور ساس کے کمرے میں جانے لگی۔ تو اپنا نام سن کر باہر ہی ٹھٹک کر رک گئی۔

"امی یہ فضا بھابھی کیا چوبیس گھنٹے ہمارے سروں پر ہی سوار رہتی ہیں' ہم ماں بیٹی اپنی کوئی بات بھی نہیں کر سکتیں اور یہ فضول خرچی کتنی کرتی ہے ایک دن میں تین تین ڈشز بنا لیتی ہے آپ کا بجٹ آؤٹ نہیں ہوتا؟"

علیزہ کی تنقیدی آواز سننے کی اس میں مزید تاب نہیں تھی۔ ان ہی قدموں سے' وہ چپس کی پلیٹ لے کر پلٹ گئی' مثالی بہو بننے کے چکروں میں وہ گھن چکر ہی بن گئی تھی۔ اسے چکر پہ چکر آ رہے تھے اور اپنی بہن ثمن کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

سسرال وہ ادارہ ہے جہاں آپ کی ہر خوبی نظر انداز کی جاتی ہے اور ہر خامی کو خوب اچھالا جاتا ہے۔

☼ ☼

ماہم علی

چوڑیاں

کام ختم کر کے ارم نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ بچوں کے آنے میں ابھی کافی ٹائم تھا۔ کپڑے بدل کر وہ برابر والی حسنہ آپا کے پاس چلی آئی۔ حسنہ آپا سے اس کی بہت بنتی تھی۔ وہ سیالکوٹ بھتیجے کی شادی میں شرکت کرنے گئی تھیں اور کل ہی لوٹی تھیں۔ ارم مبارک باد دینے کے لیے ان کی گھر گئی تھی۔

حسنہ اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہو گئیں۔

"السلام علیکم آپا۔"

"وعلیکم السلام! کیسی ہو تم' کل سے میں آئی ہوئی ہوں تمہارا نہ آنا نہ پتا۔" گرم جوشی سے گلے ملتے ہوئے آپا نے شکوہ کر ڈالا۔

"میں تو رات کو آنا چاہ رہی تھی۔ مگر بچے جلدی سو گئے۔ آپ سنائیں شادی کیسی رہی۔"

"شادی کا مت پوچھو کیسی ہوئی' مجھے تو وہاں بخار ہو گیا تھا۔ مہندی اور بارات تو بخار ہی میں گزر گئی۔ ولیمہ والے دن کچھ طبیعت ٹھیک ہوئی تھی اور پھر اس دن مجھے یاد آیا کہ میں تو شادی میں آئی ہوئی ہوں۔"

"لو یہ دیکھو۔" آپا نے ارم کو البم پکڑوا دیا۔

"ماشاء اللہ! بہت پیاری ہے۔ اس تصویر میں آپ کے ساتھ کون ہے۔" ارم نے آپا کو تصویر دکھاتے ہوئے پوچھا۔

"یہ میری بڑی بھابھی ہیں۔ اور یہ ان کی چھوٹی بیٹی۔" تصویر کو چھوڑ کر ارم کی نظران کے گورے ہاتھوں میں چوڑیوں پر پڑ گئی۔ غالباً" آپا نے یہ چوڑیاں اس شادی کے لیے نئی بنوائی ہیں۔ ارم نے قیاس لگایا۔

"یہ دیکھو میری بھتیجی سونیا ہے اور یہ مریم۔" آپا باری باری سب تصویروں کے بارے میں بتا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہاں سے آ کر ارم چپ چپ تھی۔ حسن اس کے شوہر نے بھی نوٹ کیا۔ مگر پوچھا نہیں کیونکہ ہر بار ارم کی چپ کسی طوفان کی پیش خیمہ ہوتی تھی اور پھر رات ارم کی خاموشی بول اٹھی۔

"حسن بات سنو۔" بچوں کو سلا کر وہ حسن کے کمرے میں آئی تو وہ لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔

"ہوں۔" حسن نے صرف ہوں پر اکتفا کیا۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ میری جو انگوٹھیاں اور چین ہے۔ ان کو بیچ کر چوڑیاں بنوالوں۔"

"اچھا بنوالو۔"

"کیا سچ میں' پھر تم اگلی تنخواہ پر پیسے دے دو گے نا۔" وہ بچوں کی طرح اشتیاق سے بولی۔

"لو' اب اس میں پیسے کہاں سے آ گئے۔" حسن نے کہا۔

"تو کیا چوڑیاں ایسے ہی تو نہیں بنیں گی۔ انگوٹھیوں اور چین سے تو سارے پیسے پورے نہیں ہوں گے۔ بیس ہزار روپے کی مزید ضرورت پڑے گی۔"

"اتنی رقم کہاں سے آئے گی۔"

"تم دو گے نا۔" ارم نے کہا۔

"مجھ سے یہ امید نہ رکھو اور میں اتنی رقم کہاں سے لاؤں گا۔" حسن نے صاف انکار کر دیا۔

"تمہاری تنخواہ کے حساب سے یہ اتنی بڑی رقم نہیں ہے۔ اگر تم نہیں دیتے تو یہ اور بات ہے۔"

اس سے پہلے میں نے تمہاری ہر فرمائش پوری کی ہے۔ مگر اس بار تم بھی سمجھو' میری بھی مجبوری ہے۔" حسن نے کہا۔

"مجھے پتا تھا۔ تم ایسا ہی کہو گے۔ تم نے کب میری بات مانی ہے۔ اور رہی بات فرمائش کی' چوڑیاں تو تم بنوا کر دے نہیں سکتے اور کون سی فرمائش پوری کرو گے۔ میں بھی پاگل تھی جو تم سے چوڑیاں بنوانے کو کہا۔" ارم نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"تم بات کو غلط رنگ دے رہی ہو۔ تنگ آ گیا ہوں تمہاری روز روز کی فرمائشوں سے' میری ساری زندگی تو تمہاری فرمائشوں میں گزر جائے گی۔"

"آج سے پہلے میں نے کون سی فضول ضد کی ہے۔ یا اب کر رہی ہوں۔ سب کے ہاتھوں میں چوڑیاں ہیں۔ اگر مجھے لا کے دو گے۔ تو کون سی قیامت آ جائے گی۔"

"یہ مفت کی شرمندگی تم نے خود لی ہے۔ اس نے یہ پہنا ہے۔ اس نے یہ لیا ہے۔ خود کو دیکھنا ہے یا دوسروں کو' گھر کے حالات جیسے بھی ہوں مگر تم ہر چیز میں لوگوں کا مقابلہ کرنا چاہتی ہو۔ خود کو تو چھوڑو تم بچوں میں بھی احساس کمتری پیدا کر رہی ہو۔"

حسن کو ہمیشہ سے اس کی دوسروں سے مقابلہ کرنے کی عادت سے چڑ تھی۔

"دے دو یہ طعنہ بھی اس کی کمی تھی۔ اور بچوں کی جو تم بات کر رہے ہو۔ میں تو ان کو احساس کمتری سے بچانا چاہتی ہوں۔ دوسرے دوستوں کے پاس جو چیزیں ہوتی ہیں۔ وہ ان کے پاس نہیں ہوتی۔ تم کو فرصت ملے تو بچوں پر توجہ دو گے۔"

"تو تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ میں اپنے بچوں کی صحیح پرورش نہیں کر رہا ہوں۔"

"ہاں جی تو اور کیا ہے۔ بچوں میں تم احساس کمتری پیدا کر رہے ہو۔ کیونکہ تمہارا رویہ بھی کچھ اس طرح ہے۔"

"ہر ضرورت میں تم لوگوں کی پوری کر رہا ہوں' مگر مجھے تمہاری دوسروں کے پیچھے چلنے کی عادت بہت بری لگتی ہے۔ تم احساس کمتری میں مبتلا ہوتی جا رہی ہو۔"

حسن کو شاید پہلی بار اتنا غصہ آیا تھا۔ ارم نے رونا شروع کیا' حسن غصے سے چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر دروازے کو ٹھوکر مار کر باہر چلا گیا۔ ارم کے رونے میں مزید شدت آ گئی۔

☆ ☆ ☆

اگلے دو دن ناراضی میں گزر گئے۔ تیسرے دن جب حسن آفس سے گھر آیا۔ تو ارم کچن میں کام کر رہی تھی۔ حسن نے آہستگی سے جا کر ارم کا ہاتھ پکڑ لیا۔ چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد ایک ڈبیا نکال کر ارم کے ہاتھ میں دے دی۔ حیرت سے اسے دیکھتی ہوئی ارم نے ڈبیا کھول دی۔ تو سامنے اس کی حسب خواہش سونے کی چمکتی چوڑیاں تھیں۔ ناراضی بھول کر وہ فوراً چوڑیاں پہننے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر رک گئی۔

"کیوں کیا ہوا۔ پسند نہیں آئیں۔"

"کیوں نہیں' کام ختم کروں تو پھر پہنوں گی۔" مسکراتے ہوئے خوش گوار موڈ کے ساتھ حسن کے

لیے چائے بنانے لگی۔ اتنے میں حسنہ آپا بھی آگئیں۔
"السلام علیکم آپا۔" ارم نے خوش ہو کر کہا۔
"بچے کدھر ہیں۔" آپا نے پوچھا۔
"وہ ٹیوشن پڑھنے گئے ہیں۔" ارم نے جواب دیا۔
ارم نے آپا کو چائے بھی لادی۔ اور ساتھ ساتھ اپنی چوڑیاں بھی دکھادیں۔
"ارے ماشاء اللہ! بہت خوب صورت ہیں۔ اللہ تمہیں نصیب کرے۔" آپا نے صدق دل سے دعا کی۔
"آمین! آپ کی چوڑیاں کدھر ہیں۔ جو اس دن پہنی تھیں۔" ارم نے آپا سے پوچھا۔
"کون سی چوڑیاں۔" آپا نے کہا۔
"جو اس دن آپ نے پہنی تھیں۔" ارم نے یاد دلایا۔
"اس کی تو ڈیٹ ختم ہو گئی۔" آپا نے سکون سے جواب دیا۔
"کیا مطلب۔"
"ارم وہ تو سونے کی نہیں تھیں ان کا رنگ پھیکا پڑ گیا اس لیے اتار دیں۔"
"اچھا اچھا میں نے تو اس دن دیکھیں تو بالکل اصلی لگیں۔"
"ہاں آج کل تو اصلی اور نقلی کا پتا نہیں چلتا ہے۔" آپا نے کہا یہ تو بالکل وہی محاورہ بن گیا۔
"ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔" ارم نے کہا۔
آپا نے ارم کو بتایا کہ میرا سارا سونا تو خاور کو دے کر فروخت کر دیا۔ کیونکہ انہیں کاروبار میں نقصان ہوا تھا۔ اگر میں ہاتھ نہ بٹاتی تو اور کون مدد کرتا۔ خاور نے سونا فروخت کرتے وقت کہا تھا کہ مجھے نیا سیٹ بنا کر دیں گے۔ مگر میں نے منع کر دیا کہ ان کی محبت میرے لیے سب کچھ ہے۔ ان مادی چیزوں کا کیا فائدہ کہ میں ان پر خاور کی محبت کو ترجیح دیتی۔ آپا نے ہنس کر کہا اور ارم کو شرمندگی سی ہونے لگی۔
جن چوڑیوں کو دیکھ کر وہ حسن سے لڑنے لگی تھی۔ وہ اصل میں نقلی تھیں۔ اسے آپا پر رشک آیا کہ وہ کتنی اچھی تھیں۔ انہوں نے اپنے خاوند کے لیے سارا سونا بیچ ڈالا۔ اور میں نے چوڑیوں کے لیے حسن کو کتنا پریشان کیا نہ جانے حسن نے کیسے پیسے پورے کر کے ان کو بنوائی ہوں گی۔ میں نے پوچھا تک نہیں حسن کئی مہینوں سے موٹر سائیکل خریدنے کو کہہ رہے ہیں۔ دفتر بس میں جانے میں تکلیف ہوتی ہے اور وقت بھی ضائع ہوتا ہے یہ تو بڑی زیادتی ہے جو میں کر رہی ہوں۔
آپا چلی گئیں۔
جب حسن گھر آیا تو ارم چائے لا کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔
"حسن بات سنو۔"
"ہاں سناؤ۔" "یہ چوڑیاں لے لیں۔ مجھے نہیں چاہئیں۔"
"کیوں کیا ہوا۔" حسن نے چونکتے ہوئے کہا۔
"میں نے ناحق آپ کو پریشان کیا۔ مجھے افسوس ہے بے جان چیزوں کے لیے آپ کو اتنا پریشان کیا۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا' مجھے اب سمجھ آگئی ہے۔ میرے لیے آپ کی محبت سب کچھ ہے۔ مجھے معاف کر دیں۔" آخر میں اس کا لہجہ گلوگیر ہوا۔
"یہ تم رکھ لو۔ میں نے بہت محبت سے تمہارے لیے بنوائی ہیں' مجھے غصہ تمہاری فرمائشوں پر نہیں دوسروں سے مقابلہ کرنے پر ہے۔"
"نہیں آپ اپنے لیے موٹر سائیکل خرید لیں ہمیں گھر کے حالات کے مطابق چلنا چاہیے۔ اسی میں ہماری عزت ہے اور محبت بھی۔"
حسن نے اس کے ہاتھوں میں چوڑیاں پہنا دیں۔
"ارے پگلی' موٹر سائیکل بھی آجائے گی۔ میں تم کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" حسن کی باتوں سے وہ خوش ہو کر ہنسنے لگی۔
واقعی دوسروں کا مقابلہ کرنے اور دکھاوے کرنے سے اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔ وہ لوگ بہت کم عقل ہیں۔ جو دوسروں کی دیکھا دیکھی میں اپنی اوقات سے بڑھ کر خرچ کرتے ہیں۔
دیر سے ہی صحیح مگر ارم اب سمجھ گئی تھی۔

☆ ☆

شعاع عزیر

اخلاص عمل

اور ان اہل کتاب کو تو یہی حکم ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں اور بالکل یکسو ہو کر اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں اور یہی سچا دین ہے۔

(سورۃ البینہ' 5)

کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔ ہم نے ان کی بھی آزمائش کی ہے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ ان لوگوں کو ضرور معلوم کرے گا جو اپنے دعوے ایمان میں سچے ہیں اور ان کو بھی جان کر رہے گا جو جھوٹے ہیں۔

(سورۃ العنکبوت' 2'3)

لسانی تعصب

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کی سیرین پر مارا (ہاتھ سے یا تلوار سے) انصاری نے آواز دی کہ اے انصار دوڑو! اور مہاجر نے آواز دی کہ اے مہاجرین دوڑو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو جاہلیت کا سا پکارنا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایک مہاجر نے ایک انصاری کی سیرین پر مارا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس بات کو چھوڑو کہ یہ ایک گندی بات ہے۔

(صحیح مسلم)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

1 ۔ اپنی نیکی کو چھپانا آپ کی سوچ کا امتحان ہے اور دوسروں کے گناہ کو چھپانا آپ کے کردار کا امتحان ہے۔

2 ۔ تمہاری حیثیت کے مطابق تمہارا لوگوں کے کام آنا تمہاری مشکل وقت میں آسانی اور دلی آرزو پوری ہونے کا سبب بنتے ہیں۔

فضہ نور۔۔۔ روہڑی

آئن اسٹائن

جب وہ پیدا ہوا تو بہت موٹا تھا' ایک فربہ بچہ تھا اس کا سر عام بچوں سے بڑا تھا اور وہ کچھ عجیب و غریب دکھائی دیتا تھا۔ اس نے بولنا بہت دیر سے شروع کیا۔ ایک عام بچہ دو سال کی عمر میں بولنا شروع کرتا ہے لیکن وہ کچھ مختلف تھا' جب وہ چار سال کا ہوا تو اس نے بولنے کا آغاز کیا لیکن تب بھی وہ عجیب بھدی آواز میں بولتا تھا اور بہت کم بات چیت کرتا تھا۔ اس کے ماں' باپ سمجھے کہ ہمارا بچہ ابنارمل ہے۔ جب وہ چھوٹا سا تھا تو ایک دن اس نے غصے میں اپنی چھوٹی بہن پر ایک باؤلنگ بال پھینکا' صرف یہی نہیں اس نے اپنی وائلن کی ٹیچر کو مار مار کر گھر سے بھگا دیا۔ اس دن کے بعد اس بے چاری نے کبھی آئن اسٹائن کے گھر کا رخ نہیں کیا۔ اس کے ماں' باپ پریشان رہتے تھے کہ یہ کیسا بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ صرف ایک کام جو وہ باقی سب سے بہت بہتر کر لیتا تھا۔ وہ یہ تھا کہ بہت کم عمری میں وہ تاش کے پتوں سے چودہ منزل اونچی عمارتیں کھڑی کر لیتا تھا اور اس کے والدین اس کے صبر پر حیران ہوتے تھے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ انوکھا بچہ اپنے دور کا نیا کوپرنیکس بننے والا تھا۔ توانائی اور مادے کی جو شناخت اور اہمیت کوپرنیکس نے بتلائی تھی' وہ پوری

دنیا میں اس کو بدلنے والا تھا۔ یہ بچہ بڑے ہو کر آئن اسٹائن بنا۔

افشاں سمیع۔۔۔ کراچی

آخری پیغام

آئی سی یو سے ایک شوہر کا تمام شوہروں کے نام آخری پیغام۔

"اگر آپ کی بیگم ڈبل سم والا موبائل استعمال کرتی ہیں تو دونوں نمبر "وائف" کے نام سے سیو کریں۔ کبھی بھول کر بھی وائف 1 اور وائف 2 نام سے سیو نہ کریں۔"

ثنا شہزاد۔۔۔ کراچی

ایک کام

مولانا رومی کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ میں یہاں ایک چیز بھول گیا ہوں۔ مولانا رومی نے فرمایا۔ دنیا میں صرف ایک چیز ایسی ہے جسے فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ اگر تم دنیا کے تمام کاموں کو فراموش کر دو اور اس ایک کام کو نہ بھولو تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تم تمام کام فراموش نہ کرو اور انہیں یاد کر کے انجام دو اور اس ایک کام کو بھول جاؤ تو سب کچھ بے کار ہے ہم نے کچھ نہ کیا۔

مثال کے طور پر بادشاہ نے ایک معین کام کے لیے تمہیں گاؤں بھیجا۔ تم نے وہاں سیکڑوں کام کیے اور وہی کام انجام نہ دیا، جس کے لیے تمہیں بھیجا گیا تھا، تو تم نے کچھ نہ کیا۔ چنانچہ انسان کو خدا تعالیٰ نے اس دنیا میں ایک کام کے لیے بھیجا ہے اور وہی اس زندگی کا مقصد ہے۔ جب انسان نے وہی انجام نہ دیا تو فی الحقیقت اس نے کچھ بھی نہ کیا۔

(رومی کا پیام عشق۔۔۔ پروفیسر لطیف اللہ)

مسرت فاطمہ۔۔۔ کراچی

بابا بلھے شاہ

پڑھ پڑھ عالم فاضل ہویا
کدے اپنڑے آپ نوں پڑھیاں ای نہیں
جا جا وڑدا مسجداں مندراں اندر
کدے من اپنے وچ وڑیا ای نہیں
ایویں روز شیطان نال لڑدا
کدے نفس اپنے نال لڑیا ای نہیں
بلھے شاہ اسمانی اڈدیاں پھڑدا ایں
جیہڑا گھر بیٹھا اونوں پھڑیا ای نہیں

فوزیہ تمریٹ۔۔۔ گجرات

کچھ کھٹی کچھ میٹھی

1۔ گھر وہ جگہ ہے جہاں آپ جمائی لینے کے بعد شرمندہ نہیں ہوتے اور بد مزا کھانا کھانے کے بعد بھی اسے بد مزا نہیں کہتے۔

2۔ پوری انسانیت سے پیار کرنا بہت آسان ہے لیکن صرف ایک ہمسائے سے پیار کرنا بہت مشکل ہے۔

3۔ بے وقوف ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان کبھی بھی محفل میں تنہائی محسوس نہیں کرتا۔

4۔ اگر آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کی محبوبہ شادی کے بعد آپ سے کس طرح پیش آئے گی تو یہ دیکھیے کہ وہ اپنے چھوٹے بھائی سے کیا سلوک کرتی ہے۔

ہانیہ عمران۔۔۔ گجرات

شیطان کا کام

ایک اجلاس میں اقبال کو تقریر کرنا تھی۔ برطانوی حکومت کی کوئی تجویز ہندوستان سے متعلق تھی۔ سامعین کو توقع تھی کہ اقبال کوئی زبردست تقریر کریں گے۔ لیکن اقبال نے بس چند منٹ تقریر کی اور یہ کہہ کر کہ آپ کو ایک لطیفہ سناتا ہوں، اپنی نشست پر چلے گئے، کہنے لگے۔

"جنگ عظیم کے زمانے میں ابلیس کے چند مرید اس کے پاس گئے۔ دیکھا کہ فارغ بیٹھا سگار پی رہا ہے۔ جب اس سے بے کاری کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا۔ آج کل میں بالکل فارغ ہوں۔ میں نے اپنا کام برطانوی کابینہ کے سپرد کر دیا ہے۔"

(داستان اقبال۔۔۔ ڈاکٹر صابر کلوروی)

ملیحہ زہرہ۔۔۔ کراچی

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

1 ۔ تمہاری اصل ہستی تمہاری سوچ ہے' باقی تو صرف ہڈیاں اور خالی گوشت ہے۔ (مولانا جلال الدین رومی)

2 ۔ برتن اور ظرف چھوٹا ہو تو زیادہ چیز سنبھال نہیں سکتا' چھلک جاتا ہے' چاہے علم ہو' دولت ہو' تقویٰ ہو' شہرت ہو یا عزت ہو۔ (ابن رشد)

3 ۔ صرف میں ہی اپنی زندگی بدل سکتا ہوں' کوئی اور میرے لیے نہیں کرے گا۔ (مینڈیلو)

4 ۔ بعض اوقات کوئی شکست ایسی بھی ہوتی ہے جس کے دامن میں فتح سے زیادہ کامیابیاں ہوتی ہیں۔ (آئن اسٹائن)

5 ۔ دانش مند آدمی کبھی اپنی تکلیف کا رونا نہیں روتا بلکہ اپنی تکلیف کے رفع کرنے میں خوشی سے مصروف عمل ہو جاتا ہے۔ (شیکسپئر)

6 ۔ جو عورت کی قدر نہیں کرتا' میرے خیال میں وہ سب سے بڑا بے وقوف ہے۔ (نپولین بوناپارٹ)

7 ۔ عزیز چیزوں سے ہی غم پیدا ہوتا ہے اور عزیز چیزوں سے ہی خوف۔ جو عزیز چیزوں کے خوف سے آزاد ہے اسے خوف ہے نہ غم (گوتم بدھ)

ارماہی سرفراز۔۔۔ کھوڑہ

دھوکا

نو بیاہتا بیوی اپنے باپ کو دیکھتے ہی رونے لگی۔ باپ نے پوچھا کہ کیوں رو رہی ہو؟ بولی۔ "ابا جی! مجھے دھوکا دیا گیا ہے۔ مجھے اندھیرے میں رکھا گیا ہے۔ میرے ساتھ بددیانتی کی گئی ہے۔ جس آدمی سے میری شادی ہوئی ہے وہ پہلے سے شادی شدہ بھی ہے اور اس خبیث کے پانچ بچے اور بھی ہیں۔"

باپ نے بیٹی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "ہاں بیٹی! بہت زیادتی ہوئی ہے تمہارے ساتھ۔"

بیٹی بولی۔ "جی ابا جان! میرے ساتھ بھی بہت ظلم ہوا ہے اور میرے چھ بچوں کے ساتھ بھی دھوکا ہوا ہے۔"

ارم بشیر۔۔۔ اسلام آباد

ابن صفی کی تحریروں کے جواہر پارے

1 ۔ ایک بار کوئی نظریہ قائم کر لینے کے بعد اس کا اس سے ہٹ جانا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ منہ میں پانی لے کر سیٹی بجانا۔ (شاہی نقارہ)

2 ۔ "اکثر محبت کرنے والے محبوب کی موت نہیں برداشت کر سکتے۔" کہانیاں ہیں فرزند۔۔۔ جب ایک ماں جوان بیٹے کی موت کے بعد بھی زندہ رہ سکتی ہے تو یہ سب قطعی بکواس ہے۔ (خوف ناک منصوبہ)

3 ۔ "میں جانتا ہوں کہ حکومتوں سے سرزد ہونے والے جرائم' جرائم نہیں حکمت عملی کہلاتے ہیں۔ جرم تو صرف وہ ہے جو انفرادی حیثیت سے کیا جائے۔" (جونک کی واپسی)

4 ۔ "دنیا کا کوئی مجرم بھی سزا سے نہیں بچ سکتا۔ قدرت خود ہی اسے اس کے مناسب انجام کی طرف دھکیلتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو تم ایک رات بھی اپنی چھت کے نیچے آرام کی نیند نہ سو سکو۔ زمین پر فتنوں کے علاوہ اور کچھ نہ اگے۔" (ہیروں کا فریب)

اقصیٰ ماہ نور ہراج۔۔۔ داؤد والہ تلمبہ

یادوں کے دریچے

مجرم

تمہیں معلوم ہے جاناں؟
کہ تم بھی ایک قاتل ہو
میرے اندر کا اک
ہنستا ہوا انسان
تم نے مار ڈالا ہے

(وصی شاہ)

سیدہ لوبا سجاد۔۔۔ کہروڑ پکا

بشریٰ محمود

رُباب علی راجپوت کی ڈائری میں تحریر

فراغ روہوی کی غزل

خوب نبھے گی ہم دونوں میں میرے جیسا تُو بھی ہے
تھوڑا جھوٹا میں بھی ٹھہرا، تھوڑا جھوٹا تُو بھی ہے

جنگ انا کی ہار ہی جانا بہتر ہے اب لڑنے سے
میں بھی ہوں ٹوٹا ٹوٹا سا، بکھرا بکھرا تُو بھی ہے

جانے کس رستے ڈر بویا ہے ہم دونوں کی راہوں میں
میں بھی ہوں کچھ خوف زدہ سا، سہما سہما تُو بھی ہے

اک مدت سے فاصلہ قائم صرف ہمارے بیچ ہی کیوں
سب سے ملتا رہتا ہوں میں، سب سے ملتا تُو بھی ہے

اپنے اپنے دل کے اندر سمٹے ہوئے ہیں ہم دونوں
گم صم گم صم میں بھی بہت ہوں، کھویا کھویا تُو بھی ہے

ہم دونوں تجدید رفاقت کر لیتے تو اچھا تھا
تنہا تنہا میں ہی نہیں ہوں، تنہا تنہا تُو بھی ہے

حد سے فراغ! آگے جا نکلے دونوں انا کی راہوں پر
کچھ شرمندہ لیکن میں ہوں، کچھ شرمندہ تُو بھی ہے

میرے چارہ گر کو نوید ہو، صفِ دشمناں کو خبر کرو
وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا

کرو کج جبیں پہ سر کفن، مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرورِ عشق کا بانکپن پسِ مرگ ہم نے بھلا دیا

ادھر ایک حرف کہ کشتنی، یہاں لاکھ عذر تھا گفتنی
جو کہا تو سن کے اڑا دیا، جو لکھا تو پڑھ کے مٹا دیا

جو رکے تو کوہِ گراں تھے ہم، جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہِ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

فائزہ بھٹی، کی ڈائری میں تحریر

پروین شاکر کی نظم

شام ڈھلے نمناک سڑک پر
برف سی رنگت کی لڑکی
کسی کا رستہ دیکھ رہی ہے
کھڑکی کھول کے میں کیا پوچھوں
کہہ دے گی وہ نین چرا کر
دنیا کتنا شک کرتی ہے
کان کا بالا ڈھونڈ رہی تھی

ارم کمال کی ڈائری میں تحریر

فیض احمد فیض کی غزل

نہ گنواؤ ناوکِ نیم کش، دلِ ریزہ ریزہ گنوا دیا
جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو، تنِ داغ داغ لٹا دیا

حورین زینب، کی ڈائری میں تحریر

عدیم ہاشمی کی غزل

آنکھوں سے آنسوؤں کو ابھرنے نہیں دیا
مٹی میں موتیوں کو بکھرنے نہیں دیا

جس راہ میں پڑے تھے ترے پاؤں کے نشاں
اس راہ سے کسی کو گزرنے نہیں دیا

چاہا تو چاہتوں کی حدوں سے گزر گئے
نشہ محبتوں کا اترنے نہیں دیا

ہر بار ہے نیا ترے ملنے کا ذائقہ
ایسا ثمر کسی بھی شجر نے نہیں دیا

یہ ہجر ہے تو اس کا فقط وصل ہے علاج
ہم نے یہ زخم وقت کو بھرنے نہیں دیا

کیا جانیے کیا ہو گیا ارباب جنوں کو
مرنے کی ادا یاد نہ جینے کی ادا یاد

مدت ہوئی اک حادثۂ عشق کو لیکن
اب تک ہے ترے دل کے دھڑکنے کی صدا یاد

سیدہ نسبت زہرا، کی ڈائری میں تحریر

فرحت عباس شاہ کی نظم

بے تحاشا۔ تجھے یاد کیا
اور بھلایا بھی بہت ہے تجھ کو
ساری رونق ہی تیرے دم سے ہے
اور تیرے بکھرے ہوئے غم سے ہے
جس قدر میں نے تیرا تعلق محسوس کیا
اتنی گہرائی تو روحوں میں ہوا کرتی ہے
جس قدر میں نے تیری ذات کو خود میں پایا
اتنی یکتائی کہاں ملتی ہے
فاصلے وسعتیں کھو بیٹھے ہیں
دوریاں پھیکی پڑیں
اتنی شدت سے تجھے چاہا ہے
شدتیں عشق کی معراج ہوا کرتی ہیں

صدف عمران، کی ڈائری میں تحریر

جگر مراد آبادی کی غزل

دنیا کے ستم یاد نہ اپنی ہی وفا یاد
اب مجھ کو نہیں کچھ بھی محبت کے سوا یاد

چھیڑا تھا جسے پہلے پہل تیری نظر نے
اب تک ہے وہ اک نغمۂ بے ساز و صدا یاد

جب کوئی حسیں ہوتا ہے سرگرم نوازش
اس وقت وہ کچھ اور بھی آتے ہیں سوا یاد

اتنے بڑے جہاں میں جائے گا تو کہاں
اس اک خیال نے مجھے مرنے نہیں دیا

اس نے ہنسی ہنسی میں محبت کی بات کی
میں نے عدیم اس کو مکرنے نہیں دیا

ہدیٰ سحر ایمان، کی ڈائری میں تحریر

عرفان صادق کی غزل

ترے خیال کی لو تن سے جب اترتی ہے
بڑی خاموشی سے آنگن میں شب اترتی ہے

تمہارا ساتھ تسلسل سے چاہیے مجھ کو
تھکن زمانوں کی لمحوں میں کب اترتی ہے

تجھے میں جانتا ہوں چھاؤں کے حوالے سے
یہ تجھ میں دھوپ سی کس کے سبب اترتی ہے

دیے کی لو تو ہواؤں سے بجھ گئی عرفان
یہ کیسی روشنی آنکھوں میں اب اترتی ہے

شگفتہ سلیمان

طاہرہ ملک ———— جلال پور پیر والا

سکوت کرب میں اُترو تو یاد کر لینا
کبھی جو ٹوٹ کے بکھرو تو یاد کر لینا
مانا کہ تم گفتگو کے ماہر ہو
وفا کے لفظ پہ اٹکو تو یاد کر لینا

سیدہ لوبا سجاد ———— کہروڑ پکا

اب ماہ و سال کی مہلت نہیں ملنے والی
آگئے اب تو شب و روز عذابوں والے
زندہ رہنے کی تمنا ہو تو ہو جاتے ہیں
فاختاؤں کے بھی انداز عقابوں والے

عابدہ عوزی ———— راجن پور

ردی کے بھاؤ بیچنے نکلے ہوئے ہیں لوگ
یہ زندگی اک پڑھا ہوا اخبار ہی تو ہے

ملیحہ زہرا ———— کراچی

محبت کا سبق بارش سے سیکھو جو
پھولوں کے ساتھ کانٹوں پر بھی برستا ہے

گلنار ابراہیم ———— جلال پور پیر والا

اب ہم کہتے ہیں ذرا یاد کر لیا کرو
کبھی تم کہتے تھے بہت یاد آتے ہو

ثریا شاہ ———— کہروڑ پکا

اسے صرف اتنا کہہ دینا وصی
میں اس کے بغیر تنہا نہیں ادھورا ہوں

حورین زینب ———— کہروڑ پکا

سبب رونے کا وہ پوچھیں تو قاصد اتنا کہہ دینا
مجھے ہنسنا نہیں آتا، جہاں پر تم نہیں ہوتے

قفسہ نور ———— روہڑی

تھکا دیا اسے آندھیوں نے مل جل کے
وہ اک پرندہ جو اونچی اڑان رکھتا تھا

صائمہ سلیم ———— کراچی

اک لفظ وفا سُنا تھا
ڈھونڈا بہت، ملا ہی نہیں

رباب علی راجپوت ———— پھول نگر

کانچ جیسے ہوتے ہیں ہم جیسے تنہا لوگوں کے دل
کبھی ٹوٹ جاتے ہیں، کبھی توڑ دیے جاتے ہیں

روبینہ ———— قصور

موسم کی مثال دوں یا تمہاری
کوئی پوچھ بیٹھا ہے بدلنا کس کو کہتے ہیں

فرح شریف ———— کراچی

تجھے خبر ہے تجھے سوچنے کی خاطر ہم
بہت سے کام مقدر پہ ڈال دیتے ہیں

روبینہ یاسمین ———— پتوکی

محبت ہاتھ میں پہنی ہوئی چوڑی کی مانند ہے
سنورتی ہے کھنکتی ہے کھنک کر ٹوٹ جاتی ہے

ایمان سرفراز ———— ڈیرہ غازی خان

اس نے ہنسی ہنسی میں محبت کی بات کی
ہم نے فقیل اس کو مکرنے نہیں دیا

نادیہ ارم ذوالفقار ———— گلستان جوہر

خالی ہاتھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے فراز
کس طرح لوگ لکیروں سے نکل جاتے ہیں

بیا اسامہ ———— فیصل آباد

کیا خوب ہوتا کہ یادیں ریت ہوتیں
مٹھی سے گرا دیتے، پاؤں سے اڑا دیتے

عائشہ، تحریم ———— کراچی

کس احتیاط سے آیا ہے یہ خیال مجھے
فلک کو خاک پہ رکھنا نہیں محال مجھے
یہ اک ملال بڑا دکھ ہے کہ مدت سے
کسی بھی بات کا ہوتا نہیں ملال مجھے

تحریم، عائشہ ——— سلور ٹاؤن

ضبطِ غم اس قدر آساں نہیں فراز
آگ ہوتے ہیں وہ آنسو جو پیے جاتے ہیں

ثمینہ تاج ——— اُگی

یہ میری عقیدت بے صبر، یہ میری عبادت بے ثمر
مجھے میرے دعویٔ عشق نے نہ صنم دیا، نہ خدا دیا

بختاور ——— حیدر آباد

بہت درد چھپے ہیں رات کے ہر پہلو میں
اچھا ہو کہ کچھ دیر کے لیے نیند آجائے

فرحین ظفر ——— کراچی

کمال کا شخص تھا، جس نے میری زندگی تباہ کر دی
راز کی بات ہے کہ دل اس سے خفا آج بھی نہیں

مریم شہباز ——— اورنگی

ضبط کا عہد بھی ہے شوق کا پیمان بھی ہے
عہد و پیمان سے گزر جانے کو جی چاہتا ہے
درد اتنا کہ ہر رگ میں محشر برپا!
اور سکوں ایسا کہ مر جانے کو جی چاہتا ہے

آمنہ میاں محمد نوید ——— پیچھوکی ملیاں

سکے بنا کے جب بھی اُچھالا گیا مجھے
میں تیری ہار جیت میں تقسیم ہو گیا

عظمیٰ ——— گوجرہ

صبح کے اُجالوں میں ڈھونڈتا ہے تعبیریں
دل کو کون سمجھائے خواب جھوٹے ہیں

بینش مدثر ——— فیصل آباد

مزاج دنیا سے جوں جوں شناسا ہوتا جا رہا ہوں
میں تنہا اور تنہا اور تنہا ہوتا جا رہا ہوں

ثمرہ، اقرا ——— کراچی

گنگناتے راستوں کی دلکشی اپنی جگہ
اور ان سب کے درمیان تیری کمی اپنی جگہ

کرن رحمان ——— لاہور

اے نومبر دھیرے دھیرے گزرنا
دسمبر بہت تکلیف دیتا ہے سانسوں کو

نادرہ سلطانہ ——— ڈگری

اے گزرے برس بتا تجھ کو بھولوں کیسے
ترے لمحوں نے میرے برسوں کی رفاقت چھینی

ثنا سرفراز ——— پتوکی

زوال یہ ہے کہ تیرا ساتھ نہیں
کمال یہ ہے کہ جی رہا ہوں

فائزہ بھٹی ——— پتوکی

جب غرض ہوا تب پیار کیا، جب وقت ملا تب یاد کیا
اب اور حقیقت کیا لکھوں اس دور کے مخلص لوگوں کی

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ——— کہروڑ پکا

کبھی حیات کی ضامن کبھی وسیلہ موت
نگاہ یار! تیرا بھی کوئی اعتبار نہیں

مدیحہ، ایمان فہیم ——— مدینہ کالونی

خوب یہ تم نے کہا حشر میں مل جائیں گے
اس قدر بھیڑ میں ہوتی ہے ملاقات بھلا

اقصیٰ ناصر ——— کراچی

بچا کر رکھا ہے خود کو تیری خاطر
کوئی پیار سے دیکھے تو برا لگتا ہے

صائمہ سندھو ——— گوجرہ

بیٹھ جاتا ہوں خاک پر اکثر
اپنی اوقات اچھی لگتی ہے

انیلا ادریس ——— شورکوٹ

تیرے ہجراں سے تعلق کو نبھانے کے لیے
ہم نے اس سال بھی جینے کی قسم کھائی ہے

مدیحہ فہیم ——— کراچی

خدا کرے کہ تری عمر میں گنے جائیں
وہ دن جو ہم نے ترے ہجر میں گزارے ہیں

سعدیہ عرفان ——— گارڈن

اس کو لوٹائیں گے ہم سود کے ساتھ
قرض ہے ہم پہ بے بسی اس کی

بینا ظفر ——— کراچی

میرے اُجڑنے کا سبب جب بھی کسی نے پوچھا
میں نے بس اتنا بتایا کہ محبت کی تھی

روبینہ شریف

گواہ

نیویارک میں قتل ہوگیا۔ قاتل نے اپنے وکیل کو ٹیلی گرام بھیجا کہ "میری مدد کو آؤ آج صبح میں نے ایک شخص کو قتل کردیا ہے۔"

وکیل نے فوراً" جواب دیا۔ "گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں آج ہی دو چشم دید گواہوں کے ساتھ پہنچ رہا ہوں۔"

حنا کرن۔۔۔ پتوکی

خدمت

ایک شخص نے ایک تھانیدار کی دعوت کی' وہ دو مرغ کھا گیا۔ کھانے کے بعد اسے ایک بوڑھا مرغا صحن میں نظر آیا۔ اسے دیکھ کر تھانیدار بولا۔

"دیکھو یہ مرغا کس شان سے چل رہا ہے۔" میزبان نے جل کر جواب دیا۔

"شان کیوں نہ دکھائے اس کے دو بیٹے ایک تھانیدار کی خدمت کر چکے ہیں۔"

حنا فرحان۔۔۔ کوٹ مٹھن

ذہانت

محکمہ تعلیم کے ایک آفیسر نرسری اسکول کے معائنہ کے لیے گئے کہ ایک کلاس میں بچوں کا امتحان لینے کی غرض سے بولے۔

"آپ میں سے کوئی بچہ مجھے ایک عدد بتائے' میں اسے تختہ سیاہ پر لکھتا ہوں۔"

ایک بچے نے 35 کہا۔ آفیسر نے بلیک بورڈ پر اسے 53 لکھ دیا کہ کوئی بچہ غلطی پکڑتا ہے کہ نہیں لیکن کلاس میں خاموشی رہی آفیسر نے کہا۔

"اچھا آپ کوئی اور عدد بتائیں۔"

پیچھے سے آواز آئی "سر 82"

آفیسر نے 28 لکھ دیا اور کلاس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے لیکن کلاس میں خاموش رہی۔

اتنے میں ایک لڑکے نے کہا۔ "سر 44 لکھیں۔"

نورین عامر۔۔۔ گوجرانوالہ

وقت

ٹرین روانہ ہونے والی تھی۔ سگنل ہوچکا تھا۔ ایک شخص بھاگتا ہوا اسٹیشن پر پہنچا اور گارڈ سے پوچھا۔

"میری بیوی میکے جارہی ہے اور وہ میری آمد سے قبل ٹرین میں سوار ہوچکی ہے۔ کیا اتنا وقت ہے کہ میں اسے سی آف کر سکوں؟"

گارڈ نے کہا۔ "اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے۔ اگر حال ہی میں شادی ہوئی ہے تو بالکل وقت نہیں ہے اگر شادی کو ذرا عرصہ بیت چکا ہے تو جناب وقت ہی وقت ہے۔۔۔۔"

ماہ رخ۔۔۔ شورکوٹ

زہریلی ناگن

ایک ساس نے اپنی بہو سے کہا۔

"میں اپنے زمانے میں کالج کی خوب صورت لڑکی تھی اور میں نے ایک مرتبہ ڈرامہ "ملکہ حسن قلوپطرہ اور زہریلی ناگن" میں کام کیا تھا۔"

بہو فوراً" بولی "ملکہ حسن قلوپطرہ کا کردار کس نے کیا تھا۔۔۔"

ثمینہ صادق۔۔۔ خان بیلا

عقل مندی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

"اس لڑکی کے اصرار پر تم نے شراب نوشی، سگریٹ نوشی، شطرنج اور آوارہ گردی وغیرہ ترک کردی؟"

"بے شک"

"تو تم نے اس سے شادی کیوں نہیں کی؟"

"میں نے سوچا، اتنی مشکل سے زندگی سدھری ہے تو اب اسے دوبارہ جہنم بنانے کی کیا ضرورت ہے۔"

گڑیا شاہ... کھڈوریکا

اذیت

خاتون مقرر اپنی تقریر کے دوران بڑے جوش و خروش سے کہہ رہی تھیں۔

"عورت معاشرے میں ہزار اذیتیں برداشت کرتی ہے۔"

اگلی صف میں سے ایک صاحب نے بلند آواز میں کہا۔

"لیکن ایک اذیت عورت کبھی برداشت نہیں کرسکتی جو مرد برداشت کرتے ہیں۔"

"وہ کیا؟" خاتون نے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

صاحب نے جواب دیا۔ "خاموشی کی اذیت"

آسیہ جاوید... علی پور چٹھہ

ہمت افزائی

نوجوان شوقیہ اداکار ایک روز خوشی خوشی ٹی وی اسٹیشن سے واپس آیا اور باپ کو بتانے لگا۔ "آخر کار مجھے ایک ڈرامے میں کام مل ہی گیا مجھے ایک شخص کا کردار ادا کرنا ہے جس کی شادی کو دس سال گزر چکے ہیں۔"

باپ نے اخبار دیکھتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھر کر جواب دیا۔ "کوشش جاری رکھو بیٹا!" کبھی نہ کبھی تمہیں مکالموں والا کردار بھی مل ہی جائے گا۔

آسیہ شازیہ... رحیم یار خان

عذر لنگ

"آپ کے اس پیر میں جو درد ہے وہ دراصل ضعیف العمری کی وجہ سے ہے۔" ڈاکٹر نے بوڑھے مریض کو سمجھایا۔

"میں کس طرح مان لوں۔ دوسری ٹانگ کی عمر بھی وہی ہے مگر اس میں تو کوئی درد نہیں۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

سدرہ... کراچی

خوشی

استاد نے کہا "ہر بچے کا فرض ہے کہ وہ ہفتے میں کم از کم ایک شخص کو ضرور خوش کرے حماد! اس ہفتے تم نے کس کو خوش کیا؟"

"میں جمعہ کو صبح کو اپنی خالہ کے گھر گیا۔" حماد نے کہا۔ "شام کو گھر واپس آنے لگا تو خالہ نے کہا۔

"شکر ہے شام ہوگئی ہے تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ مجھے تمہارے جانے کی کتنی خوشی ہو رہی ہے۔"

فردوس فہیم... لاہور

آسامی

انٹرویو لینے والوں نے ایک صاحب سے پوچھا۔

"آپ کیا کام کرسکتے ہیں۔"

"کچھ بھی نہیں..." امیدوار نے جواب دیا۔

"تب تو ہم آپ سے معذرت چاہتے ہیں۔" انٹرویو لینے والوں نے کہا۔

"ہمارے ہاں افسران بالا کی کوئی آسامی خالی نہیں ہے۔"

سنبل خان... ملتان

اپائنمنٹ

پولٹری فارم کھولنے والے ایک صاحب نے ملازم کے لیے اشتہار دیا۔ آنے والے امیدوار کو منتخب کیا۔ تنخواہ طے کی اور آخر میں پوچھا۔

"مرغیوں سے بھی کچھ دلچسپی رہی ہے۔"

منتخب ہونے والے شخص نے جواب دیا۔

"صاحب غریب آدمیوں کو مرغیوں سے کیا دلچسپی؟ آپ جو کھلائیں گے ہنسی خوشی کھالوں گا۔"

صبا خان... بہاول پور

کرن کا دسترخوان

خالدہ جیلانی

ٹماٹو چکن

اجزاء :

مرغی کا گوشت	آدھا کلو
زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
کلونجی	آدھا چائے کا چمچہ
رائی	آدھا چائے کا چمچہ
لال مرچ	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن	دو چائے کے چمچے
ٹماٹر	چار عدد (چوکور کاٹ کر)
ٹماٹر کا پیسٹ	چھ کھانے کے چمچے
ڈالڈا کوکنگ آئل	آدھا کپ

ترکیب :

تیل گرم کرکے اس میں زیرہ' کلونجی اور رائی ڈال کر فرائی کرلیں۔ پھراس میں ادرک لہسن ڈال کر بھون لیں۔ اب اس میں مرغی ڈال کر بھون کر اس میں نمک' لال مرچ اور ٹماٹر ڈال کر ڈھک کر ہلکی آنچ میں گوشت کو گلالیں۔ آخر میں ٹماٹر کا پیسٹ ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ مزے دار ٹماٹو چکن تیار ہے۔

دال پالک کے کباب

اجزاء :

چنے کی دال	ایک کپ
مونگ کی دال	ایک کپ
پالک	ایک گٹھی (تقریباً" ایک کلو)
آلو	دو عدد (ابلے ہوئے)
انڈے	دو عدد
نمک و سرخ مرچ	حسب ذائقہ
ڈالڈا کوکنگ آئل تلنے کے لیے	

ترکیب :

چنے کی دال اور مونگ کی دال کو بھگودیں اور دونوں کو اس طرح ابالیں کہ کھڑی کھڑی رہیں۔ اب پالک کو دھو کر پتیلی میں ڈالیں۔ صرف تھوڑا گرم کریں اور دبا کر اس کا پانی نکال لیں۔ اس کے بعد پالک' مونگ اور چنے کی دال کو موٹا موٹا پیس لیں۔ اب آلو کو میش کرکے ان سب میں ملادیں اور اس میں نمک' سرخ مرچ ڈال

لیں۔ آخر میں انڈہ ملا کر ٹکیوں کو کوکنگ آئل لگاتے جائیں

انرجی سلاد
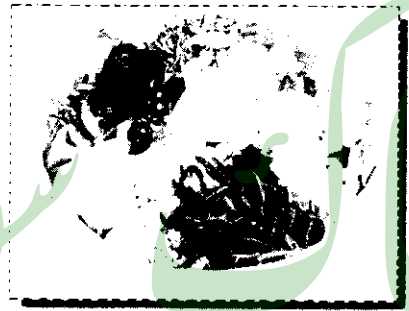
اجزا :

آلو	دو عدد
بند گوبھی (کتری ہوئی)	ایک پیالی
گاجر (باریک کتری ہوئی)	آدھی پیالی
شملہ مرچ (باریک کتری ہوئی)	آدھی پیالی
کھیرا	ایک عدد (کٹا ہوا)
ٹماٹر	دو عدد
(بیج نکال کر باریک کتر لیں)	
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک عدد درمیانے سائز کی
سلاد کے پتے	حسب ضرورت
پودینہ دھنیا (باریک کٹے ہوئے)	چند پتے
لیموں	چھ عدد (عرق نکال لیں)
سفید لوبیا	آدھی پیالی (ابلا ہوا)
مایونیز	آدھی پیالی
کریم	ایک چوتھائی پیالی
کنڈینسڈ ملک	دو چائے کے چمچے
اخروٹ	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ
ڈالڈا کوکنگ آئل	دو چائے کے چمچے

ترکیب :

آلوؤں کو ابال کر نرم کرلیں اور ان کا چھلکا اتار کر چوکور ٹکڑے کاٹ لیں۔ لیموں کا عرق' ڈالڈا کوکنگ آئل' نمک اور کالی مرچ کو ملا کر اچھی طرح یک جان کرلیں اور انہیں آلوؤں پر ڈال دیں۔ اب تمام سبزیاں اور سفید لوبیا آلوؤں میں ڈال دیں اور ہلکے ہاتھ سے مکس کرلیں۔ جب سبزیاں اچھی طرح مکس ہوجائیں تو یہ آمیزہ فریج میں رکھ دیں۔ مایونیز' کریم اور کنڈینسڈ ملک ملا کر یک جان کرلیں' اب ایک شیشے کا برتن لیں اور اس میں سلاد کے پتے اس طرح لگائیں جس طرح پلیٹ میں لگاتے ہیں مگر پتوں کے درمیان تھوڑا تھوڑا فاصلہ رکھیں تاکہ شیشے میں سلاد بھی نظر آئے۔ اب تمام آمیزہ برتن میں ڈال دیں اور چمچہ کی مدد سے برابر کرلیں۔ یک جان کیا ہوا کنڈینسڈ ملک' مایونیز اور کریم اوپر ڈال دیں اور پسی ہوئی کالی مرچ اوپر چھڑک دیں۔ سلاد کے پتے بھی باریک کاٹ کر اوپر ڈال لیں۔ اخروٹ کی گری کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے سلاد سجا دیں۔ مزے دار انرجی سیلڈ تیار ہے۔

بیف پزا اپیٹیزر

اجزاء :

میدہ	دو پیالی
بھنا ہوا قیمہ	ایک پیالی
چیڈر چیز	ایک پیالی
نمک	حسب ذائقہ
چینی	ایک چائے کا چمچہ
خشک خمیر	ایک چائے کا چمچہ
دودھ	چار کھانے کے چمچے
انڈا	ایک عدد

انڈے کی زردی	ایک عدد
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
اجوائن	آدھا چائے کا چمچہ
تھائم	آدھا چائے کا چمچہ
چلی گارلک ساس	چار کھانے کے چمچے
کوکنگ آئل	حسب ضرورت

میدے کو چھان کر رکھ لیں۔ دودھ میں چینی اور خمیر ڈال کر دس منٹ کے لیے گرم جگہ پر ڈھک کر رکھ دیں۔ میدے میں نمک، کالی مرچ، انڈا، خمیر کا مکسچر، آدھی پیالی کش کیا ہوا چیز اور چار کھانے کے چمچے آئل ڈال کر ملائیں اور تھوڑا تھوڑا پانی ڈالتے ہوئے نرم گوندھ لیں۔ ڈھک کر گرم جگہ پر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں، پھر بیل کر چھری یا کٹر کی مدد سے چوکور کاٹ لیں۔ کٹے ہوئے چوکور کے ایک طرف چلی گارلک ساس پھیلا کر لگائیں، پھر اس پر بھنا ہوا قیمہ اور کش کیا ہوا چیز ملا کر ڈالیں اور دوسری طرف سے اٹھاتے ہوئے اسے اچھی طرح دبا کر بند کر دیں۔ اسے چاہیں تو 200.c پر پندرہ منٹ پہلے گرم کیے ہوئے اوون میں بیس سے پچیس منٹ کے لیے یا سنہرا ہونے تک بیک کر لیں۔ بیک کرنے سے پہلے پیٹیز کو اوپر سے انڈے کی زردی سے برش کر لیں اور اگر چاہیں تو درمیانی آنچ پر کڑاہی میں آئل میں سنہری فرائی کر لیں۔ گرم گرم پیٹیز کو چلی گارلک ساس کے ساتھ پیش کریں۔ اس میں پانچ سے چھ عدد پیٹیز تیار ہو سکتے ہیں۔

ثابت مونگ کی دال کے لڈو

اجزاء:

ثابت مونگ کی دال	دو پیالی (دال پرانی نہ ہو)
چینی	ڈیڑھ پیالی (باریک پیس لیں)
ڈالڈا بناسپتی گھی	آدھی پیالی
الائچی	چار عدد دانے نکال لیں
بادام (چھلے اور کٹے ہوئے)	چھ سے آٹھ عدد
پستا	چار سے چھ عدد (چھلے اور کٹے)
کشمش	چھ سے سات عدد

ثابت مونگ کی دال صاف کر لیں۔ پھر کسی چھلنی میں ڈال کر جلدی سے دھولیں کہ وہ زیادہ بھیگ نہ جائے اور چھلنی ہی میں ڈال کر فوراً" دھوپ میں رکھ
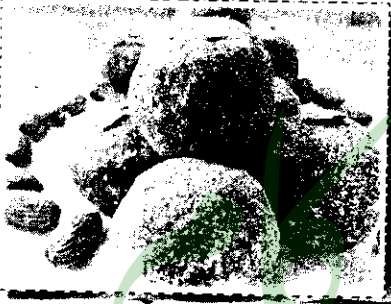
دیں۔ تقریباً" آدھے سے پونے گھنٹے میں دال دھوپ میں سوکھ جائے گی۔ خشک کڑاہی میں ثابت دال کو بغیر گھی کے بھون لیں۔ جب دال اتنی بھن جائے کہ دال سے خوشبو آنے لگے تو اسے کسی ٹرے میں ڈال کر ٹھنڈی کر لیں۔ اب دال کو پیس لیں۔ (گرینڈر یا ہاون دستہ میں) کڑاہی میں ڈالڈا بناسپتی گھی ڈال کر گرم کر لیں۔ اس میں الائچی کے دانے ڈال کر کڑکڑا لیں۔ اب دال ڈال کر بھونیں۔ جب دال بھوننے سے گلابی مائل ہو جائے تو میوہ اور چینی ڈال کر جلدی سے چمچہ چلائیں اور چولہے سے اتار لیں۔ (فوری طور پر ہاتھوں کو ہلکا پانی لگا کر جلدی جلدی لڈو بنالیں۔ (یہ لڈو بیسن کے لڈو کی طرح ہوں۔)

کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

واپسی

4 جنوری 1943ء کو ہمارا جہاز بمبئی کی بندرگاہ میں داخل ہوا۔ ٹرانزٹ کیمپ میں ٹھہرایا گیا۔ دوسرے روز لاہور پہنچے اور چوبیس گھنٹے وہاں ٹھہر کر چکوال اور پھر وہاں سے آگے اپنے گاؤں بالکسر گھر پہنچے تو چھوٹوں کو بڑا پایا اور بڑوں کو اور بڑا' لیکن گاؤں کی بڑی خبر یہ نہ تھی ہم نے انہیں کیسا پایا' بلکہ یہ کہ ہم خود کیسے پائے گئے۔ خبر مشہور ہو گئی کہ کیپٹن آگیا ہے۔ محمد خان آگیا ہے۔ کتنا دبلا پتلا تھا۔ اب دیکھو کیا جوان نکلا ہے۔ صاحب بن گیا ہے۔ سگرٹ بھی پیتا ہے' مسکوٹ میں کھانا کھاتا ہے۔ نوکری پہرہ بھی معاف ہے۔ گاؤں کے چھوٹے بڑے چلتے کام کو چھوڑ کر ملاقات کو آنے لگے۔ ہم نے پہلے دو دن میں کوئی ایک ہزار معانقے کیے ہوں گے اور بس اتنی ہی ہمارے گاؤں کی مردانہ آبادی تھی۔ چھاتی دکھنے لگی لیکن دل کو ایک عجیب سکھ حاصل ہوا۔ مہینے بھر میں صرف چند روز اپنے گھر کھانا کھایا اور وہ بھی والدہ کے اصرار پر کہ مجھے اپنے بیٹے کو جی بھر کر دیکھ لینے دو اور جب بہت دیر دیکھ چکیں تو وہی کہی جو صرف ماں ہی کہہ سکتی ہے۔

"بیٹا! اب ساری فوج میں تم ہی بڑے افسر ہو نا؟"

میں والدہ کو دیکھتا اور سوچتا کہ اگر اس پیکر محبت کا وجود نہ ہوتا تو کیا وطن واپسی کا یہی اشتیاق ہوتا؟

(کرنل محمد خان... بجنگ آمد)

ثنا شہزاد... کراچی

انسان کا میٹر

دراصل انسان کے اندر ایک میٹر لگا ہوتا ہے جو ہر وقت سگنل دیتا رہتا ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے۔ کس چیز کو اسے دنیا سے چھپانا ہے کس کو نہیں چھپانا ہے۔ جس تعلق کا ذکر آپ کھل کر زمانے کے سامنے نہ کر سکیں یا جس تعلق کو چھپانے کا سگنل دل دے۔ سمجھ لیں وہ غلط ہے۔

(آمنہ ریاض... ماہ تمام)

اقرا ممتاز... بھاگٹانوالہ... سرگودھا

دعوت

خدا خدا کر کے ویگن نے ڈیڑھ سے دو گھنٹوں کے دوران ہمیں مطلوبہ اسٹاپ پر لا پھینکا۔ آدھ گھنٹے کا سفر ڈیڑھ سے دو گھنٹوں میں طے ہونے کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ ویگن میں اگر کوئی مسافر سر کھجانے کے لیے ہاتھ اٹھاتا اور غلطی سے اس کا ہاتھ ویگن کی باڈی سے ٹکرا جاتا تو ویگن کو جہاں اور جیسے کی بنیاد پر روک لیتا اور جب تک کنڈیکٹر کسی راہ چلتے مسافر کو زبردستی ویگن میں گھسیٹ نہ لیتا۔ ڈرائیور ویگن آگے نہ بڑھاتا۔ اس کے علاوہ راستے میں ایک عدد چالان سارجنٹ کی مرضی سے اور ایک ایکسیڈنٹ رکشا ڈرائیور کی تیز رفتاری سے ہوا۔ کنڈیکٹر کی زبانی بے شمار طنزیہ کلمات ہمیں بلکہ تمام مسافروں کو مفت سننے کو ملے۔ ویگن میں بجنے والے غیر مہذب گانے اور بے ترتیب دھکے ان تمام باتوں کے علاوہ ہیں جو ہم نے سفر کا بونس سمجھتے ہوئے قبول کیے' تب کہیں ہم اپنے دوست کی دہلیز پر قدم رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ لیکن یہ کیا۔ ہمارے تمام دوست "ہماری آمد سے مایوس ہو کر کھانے سے علیک سلیک کر چکے تھے۔ برتن سمیٹے جا رہے تھے اور پلیٹوں میں پڑی چکن کی ہڈیاں ہمیں یوں منہ چڑا رہی تھیں جیسے کہہ رہی ہو کہ!"

جیسا کرے ویسا بھرے
کب تک کوئی بھوکا مرے

(گستاخیاں۔۔۔ محمد یعقوب غزنوی)
حافظ رملہ مشتاق۔۔۔ حاصل پور

دشمنان اسلام

دشمنان اسلام ہمیشہ اس بات سے خائف رہے کہ کہیں مسلمان اپنے دین پر فخر کرنا نہ سیکھ لے۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے انہوں نے ایسے خیالات فضا میں چھوڑ دیے جو دین اور وطن کی نفی کرتے ہیں۔ مثلاً "انہوں نے پرچار کرنا شروع کر دیا کہ مہذب آدمی وہ ہے جو تعصبات سے پاک ہو۔ جسے نہ دین کا لحاظ ہو' نہ وطن کا' جس کا نقطہ نظر خارجی ہو۔ ابجیکٹو ہو۔ جذبات سے آلودہ نہ ہو۔ سیکولر ہو۔ یعنی جو مذہب کا دیوانہ نہ ہو۔ وطن کا غلام نہ ہو۔

ڈاکٹر عفت سے ایک غیر ملکی کرنل نے پوچھا۔ "آپ کے مذہب میں سور کھانا کیوں حرام ہے؟"

ڈاکٹر عفت نے کہا۔ "یہ ایک حکم ہے۔ میرا کام حکم کی تعمیل کرنا ہے۔ کرنل صاحب حکم کی وجہ جاننا ضروری نہیں۔ اسے ماننا ضروری ہے۔"

کرنل ہنسا' بولا۔ "جس حکم کو آپ سمجھتی نہیں' اس پر عمل کرنے کا مقصد؟"

ڈاکٹر عفت ہنسیں' بولیں "حیرت ہے کرنل صاحب کہ آپ فوجی افسر ہوتے ہوئے حکم کے مفہوم سے واقف نہیں۔ کرنل کھسیانا ہو گیا۔

عفت بولیں۔ "کرنل صاحب! ہر کلب کے حصول ہوتے ہیں جن کی پابندی لازم ہوتی ہے۔ مذہب بھی ایک کلب ہے' یا تو آپ کلب کے ممبر بنیں یا نہ بنیں۔ یہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔ لیکن رکن بن جائیں تو پھر چوں و چرا کی گنجائش نہیں رہتی۔"

(ممتاز مفتی۔۔۔ رام دین)
فائزہ بھٹی۔۔۔ پتوکی

عمر

عورت اپنی عمر کے بارے میں اس وقت جھوٹ بولنا شروع کرتی ہے جب اس کا چہرا سچ بولنا شروع کر دے۔

(بانو قدسیہ۔۔۔ راہ رواں)
نشا نورین جاوید۔۔۔ رکھ بھروکی

بندر کی اولاد

ایک زمانہ تھا جب کسی کو بندر کی اولاد کہہ دیا جائے' تو وہ بہت برا مانتا تھا' ہاتھا پائی پہ اتر آتا تھا' لیکن جب سے حضرت ڈارون نے شجرا نکالا ہے' بہت سے لوگ اس کو لازمہ زندگی سمجھنے لگے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ بعض لوگوں کو اس شجرے کے صحیح ہونے میں شک ہے۔ اس کو ان کی ناخلفی کہنا صحیح نہ ہو گا۔ ان کے پاس بھی کوئی نہ کوئی دلیل اس کے خلاف ہو گی۔ لیکن بندر تو قریب قریب سب کے سب ڈارون کی اس تحقیق پر ناخوش اور ناراض ہوں گے' وہ انسان کو اپنی اولاد ماننے سے انکاری ہیں۔ حالانکہ اولاد نالائق بھی ہو تو آخر اولاد ہوتی ہے۔ بندر یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ ہماری اولاد سے ہوتے تو ان کی دم ہوتی۔ ان کو کیا معلوم صاحبان اقتدار کے سامنے ہلاتے ہلاتے گھس گئی ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ ہماری اولاد ہوتی تو ایسی چھچھوری حرکتیں کبھی نہ کرتے۔ بندروں میں استحصال اور نابرابری کہیں نہ ملے گا' جبکہ انسان کا شعور ہی بندر بانٹ ہے' آج کل کے علما بندروں کے ان تین حرکتوں آنکھ' کان اور زبان بند رکھنے کی یہ توجیہہ پیش کرتے ہیں۔ آنکھ بند کرنے کا مطلب یہ ہے اور ہمارے بھی جی کو لگتی ہے کہ یہ انسان کے کرتوت نہیں دیکھنا چاہتے' کان پر ہاتھ رکھنے کا مطلب کہ اس سے پناہ مانگتے ہیں۔ اس کے لاف گزاف کو پسند نہیں کرتے' منہ پر ہاتھ رکھنے کا مطلب ہے کہ۔۔۔ ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں۔

(ابن انشا۔۔۔ نگری نگری پھرا مسافر)
فوزیہ تمریٹ۔۔۔ گجرات

✡ ✡

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

سائرہ..... فیصل آباد

س : ذوالقرنین صاحب! کل رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت بھدی عورت بڑی بڑی آنکھیں، کھچڑی سے بال ہاتھ میں بیلن پکڑے آپ کے پیچھے پیچھے دوڑ رہی ہے۔ میں تو ڈر ہی گئی۔ ویسے سنا ہے صبح کے خواب حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں؟

ج : اپنی بھابی کے بارے میں تمہاری رائے بڑی غلط ہے۔

ثمینہ اشرف..... کوٹلہ

س : زندگی اتنی حسین دلفریب چیز ہے لیکن لوگ اس کی قدر نہیں کرتے۔ آخر کیوں؟

ج : یہ آپ سے کس نے کہہ دیا جسے زندگی کہتے ہیں اسی کی قدر کرتے ہیں۔

روبینہ ظفر..... کبیروالا

س : اگر راہ چلتے کوئی حسین سی دوشیزہ تمہارا دامن تھام کر بولے کہاں جاتے ہو رک جاؤ، تو تم کیا کرو گے؟

ج : پہلے تو دامن کی گرد جھاڑوں گا پھر بتاؤں گا کہ ملک عدم کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

روبینہ ظفر..... کبیروالا

س : پردیس میں محبوبہ زیادہ یاد آتی ہے یا گھروالی؟

ج : اگر محبوبہ ہی گھروالی ہو تو دونوں۔

بیلا عرفان..... کراچی

س : اگر چاند پر شترمرغ اور زمین پر گھوڑے رہنے لگیں تو نین.جی آپ کہاں رہنا پسند کریں گے؟

ج : کبھی چاند پر کبھی زمین پر۔

سحر اسلم راہی..... لطیف آباد

س : اگر زندگی ایک امتحان ہے تو جلدی سے اپنا رول نمبر بتایئے؟

ج : ہمیں اس امتحان کا ایڈمٹ کارڈ بھی نہیں ملا۔

سیدہ نرگس زار..... ڈیرہ غازی خان

س : بھیا "سبز باغ دکھانا" کو جملے میں استعمال کریں؟

ج : اگر باغ کا سبزہ کھانے کو جملے میں استعمال کرنے کا حکم دیں تو کچھ یوں لکھتے۔ آج باغ کا سارا سبزہ ہم نے ہضم کر لیا۔

زید علی عمران..... رحیم یار خان

س : پردیس جانے والے لوٹ کر کیوں نہیں آتے اور کیا انہیں بلانے کا کوئی طریقہ ہے؟

ج : بھئی ہم تو ہر دفعہ پردیس جا کر خود ہی لوٹ آتے ہیں۔

مدیرہ کرن

جویریہ افتخار.....سٹیلائٹ ٹاؤن سرگودھا

جاب کی اتنی بے پناہ مصروفیت میں ہمارے رسالے اگر نہ ہوں تو زندگی بالکل چاک کے پہیے کی طرح بس گھومتی رہے۔

سب سے پہلے تو اجازت دیں کہ میں ہر ماہ خط لکھ کر رائے دیا کروں.... آپ کاٹ پیٹ کرکے ہی سہی مگر میرا خط لگائیں گی ضرور.... دوسرے یہ کہ زیادہ سے زیادہ کس تاریخ تک ارسال کر سکتی ہوں۔

اب آتے ہیں رسالے کی جانب اس ماہ کا رسالہ اوور آل اچھا تھا۔ سب سے پہلے سلسلے وار کی بات ہو جائے تو جناب "من مورکھ" بہت اچھا جا رہا ہے۔ "راپنزل" میں تنزیلہ ریاض آہستہ آہستہ منزل کی جانب رواں ہیں۔ کہانی میں الجھاؤ تو خیر تھا ہی نہیں۔ تنزیلہ جی نے اس کہانی کو اپنے مخصوص صوفی رنگ اور گہری باتوں سے ذرا ہٹ کر لکھا ہے ان کا سادہ انداز اس کہانی کی خوب صورتی بنا رہا۔ مکمل ناول میں اگر مصباح بوں تو پھر کوئی اور جم نہیں پاتا.... مصباح علی کا "برگ و امید وفا" کیا زبردست تحریر تھی۔ ان کے جملے ان کے بیان کرنے کا انداز اتنا دل کو بھاتا ہے۔ سمجھنے میں قاری کو دقت نہیں ہوتی اور ان کی کامیابی کا راز بھی شاید سادہ انداز اور نیا موضوع ہے قاری کو جکڑ لیتی ہیں نمبرون رہا۔ ناولٹ میں سیما نگہت کا "نیل گر" جب سامنے آیا تو بس پھر کوئی دوسرا ناولٹ جم نہیں پایا جیسے جیسے پڑھتی گئی۔ سیما اپنے مخصوص انداز تحریر میں پھیلا کر سمیٹ گئیں۔ واہ واہ واہ..... بہت خوب کہا ہے کہ جب تک پہلا رنگ نہ اترے دوسرا رنگ چڑھ نہیں سکتا' جملہ دل لوٹ کے لے گیا.... منشا محسن کے ناولٹ میں بھی یہ کس جہاں کی وارڈن کا ذکر کیا ہے ذرا منشا ہمیں بھی بتائیں۔ میں نے بہت سے گرلز ہاسٹل دیکھے ہیں اور بہت سی وارڈن سے مل چکی ہوں۔ مگر آج تک اتنی جاہل اور بدحواس وارڈن نہیں دیکھی جو کنگھی بھی نہ کرے حلیے سے وہ کسی اسکول کے ہاسٹل کی وارڈن تو ہو سکتی ہے مگر یونی کی نہیں....

افسانوں میں ویسے تو خیر تینوں اچھے تھے۔ سائرہ رضا کا بہت اچھا لگا۔ مگر عنبرین ولی واہ بھئی واہ آپ چھا گئیں' ان کا افسانہ "یہ محبتیں" کمال لکھا' کتنی سادہ دل رومانہ کو کبیر نے کتنا بے وقوف بنایا۔ اپنے ہی گھر رنگ رلیاں' کام رومانہ کرے اور محبتیں زینب کے لیے' کتنا گھٹیا تھا کبیر.... رومانہ کا فیصلہ اچھا لگا اور اسی لیے یہ افسانہ سب سے اول نمبر لے گیا۔ شاباش عنبرین۔

ندا حسین کی شادی کا احوال بہت پسند آیا۔ شادی بہت مبارک ہو۔ سارہ رضا خان میری پسندیدہ گلوکارہ ہیں ان کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔

ج : پیاری بہن جویریہ! آپ ہر ماہ خط لکھ سکتی ہیں خط ملنے کی تاریخ 28 ہے۔ کرن کی کہانیوں پر اپنی رائے سے آگاہ کرنے کا بہت شکریہ۔ بیلا پر آپ کا تبصرہ سر آنکھوں پر لیکن یہاں ہم ایک بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ کہانیوں میں کسی بھی جگہ کی جو منظر نگاری کی جاتی ہے وہ کہانی کو دلچسپ بنانے کے لیے کی جاتی ہے۔ وارڈن کا کردار ایک مزاحیہ کردار ہے کہ جو پڑھنے والوں کو محظوظ کرنے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ یہ کردار اصل میں بھی موجود ہو۔ کہانی کو ہلکا پھلکا اور دلچسپ بنانے کے لیے بعض جگہ ایسے کردار ڈالے جاتے ہیں ورنہ کہانی بے رنگ اور بور ہو جائے۔

فوزیہ ثمروٹ' ہانیہ عمران' آمنہ رئیس' گجرات

کرن کا سالگرہ نمبر مارچ کی پندرہ کو ملا۔ بے ساختہ واہ نکلا ٹائٹل دیکھ کر شاباش دی بھئی۔ تھینکس جی سالگرہ کا اتنا اچھا ٹائٹل دینے کا۔ "حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبولؐ" دونوں دل و ذہن کو منور و معطر کرتی ہیں اداریہ کی باتیں متاثر کرتی ہیں۔ ہر ماہ یہ بھی آدھی ملاقات کروا دیتی ہیں آپ سے.... سرسری سا فہرست کو دیکھا تمام کے تمام

سلسلہ وار ناول موجودہ صد شکر......
سارہ رضا سے ملاقات اچھی لگی سروے کے جوابات اچھے لگے ہر ایک نے اپنی خوشیاں شیئر کی مزا آیا۔
سلسلے وار ناول میں سب سے پہلے "من مورکھ" کو پڑھا حوریہ بے چاری پر بہت ترس آتا ہے۔ خدا ہمیشہ اچھے لوگوں کی ہی آزمائش کرتا ہے۔
مکمل ناول "گل کہسار" ایک خوب صورت تحریر اپنے اچھے برے کرداروں کے ساتھ اختتام کو پہنچی۔ رائٹر نے اینڈ پہ بھی کنجوسی دکھائی ہے رومینس کی۔ توبہ ہے اب تو لوگ چاند پہ ڈیٹ پر جانے کی سوچ رہے ہیں اور ہماری رائٹرز ہمیں ترسا ترسا کر رومینس کی ڈیٹس دے رہی ہیں۔ ہماری ذاتی زندگیوں میں اس چیز کا فقدان ہے تو پلیز تحریروں میں تو نہ کنجوسی کریں۔
بہر حال جو مزاج یار ہووے۔ ہم نے تو ریکویسٹ ہی کرنی ہے۔ رد کر دیا ردی کی ٹوکری میں ڈالو۔
"رابنزل" اف تنزیلہ جی کیا کر ڈالا ہے آپ نے! ہم تو قیاس کے گھوڑے خاور اور نیناں کے گرد ہی دوڑاتے رہے۔ اور نیناں صاحبہ کو نین کاشف نثار سے کو نین سمیع ہو گئیں۔
اب پورا مہینہ بس یہ ہی الجھن رہنی ہے یہ سب ہوا کیسے۔
"برگ امید وفا" محبت کرنے والوں کی امیدوں پر پورا اتار اسٹارٹنگ خوب مزاح سے بھرپور رہی۔ خوب مزا آیا۔
منشا محسن علی کا "بیلا" اچھا ناولٹ تھا۔ یونی کی موج مستی اور بہاریں پڑھ کر مزا آرہا ہے۔ منشا جی سے کہنا تھا۔ گاؤں کی روٹین لائف زیادہ سے زیادہ لکھیں۔ گاؤں کی باتیں منظر کشی ہر چیز کو اس تحریر میں لکھیں۔
"تو ہے تو درخشاں ہے حیات" پوری کی پوری تحریر مزاح سے بھرپور تھی۔ ناولٹ "دنیل گر" سچے رشتوں میں گوندھی تحریر حاجرہ کو اپنے مجازی خدا سے عشق نے حقیقی خدا سے ملا دیا۔ اللہ سے لو لگا کر بندے کو کچھ ہوش نہیں رہتا کوئی چاہتا ہے یا کوئی رد کر رہا ہے اسے صرف رب کی لگن ہو جاتی ہے۔ افسانوں میں زیادہ اچھا مجھے "سالگرہ" لگا۔ کیا خوب تشریح کی ہے صدف ریحانہ نے ہنی مون منانے کی چھچھ سے ہنی کھلا کر کھڑکی سے مون دیکھ کر پورا ہنی مون کر لیا۔
"یہ محبتیں" بھی اچھا لگا۔ ہوتے ہیں معاشرے میں کچھ ایسے عناصر بھی جو اپنے نفس کے ہاتھوں اپنی عزتوں اور روائیتوں سے کھیل جاتے ہیں اور پھر پچھتاوے ان کا مقدر بن جاتے ہیں مرد تو ہر لحہ بھکانے والا پرندہ ہے اسے تو بس دانہ اور جال کی تلاش ہوتی ہے۔ اور زینب جیسی عورتیں ایسے مردوں کو یہ سامان مہیا کرتی ہیں خود بھی خوار ہوتی ہیں اور دوسرے کو بھی منزل سے دور کر دیتی ہیں۔
"خواتین کا عالمی دن" سب کے جوابات ملے جلے تھے اصل میں اللہ کی یہ دونوں مخلوق ظالم اور مظلوم بھی ہیں۔ کہیں مرد حاکم ہے تو عورت محکوم اور کہیں عورت جابر اور مرد مظلوم ہے۔ بیشتر تعداد عورت کی مظلوم ہے۔ آج کی عورت کتنی بھی خود مختار ہو جائے اسے مرد کے سہارے کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔ سلسلے سب اچھے لگے۔
"مسکراتی کرنیں" میں ہانیہ عمران کی پھوپھو ہر جگہ دکھائی دیں ہمیں تو "کرن کا دستر خوان" خوب صورت اور مزے دار کیک سے سجا نظر آیا۔ 24 مارچ کو ہانیہ عمران کی بھی سالگرہ ہے کہتی ہے پھوپھو میری سالگرہ کا کیک آپ بیک کریں ہاہاہا۔
ج : فوزیہ جی! آپ سے یہ کہنے کی تو ضرورت بالکل بھی نہیں ہے کہ حسب معمول آپ کا تبصرہ پڑھ کر بہت مزا آیا۔ رائٹرز کو آپ کے دلی جذبات اور مشورے پہنچا دیے گئے ہیں۔ ہمیں بہت خوشی ہوتی ہے جب ہانیہ عمران کی پھوپھو "نامے میرے نام" کی محفل اور دوسرے سلسلوں میں شریک ہوتی ہیں۔ اس کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں اور جس طرح آپ کہانیوں پر تبصرہ کرتی ہیں اور آگے ہونے والے واقعات کے بارے میں پیشن گوئی کرتی ہیں اس سے لگتا ہے کہ آپ کے اندر تخلیقی صلاحیت موجود ہے۔ ہماری طرف سے ہانیہ عمران کو سالگرہ کی بہت بہت مبارک باد اور یہ ضرور بتائیں کہ اب کے ہاتھوں کا بنا کیک کھا کر سب خیریت سے تو ہے نا؟

ثمینہ ناز...... گھارو

میں کرن کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے ورنہ ہاتھ میں رسالہ آتے ہی صاحب کا موڈ خراب ہونے لگتا تھا۔ شادی سے پہلے شوقیہ پڑھتی تھی کہ میری والدہ بھی ان رسالوں کی شوقین تھیں۔ اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے آمین۔ بعد میں جب ٹینشن یا پریشانی ہوتی تو ذہن بٹانے کے لیے اٹھالیتی تھی لیکن باتیں بہت سننی پڑتی

تھیں لیکن اب کرن میں "گل کہسار" جب سے اپنے
صاحب بہادر کو سنایا ہے تو مجھ سے زیادہ انہیں کرن کا انتظار
ہوتا ہے اب تو مجھے پتا ہی نہیں ہوتا اور رسالہ ہاتھ میں
آجاتا ہے کہ اسجد خان کی کہانی سناؤ۔ زندگی میں بہت کچھ
چھوٹا' نہ چھوٹا تو کرن کا ساتھ۔ "راپنزل" زبردست ناول
ہے "من مورکھ" کی بات آسیہ مرزا نام ہی کافی ہے حوریہ
پر اللہ ہی رحم فرمائے "نیل گر" "نگہت سیما" "برزخ" سائرہ
رضا زبردست اب تبصرہ ہو جائے "گل کہسار" کا جس کی
وجہ سے بن مانگے ہی رسالے ملنے لگے ہیں "گل کہسار" کا
تو بہت زبردست اختتام ہوا ہمارے صاحب بہادر کی پسندیدہ
کہانی ان کا کہنا ہے کہ اگر ایسے ہی اچھی کہانیاں مجھے سناتی
رہو گی تو آپ کے رسالے آپ کو وقت پر مل جایا کریں
گے۔

دواؤں کے سہارے زندگی گزر رہی ہے۔ لیکن شعاع
خواتین اور کرن اندھیرے میں روشنی بن کر راستہ دکھا
دیتے ہیں۔

ج: پیاری ثمینہ ناز! بہت شکریہ کرن کی پسندیدگی کا اور یہ
بہت خوشی کی بات ہے کہ اب آپ کے صاحب بہادر بغیر
کہے رسالے لا دیتے ہیں۔ آپ بہت باہمت خاتون ہیں
اللہ آپ کی زندگی میں مزید آسانیاں پیدا کرے۔

ماریہ طفیل..... تلمبہ

مارچ کا سالگرہ نمبر ملا دل بہت خوش ہوا ٹائٹل میں ماریہ
رضوی بہت خوب صورت تھی۔ "حمد و نعت" نے بہت
سرور دیا "خواتین کا عالمی دن" پڑھا اچھا لگا اور ندا حسنین کی
شادی کا احوال پڑھ کر بہت مزا آیا "من مورکھ کی بات نہ
مانو" اس میں وہ انٹرسٹ نہیں رہا جو حازم کے ہوتے ہوئے
ہوتا تھا۔ "راپنزل" میں نینا کی سمیع کے ساتھ شادی کر
دی پڑھ کر بالکل بھی مزا نہیں آیا "گل کہسار" بہت
زبردست ناول شروع سے ہی فرح بخاری نے ناول پر اپنی
گرفت اچھی رکھی۔ تھینک یو فرح جی ہمیشہ ایسے ہی ناول
لکھا کریں۔ باقی ناول بھی اچھے تھے ناولٹ "اک اک لمحہ
زندہ ہو" بہت زبردست تھا "بیلا" بھی اچھا لگ رہا ہے
شروعات تو اچھی' آگے آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے باقی تمام
افسانے بھی ٹھیک تھے اور تمام مستقل سلسلے بھی زبردست
تھے "نامے میرے نام" میں فوزیہ ثمریٹ کا تبصرہ اچھا تھا
بہت بے لاگ تبصرہ تھا۔ کرن کتاب بہت اچھی آرہی
ہے۔

ج: پیاری ماریہ! آپ تو ہماری مستقل قاری ہیں ہر ماہ
آپ کا تبصرہ کرنا اچھا لگتا ہے۔ آپ کو حازم کے جانے کے
بعد "من مورکھ کی بات نہ مانو" میں دلچسپی نہیں رہی۔ مگر
کہانی میں تو اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ جب ہی تو کہانی
آگے بڑھتی ہے۔

فضہ نور..... روہڑی

اس ماہ سالگرہ نمبر بہت زبردست رہا کرن کا ٹائٹل ہر ماہ
ہمارے لیے بہت اچھا سرپرائز ہوتا ہے۔ دلہن کے روپ
میں ماڈل گرل بہت پیاری لگ رہی ہے۔ مستقل سلسلے
اس بار بہت اچھے تھے۔

"نامے میرے نام" میں فائزہ جی کی آمد اچھی لگی آخر
اتنے ماہ کہاں غائب تھیں؟ خط میں فوزیہ ثمر آتی ہیں اور چھا
جاتی ہیں۔ ارم کمال کی بات سے اتفاق نہیں کرتی ارم آپ
کو ایسا کیوں لگا ماہین قصوروار ہے۔ حالانکہ اس کی امی کا
رویہ یا ہر پہلو پہ غور کیا جائے تو وہ بچپن سے ہی احساس
محرومی کا شکار تھی لیکن اس نے ہر بات پر صبر و شکر کے
ساتھ گزارہ کیا اور کسی کو ظاہر نہیں ہونے دیا اگر سارہ
زندگی کا ساتھی چننے کا حق رکھ سکتی ہے تو ماہین کیوں نہیں؟
حمد و نعت کو پڑھ کر دل کو سکون ملا۔

سارہ رضا سے ملاقات اچھی رہی "شادی مبارک ہو"
ندا حسنین کی شادی کا احوال جان کر اچھا لگا اللہ انہیں اپنے
گھر میں آباد اور خوش رکھیں۔ آمین۔

"یادیں ایک اور سال کی" مجھے اس میں شامل کرنے کا
بہت شکریہ تمام قارئین کے جوابات اچھے تھے لیکن ثمینہ
جی کے جوابات تھوڑے سے افسردہ کر گئے اللہ تعالیٰ ان
کے بیٹے کی مغفرت فرمائے آمین۔

افسانے تینوں ہی الگ موضوعات پر مبنی تھے اور بہت
اچھے لگے لیکن سائرہ رضا کا افسانہ ٹاپ لسٹ پر رہا
"برزخ" آخر مرد عورت کو اتنا کمتر اور حقیر کیوں سمجھتا ہے
اور اس کی تذلیل کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے بہت زبردست
سائرہ جی کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے ویل ڈن۔

مکمل ناول "گل کہسار" کا اینڈ فرح بخاری نے بہت
عمدہ کیا بخت کو اس کے کیے کی سزا مل گئی۔

"راپنزل" تنزیلہ ریاض کا ناول اختتام کی طرف گامزن
ہے اگلی قسط کا بہت بے چینی سے انتظار ہے نینا کی شادی

سمیع سے کیسے ہوگئی اور یہ خاور صاحب کا کیا بنا۔ تنزیلہ بی بہت اچھے طریقے سے ناول کو لے کر چل رہی ہے۔

معذرت کے ساتھ اس بار دونوں مکمل ناول تھوڑے ملتے جلتے لگے۔ "برگ امید وفا" مصباح علی کا ناول آج کل کے دور میں پیسے کی وجہ سے خونی رشتے اتنے اندھے ہوگئے۔ افق زکوان کا کردار بہت اچھا لگا۔ اس نے کس طرح نخبہ کو ڈھونڈا۔

"تو درخشاں ہے حیات" نام سے کہانی کافی فلسفیانہ لگی۔ دوست جوجی کا کردار پڑھ کر بہت مزا آیا۔ عاشر کی محنت اور جدوجہد رنگ لے ہی آئی ہے۔ جو لڑکیاں کچھ کرنا چاہتی ہے کچھ بننا چاہتی ہے۔ ان کے لیے یہ ایک سبق آموز کہانی ہے۔ دونوں رائٹرز کے ناول بہت اچھے تھے۔

ناولٹ نگہت سیما جی "دنیل گر" بہت اچھی اسٹوری۔ نگہت جی ایک بار پھر آئیں اور چھا گئیں ابھی تو "دست مسیحا" کا حصار باقی ہے۔

"اک اک لمحہ زندہ جو" شبانہ شوکت میں عکرمہ تو چھپا رستم نکلا ہم تو اسے مغرور اور انا پرست سمجھتے رہے فل اسٹوری بہت پسند آئی اینڈ میں شعر اچھا لگا۔

"بیلا" منشا محسن کا ناولٹ ابھی پڑھا نہیں اس پر تبصرہ محفوظ ہے۔

خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے سروے اچھا تھا۔ میرے خیال میں عورت آج بھی مظلوم ہے۔ کرن کتاب بہت اچھی لگی کپڑوں کے ڈیزائن بہت زبردست لگے۔

میں نے یہ پوچھنا تھا میں دو ماہ سے خط کے ساتھ شعر بھیج رہی ہو وہ شائع کیوں نہیں ہو رہے۔

ج: پیاری فضہ نور! آپ کا تبصرہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی آپ سب کی رائے کے پس منظر میں ہی ہم ہر ماہ کرن کو ترتیب دیتے ہیں۔ آپ کو دونوں ناولز کہانی کے لحاظ سے ایک جیسے لگے لیکن ہم یہاں یہ کہیں گے کہ معذرت کے ساتھ دونوں ناولز موضوعات کے اعتبار سے بالکل مختلف تھے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ آپ ایک بار پھر پڑھ کر دیکھیں۔
آپ کے اشعار ہمیں تاخیر سے ملنے کے باعث شائع نہ ہو سکے۔ اشعار معیاری ہونا بھی ضروری ہے۔

فرخندہ یامین ..... اسلام آباد

یہ میرا دوسرا خط ہے۔ جانے آپ شائع کریں گے بھی یا نہیں۔ مگر پھر بھی تبصرہ حاضر ہے۔ سرورق اچھا تھا۔ دلہن کا ڈریس اگر واضح ہوتا تو شاید اور اچھا لگتا۔ مکمل ناول مصباح علی کا بس سو سو تھا۔ ہاں قراۃ العین ہاشمی نے بہت اچھا لکھا۔ عاشر کے ابا میں اپنے ابا کی جھلک نظر آئی۔ ناولٹ میں شبانہ شوکت کا ہلکا پھلکا ناولٹ دل کو بھا گیا خاص طور پر اشعار بہت زبردست تھے عنبرین ولی کا افسانہ "یہ محبتیں" بھی زبردست تھا۔ عورت کو اتنا ہی مضبوط ہونا چاہیے۔ باقی صرف آپ سے اتنا کہنا ہے کہ میں نے بھی دو افسانے بھجوائے ہیں۔

ج: پیاری فرخندہ! آپ ہر ماہ ہمیں خط لکھ سکتی ہیں اور ہر ماہ آپ کا خط شائع ہو سکتا ہے اگر وقت پر مل جائے تو۔ جن بہنوں کے خطوط دیر سے ہم تک پہنچتے ہیں وہ شائع ہونے سے رہ جاتے ہیں مگر پڑھے ضرور جاتے ہیں۔
فرخندہ! آپ اپنی کہانیوں کے بارے میں فون کر کے معلوم کر سکتی ہیں۔

ثمر کاظمی ..... دوابن کلاں، ڈیرہ اسماعیل خان

15 مارچ خوب صورت ٹائٹل سے سجا کرن ہمارے ہاتھوں میں آیا معذرت کے ساتھ ٹائٹل پسند نہیں آیا۔ ندا حسنین کی شادی کا احوال جان کر بہت خوشی ہوئی۔ کرن والے کیا نئی قاری کو موقع نہیں دیتے کیونکہ میں نے پہلے بھی ایک خط لکھا مگر لگتا ہے ردی کا نصیب بنا مجھے تو اپنے بھائی کی بہت منت کرنی پڑتی ہے تب جا کر وہ خط پوسٹ کرواتا ہے ہماری طرف ڈائجسٹ پڑھنا معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن میرا بھائی ہر ماہ مجھے ڈائجسٹ لا کر دیتا ہے اور خود بھی پڑھتا ہے۔ کہانیوں میں سب سے پہلے "راپنزل" شروع کی اور حیرت زدہ رہ گئی نینا اور سمیع کی شادی اففف بے چاری خاور کا کیا ہوگا اب؟ زری مجھے بالکل نہیں پسند اب اگلی قسط کا مجھے شدت سے انتظار ہے۔ "من مورکھ میں" حوریہ اور بابر کی شادی مت کروا دینا آسیہ جی..... "گل کہسار" اس ماہ اختتام کو پہنچا ایک قسط کی کہانی کو بلاوجہ فرح نے لمبا لکھا۔ لیکن کہانی دلچسپ تھی اب بات ہو جائے "بیلا" کی منشا محسن علی کا نام تو نیا ہے لیکن اتنی زبردست کہانی باقی آئندہ دیکھ کر غصہ آیا بیلا کے عزائم اس کی کامیابی کی ضمانت ہیں بہت اچھا لکھا۔ مصباح علی بھی بہت اچھا لکھتی ہیں میں نے ایک ناولٹ بھجوایا تھا اس کے بارے میں بتائیں پلیز۔

ج: پیاری ثمر! آپ کا ایک طرف یہ کہنا کہ خوب

صورت ٹائٹل سے سجا کرن ملا اور دوسری طرف یہ کہنا کہ ٹائٹل پسند نہیں آیا۔ آپ کی بات سمجھ نہیں آئی۔ آپ کو کس نے کہا کرن میں نئی قاری کو موقع نہیں دیا جاتا پیاری بہن کرن میں بہت سی نئی قارئین کو شامل کیا گیا ہے۔ آپ جب بھی خط بھیجیں گی تو ضرور شامل کیا جائے گا مگر شرط ہے کہ ہم کو مل جانا چاہیے آپ کی کہانی قابل اشاعت ہونے کی صورت میں شائع کر دی جائے گی۔

ثناء شہزاد۔۔۔ کراچی

مارچ کا سالگرہ نمبر حسب روایت 12 تاریخ کو ملا۔ ماڈل بہت پیاری لگی ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے اداریہ اور حمد و نعت کو پڑھنے کا شرف بخشا۔ انٹرویو بعد پر چھوڑا اور ندا حسنین کی شادی کا احوال پڑھا۔ جو بہت خوب صورتی سے انہوں نے ہم تک پہنچایا اس کے بعد سروے میں پہنچے اور وہاں سب کے جوابات ثناء شہزاد سمیت پسند آئے۔ پھر ہم نے اپنے موسٹ فیورٹ ناول کی طرف دوڑ لگائی ہاں جی بالکل وہ ہے آسیہ مرزا کا "من مورکھ کی بات نہ مانو" جو بہت ہی زبردست جا رہا ہے۔ مجھے اس کہانی میں مومنہ کا کردار بہت پسند ہے مومنہ کا سمجھانے کا انداز اور باتیں بہت اچھی لگتی ہیں بابر نے حوریہ کو زچ کرنے کا ٹھیکا لے رکھا ہے۔ "راپنزل" میں تنزیلہ جی نے کونین کی شادی سمیع سے کر دی۔ اس شادی کے پیچھے کیا وجہ کار فرما ہے اس راز سے جلدی پردہ اٹھا دیجیے گا پلیز۔ افسانے اس بار تین تھے جو سب سے اچھا لگا وہ صدف ریحان کا "سالگرہ" تھا باقی دو افسانے بس ٹھیک لگے۔ "برزخ" حقیقت سے قریب تر تھا غلطی لڑکی لڑکے دونوں کی ہوتی ہے مگر سزا صرف کمزور کے حصے میں آتی ہے "یہ محبتیں" میں رومانہ کا فیصلہ پسند آیا۔

"اک اک لمحہ زندہ ہو" شبانہ شوکت کا ہلکا پھلکا ناولٹ بہت مزے کا لگا۔ "دنیل گر" نگہت سیما نے بہت اچھا لکھا۔ ہاجرہ نے جمال کی محبت میں عشق حقیقی تک کا سفر طے کر لیا وہ ایک انسان کی محبت میں گرفتار ہوئی مگر رب نے اسے اپنے قریب کر لیا "بیلا" پر تبصرہ محفوظ ہے اگلے ماہ کروں گی۔

"برگ امید وفا" مصباح علی نے بہت شاندار لکھا دس سال بعد محبت کا ملنا اچھا لگا "تو درخشاں ہے حیات" بھی اچھا لگا ہیروئن کا پولیس میں ہونا۔ واہ زبردست۔ اب آتے ہیں اس کہانی کی طرف جو پچھلے چار ماہ سے سب کی پسندیدہ بنی ہوئی تھی فرح بخاری کی "گل کہسار" ایک ساتھ پانچ اقساط پڑھیں اور اتنا مزا آیا کہ بیان نہیں کر سکتی اتنا اچھا ناول لکھنے پر 'فرح بخاری کو بہت بہت مبارک ہو۔ اس ناول کو کتاب شکل میں آنا چاہیے میں ضرور خریدوں گی۔ اسجد کا کردار بہت پسند آیا۔

خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے جو سروے کیا اس میں سب کے جواب تقریباً" ایک سے تھے کہ آج کی عورت کمزور نہیں ہے مگر میں کہتی ہوں کمزور تو نہیں مگر مجبور ضرور ہے۔ تمام مستقل سلسلے اے ون تھے سب کے انتخاب پسند آئے۔ جاتے جاتے میں کرن کے توسط سے رضوانہ آفتاب کو شادی کی مبارک باد دینا چاہوں گی 18 اپریل کو وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے جا رہی ہیں۔

ج : ثناء! آپ کی مبارک باد فرح بخاری تک پہنچائی جا رہی ہے اور رضوانہ آفتاب کو ہماری طرف سے بھی شادی کی بہت مبارک ہماری دعائیں اور نیک تمنائیں ان کے ساتھ ہیں۔

حافظ رملہ مشتاق۔۔۔ حاصل پور

مارچ کا کرن حسب معمول ملا۔ سب سے پہلے اداریہ پڑھا۔ حمد و نعت سے سکون حاصل کیا۔ پھر کیا جی سب کو فرح بخاری صاحبہ کے "گل کہسار" کا شدت سے انتظار تھا فرح جی آپ نے ناول کا ہماری سوچ کے عین مطابق اینڈ کیا۔ بھلا بخت کو کیا ملا؟ گل آویزہ کو گولی لگنے سے ہوش آنے تک اسجد کے ساتھ ساتھ ہماری بھی حالت ابتر تھی بٹ اینڈ پہ تو ہم ایسے کھلے جیسے "پھول" فرح صاحبہ نے تمام کرداروں کے ساتھ بھرپور انصاف کیا۔ آپ کے ناول کو میری کزنز، سسٹرز اینڈ فرینڈز نے بہت پسند کیا اور آپ کو ہم سب کی طرف سے بہت بہت مبارک! اللہ تعالیٰ آپ کے "قلم" کی تخلیق کو ترقی عطا فرمائے (آمین)

"راپنزل" تنزیلہ جی اتنا بڑا شاک نینا کی شادی سمیع سے ذرا بھی اچھا نہیں لگا اوپر سے "زری اور صوفیہ 'شہرین اور ایمن کے خلاف۔ چلیں جی جیسے آپ کو اچھا لگے۔ افسانہ ابھی صرف "برزخ" ہی پڑھا بہت ہی اچھا لگا۔ "یادیں ایک اور سال کی" "خواتین کا عالمی دن" میں سب کے جوابات پسند آئے۔ تبصرے بھی میں سب کے ہی پڑھتی ہوں۔ طاہرہ ملک نہیں آ رہیں کچھ ماہ سے کیا وجہ ہے طاہرہ؟ ایک ماہ سے میرے سر میں شدید درد ہے اس لیے

صرف یہی پڑھ سکی پتا نہیں خط بھی کس طرح لکھا ہے خیر جس طرح کا بھی لکھا شائع ضرور کیجیے گا۔

ج : پیاری رملہ! آپ نے طبیعت کی خرابی کے باوجود خط لکھا شکریہ۔ آپ کی مبارک باد فرح بخاری تک پہنچا دی جائے گی۔

نور فاطمہ عنور ہالہ...... سلانوالی

سب سے پہلے تو میری اور باقی تمام سہیلیوں کی جانب سے ہمارے کرن کو بہت بہت سالگرہ مبارک۔ کرن کا بہار دکھاتا ٹائٹل سب سے پہلے دل میں اپنی جگہ بنا گیا اور جب فہرست پر نگاہ گئی تو دل اندر تک سرور سے بھر گیا۔ میری دونوں بیسٹ رائٹرز سائرہ رضا اور مصباح علی تالیاں۔ واللہ میں نے وقت بھی نہیں دیکھا شام کو خرید کر لائی تھی اور فوراً ہی رسالہ کھول کر بیٹھ گئی اور سب سے پہلے سائرہ جی کا "برزخ" پڑھا اف خدایا کس قدر سچ لکھتی ہیں واقعی عورت ہمیشہ سے عالم برزخ میں ہے اور شاید ابد تک رہے۔ اس کے لیے جنت اور جہنم کا فیصلہ ہو ہی نہیں پاتا۔ ناکردہ گناہوں کا انبار سنبھالے پتھر کھاتی عورتیں۔ اور مرد ہمیشہ سے بری الذمہ۔ افسانوں پر تو مانو سب پر بازی لے گئیں سائرہ۔ دل میں ٹھاہ لگا پھر باری آئی مصباح علی کے "برگ امید و وفا" کی۔ اف اب تو یہ تعریف کی محتاج نہیں رہیں۔ کمال روانی اور ہر بار نئے انداز کی کہانی کہاں سے اتنے موضوع لے آتی ہیں آپ۔ سچ میں مصباح اور سائرہ رضا کی جو خوبی مجھے پسند ہے وہ ان کی روانی اور قلم پر گرفت ہے سالگرہ نمبر پر یہ دونوں کہانیاں ٹاپ پر رہیں۔ ناولٹ میں شبانہ شوکت کا بیسٹ رہا۔ مجھے ان کے افسانے بہت پسند ہیں اور یہ ناولٹ بہت پیارا لکھا۔ "من مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ جی آخر آپ کے ہیرو اتنا سگریٹ کیوں پیتے ہیں؟

ہائے خاور' نینا اور سمیع کا مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا۔ ایک طرف سمیع کی بیوی بیمار اور دوسری جانب نینا خیال رکھنے والوں کو ترستی ہوئی واہ کیا موڑ نکالا تنزیلہ جی نے۔ "راپنزل" کو بھی باہر نکلنے کا موقع مل گیا۔ باقی سارے سلسلے مزے دار تھے۔ سروے لطف دے گیا۔

ج : پیاری نور فاطمہ! سالگرہ نمبر پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔

اقراء ممتاز...... سرگودھا

آپ کہتی ہیں کہ آپی کہ تبصرہ ادھورا کیا لیکن کیا کریں اگر کرن ہی 18 تاریخ کو ملے تو تبصرے پورے کیسے کریں۔ اس دفعہ تو کرن ہی 17 تاریخ کی شام کو ملا۔ ٹائٹل گرل میں ماریہ رضوی پسند آئی اس دفعہ کرن پڑھتے ہوئے امی سے ڈانٹ بھی پڑی۔ لیکن کیا کریں تبصرہ بھی تو کرنا تھا ایک رات میں ایک ہی یا دو ہی کہانی پڑھی جا سکتی ہیں اس دفعہ تو سارا کرن ہی زبردست لگ رہا تھا۔

انٹرویو میں سارہ رضا خان سے ملاقات ففٹی ففٹی رہی سارہ رضا بہت ہی اچھی سنگر ہیں۔ سارہ رضا ہیں ہی اتنی پیاری۔ سروے میں سب کے جوابات سنے اور آگے بڑھے اپنے پسندیدہ مکمل ناول کی طرف "گل کہسار" فرح بخاری جی آپ کو میری طرف سے بہت بہت مبارک اتنا اچھا ناول لکھنے پر۔ کیا زبردست کہانی تھی۔ ہیپی اینڈ رہا۔ ہر کردار کے ساتھ بہت انصاف کیا۔ میری دعا ہے کہ خدا آپ کے قلم کو اور ترقی دے۔ (آمین)

"برگ امید وفا" مصباح علی کی جو بھی تحریر ہو مسکرانے پر ضرور مجبور کر دیتی ہے۔ مصباح علی کا نام ہی کافی ہے۔ رامیس کی حرکتیں اور سب گروپ کی نوک جھوک پسند آئی۔ افق زکوان اور نخبہ کا مل جانا ایک طرف سے نخبہ کے کچھ تو دکھ کم ہوئے اور افق کو اس کی محبت مل گئی۔ ناولٹ "اک اک لمحہ زندہ ہو" شبانہ شوکت کی تحریر بھی بڑی زبردست تھی۔ عکرمہ تو بڑی ڈیشنگ پرسنالٹی کا مالک تھا۔

"کرن کرن خوشبو" میں سات آسمان کے نام اور ان کے رنگ مسرت فاطمہ نے تھوڑی سی معلومات میں اضافہ کر دیا۔ "یادوں کے دریچے" سے ملیحہ زہرہ کی نظم پسند آئی۔ "کرن کا دستر خوان" میں آپ بغیر اون کے کیک کی ریسپی ضرور دیں کیونکہ ہر کسی کے پاس اون تو ہوتا نہیں۔

ج : اقراء جی آپ کا "نامے میرے نام" میں شامل ہونا ہی ہمارے لیے خوشی کا باعث بنتا ہے ہمیں اپنی سب قارئین کی تکلیف کا اندازہ ہے کہ وہ کتنی مشکل سے "کرن" حاصل کرتی ہیں اور جلدی جلدی پڑھ کر ہمیں خط ارسال کرتی ہیں۔ اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ آپ کی فرمائش نوٹ کر لی گئی ہے ان شاء اللہ جلد پورا کریں گے۔

✲ ✲